ثم ان علینا بیانہ

آسان بیان القرآن

جلد پنجم

از سورۂ احقاف تا ختم سورۃ الناس

تصنیفِ لطیف

حکیم الامتؒ مجدد الملتؒ حضرت مولانا **شاہ اشرف علی** تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار

حضرت مولانا **عقیدت اللہ قاسمی** (فاضل دار العلوم دیوبند)

نظر ثانی

حضرت مولانا مفتی **سعید احمد صاحب پالن پوری** دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

مفتی عبد الرؤف غزنوی

فاضل وسابق استاذ وخطیب دار العلوم دیوبند (انڈیا)

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی

0333-2114000

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

آسان بیان القرآن

جلد پنجم

از سورۂ احقاف تا ختم سورۃ الناس

تصنیفِ لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظرِ ثانی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

مفتی عبدالرؤف غزنوی

فاضل وسابق اُستاذ وخطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
اُستاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی
0333-2114000

نام کتاب .... آسان بیان القرآن جلد پنجم

مؤلف .... حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار .... حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظر ثانی .... حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش .... مفتی عبد الرؤف غزنوی
فاضل وسابق استاذ وخطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قانونی مُشیر .... خواجہ سیف الاسلام ایڈوکیٹ ہائی کورٹ سندھ

اشاعت اوّل پاکستان میں ١٤٤٠ھ- 2019ء

ناشر .... مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون 0333-2114000

پریس :hafizsaeedalam@gmail.com :+92-321-4283 199
Karachi, Pakistan.

دوکان نمبر 13، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 0333-2114000

فہرست مضامین

سورۂ احقاف

سورۂ محمد

سورۂ فتح

سورۃ الحجرات

سورۂ قٓ

سورۃ الذاریات

سورۃ الطّور

سورۃ النّجم

سورۃ القمر

سورۂ رحمٰن

سورۃ الواقعہ

سورۃ الحدید

سورۃ المجادلہ

سورۃ الحشر

سورۃ الممتحنہ

سورۃ الصّف

سورۃ الجمعہ

سورۃ المنافقون

سورۃ التغابن

سورۃ الطلاق

سورۃ التحریم

سورۃ الملک

سورۃ القلم

سورۃ الحاقہ

سورۃ المعارج

سورۃ النوح

سورۃ الجن

سورۃ المزمل

سورۃ المدثر

سورۃ القیامہ

سورۃ الدہر

سورۃ المرسلات

سورۃ النبا

سورۃ النازعات

سورۃ العبس

سورۃ التکویر

سورۃ الانفطار

سورۃ مطففین

سورۃ انشقاق

سورۃ البروج

سورۃ الطارق

سورۃ الاعلیٰ

سورۃ الغاشیہ

سورۃ الفجر

سورۃ البلد

سورۃ الشّمس

سورۃ اللیل

سورۃ الضحیٰ

سورۃ الم نشرح

سورۃ التین

سورة العلق

سورة القدر

سورة البینہ

سورة الزلزال

سورة العادیات

سورة القارعہ

سورة التکاثر

سورة العصر

سورة الہمزة

سورة الفیل

سورۃ القریش

سورۃ الماعون

سورۃ الکوثر

سورۃ الکافرون

سورۃ النصر

سورۃ اللہب

سورۃ الاخلاص

سورۃ الفلق

سورۃ الناس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر بیان القرآن: مکمل اور آسان

میں نے آسان بیان القرآن کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس تفسیر میں حضرت کے بارہ سال خرچ ہوئے ہیں، یہ بات غلط ہے، تفسیر کے ختم پر حضرت قدس سرہٗ نے بقلم خود لکھا ہے کہ یہ کام ڈھائی سال میں تکمیل پذیر ہوا، اور تصنیف را مصنف نکو کند بیان، عوام کے منہ میں تو لگام نہیں ہوتی۔

حضرت قدس سرہٗ نے پہلے صرف قرآنِ پاک کا ترجمہ کیا تھا، دو ترجمے اس سے پہلے شائع ہو چکے تھے، جو صحیح نہیں تھے، حضرت نے دونوں ترجموں کی اصلاح فرمائی، اور دو رسالے شائع فرمائے، پھر خیال آیا کہ یہ تو منفی پہلو سے کام ہوا، جب تک مثبت پہلو سے کام نہ کیا جائے یعنی امت کو نیا ترجمہ نہ دیا جائے، تو مرض کا پورا علاج نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ حضرت نے قرآنِ پاک کا ترجمہ کیا، جو بڑی خوبیوں کا حامل تھا، ترجمہ تحت اللفظ بھی تھا اور با محاورہ بھی، اور اردو کلاسیکل (ادبِ عالی) کا نمونہ تھی، شاید ہی کوئی مشکل لفظ استعمال فرمایا ہو، ایسا رواں اور سلیس ترجمہ بہت کم دیکھنے میں آیا، مولانا عبدالماجد دریا آبادی قدس سرہٗ نے تفسیر ماجدی میں اپنا ترجمہ نہیں کیا، بلکہ حضرت ہی کا ترجمہ لیا ہے، اور حضرت کے استاذ شیخ الہند قدس سرہٗ نے جب حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہٗ کے ترجمہ کی اصلاح کی تو اس کا ایک مقدمہ لکھا ہے، جو احوال و آثار (کاندھلہ) میں طبع ہوا ہے، اس میں استاذ نے شاگرد کے ترجمہ کی مدح کی ہے۔

پھر عرصہ بعد حضرت کو خیال آیا، کہ محض ترجمہ بہت زیادہ مفید نہیں ہے، اس کے ساتھ تفسیر بھی ہونی چاہئے، چنانچہ حضرت نے تفسیر بیان القرآن میں ترجمہ میں بین القوسین تفسیری عبارت بڑھائی، تا کہ قرآن فہمی میں آسانی ہو۔ اسی کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے معارف القرآن میں خلاصۂ تفسیر کے عنوان سے لیا ہے، یہاں تک تو بات بہت آسان تھی۔

پھر حضرت نے تفسیر کے بعد فوائد لکھے، اور کہیں کہیں تفسیر کے دوران بھی فائدے لکھے ہیں، اس کی عبارت علمی ہوتی ہے، فنی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں، جس کی وجہ سے علامہ کشمیری قدس سرہٗ جیسا ذی علم تو استفادہ کرسکتا ہے، عام قارئین کے بس کی بات نہیں۔ پھر سونے پہ سہاگہ کہ حضرت نے عربی حاشیہ بھی لکھا، شروع میں تو وہ مختصر تھا، پھر سورۃ المائدہ سے اس کا اہتمام شروع کیا اور تفسیر کا نام مکمل بیان القرآن رکھا، یہ حواشی اول تو عربی میں ہیں، جس کو اردو قارئین نہیں سمجھ

سکتے، ثانیاً اتنے مختصر ہیں کہ بعض جگہ اس کی مفصل شرح کی ضرورت ہے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب نے اشرف السوانح میں تفسیر بیان القرآن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت والا کی تفسیر ''بیان القرآن'' تو بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ اور آج کل عموماً حضرت والا ہی کا ترجمہ مترجم حمائلوں اور قرآنوں میں چھاپا جاتا ہے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا تبحر علمی مسلم ومشہور تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ بیان القرآن دیکھ کر مجھے اردو کتابوں کے پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا ورنہ میں سمجھتا تھا کہ اردو کی کتابوں میں علوم عالیہ کہاں، ایک اہل فضل کلام مجید کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں اور ان کے پیش نظر متقدمین ومتاخرین سب کی تفاسیر رہتی ہیں، وہ تفسیر بیان القرآن کی بار بار انتہا درجے کی تعریفیں لکھ لکھ کر بھیجا کرتے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں کہ جتنی اس سے مجھ کو مدد مل رہی ہے کسی تفسیر سے نہیں ملی۔

غرض حضرت والا کی تصانیف کی مقبولیت عامہ اور نافعیت تامہ مسلم ومشہور زمانہ ہے اور اگر کسی کو دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ اب دیکھ کر اس کی تصدیق کر لے، میں تو اس اشرف السوانح کو مرتب کرنے کے دوران میں اس کا بخوبی تجربہ کر چکا ہوں کہ اگر اتفاق سے بھی حضرت والا کی کوئی تحریر کسی قسم کی بھی نظر سے گذر گئی ہے تو اس میں حقائق ومعارف کے جواہرات انبار کے انبار بھرے ہوئے پائے ہیں، اور میں تو نہایت وثوق کے ساتھ بانگ دہل کہتا ہوں کہ غور وفہم وانصاف سے جو شخص بھی حضرت والا کی تصانیف کو مطالعہ میں لائے گا اس کو بھی ہر تصنیف میں بس یہی منظر نظر آئے گا اور وہ بھی میرا ہم نوا بن جائے گا بقول احقر:

جو غور سے خط شوق آنجناب دیکھیں گے ❁ تو لفظ لفظ میں مضمر کتاب دیکھیں گے

لیکن افسوس تو یہی ہے کہ لوگ یا تو مال ودولت کی ہوس میں یا عناد وحسد کی بلا میں یا اپنے علم وتبحر کے ناز میں یا اخبار بینی اور ناول بینی کے شوق میں ایسے مبتلا ہیں کہ انہیں ان بے بہا کتابوں کے دیکھنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ بقول شخصے:

افسوس قدر دان نہیں ہیں کمال کے ❁ کاغذ پر رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو تحصیل دین کا شوق عطا فرمائیں اور حضرت والا کی تصانیف سے مستفید ہونے کی کما حقہ توفیق بخشیں آمین ثم آمین۔

❁ ❁ ❁

مذکورہ بالا وجوہ سے ضروری ہوا، کہ تفسیری فوائد آسان زبان میں بیان کئے جائیں، اور عربی حواشی کو مکمل بیان القرآن میں رہنے دیا جائے، حضرت مولانا عقیدت اللہ صاحب قاسمی جو ضلع غازی آبادی میں ڈاسنہ کے باشندے ہیں، اور دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۷۷ء میں فارغ ہوئے ہیں، اس وقت میں دارالعلوم میں مدرس ہو کر آ گیا تھا، مگر نیچے کا استاذ

تھا، غالباً انھوں نے مجھ سے کچھ نہیں پڑھا، پھر ان کا پیشہ صحافت رہا، اس سے عوامی زبان لکھنے کی ان کو خوب مشق ہوگئی، وہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے علوم کے دلدادہ ہیں، انھوں نے کمر ہمت کسی اور بیان القرآن کے اس حصہ کی تسہیل کی پھر وہ پورا مسودہ میرے پاس لائے، جس کی تفصیل میں جلد اول کے شروع میں لکھ چکا ہوں۔

پہلے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ حضرت کی علمی زبان کو کوئی عوامی زبان میں ڈھال سکتا ہے، اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ پوری تسہیل کو اصل تفسیر سے ملا کر دیکھوں، کہ مکمل تفسیر کی تسہیل کی ہے، یا جو سمجھ میں نہیں آیا اسے چھوڑ دیا ہے، الحمد للہ! اصل سے ملانے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پوری تفسیر کی انھوں نے تسہیل کی ہے، حضرت مولانا اعجاز صاحب شیخو پورہ والے رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ شرح لکھنا کیا مشکل ہے، جہاں سمجھ میں نہیں آئے چھوڑ دیں گے، مولانا عقیدت اللہ صاحب نے ایسا نہیں کیا، البتہ وہ فنی اصطلاحات کا بھی ترجمہ کرتے ہیں، جس سے بات بگڑ جاتی ہے، میں نے ایسی جگہوں میں عبارت بدل دی ہے، اور اس علمی بحث کو آسان زبان میں لکھا ہے، اور ایک جگہ تو دو فائدے ایسے سخت آئے ہیں، کہ تسہیل کا حق ادا نہیں ہوا تھا، ایک فائدے کی تسہیل میں نے کی ہے، اور دوسرے فائدے کی تسہیل مفتی نعمان صاحب سیتاپوری سے کروائی ہے، بہر حال مجھ سے جو ہو سکا، میں نے اس سے درگذر نہیں کیا۔

آج اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور یہ پانچویں آخری جلد پریس میں جانے کے لئے تیار ہے، اس پر میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہوں، آخری دو جلدوں کو ایک بناتا تو ضخیم ہو جاتی، اس لئے دو جلدوں میں تقسیم کیا ہے، ہلکی رہنے میں کوئی حرج نہیں، امید ہے امت کو اس تسہیل سے بہت فائدہ پہنچے گا، واللہ الموفق۔

بیان القرآن کے امتیازات:

بیان القرآن میں بے شمار خوبیاں ہیں، سب کا احاطہ مشکل ہے، چند کا ذکر کرتا ہوں:

۱- حضرت قدس سرہٗ نے قرآنِ کریم کا پہلے جو ترجمہ کیا ہے وہ ادب عالی کا نمونہ ہے، تحت اللفظ بھی ہے اور با محاورہ بھی ہے، اور کہیں کہیں تو طبیعت پھڑک جاتی ہے۔ ترجمہ میں کمال کیا ہے جیسے سورۃ الضحیٰ میں ﴿ ضَآلًّا ﴾ کا ترجمہ 'بے خبر' کیا ہے اور سورۃ الفتح میں ﴿ اَشِدَّآءُ ﴾ کا ترجمہ 'تیز' کیا ہے اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، ہدایت القرآن میں جب کسی کلمہ کے ترجمہ میں میں الجھتا تھا تو حضرت ہی کے ترجمہ سے تشفی ہوتی تھی، تسہیل نگار نے تسہیل میں اصل ترجمہ نہیں لیا تھا، میں نے وہ ترجمہ بڑھایا ہے۔

۲- ترجمہ کے علاوہ جو مستقل فوائد حضرت نے لکھے ہیں یا ترجمہ کے درمیان میں جو فوائد لکھے ہیں ان کی زبان علمی ہے، تسہیل نگار نے اس کی تسہیل کردی ہے، لیکن بات عرش سے فرش پر لانا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے قائین کرام ذرا

مغز پچی کریں اگر ایک مرتبہ پڑھ کر بات سمجھ میں نہ آئے تو بار بار پڑھیں ان شاء اللہ بات سمجھ میں آجائے گی۔

۳- حضرت قدس سرۂ نے مکمل بیان القرآن میں جو حواشی لکھے ہیں وہ عربی میں ہیں، اور بہت مختصر لکھے ہیں اور ملحقات الترجمہ میں تو صرف اشارے کئے ہیں، اس لئے تسہیل نگار نے ان کو نہیں لیا جب تک ان کا ترجمہ اور شرح نہ کی جائے وہ قابو میں آنے والے نہیں۔ پھر وہ اہل علم کا نصیب ہیں، عوام کے سامنے ان کو لانے کا کوئی فائدہ نہیں، رہے اہل علم تو وہ مکمل بیان القرآن سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

۴- مکمل بیان القرآن مسلسل چھپتی رہتی ہے اور خوب بکتی ہے لوگ تبرکاً اس کو بساتے ہیں، لیکن جہاں تک استفادہ کا تعلق ہے وہ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے اب امید ہے کہ لوگ آسانی سے استفادہ کریں گے۔

۵- بیان القرآن کا ایک امتیاز سُوَر، آیات اور آیات کے اجزاء کے درمیان ارتباط ہے، ایک غلط خیال یہ ہے کہ قرآن ۲۳ سال میں حسب وقائع نازل ہوا ہے، اس لئے آیات میں کوئی ارتباط نہیں، کیف ما اتفق نازل ہوئی ہیں یہ بات صحیح تو ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ لوحِ محفوظ میں جو قرآنِ کریم ہے، اس میں بھی مناسبت نہ ہو۔

پس صحیح بات یہ ہے، کہ سورتوں میں اور آیاتِ پاک میں، اور آیات کے اجزاء میں حتی کہ فواصل میں بھی غایت درجہ ارتباط ہے، حضرت تھانوی قدس سرۂ نے پوری تفسیر میں ارتباط بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔

پھر ربط دو طرح کا ہوتا ہے، آمد اور آورد، سوچ کر ربط داخل کیا جائے تو وہ آورد ہے، اور آیات میں سے ربط ابھارا جائے تو وہ آمد ہے، بیان القرآن میں اکثر جگہ آیات ہی سے ربط نکالا گیا ہے، اس لئے قارئین کرام اس نقطۂ نظر سے بھی بیان القرآن پڑھیں۔

۶- بیان القرآن کا ایک امتیاز اس کے عناوین بھی ہیں، یہ سرخیاں فارسی میں تھیں، اس وقت فارسی زبان گویا مادری زبان تھی، مگر اب وہ اجنبی زبان بن گئی ہے، تسہیل نگار نے عناوین کو جو لمبے لمبے تھے، اردو میں ڈھالا ہے، عنوان سے معنون قابو میں آجاتا ہے، میں نے چاہا تھا کہ فوائد پر بھی عنوان لگاؤں، شروع میں میں نے اس پر عمل کیا، مگر آگے نباہ نہ سکا، اس لئے کہ آگے جملے دو جملوں میں مستقل مضمون تھا، اور وہ بھی کسی سوال مقدر کا جواب تھا، اس لئے میں نے آگے ذیلی عنوان نہیں لگائے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را ❁ تودانی حسابِ کم وبیش را

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

۱۳رذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵راگست ۲۰۱۹ء

(یوم التشریق)
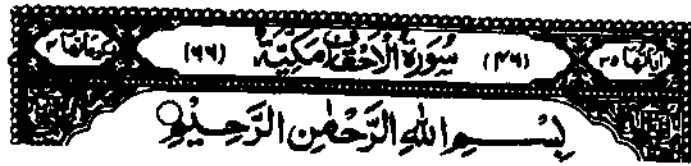
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کے آخر اور اس سورت کے شروع میں توحید اور آخرت کے ارتباط میں دونوں مشترک ہیں، مگر پہلے والی سورت میں آخرت کا بیان تفصیل کے ساتھ اور توحید کا مختصر انداز میں ہے اور بعد والی اس سورت میں اس کے برعکس ہے۔

﴿حٰمٓ ۝ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۝﴾

ترجمہ: ﴿حٰمٓ﴾ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

سورت کی تمہید:

﴿حٰمٓ﴾ (اس کے معنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں) یہ کتاب اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو زبردست حکمت والا ہے (لہٰذا اس کے مضمون غور و فکر کے لائق ہیں، آگے توحید اور آخرت کا بیان ہے)

﴿مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ۝ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوۡا لَهُمۡ اَعۡدَآءً وَّكَانُوۡا بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ۝﴾

ترجمہ: ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو اُن کے درمیان میں ہیں، حکمت کے ساتھ اور ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے، وہ اُس سے بے رُخی کرتے ہیں۔ آپ کہئے کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انھوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے؟ یا اُن کا

آسمانوں میں کچھ ساجھا ہے؟ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی اور مضمون منقول لاؤ، اگر تم سچے ہو۔ اور اُس شخص سے کون زیادہ گمراہ ہوگا جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اُس کا کہنا نہ کرے اور اُن کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔ اور جب سب آدمی جمع کیے جاویں تو وہ اُن کے دشمن ہو جاویں اور اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں۔

توحید کا مفصل اور آخرت کا مختصر بیان:

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ اور ایک متعین میعاد (تک) کے لئے پیدا کیا ہے (وہ حکمت توحید پر دلالت اور جزا و سزا ہے، جیسا کہ اس کا بیان بار بار گذر چکا ہے اور وہ میعاد (قیامت ہے) اور جو لوگ کافر ہیں، انہیں جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (جیسے یہ کہ توحید کے انکار پر تمہیں قیامت میں عذاب ہوگا) وہ اس سے منہ پھیرتے (اور بے توجہی کرتے) ہیں (اور توحید کو قبول نہیں کرتے) آپ (ان سے توحید کے بارے میں حجت ودلیل کے طور پر) کہئے کہ تم اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو، مجھے یہ دکھاؤ کہ (ان کے معبود ہونے کے مستحق ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اگر دلیل عقلی ہے تو) مجھے یہ دکھاؤ کہ انھوں نے کونسی زمین پیدا کی ہے؟ یا ان کا آسمانوں (کے پیدا کرنے میں کچھ حصہ ہے؟ (اور ظاہر ہے کہ تم بھی انہیں پیدا کرنے والا نہیں مانتے جو کہ معبود ہونے کے مستحق ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے، بلکہ خود تم بھی انہیں مخلوق ہی کہتے ہو جو کہ معبود ہونے کے مستحق ہونے کے خلاف ہے، لہٰذا عقلی دلیل تو منفی ہوئی بلکہ خود نفی پر عقلی دلیل قائم ہوگئی۔ اور اگر تمہارے پاس نقلی دلیل ہے تو) میرے پاس کوئی (ایسی صحیح) کتاب (لاؤ جس میں شرک کا حکم ہو۔ اور) جو اس (قرآن) سے پہلے کی ہو (کیونکہ قرآن میں شرک کی نفی تم بھی جانتے ہو، لہٰذا کسی اور ہی کتاب کی ضرورت ہوگی) یا (اگر کتاب نہ ہو تو) کوئی اور (اعتبار کے لائق) مضمون (جو زبانی) نقل کیا ہوا (ہوتا چلا آتا ہو اور کتاب مرتب نہ ہو) لاؤ، اگر تم (شرک کے دعوی میں) سچے ہو (مطلب یہ کہ نقلی دلیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس اصل سے وہ مضمون نقل کیا گیا ہو، اس کا تصدیق کے قابل ہونا ثابت ہو، اور اس تک متواتر یا متصل سند موجود ہو اور جس سے نقل کیا گیا ہو، وہ چاہے کسی نبی کی کتاب ہو یا ان کا زبانی قول ہو) اور (ظاہر ہے کہ ایسی کوئی دلیل کوئی بھی پیش نہیں کرسکتا، مگر اپنی باطل باتوں اور عملوں سے پھر بھی باز نہ آئے۔ ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو (دلیل سے عاجز ہونے کے باوجود اور اس کے خلاف دلیل قائم ہونے کے باوجود پھر بھی وہ) اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا پورا نہ کرے؟ (بتوں میں نہ سننے کی وجہ سے اور جانداروں میں مستقل طور پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور فرشتوں وغیرہ میں اللہ کی رضا و خوشی نہ ہونے کی وجہ سے) اور انہیں ان کے پکارنے (تک) کی بھی خبر نہ ہو (جمادات میں تو سننے کی قوت نہ ہونے کی وجہ سے اور

جانداروں میں اس معنی میں کہ جیسی خبر کا کافر لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ سننا لازم، ہمیشہ رہنے والا اور مفید ہے، وہ منفی ہے) اور (پھر) جب (قیامت میں) سب آدمی (حساب کے لئے) جمع کئے جائیں تو وہ (معبود) ان (عبادت کرنے والوں) کے دشمن ہو جائیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ اور ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴾ لہٰذا ایسے معبودوں کی عبادت کرنے سے بڑھ کر غلطی کیا ہو سکتی ہے کہ عبادت کا تقاضا کرنے والا امر ایک بھی نہیں اور عبادت نہ کرنے کے تقاضے کثرت سے یقینی طور پر موجود ہیں؟)

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کی نسبت جبکہ وہ ان تک پہنچتی ہے، یوں کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہوگا تو پھر تم لوگ مجھ کو خدا سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے۔ وہ خوب جانتا ہے تم قرآن میں جو جو باتیں بنا رہے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان میں وہ کافی گواہ ہے اور وہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور نہ تمہارے ساتھ۔ میں تو صرف اُسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے آتا ہے۔ اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو یہ بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن منجانب اللہ ہو اور تم اُس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے اور تم تکبر ہی میں رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

ربط: اوپر توحید اور آخرت کا اثبات تھا۔ اب نبوت کا مضمون ہے۔

اثباتِ رسالت:

اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں (جو کہ اپنے اعجاز یعنی معجزہ ہونے کی صفت سے رسالت کی دلیل ہیں) ان (رسالت کا

انکار کرنے والے) لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو یہ منکر لوگ اس سچی بات کے بارے میں جب کہ وہ ان کے پاس پہنچتی ہے یوں کہتے ہیں کہ یہ کھلا جادو ہے (حالانکہ جادو کے مقابلہ کا ممکن ہونا اور قرآن کے مقابلہ کا ناممکن ہونا اس قول کے باطل ہونے کی کھلی دلیل ہے جیسا کہ لفظ ﴿ بَيِّنٰتٍ ﴾ میں اس جواب کی طرف اشارہ بھی ہے اور اس سے بڑھ کر اور سنو) کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (یعنی آپ ﷺ نے، نعوذ باللہ) اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بنالیا ہے (اور اللہ کی طرف منسوب کردیا ہے اور جھوٹ گھڑنے کا جادو سے بڑھ کر ہونا اس سے ظاہر ہے کہ جادو کے برا ہونے پر سب کا اتفاق نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اس کو کمال، علم اور ہنر سمجھتے ہیں، اور جھوٹ کا اور خاص طور سے اللہ پر جھوٹا الزام لگانے کے برا ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

آگے اس قول کا جواب ہے:) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس کو میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہوگا (اور اللہ کے ذمہ لگادیا ہوگا) تو (اللہ تعالیٰ اپنی عادت کے مطابق کہ وہ اپنے بندوں کو مکر وفریب کے گمان کے موقع پر مکر وفریب سے پوری طرح بچاتا ہے مجھے نبوت کے جھوٹے دعوی پر جلدی ہی ہلاک کردے گا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴾) پھر (جب وہ مجھے ہلاک کرنے لگے گا تو) تم (یا اور) لوگ مجھے اللہ (کے عذاب وسزا) سے ذرا بھی نہیں بچاسکتے (مطلب یہ کہ نبوت کے جھوٹے دعوی پر عذاب وسزا کا واقع ہونا ایسا لازم ہے کہ کوئی میرا حامی ومددگار بھی اس کے خلاف بولنے پر قادر نہیں، مگر لازم موجود نہیں ہے تو ملزوم یعنی جس کے لئے لازم کیا گیا، اس کی بھی نفی ہوگئی، یعنی وہ بھی موجود نہیں ہے۔

اور ﴿ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ ﴾ میں کلمہ ﴿ اِنْ ﴾ سے زمانہ مستقبل کی تخصیص مقصود نہیں بلکہ مقدم وتالی میں مطلق اتصال بیان کرنا مقصود ہے چنانچہ آیت ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ ﴾ میں "لو" ماضی کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا یہ شبہ نہیں رہا کہ بولتے وقت تو لازم کی نفی کا حکم نہیں ہوسکتا اور اگر مستقبل ہی کے لئے لیا جائے تب بھی تھوڑے انتظار میں کوئی نقصان نہیں، کچھ مدت کے بعد لازم کی نفی سامنے آجائے گی۔

اور اگر اتنے دن تک عذاب وسزا نازل نہ ہونے سے لازم ہونے پر شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ دعوی کے حادث ہونے کو ملزوم نہ کہا جائے بلکہ دعوی پر باقی رہنے کو ملزوم کہا جائے۔

اور اگر باقی رہنے کی تحقیق کی مدت کے اعتبار سے مکر وفریب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ نبوت کے دعوی کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا مکر وفریب کو دور کرنے کے لئے کافی ہے اور جھوٹ ہونے اور معجزہ کے ظاہر نہ ہونے کی صورت میں بھی عذاب وسزا کا ہونا اس مکر وفریب کے دور ہونے کی تاکید کے لئے ہے، لہٰذا دور کرنے کی تاکید کے نہ ہونے سے دور نہ ہونا جو کہ منع کا سبب ہے لازم نہیں آیا اور بیان کے شروع میں "پوری طرح بچاتے" سے یہی تاکید مراد ہے۔

یہ سارا بیان تو جھوٹ گھڑنے کی بنیاد پر تھا، آگے جھوٹ نہ ہونے کی بنیاد کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر میں جھوٹ گھڑنے والا نہ ہوا تو یہ سمجھ رکھو کہ) وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں تم بنا رہے ہو (لہٰذا تمہیں سزا ہوگی۔ غرض یہ کہ) میرے اور تمہارے درمیان میں (مذکورہ طریقہ سے فیصلہ کرنے کے لئے) وہ (سچے کے سچ اور جھوٹے کے جھوٹ کا) کافی گواہ (یعنی اس کو جاننے والا) ہے (چنانچہ اگر میں جھوٹا ہوں گا تو مجھے جلدی ہی عذاب وسزا دے گا اور اگر تم جھوٹے ہوگے تو تمہیں جلدی یا دیر سے عذاب وسزا دے گا۔

اور یہ نہ سمجھا جائے کہ نبوت کے مسئلہ کے اثبات کی بنیاد یہی مضمون ہے، بلکہ اصل بنیاد تو معجزہ کا اظہار ہے، جو کہ اس بیان سے پہلے ہو چکا تھا یہ تو صرف ان کی ہٹ دھرمی کے آخری جواب کے طور پر ہے) اور (اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب ﴿ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ﴾ یعنی "وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں تم قرآن کے بارے میں بنا رہے ہو" فرمایا ہے اور پھر بھی ہم پر عذاب نہیں آیا تو جیسے نبوت کا دعویٰ کرنے والے پر عذاب نہ آنا اس کے سچا ہونے کی دلیل ہے، اسی طرح ہم منکروں پر عذاب نہ آنا ہمارے سچے ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے اور حاصل اس شبہ کا معارضہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ) وہ بڑی مغفرت والا ہے (اس لئے معافی کی بعض قسمیں یعنی دنیا میں عذاب نازل نہ ہونا کافروں کے لئے بھی واقع کر دیتا ہے اور) بڑی رحمت والا ہے (اس لئے رحمت کی بعض قسمیں بھی جس کو عام رحمت کہتے ہیں، کافروں کے لئے واقع کر دیتا ہے، لہٰذا انکار پر دنیا میں عذاب نہ ہونا ان کے سچے ہونے کی دلیل نہیں ہے اور ایسا احتمال نبوت کا دعویٰ کرنے والے میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہاں جھوٹے دعوے اور عذاب کے نازل ہونے کا لازم ہونا عادت کے طور پر ثابت ہے، اور یہاں حق کے انکار اور عذاب کے نازل ہونے کا لازم ہونا ثابت نہیں ہے، لہٰذا وہاں عذاب نہ ہونے کے لئے نفی کو لازم کہا جائے گا۔ اور یہاں عذاب نہ ہونے کے لئے نفی کو لازم نہیں کہیں گے۔

اور وہاں لازم ہونے کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق اور باطل کی آخری تحقیق کا مرجع نبوت ہے اور فکر ونظر کا آخری مرجع بدیہی ہونا چاہئے اور مقصود کی شان جس قدر اہم ہو اسی قدر اس کی وضاحت زیادہ ہونی چاہئے اور واضح ہونے کے دھوکہ وفریب کا وہم یا واضح ہونے کا روشن ہونا غائب تھا اس لئے نبوت میں دھوکہ وفریب کا وہم بھی گوارا نہیں کیا گیا۔ مقابلہ کے مادہ کے برخلاف کہ نبوت سے دھوکہ وفریب کے دور ہونے کے بعد پھر اس میں دھوکہ وفریب کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ دو ضدوں میں سے ایک یعنی سچ کا ہونا خود دوسری ضد یعنی جھوٹ کو لازم کرتا ہے، اور جب سچ میں کوئی دھوکا وفریب نہیں ہوگا تو جھوٹ میں بھی دھوکا وفریب نہیں ہوگا، اس لئے وہاں حق کے انکار اور عذاب کے نازل ہونے میں لازم ہونا نہیں ہوا، بلکہ اکثر قیاس کے خلاف عذاب نہ ہونا تجویز کیا گیا۔

آگے مذکورہ دلیل کے ساتھ نبوت کے اثبات کی تاکید ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں

(کہ تمہارے لئے تعجب کا سبب ہو، اگر چہ انوکھا ہونا بھی اپنے آپ میں رسالت کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ جو سب سے پہلے نبی تھے وہ انوکھے ہونے کے باوجود بھی نبی تھے، مگر انوکھا ہونا تعجب کا سبب ہوسکتا ہے، چاہے وہ تعجب زائل کر دیا جائے، لیکن یہاں تو تعجب بھی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں جن کی خبر تواتر کے ساتھ تم نے بھی سنی ہے) اور (اسی طرح میں کسی اور عجیب بات کا بھی دعوی نہیں کرتا، جیسے علم غیب ہے۔ چنانچہ میں خود کہتا ہوں کہ مجھے غیب کی باتوں میں سے وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات کے سوا اور کسی بات کی خبر نہیں، یہاں تک کہ) میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا (لہٰذا جب اپنے اور تمہارے آئندہ کے احوال کے علم کا میں ان احوال سے شدت کے ساتھ تعلق ہونے کے باوجود دعوی نہیں کرتا تو دور کی غیب کی باتوں کے بارے میں تو میں کیا دعوی کرتا، لہٰذا اس بارے میں بھی کسی عجیب امر کا دعوی نہیں کرتا، اور یہ بات اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ﴾ الخ اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ اللہ کے فضل سے ذہن میں ڈالی ہوئی بات ہے، البتہ جن احوال وامور کا وحی کے ذریعہ علم ہوگیا ہے، چاہے وہ اپنے متعلق ہوں یا غیر کے متعلق ہوں اور چاہے دنیاوی احوال ہوں یا آخرت کے احوال ہوں ان کا علم بے شک کامل ہے، چنانچہ آگے ارشاد ہے کہ) میں تو (علم وعمل میں) تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے آتا ہے اور (اسی کی تبلیغ بھی کرتا ہوں اور اگر تم اس کو نہیں مانتے تو میرا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ) میں تو صاف ڈرانے والا ہوں (جس کو میں دلیلیں قائم کر کے اور شبہات کے جواب دے کر ثابت کر چکا ہوں۔

اور اوپر جو جھوٹ نہ گھڑنے کی بنیاد پر مختصر انداز میں بیان تھا ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ﴾ الخ آگے اس کی تفصیل کے لئے ارشاد ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی جانب سے ہو (جیسا کہ جھوٹ نہ گھڑنے کی صورت میں لازم ہے) اور (پھر) تم اس کے منکر ہو اور (کسی دلیل کے ذریعہ اللہ کی جانب جھوٹ گھڑنے کی ترجیح اور تعیین بھی ہو جائے، مثال کے طور پر اسی دلیل سے کہ) بنی اسرائیل (کے عالموں) میں سے کوئی (اعتبار کے قابل) گواہ (جو تسلیم کرنے لائق، علم اور دین داری کے لحاظ سے معتبر ہو اور وہ اکیلا ہو یا کئی، ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں) اس جیسی کتاب (یعنی قرآن کے اللہ کی جانب سے ہونے) پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم (بے علم ہونے کے باوجود اس کتاب پر ایمان لانے سے) تکبر ہی میں رہو (تو اس صورت میں تم سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا؟ اور بے انصافی کرنے والوں کی یہ حالت ہے کہ) بے شک اللہ تعالیٰ ناانصافی کرنے والے لوگوں کو (ان کے عناد کے سبب) ہدایت نہیں کیا کرتا (بلکہ وہ ہمیشہ گمراہی میں رہتے ہیں، اور گمراہی کا انجام جہنم ہے)

فائدہ: ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ﴾ الخ کا ارشاد ایسا ہی ہے جیسے سورۃ الشعراء آیت ۱۹۷ میں ارشاد ہوا ہے ﴿اَوَلَمْ یَكُنْ

لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ جس کی تفسیر وہاں دیکھ لی جائے اور مقصود اس شہادت میں نبوت کے احتمال کی ترجیح کو حصر کرنا نہیں ہے، اس لئے احقر نے لفظ "مثال کے طور پر" لکھ دیا ہے اور لفظ ﴿ شَاهِدٌ ﴾ کی تنوین میں جنس اور تفخیم یعنی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے اس میں بنی اسرائیل کے تمام معتبر مؤمن علماء شامل ہیں، چاہے وہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ایمان لائے ہوں یا اس کے بعد۔ اور ان علماء میں عبداللہ بن سلام بھی داخل ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا اس معنی میں ہے کہ اس آیت کے حکم میں جو لوگ شامل ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہیں۔ چنانچہ درمنثور میں سعید بن جبیر کے قول سے یہود علماء کے رئیس و سردار میمون بن یامین کے بارے میں اس آیت کے نازل ہونے کی روایت ہے۔ اس کی وجہ سے اس آیت کے کسی خاص شخص کے بارے میں نازل نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ اب چاہے یہ آیت عبداللہ بن سلام کے اسلام قبول کرنے کے بعد آئی ہو جیسا کہ بعض مفسروں نے اس کو مدنی کہا ہے اور چاہے ان کے اسلام سے پہلے نازل ہوئی ہو جیسا کہ بعض نے پوری سورت کی طرح اس آیت کو بھی مکی کہا ہے اور لفظ ﴿ مِثْلِهٖ ﴾ یعنی اس جیسے کو قرآن میں مثل القرآن یعنی قرآن جیسا تعبیر کرنے میں مبالغہ کے علاوہ یہ نکتہ ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے عالموں کو گذشتہ کتابوں سے قرآن کا علم جو کہ ایمان لانے کا سبب ہوا اجمال یعنی مختصر انداز کے درجہ میں تھا، اور قرآن تفصیل کے ساتھ نازل ہوا ہے اور مختصر اور تفصیل میں ایک لحاظ سے اتحاد اور ایک لحاظ سے تبائن ہونا پایا جاتا ہے، اس لئے اس کو مثل سے تعبیر کرنا نہایت حسین و بلیغ امر ہے، اور ﴿ كَفَرْتُمْ، وَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ میں تکرار نہیں، کیونکہ ﴿ كَفَرْتُمْ ﴾ کا گواہی سے پہلے واقع ہونا مقصود ہے اور ﴿ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ کا گواہی کے بعد واقع ہونا مقصود ہے اور ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ﴾ اپنی تفصیل ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ ﴾ الخ سمیت ایک شق ہے اور دوسری شق ﴿ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ ﴾ ہے۔

موقع ومحل کا حاصل یہ ہوا کہ تم جو گھڑنے والا کہتے ہو تو یہ بات دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو میں اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنے والا ہوں یا جھوٹ گھڑنے والا نہیں ہوں۔ پہلی بات تو نہیں ہے، کیونکہ اس کے لئے جلدی ہی ہلاک ہونا لازم ہے، اور یہ بات یہاں نہیں ہے اور دوسری بات یعنی میرا اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنے والا نہ ہونا واقعہ ہے، لہٰذا تمہیں اپنی فکر کرنی چاہئے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اُس کی طرف ہم سے سبقت نہ کرتے اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی۔ اور یہ ایک کتاب ہے جو اُس کو سچا کرتی ہے عربی زبان میں ظالموں کے ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو بشارت دینے کے لئے۔

ربط: اوپر نبوت کی تحقیق میں جن مضمونوں کا ذکر تھا۔ اب ان میں سے بعض تفصیلی مضمونوں کو مختصر انداز میں اور بعض مختصر مضمونوں کو تفصیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے جس سے گذشتہ مضمونوں کی تاکید ظاہر ہوگئی۔

عنوان بدل کر اوپر والے مضمونوں کا اعادہ اور تاکید:

اور یہ کافر لوگ ایمان والوں (کے ایمان لانے) کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن (جس پر یہ لوگ ایمان لائے ہیں) کوئی اچھی چیز ہوتا تو اس کی طرف ہم سے پہلے یہ (کم درجہ کے) لوگ نہ بڑھتے (یعنی ہم لوگ بڑے عقل مند ہیں اور یہ لوگ کم عقل ہیں۔ اور حق بات کو عقل مند آدمی پہلے قبول کرتا ہے تو اگر یہ حق ہوتا تو ہم پہلے مانتے، جب ہم نے نہیں مانا تو مطلب یہ ہے کہ یہ حق نہیں ہے، یہ لوگ بے عقلی کی وجہ سے ادھر دوڑنے لگے ہیں اور ان کا یہ کہنا انتہائی تکبر پر دلالت کرتا ہے جو کہ ﴿ اِسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ میں کہا گیا تھا۔ حالانکہ اگر عقل سے روزی روزگار والی عقل مراد لی جائے تو یہ کہنا ''حق بات کو عقل مند لوگ پہلے قبول کرتے ہیں'' بالکل غلط ہے، اور اگر عقل سے آخرت کو سمجھنے والی عقل مراد لی جائے تو پہلی بات کہ ''یہ لوگ ہم سے آگے نہ بڑھتے'' غلط ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اگر حق ہوتا الخ فاسد پر فاسد کی بنیاد (رکھنا ہے) اور جب (انتہائی تکبر اور عناد کی وجہ سے) ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو (اس قاعدہ الناس أعداء ماجھلوا یعنی لوگ جس چیز کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں، کے مطابق یہی کہیں گے کہ یہ (بھی)[1] پرانے (جھوٹے مضمونوں کی طرح ایک) جھوٹ ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ اس سے ان کے اوپر والے اس قول ﴿ افْتَرٰىهُ ﴾ یعنی ''اس نے اس کو گھڑ لیا ہے'' کی بنیاد پر یہ دلالت ہوگئی کہ یہ عناد اور تعصب ہے جیسا کہ اوپر اس قول کا رد اور جواب تھا) اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب (نازل ہو چکی) ہے جو (موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے عام طور سے) رہنما (تھی) اور (ایمان والوں کے لئے خاص طور پر) رحمت تھی (اس سے اوپر کے دو مضمونوں کی تقویت ہوگئی، ایک تو اس کی کہ ﴿ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ یعنی ''میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں'' اور دوسرے ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ ﴾ کی تقویت ہوئی، کیونکہ مذکورہ شبہات توریت کی بنیاد پر تھے، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ اس گواہ کا قول کسی

(۱) اور یہاں لفظ مثل اس لئے بڑھایا کہ کفار جو قرآن کو ﴿ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴾ کہتے تھے، ظاہر ہے کہ خود ان کے نزدیک بھی یہ قدیم نہ تھا بلکہ قدیم کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود تھا۔

بھی حیثیت سے ہو، حجت نہیں ہے کہ ایسے شخص کے قول سے نبوت کا اثبات ہونے کا شبہ کیا جائے جس کو نبوت حاصل نہیں ہے اور کہا جائے کہ جو نبی کو نہ مانے گا وہ غیر نبی کو کیوں مانے گا بلکہ اس کا قول اس حیثیت سے حجت ہے کہ وہ توریت سے نقل کیا گیا ہے، لہٰذا اصل میں یہ توریت سے حجت ہے اور توریت کی حقیقت پہلے سے ثابت ہے، لہٰذا اس سے دلیل وثبوت بنانے میں کوئی اشکال نہیں رہا۔

اور جس طرح توریت میں اس کی پیشین گوئی ہے) یہ (اسی طرح کی) ایک کتاب ہے جو اس (کی پیشین گوئی) کو سچا کرتی ہے (اور) عربی زبان میں (ہے) ظالموں کو ڈرانے کے لئے اور نیک لوگوں کو خوش خبری دینے کے لئے (نازل ہوئی ہے اس سے ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴾ کی وضاحت ہوگئی، کیونکہ اس سے اشارہ کے طور پر وعید سمجھ میں آتی ہے، اس میں وعید کی تصریح ہوگئی)

﴿ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنسٰنَ بِوٰلِدَيْهِ إِحْسٰنًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُونَ شَهْرًا ۚ حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وٰلِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صٰلِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِيٓ ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّـَٔاتِهِمْ فِيٓ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ وَالَّذِي قَالَ لِوٰلِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ مِن قَبْلِي ۖ وَهُمَا يَسْتَغِيثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هٰذَآ إِلَّآ أَسٰطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمٰلَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ۝ ﴾

ع ۲

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر مستقیم رہے سو اُن لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض ان کاموں کے جو کہ وہ کرتے تھے۔ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں

باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔ اُس کی ماں نے اُس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اُس کو جنا۔ اور اُس کو پیٹ میں رکھنا اور اُس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ ہے یہاں تک کہ جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی اُن نعمتوں کا ذکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے۔ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم اُن کے نیک کاموں کو قبول کرلیں گے۔ اور اُن کے گناہوں سے درگزر کردیں گے اس طور پر کہ یہ اہل جنت میں سے ہونگے اس وعدۂ صادقہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اور جس نے ماں باپ سے کہا تف ہے تم پر، کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤنگا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کررہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو یہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہوکر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہوگزرے ہیں، بیشک یہ خسارہ میں رہے۔ اور ہر ایک کے لئے اُن کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے اور تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو اُن کے اعمال پورے کردے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جاویں گے: تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کرچکے اور ان کو خوب برت چکے، سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر ظالموں کے حق میں وعید اور نیک لوگوں کے حق میں وعدہ کا ذکر ہوا ہے۔ اب اس ظلم اور احسان یعنی نیک عمل کی اور اس وعدہ و وعید کی کسی قدر تفصیل ہے۔

ہدایت والوں اور گمراہوں سے متعلق اعمال وانجام کا تھوڑا تذکرہ:

جن لوگوں نے (سچے دل سے) کہا ہمارا رب اللہ ہے (یعنی توحید کو رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق قبول کیا) پھر (اس پر) قائم رہے (یعنی اسے چھوڑا نہیں) تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ) ان لوگوں پر (آخرت میں) کوئی خوف (کی بات واقع ہونے والی) نہیں اور نہ انہیں (وہاں) کوئی غم ہوگا (یہ تو ان کے نقصان سے بچنے کا بیان تھا اور آگے ان کے نفع وفائدہ حاصل کرنے کا ذکر ہے کہ) یہ لوگ جنت والے ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ان (نیک) کاموں کے بدلے میں جو کہ وہ کرتے تھے (جن میں سے ایمان کا اور اس پر قائم رہنے کا اوپر ذکر ہے) اور (جس طرح ہم نے اللہ کے حقوق کو واجب کیا ہے جس کا ذکر ہوچکا، اسی طرح بندوں کے حقوق کو بھی واجب کیا ہے، چنانچہ ان میں سے ایک بہت بڑا حق والدین یعنی ماں باپ کا ہے، اس لئے) ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اور خاص طور سے

ماں کے ساتھ اور زیادہ کیوں) اس کی ماں نے اسے بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا (اگرچہ وہ مشقت کچھ مدت کے بعد زیادہ ہوتی ہے) اور (پھر) بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا (اکثر) تیس مہینے (میں پورا ہوتا) ہے (اتنے دن تک طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاتی ہے اور کم و زیادہ ان مصیبتوں میں باپ بھی شریک رہتا ہے، بلکہ اکثر امور کا انتظام عام طور سے باپ ہی کو کرنا پڑتا ہے، اور اپنے آرام میں خلل آجانا اکثر ان دونوں میں برابر ہوتا ہے، اس لئے بھی انسان پر ماں باپ کا حق زیادہ واجب کیا گیا ہے۔ غرض اس کے بعد پلتا بڑھتا ہے) یہاں تک کہ جب (پلتے بڑھتے) اپنی جوانی کو (یعنی بالغ ہونے کی عمر کو) پہنچ جاتا ہے اور (پھر بالغ ہونے کے بعد ایک زمانہ میں) چالیس برس کی عمر کو پہنچتا ہے تو (جو نیک بخت ہوتا ہے وہ) کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (اگر ماں باپ مسلمان ہیں تب تو دینی نعمت بھی ورنہ دنیاوی نعمت تو ظاہر ہی ہے اور چونکہ ماں باپ کی نعمت کا اثر اولاد تک بھی پہنچتا ہے چنانچہ ان کی دنیاوی نعمتوں: وجود اور باقی رہنے کی بدولت اولاد کا وجود ہوتا ہے اور دینی نعمت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زبان سے، قول سے اور فعل و عمل سے (ان کی تعلیم اور علم و عمل کا ذریعہ ہوتا ہے) اور (وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے (نفع کے) لئے صلاحیت و نیکی پیدا کر دیجئے (دنیاوی نفع یہ کہ انہیں دیکھ دیکھ کر راحت و سکون ہو اور دینی نفع یہ کہ اجر و ثواب ہو اور) میں آپ کی جناب میں (گناہوں سے بھی) توبہ کرتا ہوں اور میں (آپ کا) فرماں بردار ہوں (اس سے بندہ اور غلام ہونے کا اقرار کرنا مقصود ہے نہ کہ دعویٰ کرنا۔ اچھی طرح سمجھ لو۔

کلام کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص نیک بخت ہوتا ہے وہ اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے جیسا کہ دعا کے طور پر کہے ہوئے[1] ان معروضات کا مضمون صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کر رہا ہے اور والدین کے حقوق بھی جو کہ بندوں کے حقوق میں سے ہیں، ادا کرتا ہے جیسا ﴿ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ ﴾ الخ سے سمجھ میں آرہا ہے، کیونکہ اللہ کی نعمتوں میں سے وہ بھی ہے جو والدین کے واسطہ سے اس پر ہوئی جیسا کہ ﴿ عَلٰى وَالِدَيَّ ﴾ میں اس کا ذکر بھی ہو گیا۔ اور اس کا پورا شکر والدین کے ساتھ بھلائی کرنے پر موقوف ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ اور اس کی توفیق اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے کی دعا کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس شخص کو اس کی رغبت ہے اور اس کا عزم و ارادہ ہے اور رغبت و ارادہ عام طور سے فعل و عمل کی طرف لے جاتے ہیں، لہٰذا ان واسطوں سے اس شخص سے والدین کے حقوق کی ادائیگی سمجھ میں آگئی۔

آگے ان اعمال کا انجام بیان فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے نیک کاموں کو قبول کر لیں گے اور ان کے

(۱) ان جملوں کو معروضات سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ یہ جملے دعا کے صیغے سے مذکور ہوئے ہیں۔

گناہوں کو معاف کردیں گے اس طرح کہ یہ جنت والوں میں سے ہوں گے (یہاں توبہ سے جس کا ﴿ تُبْتُ اِلَیْکَ ﴾ میں ذکر ہوا ہے، گناہوں کو معاف فرمانے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بغیر توبہ کے گناہ معاف نہیں ہوتے کیونکہ گناہ محض فضل سے بھی معاف ہو جاتے ہیں اصل یہ ہے کہ یہاں توبہ پر گناہوں کے معاف کرنے کا موقوف ہونا مقصود نہیں، بلکہ گناہوں کے معاف کرنے کے وعدہ کا موقوف ہونا مقصود ہے، تو یہاں جو غرض ہے وہ یہ ہے کہ بغیر توبہ کے گناہوں کے معاف کرنے کا وعدہ نہ ہوگا، لیکن معاف کرنا وعدہ پر موقوف نہیں ہے بغیر وعدہ کے بھی معافی ہوسکتی ہے اور یہ سب) اس سچے وعدہ کی وجہ سے (ہوا) جس کا ان سے (دنیا میں) وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہاں تک تو نیک کام کرنے والے نیک بخت لوگوں کا بیان ہوا۔ آگے ظلم کرنے والوں اور بدبختوں کا ذکر ہے یعنی) اور جس نے (اللہ کے اور بندوں کے دونوں کے حقوق کو ضائع کیا جیسا کہ اس کے اس حال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے) اپنے ماں باپ سے کہا (جن کے حق کی بندوں کے حقوق میں بہت زیادہ تاکید ہے، خاص طور سے جب کہ وہ مسلمان بھی ہوں اور خاص طور سے جب کہ وہ اس کو بھی اسلام کی تعلیم کرتے ہوں) مگر اس بدبخت منحوس نے حقوق کی ادائیگی کے اتنے تقاضوں کے باوجود ان سے جب کہ وہ اسے دین کی دعوت دے رہے تھے، یوں کہا کہ) تم پر تف ہے کیا تم مجھ سے یہ وعدہ کرتے (خبر دیتے) ہو کہ مجھے (قیامت میں دوبارہ زندہ کرکے) قبر سے نکالا جائے گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گذر گئیں (جن سے ہر زمانہ میں ان کے رسول یوں ہی وعدے کرتے چلے آئے، مگر آج تک کسی کا وعدہ ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں) اور وہ دونوں (غریب ماں باپ اس کے اس انکار سے جو کہ عظیم کفر ہے، گھبرا کر) اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور انتہائی دردمندی کے ساتھ اس سے کہہ رہے ہیں کہ) تیرا ناس ہو! ایمان لے آ (اور قیامت کا بھی یقین کر) بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ (اس پر بھی) کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں اگلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (مطلب یہ کہ یہ ایسا بدبخت ہے کہ کفر اور والدین کی نافرمانی دونوں گناہ کر رہا ہے، اور نافرمانی بھی اس درجہ کی کہ ماں باپ کی مخالفت کے ساتھ ان سے بات چیت میں بھی بدتمیزی اور گستاخی کرتا ہے۔

آگے ان اعمال کا انجام بیان فرماتے ہیں کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہوکر رہا جو ان سے پہلے (کافر) جن اور انسان گذر چکے ہیں، بے شک یہ (سب) لوگ نقصان میں رہے۔

اور (آگے مذکورہ تفصیل کو مختصر انداز میں اور خلاصہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ مذکورہ دونوں فریقوں میں سے) ہر ایک (فریق) کے لئے ان کے (مختلف) اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے (کسی کو جنت کے اور کسی کو جہنم کے) ہوں گے اور (مختلف درجے اس لئے ملیں گے) تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال (کے بدلہ) پورے کردے اور ان پر (کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا اور (اوپر ان ظالموں کے عذاب کی تعیین نہیں آئی تھی، غیر واضح انداز میں فرمادیا تھا ﴿حَقَّ عَلَیْهِمُ

الْقَوْلُ ﴾ اور﴿ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾ اور ﴿ لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴾ کی جزا میں تعین کے ساتھ جنت فرمادی تھی، اس لئے آگے عذاب کی تعیین فرماتے ہیں کہ وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے (یہاں تمہیں کوئی لذت نصیب نہ ہوگی) اور انہیں خوب برت چکے (یہاں تک کہ اس میں پڑ کر ہمیں بھی بھول گئے) تو آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی (چنانچہ سزا کے لئے جہنم ہے اور ذلت میں سے یہ ملامت اور پھٹکار ہے) اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے﴿ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ میں ﴿ فِي الْاَرْضِ ﴾ یعنی" زمین میں" کی قید اس اشارہ کے لئے ہے کہ زمین میں رہ کر تکبر کرنا اور بھی زیادہ مذمت کے لائق ہے، اور ﴿ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ کی قید واقعی ہے، کیونکہ مخلوق سے تکبر ہمیشہ ناحق ہی ہوگا اور تکبر کرنے سے مراد ایمان کے مقابلہ میں تکبر کرنا ہے یعنی تکبر کرتے ہوئے ایمان لانے سے انکار کرنا، کہ ہمیشہ کا عذاب اسی کی خصوصیت ہے) اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے (اس میں کفر کی تمام باتیں قول وعمل اور اسی طرح فسق کی تمام باتیں اور ظلم کی تمام وجہیں وصورتیں داخل ہوگئیں)

فائدہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾ الخ کی تشریح میں بندہ نے جو کہا ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے اس سے ایک شبہ دور کرنا مقصود ہے، شبہ یہ ہے کہ ایسے مؤمن کا بھی جو بمعنی مذکور مستقیم ہو کبھی دوسری نافرمانیوں ومعصیتوں کی وجہ سے خوف اور رنج میں مبتلا ہونا ثابت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ایمان اور ایمان پر قائم رہنے کے تقاضے میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ اگر تقاضا کرنے والے پر تقاضہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے نہ ہو تب بھی وہ تقاضا کرنے والا ہے۔

اور ﴿ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا ﴾ کے ترجمہ میں جو" خاص طور سے" کہا ہے اس کے ذریعہ ماں کی مشقت کی وجہ کے ذکر کی تخصیص معلوم ہوگئی اور ماں کا حق زیادہ ہونا اشارہ کے طور پر حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیح حدیثوں کی کتابوں میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں کس کی خدمت زیادہ کروں؟ فرمایا ماں کی، اس نے پھر پوچھا پھر کس کی؟ آپ نے فرمایا: ماں کی، اس نے پوچھا پھر کس کی؟ آپ نے فرمایا: ماں کی۔ اس نے پوچھا پھر کس کی؟ اس وقت آپ نے فرمایا: پھر اپنے باپ کی۔

اور ﴿ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ ﴾ یعنی" جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے" سے پہلے جو احقر نے" اس لئے بھی" کہا ہے یہ اس لئے کہ اگر ماں اتنی مشقتیں نہ اٹھائے یا باپ بالکل نہ اٹھائے تب بھی اولاد کے ذمہ والدین کا حق ہے۔

اور ﴿ حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ﴾ یعنی پیٹ میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت چوتیس مہینے یا ڈھائی برس فرمائی تو یہ جمہور کے نزدیک اس حساب کی بنیاد پر ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے اور دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس طرح دونوں کی مجموعی مدت ڈھائی سال ہوگئی۔

اب یہ بات کہ ایک چیز کی کم سے کم مدت فرمائی اور دوسری کی زیادہ سے زیادہ تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ضابطہ میں عام طور سے یہی مدتیں ہیں، حمل کی اکثر مدت کے برخلاف کہ وہ کسی قطعی دلیل سے ضابطہ میں نہیں اور اسی طرح دودھ پلانے کی کم سے کم مدت کہ وہ بھی ضابطہ میں نہیں اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہونے کے متعلق روح المعانی میں جالینوس اور ابن سینا کا مشاہدہ لکھا ہے۔ صرف جالینوس کے مشاہدہ والے واقعہ میں چھ مہینے سے چار دن زیادہ ہوگئے تھے اور سب سے آسان یہ ہے کہ حمل اور دودھ پلانے دونوں کے مجموعہ کو غالب عادت پر محمول کیا جائے کہ حمل نو مہینے اور دودھ پلانے کی مدت پونے دو سال کہ اکثر عورتیں دو سال پورے ہونے سے پہلے ہی دودھ چھڑا دیتی ہیں، اور مدارک میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: حمله بالاكف: یعنی گود میں اور ہاتھوں پر لئے لئے پھرنا، جو کہ دودھ پلانے کے دنوں میں اکثر ہوتا ہے، لہٰذا اس تفسیر میں یہ آیت دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال ہونے پر دلالت کرے گی جیسا کہ امام صاحب کا مذہب ہے۔ اور اس جگہ مذکورہ امور میں ترتیب اس طرح ہوگی: اول پیٹ میں حمل، پھر اس کا جننا اور پھر ہاتھوں پر لئے پھرنا اور دودھ چھڑانا۔

اور ﴿ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ﴾ یعنی پورے دو سال کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مدت مطلق دودھ پلانے کی نہیں بلکہ اجرت پر دودھ پلانے کی ہے، یعنی باپ سے دودھ پلانے کی اجرت کب تک لی جائے گی؟ احقر کہتا ہے کہ اگرچہ فتوی جمہور ہی کے قول پر ہے، مگر احتیاط یہ ہے کہ دودھ پلانے میں تو دو سال سے زیادہ نہ پلائیں اور اگر کسی نے دو سال کے بعد پیا ہو تو نکاح میں احتیاط رکھیں۔ واللہ اعلم

اور جوانی کی عمر کو پہنچنے کا ذکر چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کی تمہید ہے اور ﴿ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ یعنی چالیس کی عمر کو پہنچنے سے حکم کی قید لگانا مقصود نہیں کہ اس سے کم میں ایسا نہ ہونا چاہئے بلکہ مقصود یہ ہے کہ چالیس سال کے بعد پھر غفلت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ جوانی میں عقلی قوت مغلوب ہوتی ہے اور چالیس سال کی عمر میں عقلی قوت پوری طرح غالب ہوتی ہے تو اس وقت اللہ کی طرف توجہ بہت ضروری ہے اور اگر آیت کا تعلق کسی خاص قصہ سے ہے جیسا کہ درمنثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے، اور انھوں نے یہ بات چالیس سال کی عمر میں کہی تھی، چنانچہ وہ اس طرح پوری ہوئی کہ یہ خود تو اپنی اولاد سمیت پہلے ہی ایمان لائے ہوئے تھے، مکہ کے فتح ہونے کے وقت ان کے والد ابوقحافہ بھی مسلمان ہوگئے تھے اور ان کی والدہ ام الخیر بھی مسلمان تھیں، جیسا کہ الروح اور الخازن میں ہے، تو چالیس سال کی عمر کی تخصیص کی وجہ ظاہر ہے۔ مگر تحقیق کرنے والے اس کے عام ہونے پر محمول کرتے ہیں، اور خاص اس سلسلہ کی والی روایتوں کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس کے پہلے مصداق ہیں۔

اور دوسری آیت ﴿ وَ الَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ ﴾ الخ کو جو مروان نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی شان میں بتایا

ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا جھوٹ ہونا نقل کیا گیا ہے کہ مردان نے محض دشمنی کی وجہ سے ایسا کہہ دیا تھا، اور اس کی تائید اس ارشاد سے ہوتی ہے ﴿حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ﴾ اس لئے کہ ان کا ایمان لانا ان لوگوں میں داخل نہ ہونے کو لازم کرتا ہے جن پر یہ قول صادق آتا ہے، اچھی طرح سمجھ لو۔

اور دونوں مضمونوں میں جتنی قیدیں ہیں، وہ سب مثال بیان کرنے کے لئے ہیں، کسی کے ساتھ خاص نہیں ہیں، چنانچہ جزا سزا قیدوں کے مجموعہ پر موقوف نہیں، اور ﴿اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ﴾ یعنی خوب برت چکنے سے مطلق برتنا مراد نہیں کہ وہ مذمت کے قابل نہیں، بلکہ وہ برتنا مراد ہے جو کفر کی طرف لے جانے والا ہو، جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت میں اس طرف اشارہ ہے۔

﴿وَاذۡكُرۡ اَخَا عَادٍ ؕ اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَهٗ بِالۡاَحۡقَافِ وَقَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖۤ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۲۱ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۲۲ قَالَ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَلٰـكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ۝۲۳ فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ رِيۡحٌ فِيۡهَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۲۴ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىۡءٍ ۢ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۲۵ وَلَقَدۡ مَكَّنّٰهُمۡ فِيۡمَاۤ اِنۡ مَّكَّنّٰكُمۡ فِيۡهِ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ سَمۡعًا وَّاَبۡصَارًا وَّاَفۡـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ سَمۡعُهُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ وَلَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِذۡ كَانُوۡا يَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۲۶﴾

ع ۳

ترجمہ: اور آپ قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے جبکہ انھوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریگ کے مستطیل خم دار تودے تھے اس پر ڈرایا کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ان سے پہلے اور ان سے پیچھے بہت سے ڈرانے والے گزر چکے ہیں۔ مجھ کو تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، وہ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو، سو اگر تم سچے ہو تو جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اس کو ہم پر واقع کر دو۔ انھوں نے فرمایا کہ پورا علم تو خدا ہی کو ہے اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں تم کو وہ پہنچا دیتا ہوں لیکن میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ سو اُن لوگوں نے جب اُس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ نہیں، نہیں بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ ایک آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے، وہ ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی۔ چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز اُن کے مکانات کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو اُن باتوں میں قدرت دی تھی کہ

تم کو اُن باتوں میں قدرت نہیں دی۔ اور ہم نے اُن کو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے سو چونکہ وہ لوگ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے تھے اس لئے نہ اُن کے کان اُن کے ذرا کام آئے اور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل اور جس کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو آگھیرا۔

ربط: اوپر مکہ والوں کو سنانے کے لئے کفر اور دنیا میں بہت زیادہ مشغول ہونے کی برائی اور مذمت کا ذکر ہے۔ اب عاد قوم کے قصہ کا ذکر ہے کہ وہ بھی عرب تھے جس سے اوپر والے قصہ کی تاکید اور بیان مقصود ہے۔

قومِ عاد کا قصہ:

اور آپ عاد کی قوم کے بھائی (یعنی ہود علیہ السلام) کا (ان سے) ذکر کیجئے جب کہ انھوں نے اپنی قوم کو جو کہ ایسے مقام پر رہتے تھے کہ وہاں ریت کے لمبے لمبے ٹیلے تھے (یہ قید دیکھنے والوں کے ذہن میں بٹھانے کے لئے ہے) اس (بات) پر (اللہ کے عذاب سے) ڈرایا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو (ورنہ تم پر عذاب نازل ہوگا) اور (یہ ایسی ضروری اور صحیح بات ہے کہ) ان (ہود علیہ السلام) سے پہلے اور ان کے بعد (اس مضمون سے متعلق) بہت سے ڈرانے والے (رسول اب تک) گذر چکے ہیں (اور عجیب نہیں کہ ہود علیہ السلام نے ان سب کا توحید کی طرف دعوت میں متفق ہونا بیان کیا ہو۔ چنانچہ جملہ ﴿ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ ﴾ یعنی "بہت سے ڈرانے والے گذر چکے" کا بیچ میں بڑھا دینا ان فائدوں کے لئے ہے کہ دعوت کے مضمون کی تاکید ہو جائے اور ہود (علیہ السلام نے ڈرانے میں یہ فرمایا کہ) مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے (بہتر ہے کہ تم توحید قبول کرلو) وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ تو (ہم تو پھرنے والے نہیں ہیں۔ باقی) اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو، اسے ہم پر لے آؤ، انھوں نے فرمایا کہ پورا علم تو اللہ ہی کو ہے (کہ عذاب کب تک آئے گا) اور مجھے تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے میں تمہیں وہ پہنچا دیتا ہوں (چنانچہ اس میں مجھ سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم پر عذاب آئے گا، میں نے تمہیں اطلاع کردی، اس سے زیادہ نہ مجھے علم ہے اور نہ قدرت) لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ بالکل جہالت کی باتیں کرتے ہو (کہ ایک تو توحید کو قبول نہیں کرتے پھر اپنے منہ سے بلا وعذاب مانگتے ہو، پھر مجھ سے اس کی فرمائش کرتے ہو۔ ہاں اپنے سچا ہونے کا میں مدعی ہوں، جس پر دلیل قائم کر چکا ہوں۔ اور جس واقعہ میں تمہیں شبہ ہے، اس کے واقع ہونے کا وقت مجھے نہیں بتایا گیا۔ ہاں خود واقع ہونے کو جب اللہ چاہے دیکھ لینا۔ غرض جب انھوں نے کسی طرح بھی حق کو قبول نہیں کیا تو پھر عذاب کا سامان اس طرح شروع ہوا کہ پہلے ایک بادل اٹھا) تو جب ان لوگوں نے اس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ارشاد ہوا کہ) ہرگز نہیں (یہ برسنے والا بادل) نہیں بلکہ یہ وہی (عذاب) ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے (کہ وہ عذاب جلدی لاؤ، اور اس

بادل میں) ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے، وہ (آندھی) ہر چیز کو (جس کے ہلاک کرنے کا حکم ہوگا) اپنے رب کے حکم سے ہلاک کردے گی، چنانچہ وہ آندھی چھوٹی اور آدمیوں کو اور مویشیوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ دیتی تھی، جس سے) وہ ایسے (تباہ) ہوگئے کہ سوائے ان کے مکانوں کے اور کچھ (آدمی اور جانور) دکھائی نہیں دیتا تھا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں، اور ہم نے ان (عاد کی قوم کے) لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ ان باتوں میں تمہیں قدرت نہیں دی (ان باتوں سے وہ تصرفات مراد ہیں جو جسمانی اور مالی قوت پر موقوف ہیں) اور ہم نے انہیں کان اور آنکھ اور دل (سبھی کچھ) دیئے تھے تو چونکہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اس لئے (جب ان پر عذاب آیا ہے تو) نہ ان کے کان ان کے ذرا کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے انہیں آگھیرا (یعنی نہ ان کے حواس انہیں عذاب سے بچاسکے اور نہ ان کی تدبیر جس کا ادراک دل سے ہوتا ہے اور نہ ان کی قوت پھر تمہاری تو کیا حقیقت ہے)

فائدہ: اکثر کے قول کے مطابق ان لوگوں کے رہنے کے مقامات ملک یمن میں تھے اور وہاں ریت کے ٹیلے تھے، عرب کے لوگ تجارت کے لئے اکثر سفر کرتے وقت ان مقامات سے گذرتے تھے۔ اور آدمیوں اور مویشیوں کا اس ہوا میں اڑے اڑے پھرنا درمنثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ اور وادی ایسی زمین کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے کبھی اس کا ترجمہ میدان سے کیا جاتا ہے اور کبھی ندی نالہ سے۔

﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی غارت کی ہیں اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بتلادی تھیں تاکہ وہ باز آئیں۔ سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انھوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، انھوں نے اُن کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ سب اُن سے غائب ہوگئے اور وہ محض اُن کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔

ربط: اوپر عاد کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اب دوسری ہلاک ہونے والی امتوں کا قصہ مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ مکہ والے ان کے علاقوں سے بھی گذرتے تھے۔

ہلاک ہونے والی بعض دوسری امتوں کا مختصر قصہ:

اور ہم نے تمہارے آس پاس کی اور بستیاں بھی (اس کفر اور شرک کے سبب) غارت کی ہیں (جیسے ثمود اور لوط کی قوم

کہ شام کو جاتے ہوئے ان کے علاقوں سے گذرتے تھے اور چونکہ مکہ سے ایک طرف یمن ہے اور دوسری جہت میں شام ہے، اس لئے ﴿ مَا حَوْلَكُمْ ﴾ یعنی "تمہارے آس پاس" فرمادیا) اور ہم نے ہلاک کرنے سے پہلے (انہیں سمجھانے کے لئے) بار بار اپنی نشانیاں (انہیں) بتادی تھیں تا کہ وہ (کفر اور شرک سے) باز آئیں (مگر وہ باز نہ آئے اور ہلاک ہوئے) تو اللہ کے سوا انھوں نے جن جن چیزوں کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا (کہ یہ مصیبت میں ہمارے کام آئیں گے، ہلاکت وعذاب کے وقت) انھوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی؟ بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے اور وہ (معبود اور شفاعت کرنے والے سمجھنا) محض ان کی گھڑی ہوئی بات ہے (کہ وہ حقیقت میں شفاعت کرنے والے یا معبود نہیں تھے)

﴿ وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے، کہنے لگے کہ اے بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اُس پر ایمان لے آؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور عذاب دردناک سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا اور کوئی اُس کا حامی بھی نہ ہوگا۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

ربط: اوپر ﴿ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴾ میں مکہ کے کافروں کو سنانے کے لئے کفر اور تکبر کی مذمت بیان کی گئی تھی۔ اب اسی کی تاکید کے لئے نصیحت پذیری کے طور پر بعض جنوں کے اسلام قبول کرنے کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جس کا حاصل موقع ومحل کے اعتبار سے یہ ہے کہ جنّ جو کہ تکبر میں انسان سے زیادہ

ہوتے ہیں، انھوں نے تو تکبر چھوڑ کر کفر سے تعلق ختم کرلیا مگر تم کہ انسان ہو، تکبر اور کفر سے باز نہیں آتے اور جن جنوں کے ایمان لانے کا اس آیت میں ذکر ہے ان کا قصہ حدیثوں میں اس طرح آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت جنوں کو آسمانی خبریں سننے سے شہابوں کے ذریعہ سے روک دیا گیا تو جنوں نے طے کیا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ دنیا میں ایسا کونسا نیا واقعہ ہوا ہے جس کے سبب ہمیں روک دیا گیا، جن مختلف علاقوں میں اس کی تحقیق کے لئے روانہ ہوئے بعض جنات حجاز کی طرف بھی چلے، اس دن حضور ﷺ اپنے چند صحابیوں کے ساتھ بطن نخلہ نامی مقام پر تشریف فرما تھے اور عکاظ بازار تشریف لے جانے کا ارادہ تھا، شاید اسلام کی دعوت اور دین کی تبلیغ کی غرض سے تشریف لے جا رہے تھے، غرض آپ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ وہ جن وہاں پہنچ گئے اور قرآن کو سن کر کہنے لگے کہ وہ نئی بات جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی بس یہی ہے، اس کو احمد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ایک جماعت نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جن جب یہاں آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو، جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو وہ اسلامی عقیدے اختیار کر کے اور ایمان قبول کر کے اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور انہیں اس واقعہ کی خبر دے کر ایمان کی ترغیب دی، اور آپ کو ان کے آنے اور جانے کی خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ سورۂ جن نازل کر کے آپ کو خبر دی گئی، اس کو ابن المنذر نے عبد الملک سے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جن اہل نصیبین میں سے تھے اور گنتی میں نو تھے، جب انھوں نے اپنی قوم کو خبر پہنچائی تو پھر ان میں سے تین سو جن اسلام قبول کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس کو ابو نعیم نے اور الواقدی نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے اور یہ ساری روایتیں الروح میں ہیں، اور دوسری حدیثوں میں جنوں کے آنے کی دوسرے طریقوں سے بھی روایتیں آئی ہیں، مگر چونکہ یہ سب کئی واقعے ہوئے ہیں اس لئے ٹکراؤ کا شبہ نہ کیا جائے۔ جیسا کہ مفسروں نے کہا ہے اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو الطبرانی نے الاوسط میں اور ابن مردویہ نے الحبر سے روایت کیا ہے کہ جن رسول اللہ ﷺ کے پاس دو بار آئے یعنی ایک کے بعد ایک بار جب کہ الخفاجی نے کہا ہے کہ حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جنوں نے آپ سے چھ بار فائدہ اٹھایا۔ جیسا کہ الروح میں ہے۔

جنوں کے ایمان لانے اور اپنی قوم کو نصیحت کرنے کا قصہ:

اور (انہیں اس وقت کا قصہ سنایئے) جب ہم جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو (آخر میں یہاں پہنچ کر) قرآن سننے لگے، غرض جب وہ لوگ قرآن (کے پڑھے جانے کی جگہ) کے پاس آ پہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو (اور اس کلام کو سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (یعنی جتنا اس وقت رسول ﷺ کو نماز میں پڑھنا تھا وہ پورا

ہوگیا) تو وہ لوگ (اس پر ایمان لے آئے، اور) اپنی قوم کے پاس (اس کی) خبر پہنچانے کے لئے واپس گئے (اور جا کر ان سے) کہنے لگے کہ اے بھائیو! ہم ایک (عجیب) کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور) حق (دین) اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے (یہ تو دین اسلام کے حق ہونے کا اثبات، خبر دینا اور اظہار ہے۔ آگے اس کے قبول کرنے کا امر ہے، پہلے ترغیب کے طور پر اور پھر ڈرا کر، یعنی) اے ہماری قوم کے لوگو! تم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو (اللہ کی طرف بلانے والے سے مراد قرآن یا اعلیٰ شان والے نبی ہیں) اور (کہنا ماننا یہ ہے کہ) اس پر ایمان لے آؤ (اس میں اشارہ ہوگیا کہ وہ ایمان لانے کی دعوت دینے والا ہے نہ کہ کسی اور دنیاوی غرض کی طرف، لہٰذا اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا، اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتا۔ یعنی اس طرح کہ ہاتھ نہ آئے) اور (جس طرح وہ خود نہیں بچ سکتا، اسی طرح) اللہ کے سوا کوئی اور اس کا حامی بھی نہ ہوگا (کہ وہ اس کو بچا سکے) اور ایسے لوگ کھلی گمراہی میں (مبتلا) ہیں (کہ دعوت دینے والے کے حق ہونے پر دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود پھر اس کی بات نہ مانیں)

فائدہ: ﴿مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى﴾ یعنی موسیٰ کے بعد کہنے سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ وہ جن یہودی تھے، لیکن اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے، اور اوپر والی آیت سے استدلال کافی نہیں، اور یہ کہنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اکثر شریعتوں میں انجیل توریت کے تابع ہے اور قرآن، توریت کی طرح مستقل ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ تشابہ کا بیان کرنا مقصود ہو کہ جیسی مستقل کتاب موسیٰ علیہ السلام پر آئی تھی اسی شان کی کتاب موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ آئی ہے۔ رہا یہ کہ انھوں نے تھوڑا سا قرآن سن کر یہ کیسے پہچان لیا؟ جواب یہ ہے کہ مضمون کے کسی قرینہ یا اندازِ بیان اور شان کے جلال و عظمت سے گمان کے طور پر معلوم ہوگیا ہوگا۔ اور وہ گمان واقع کے مطابق نکل آیا۔ اور ﴿مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ میں بعض نے لفظ ''من'' کو بعض کے معنیٰ میں اس لئے لیا ہے کہ اسلام سے بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے، اور بعض نے اس ''من'' کو زائد مراد لیا ہے۔ اور اسلام سے تمام گناہوں کے معاف ہونے میں بندوں کے حقوق کا اشکال لازم نہیں آتا، کیونکہ جو حقوق گناہ ہیں جیسے قتل وغیرہ ان کے معاف ہونے پر تو سب کا پوری طرح اتفاق ہے اور جو حقوق گناہوں کے علاوہ ہیں جیسے قرض وغیرہ وہ گناہوں میں داخل ہی نہیں ہیں، پھر بعض مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور جنوں کو کفر و معصیت نافرمانی میں عذاب و سزا ہونے پر سب کا پوری طرح اتفاق ہے اور ایمان و طاعت پر ثواب و جنت ملنے پر اختلاف ہے۔ جمہور تو اس کے قائل ہیں کہ شرعی امور سب کے لئے عام ہیں اور خاص طور سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا

جَآنٌّ ﴾ (سورۃ الرحمٰن آیت ۵۶) اور سورۃ الانعام آیت ۱۳۲ میں انسانوں اور جنوں کے ذکر کے بعد ارشاد ہے ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے انتہائی احتیاط کرتے ہوئے کسی قطعی ثبوت والی اور قطعی دلالت والی خاص نص کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس میں توقف فرمایا ہے، جیسا کہ الروح میں فرمایا ہے۔ اور نسفی نے تیسیر میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جنوں کو ثواب اور جنت کی نعمتوں کے ملنے کے بارے میں توقف فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی بندہ کا کوئی حق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں وعدہ کے طور پر مغفرت اور عذاب سے نجات کے علاوہ کچھ نہیں فرمایا۔ جب کہ جنت کی نعمتیں دلیل پر موقوف ہیں، اور امام صاحب کا جو یہ قول مشہور ہو گیا ہے کہ وہ جنوں کے جنت میں داخل نہ ہونے کے قائل ہیں، تو غالباً ان کے توقف کی وضاحت میں نقل کرنے والوں سے غلطی ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم

اور ﴿ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ کے حق اور طریق مستقیم میں یا تو اصول اور فروع کا فرق مانا جائے یا ایک صفت کا دوسری پر عطف مانا جائے۔

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

ع ۴

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اُن کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا، وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہ ہو بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جاویں گے۔ کیا یہ دوزخ امر واقعی نہیں ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہو گا کہ تو اپنے کفر کے بدلہ میں اس کا عذاب چکھو۔ تو آپ صبر کیجئے جیسا ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے۔ جس روز یہ لوگ اُس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو گویا یہ لوگ دن بھر میں ایک گھڑی رہے ہیں۔ یہ پہنچا دینا ہے، سو وہی برباد ہونگے جو نافرمانی کریں گے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ میں قیامت کی جزا و سزا کا ذکر تھا۔ اور اس کے بعد پاس والی

آیتوں میں بھی ﴿ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ اور اس کے بعد ﴿ لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ﴾ کا آنا قیامت کے عذاب کی طرف اشارہ ہے چونکہ بعض لوگ خود قیامت کے امکان ہی کے منکر تھے، اس لئے آگے پہلے اس کا امکان، پھر اس کا واقع ہونا اور اس میں عذاب کا واقع ہونا اور پھر اس پر رسول اللہ ﷺ کی تسلی کا امر اور صبر کی تعلیم بیان فرمایا، اور اس کی تاکید کے لئے ایک کلی عنوان سے کافروں کے لئے ارشاد فرماتے ہیں۔

آخرت کا بیان اور عناد رکھنے والوں کا عذاب وسزا اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور انہیں پیدا کرتے ہوئے ذرا نہیں تھکا، وہ اس پر (زیادہ بہتر درجہ میں) قدرت رکھتا ہے کہ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کردے (اور اسے اس پر قدرت) کیوں نہ ہو، بے شک وہ (تو) ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (اس سے تو بعث یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے اور آخرت کا امکان ثابت ہوا) اور جس دن (مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور) کافر لوگ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ) کیا یہ جہنم واقعی امر نہیں ہے؟ (جیسا کہ دنیا میں اس سے واقف ہونے کی نفی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾) وہ کہیں گے کہ ہمیں اپنے رب کی قسم! ضرور واقعی امر ہے۔ ارشاد ہوگا تو (اچھا) اپنے کفر کے بدلہ میں (جس میں جہنم کا انکار بھی آگیا) اس (جہنم) کا عذاب چکھو!

آگے تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب ان سے کفر کے انتقام کا لیا جانا معلوم ہوگیا) تو آپ (ویسا ہی) صبر کیجئے جیسا کہ دوسرے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لئے (اللہ کے انتقام کی) جلدی نہ کیجئے (جسے آپ مسلمانوں کی مدد کی حیثیت سے چاہتے تھے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ خود وہ لوگ جو عذاب کے مستحق ہیں، عذاب کے سلسلہ میں جلد بازی کرتے ہیں، اور عجیب ہونا ظاہر ہے اگر مدعی یعنی دعوی کرنے والا مدعی علیہ پر یعنی جس کے خلاف دعوی کیا گیا ہو، سزا جلدی چاہے تو کوئی بڑی بات نہیں، لیکن اگر خود مدعی علیہ اپنی سزا کے لئے جلدی مچائے، یہ تو انتہائی عجیب بات ہے، تو اگرچہ اللہ کی حکمت کے تحت عذاب جلدی یعنی اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوگا، لیکن وہ جب اس کو دیکھیں گے تو ان پر اس کا وہی اثر ہوگا جو جلدی آنے والے عذاب کا ہوتا ہے، کیونکہ) جس دن یہ لوگ اس چیز (یعنی عذاب) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (اس وقت عذاب کی انتہائی شدت کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ) گویا یہ لوگ (دنیا میں) دن بھر میں ایک گھڑی (ہی) رہے ہیں (یعنی دنیا کی طویل مدت بہت تھوڑی معلوم ہوگی، اور یہی معلوم ہوگا کہ عذاب جلدی ہی آگیا، آگے کافروں کی طرف اشارہ ہے کہ) یہ (اللہ کی طرف سے حجت پوری کرنے کے لئے) پہنچا دینا ہے (جو رسول ﷺ کی معرفت ہو چکا) تو (اس کے بعد) وہی برباد ہوں گے جو نافرمانی کریں گے (

کیونکہ تبلیغ یعنی حق بات پہنچادیئے جانے کے بعدان کے پاس کوئی عذر نہیں رہا، اوراس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی نقصان نہیں، اس لئے تسلی کی بھی تاکید ہوگئی)

فائدہ: آیت کے لفظ ﴿ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ یعنی ہمت والے رسولوں سے محققین یعنی تحقیق کرنے والوں نے تمام رسول مراد لئے ہیں، کیونکہ سب کا ہمت والا اور عزم وحوصلہ والا ہونا ظاہر ہے اور ﴿ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ میں لفظ "من" بیان کے لئے ہے اور چونکہ ارشاد ﴿ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ کے مطابق اس صفت میں بعض رسول علی جمیعھم الصلوٰۃ والسلام دوسروں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر یہ لقب یعنی ﴿ أُولُوا الْعَزْمِ ﴾ بعض خاص رسولوں کا بھی مشہور ہوگیا ہے جیسا کہ غالب معاملوں میں ہوتا ہے، اوراس کی تعیین میں بھی اختلاف ہے اوراکثر کا قول یہ ہے کہ اولوا العزم دوسرے معنی میں وہ ہیں جن کا ذکر جزوی طور پر سورۂ احزاب آیت ۷ ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ الخ میں ہے واللہ اعلم

﴿ سورۃ احقاف ختم ہوئی، آگے سورۃ محمدؐ آتی ہے ﴾
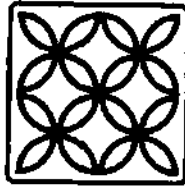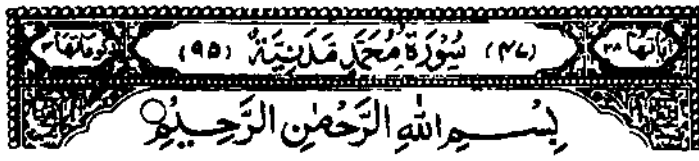
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کے ختم پر ﴿الْفٰسِقُوْنَ﴾ یعنی کافروں کی مذمت کا ذکر تھا اور اس سے پہلے جنوں کے وعظ میں مؤمنوں کی فضیلت اور کافروں کی مذمت کا ذکر تھا، اس سورت کے شروع میں بھی اسی تعریف اور مذمت کا ذکر ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝﴾

ترجمہ: جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا خدا نے اُن کے عمل کالعدم کر دیئے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور وہ اُس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ اُن کے رب کے پاس سے امر واقعی ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ اُن پر سے اُتار دے گا اور اُن کی حالت درست رکھے گا، یہ اس وجہ سے ہے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور اہل ایمان صحیح راستہ پر چلے جو اُن کے رب کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے اُن کے حالات بیان فرماتا ہے۔

کافروں کی مذمت اور مؤمنوں کی تعریف:

جو لوگ (خود بھی) کافر ہوئے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستہ سے روکا (جیسا کہ کافر سرداروں کی عادت تھی کہ جان اور مال ہر طرح سے اس میں کوشش کرتے رہتے تو) اللہ نے ان کے عمل بے کار کر دیئے (یعنی جن کاموں کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں، وہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں، بلکہ ان میں سے بعض کام اور الٹے عذاب کا سبب ہیں، جیسے اللہ کے راستہ سے روکنے کی غرض سے مال خرچ کرنا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً﴾ (سورت الانفال آیت ۳۶) اور (ان کے خلاف) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور (ان کے ایمان کی

کیفیت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ) وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا ہے اور وہ (جو نازل کیا گیا ہے وہ) ان کے رب کے پاس سے (آیا ہوا) واقعی امر (بھی) ہے (جس کا ماننا بھی ضروری ہے تو) اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان کے اوپر سے اتار دے گا (یعنی معاف کردے گا) اور (دونوں جہاں میں) ان کی حالت درست رکھے گا (دنیا میں تو اس طرح کہ انہیں نیک اعمال کی توفیق بڑھتی جائے گی اور آخرت میں اس طرح کہ انہیں نجات حاصل ہوگی، اور) یہ (جو مؤمنوں کی خوش حالی اور کافروں کی بدحالی بیان کی گئی ہے یہ) اس وجہ سے ہے کہ کافر تو غلط راستہ پر چلے اور ایمان والے صحیح راستہ پر چلے جو ان کے رب کی طرف سے (آیا) ہے (اور غلط راستہ کا سبب ناکامی اور صحیح راستہ کا کامیابی ہونا ظاہر ہے، اس لئے وہ ناکام ہوئے اور یہ کامیاب ہوئے اور اگر اسلام کے صحیح راستہ ہونے میں کوئی شبہ ہو تو ﴿مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ سے اس کا جواب ہوگیا کہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے اور اللہ کی جانب سے ہونا نبی ﷺ کے معجزوں خاص طور سے قرآن کے معجزہ ہونے سے ثابت ہے۔ اور) اللہ تعالیٰ لوگوں کے (نفع و ہدایت کے لئے) اس طرح (جیسے یہ حالت بیان فرمائی) ان (مذکورین) کے حالات بیان فرماتا ہے (تاکہ ترغیب اور ڈرانا ہدایت کی طرف لے جانے والے ہوجائیں)

فائدہ: اعمال کو بے کار کرنے کے لئے کفر اور اللہ کے راستہ سے روکنا دونوں کے مجموعہ کا ہونا شرط نہیں، صرف کفر پر بھی اعمال غارت ہوتے ہیں، لیکن یہاں ان لوگوں کی واقعی حالت بیان فرمادی۔ اور ﴿اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ یعنی ان کے اعمال بے کار کرنے میں آیت ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ سے ٹکراؤ کا شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ یہ وہ کے اس حکم میں عمل کا ایمان کے ساتھ ہونا شرط ہے۔

﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڟ﴾

ترجمہ: سو تمہارا جب کفار سے مقابلہ ہوجاوے تو اُن کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم اُن کی خوب خونریزی کرچکو تو خوب مضبوط باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا جب تک لڑنے والے اپنے ہتھیار نہ رکھ دیں۔

ربط: اوپر سے ایمان والوں کا نیک ہونا اور کافروں کا فساد پھیلانے والا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس پر ارشاد ﴿عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ دلالت کرتا ہے، آگے جہاد سے متعلق بعض احکام بیان کرتے ہیں، جس کی بنیاد نیک لوگوں کے ہاتھ سے فساد پھیلانے والوں کا فساد دبانا ہے۔

جہاد سے متعلق بعض احکام:

(جب کافر لوگ ایسے فساد پھیلانے والے ہیں تو ہم تمہیں ان کا فساد دور کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں) تو جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو (یعنی انہیں قتل کرو) یہاں تک کہ جب تم ان کا خون بہا چکو (جس کی حد یہ ہے کہ اگر اب قتل کا سلسلہ بند کر کے اس کے بجائے قید کو کافی قرار دیا جائے تو مسلمانوں کے نقصان اور کافروں کے غلبہ کا احتمال نہ ہو) تو (اس وقت کافروں کو قید کر کے انہیں) خوب مضبوط باندھ لو، پھر اس کے بعد (تمہیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے) یا تو بغیر معاوضہ لئے چھوڑ دینا، یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا (اور یہ قید کرنا اور قتل کرنا جس کے بعد احسان یعنی بغیر معاوضہ لئے چھوڑ دینا یا فدیہ یعنی معاوضہ لے کر چھوڑنا جائز ہے، اس وقت تک ہے) جب تک کہ لڑنے والے (دشمن) اپنے ہتھیار نہ ڈال دیں (اس سے مراد استسلام اور سر جھکا کر اطاعت کرنے دونوں میں سے کسی ایک امر کا قبول کرنا ہے لہٰذا اگر وہ قتل اور قید سے پہلے اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دے کر اطاعت کرنا قبول کر لیں تو اب نہ انہیں قتل کرنا جائز ہے اور نہ ہی قید کرنا جائز ہے)

فائدہ: حنفیوں کے نزدیک یہ آیت سورۂ براءت سے منسوخ ہے کہ سورۂ براءت اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے تو اگر ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً﴾ منع الخلو پر بھی محمول ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ منسوخ ہے اور جو حضرات منسوخ نہیں کہتے وہ دونوں کے منع جمع یعنی جمع کرنے کے منع ہونے پر محمول رکھیں گے۔ بہر حال اس آیت سے اپنی خواہشوں پر چلنے والے بعض لوگوں کا غلام بنانے کی نفی پر استدلال کرنا بالکل باطل ہے اور قتل کے حکم سے عورتیں اور بچے مستثنیٰ ہیں، اور اس مقام کی تحقیق سورۂ انفال آیت ۶۷ ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰی﴾ کے تحت ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿ذٰلِكَ ۛؕ وَ لَوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ ۙ وَ لٰكِنۡ لِّیَبۡلُوَا۟ بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝ سَیَهۡدِیۡهِمۡ وَ یُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۝ۚ وَ یُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝ وَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۝ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ۫ وَ لِلۡكٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡكٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَهُمۡ ۝ؒ﴾ ع ۱

ترجمہ: یہ حکم بجالانا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سے انتقام لے لیتا لیکن تاکہ تم میں ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان

کرے۔اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مقصود تک پہنچادے گا۔ اور ان کی حالت درست رکھے گا اور اُن کو جنت میں داخل کرے گا جس کی اُن کو پہچان کرادے گا۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے لئے تباہی ہے اور اُن کے اعمال کو خدا تعالیٰ کالعدم کردے گا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا۔ سو اللہ نے اُن کے اعمال کو اکارت کردیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انھوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اُن پر کیسی تباہی ڈالی اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

ربط: اوپر ﴿ فَضَرْبَ الرِّقَابِ ﴾ میں مسلمانوں کو کافروں سے جنگ کرنے کا حکم تھا۔ اب ﴿ ذٰلِكَ ﴾ سے اس حکم کی وضاحت اور ﴿ وَلَوْ يَشَآءُ ﴾ سے اس حکم کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اور ﴿ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا ﴾ الخ سے جنگ میں مسلمانوں کے قتل ہونے سے متعلق خوش خبری اور ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا ﴾ الخ میں جنگ کرنے کی ترغیب ہے اور ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ میں کافروں کی مذمت اور وعید ہے اور ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ﴾ الخ میں اس مذمت اور وعید کی علت اور ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا ﴾ میں اس وعید کے واقع ہونے کے ناممکن ہونے کا رد ہے اور ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ ﴾ الخ میں دونوں فریقوں سے متعلق احکام کی علت کا بیان ہے۔

جہاد کی وضاحت و حکمت اور فضیلت و ترغیب اور عناد رکھنے والوں کی مذمت اور وعید اور وعید کے ناممکن نہ ہونے کی علت کا بیان:

(جہاد کا) یہ حکم (جس کا ذکر ہوا) بجالانا اور (ہم نے بعض صورتوں میں کافروں سے انتقام لینے کے لئے جہاد کا جو طریقہ مقرر کیا ہے، اس میں حکمت ہے ورنہ) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان (کافروں) سے (خود ہی دوسرے حادثوں: زمین میں دھنسا کر، غرق کرکے اور زمین کے زلزلہ وغیرہ کے واسطہ سے) انتقام لے لیتا (جیسا کہ گذشتہ امتوں سے اسی طرح انتقام لیا گیا۔ اور تمہیں جہاد وغیرہ نہ کرنا پڑتا) لیکن (تمہیں جہاد کرنے کا حکم اس لئے دیا) تا کہ تم میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائے (مسلمانوں کا آزمانا یہ کہ کون اللہ کے حکم پر جان کو ترجیح دیتا ہے؟ اور کافروں کا امتحان یہ کہ اس عذاب سے متنبہ ہو کر کون حق کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا اس حکمت کے لئے بھی جہاد کا حکم دیا گیا) اور (جہاد میں جس طرح قتل کرنا کامیابی ہے، اسی طرح قتل ہونا بھی ناکامی نہیں ہے۔ چنانچہ) جو لوگ اللہ کے راستہ (یعنی جہاد) میں مارے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو (جن میں وہ عمل بھی آگیا جس کی بدولت وہ مارے گئے) ہرگز ضائع نہ کرے گا (جیسا کہ

ظاہر میں اس کا وہم ہوسکتا ہے کہ جب مارا گیا تو اس کے جنگ میں حصہ لینے پر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی کہ اس کی تو جان ضائع ہوگئی۔ تو واقع میں اس کی جان ضائع نہیں ہوئی، کیونکہ دوسری کامیابی جو ظاہری کامیابی ہے بہت درجے بلند ہے، حاصل ہوئی۔ وہ یہ کہ) اللہ تعالیٰ انہیں (منزل) مقصود تک (جس کا بیان آگے آرہا ہے) پہنچا دے گا۔ اور ان کی حالت (قبر میں اور حشر کے میدان میں اور پل صراط پر اور آخرت کے تمام موقعوں پر) درست رکھے گا (کہیں کوئی خرابی اور نقصان انہیں نہ پہنچے گا) اور (اس منزل مقصود تک پہنچنے کا بیان یہ ہے کہ) انہیں جنت میں داخل کرے گا، جس کی انہیں پہچان کرادے گا (چاہے ضروری علم کے طور پر یا کسی فرشتہ وغیرہ کے واسطے سے، جس سے پہلے سے نہ دیکھنے بھالنے کے باوجود ہر جنتی اپنے اپنے درجہ اور مکان میں بے تکلف جا پہنچے گا، لہٰذا جہاد میں ہر حال میں کامیابی ہی ہوتی ہے۔

آگے جہاد کی دنیاوی کامیابی کو جو کہ مؤمنوں کے مجموعہ سے متعلق ہے، بیان کرکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں کہ) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (جس کا نتیجہ دنیا میں بھی مؤمنوں کے مجموعہ کا کافروں کے مجموعہ پر غالب آنا ہے، چاہے شروع ہی میں یا انتہا کے طور پر۔ اور بعض مؤمنوں کا قتل ہوجانا یا مؤمنوں کی جماعت کا کسی مقابلہ میں مغلوب ہوجانا اس کے خلاف نہیں ہے) اور (اسی طرح دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم جمادے گا (اسی طرح کا مطلب یہ ہے کہ مجموعہ کے مقابلہ میں مجموعہ، چاہے شروع ہی سے یا ثابت قدم رہ کر انتہا میں کافروں پر غالب آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی دیکھا گیا ہے، یہ تو مسلمانوں کا حال بیان کیا گیا) اور جو لوگ کافر ہیں، ان کے لئے (دنیا میں جب کہ مؤمنوں سے مقابلہ کریں) تباہی (اور مغلوب ہونا) ہے (مؤمنوں کے غلبہ میں مذکورہ تفصیل سے) اور (آخرت میں) ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ بے کار کردے گا (جیسا کہ سورت کے شروع میں بیان ہوا۔ غرض کافر دونوں جہان میں نقصان میں رہے اور پہلے مقام پر اعمال کے بے کار ہونے کا بیان کرنا ذاتی طور پر مقصود ہے اور یہاں اس حیثیت سے بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ نقصان دونوں جہان کا گھاٹا ہے اور) یہ (مذکورہ تباہی اور اعمال کا ضائع و بے کار کرنا ان کے لئے) اس سبب سے ہوا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کو ناپسند کیا (عقیدہ کے لحاظ سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی، حاصل یہ کہ انھوں نے کفر کیا) تو اللہ نے ان کے اعمال کو (پہلے ہی سے) بے کار کردیا (کیونکہ کفر کا جو اعلیٰ درجہ کی بغاوت ہے، یہی اثر ہے۔ اور یہ لوگ جو ان وعیدوں کے واقع ہونے کو اس لئے محال سمجھتے ہیں کہ اس سب کی بنیاد اللہ کے نزدیک کفر کا ناپسند ہونا ہے، اور یہ کفر کو اللہ کے نزدیک ناپسند نہیں سمجھتے تو ان کا یہ بالکل واضح امر سے انکار ہے ورنہ) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں؟ اور انھوں نے دیکھا نہیں کہ جو کافر) لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا؟ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی (جو ان کی بستیوں کے آثار سے ظاہر ہے، لہٰذا یہ کفر کے ناپسند ہونے کی صاف دلیل ہے) اور (جب کفر کا ناپسند ہونا ثابت ہوگیا تو انہیں بھی بے فکر رہنا اور وعید کے واقع ہونے کو ناممکن

نہیں سمجھنا چاہئے، کیونکہ) ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملے ہونے والے ہیں (کیونکہ علت یعنی کفر میں مشترک ہونا علت کے نتیجہ یعنی عذاب وسزا میں مشترک ہونے کا تقاضا کرتا ہے، چاہے دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں۔ چنانچہ مکہ کے کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں دنیا میں بھی سزا ہوئی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ﴾ اور آخرت میں تو ظاہر ہی ہے۔ یہ کافروں کے حال کا بیان ہوا۔ آگے دونوں فریقوں کے حال کے اس مجموعہ کی مختصر انداز میں علت بیان فرماتے ہیں کہ) یہ (دونوں فریقوں سے متعلق دونوں جہان میں واقع ہونے والے وعدہ اور وعید کا مجموعہ) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی ومددگار ہے (اس لئے انہیں دونوں جہان میں کامیاب فرماتا ہے) اور کافروں کا (ایسا) حامی ومددگار کوئی نہیں (کہ اللہ کے مقابلہ میں ان کے کام بنا سکے۔ اس لئے وہ دونوں جہان میں ناکام رہتے ہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کبھی ظاہر میں مسلمانوں کو ناکامی ہو جائے اور کافروں کو ظاہر میں کامیابی ہو جائے، لیکن اعتبار حقیقت کا ہے تو اس کے اعتبار سے مسلمان ہمیشہ کامیاب اور کافر ہمیشہ ناکام رہتے ہیں)

فائدہ: ﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا﴾ میں کافروں کے لئے ﴿اَمْثَالُهَا﴾ لفظ جمع استعمال فرمایا تو ان پر جو عقوبتیں یعنی عذاب وسزا نازل ہوں اگر وہ کئی ہوں تب تو لفظ امثال کا جمع لانا ظاہر ہے اور اگر کئی نہ ہوں ایک ہی ہو تو اس کا جمع لانا عقوبتوں کے نازل ہونے کے محل ومقام کے کئی ہونے کے اعتبار سے ہے، اور مثل سے مراد عقوبت یعنی عذاب وسزا کے اعتبار سے مثل ہونا ہے نہ کہ عقوبت کی نوع کے اعتبار سے۔ اور یہاں کافروں کے لئے فرمایا ﴿لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ یعنی ان کا کوئی حامی ومددگار نہیں اور ایک جگہ فرمایا ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ یعنی انہیں اس اللہ کی طرف لوٹا دو جو ان کا اصلی مولیٰ ہے تو وہاں مولیٰ مالک کے معنی میں ہے اور حق تعالیٰ کی ملکیت میں سب شامل ہیں، اور ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ کی تفسیر میں "شروع ہی سے" اس لئے کہا کہ یہاں حبط یعنی بے کار کرنے سے مراد صحیح ہونے کے بعد بے کار کرنا نہیں ہے، کیونکہ وہ شروع ہی سے کافر ہیں تو ان کے اعمال تو کبھی بھی صحیح نہیں ہوئے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم اُن لوگوں کا ٹھکانا ہے۔ اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھی جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا، سو اُن کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ تو جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں، کیا وہ اُن شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی اُن کو مستحسن معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں؟ جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا اور اُن کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی، کیا ایسے لوگ اُن جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی اُن کو دیا جاوے گا، سو وہ اُن کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

ربط: اوپر مؤمنوں کی کامیابی اور کافروں کی ناکامی مختصر انداز میں بیان کی گئی تھی۔ اب اس کی تفصیل ہے اور ﴿ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ ﴾ میں ایک دوسرے کے فرق کے بیان سے اس تفصیل کی تکمیل ہے اور درمیان میں کافروں کے دنیا میں فائدہ اٹھانے کے ذکر کی مناسبت سے ان کے گھمنڈ کو دور کرنا اور آیت ﴿ وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ ﴾ الخ میں رسول ﷺ کی تسلی کا ذکر ہے۔

نیک و بد لوگوں کے ثواب و عذاب کی تفصیل و تکمیل اور اس کے درمیان میں کافروں کے گھمنڈ کا دور کرنا اور رسول ﷺ کی تسلی:

بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں، وہ (دنیا میں) عیش کر رہے ہیں اور اس طرح (آخرت سے بے فکر ہوکر) کھاتے (پیتے) ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں (کہ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں کیوں کھلایا پلایا جاتا ہے اور ہمارے ذمہ اس کا کیا حق واجب ہے) اور ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور (جس تمتع یعنی فائدہ اٹھانے کا ذکر ہوا ہے، اس پر آپ کے ان مخالفوں کو غرور نہیں کرنا چاہئے اور نہ آپ کو ان کی اس غفلت پر کچھ افسوس اور رنج و ملال ہونا چاہئے جو کہ مخالفت کا سبب ہوگئی، یہاں تک کہ آپ کو اتنا تنگ و پریشان کر دیا کہ مکہ میں بھی نہیں رہنے دیا، کیونکہ) بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو (جسمانی و مالی اور دبدبہ و شان و شوکت والی) قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں، جس کے رہنے والوں نے

آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ ہم نے انہیں (عذاب سے) ہلاک کر دیا تو (پھر) ان کا کوئی مددگار نہ ہوا تو یہ بے چارے تو کیا چیز ہیں۔ ایسی حالت میں نہ انہیں مغرور ہونا چاہئے کیونکہ جب چاہیں ان کی بھی صفائی کر سکتے ہیں اور نہ آپ رنجیدہ ہوں، کیونکہ ہم انہیں بھی علتِ کفر میں اشتراک اور مخالفت کی وجہ سے نکال دینا اس کا ایک شعبہ ہے، وقت پر سزا دینے والے ہیں، اور یہ لوگ کہ آپ کے اور تمام حق والوں کے مقابلہ میں باطل والے ہیں، کیوں سزا کے قابل نہ ہوں؟ جب کہ باطل والے محض نفس کے راستہ پر ہیں، اور حق والے اللہ کے راستہ پر ہیں۔ جب یہ فرق ہے) تو جو لوگ اپنے پروردگار کی (دلیل سے ثابت) واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی انہیں اچھی معلوم ہوتی ہو؟ اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں (یعنی جب اعمال میں فرق ہے تو انجام میں بھی فرق ہوگا، لہٰذا جس طرح حق والے ثواب کے مستحق ہیں، باطل والے عذاب کے مستحق ہیں۔ چنانچہ اس ثواب وعذاب کا کچھ بیان کیا جاتا ہے کہ) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تبدیلی نہ ہوگی (نہ بو میں نہ رنگ میں اور نہ ذائقہ میں) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں، جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی۔ اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں (جو میل کچیل سے) بالکل (پاک) صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (اس میں داخل ہونے سے پہلے) ان کے رب کی طرف سے (گناہوں کی) بخشش ہوگی۔ کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا، سو پینے کے بعد جس کا سبب تشنگی، پیاس کی شدت ہوگی) وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (غرض یہ کہ جب ان کے اعمال میں فرق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ﴾ الخ میں بیان کیا گیا تو ان کے انجام میں یہ فرق ہوگا جس کا بیان اب کیا گیا)

فائدہ: چونکہ دنیا کا پانی کبھی رنگ میں کبھی ذائقہ ومزے میں اور کبھی بو میں بدل جاتا ہے، اسی طرح دنیا کا دودھ بگڑ جاتا ہے اور اسی طرح دنیا کی شراب اکثر بدمزہ وکڑوی ہوتی ہے صرف بعض مخصوص نفعوں کے خیال سے پی جاتی ہے پھر عادت پڑ جاتی ہے اور جنت کی شراب سے دنیا کی شراب کے دوسرے نقصانوں کی نفی سورۃ الصافات کی آیت ۴۷ ﴿ لَا فِیْھَا غَوْلٌ وَّلَا ھُمْ عَنْھَا یُنْزَفُوْنَ ﴾ میں بیان ہو چکی ہے، اسی طرح دنیا کے شہد میں میل کچیل موم وغیرہ ملا ہوا ہوتا ہے، اس لئے وہاں کی نہروں میں ان امور کی نفی کے لئے قیدیں بڑھائی گئیں اور ایک آیت میں جسم کے بارے میں فرمایا ہے ﴿ یَشْوِی الْوُجُوْہَ ﴾ تو جسم کے باہری حصہ میں وہ اثر ہوگا۔ پھر جب پیاس کی شدت کی وجہ سے مجبور و بے بس ہو کر اسے پئیں گے تو پیٹ کے اندر یہ اثر ہوگا۔

اور چونکہ پانی اور دودھ اور شراب اور شہد اپنے حقیقی معنی پر محمول ہو سکتے ہیں، لہٰذا مجازی معنی مراد لینے کی ضرورت نہیں۔

باقی یہ ضروری نہیں کہ وہ یہاں کی ان چاروں چیزوں سے بالکل ملتی جلتی ہوں، اور دودھ میں ذائقہ کے بدلنے کی نفی اور بوکا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بو کے بدلنے کے لئے ذائقہ کا بدلنا لازم ہے جب لازم کی نفی کر دی تو ملزوم کی بھی یعنی جس کے لئے لازم کیا گیا، نفی ہو گئی۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾﴾

ترجمہ: اور بعضے آدمی ایسے ہیں وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی، یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور اُن کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔ سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اُن پر دفعۃً آپڑے، سو اُس کی علامتیں تو آچکی ہیں تو جب قیامت اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی اُس وقت اُن کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا۔

ربط: اوپر کافروں اور مؤمنوں کے احوال اور اعمال اور وعدوں اور وعیدوں کا ذکر تھا۔ اب منافقوں کی حالت اور مذمت اور ان کی وعید بیان کی جاتی ہے۔ اور درمیان میں معرفت کی زیادتی کے لئے مقابلہ کے طور پر ایمان والوں کی حالت بیان کی جاتی ہے جو ان کی ضد ہے۔

منافقوں کی رسوائی اور برائی:

اور (اے محمد ﷺ!) بعض لوگ ایسے ہیں (اس سے منافق لوگ مراد ہیں) کہ وہ (آپ کی تبلیغ کے وقت ظاہر میں تو) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (لیکن دل سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے (مجلس سے اٹھ کر) باہر جاتے ہیں تو دوسرے علم والوں (صحابہ) سے کہتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے ابھی (جب ہم مجلس میں تھے) کیا بات فرمائی تھی؟ (جس کی وجہ ان کی خبیث حالت کی وجہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ دھیان نہیں دیتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم آپ کی باتوں کو توجہ کے قابل نہیں سمجھتے اور ظاہر میں سمجھنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے تھے، اور یہ بھی ان کے نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، (لہٰذا ہدایت سے بہت دور ہو گئے) اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور (انہی کی قوم میں سے) جو لوگ سیدھے راستہ پر

ہیں (یعنی مسلمان ہو چکے ہیں) اللہ تعالیٰ انہیں (احکام سننے کے وقت) اور زیادہ ہدایت دیتا ہے (کہ وہ ان نئے احکام پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اس وقت تک کے احکام پر پہلے سے بھی ایمان لائے ہوئے تھے، لہٰذا متعلق امور کے اعتبار سے تصدیق کے افراد بڑھ گئے اور یہ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ ﴾ الخ کے مقابلہ میں ہے) اور انہیں ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے (یعنی وہ ایمان لانے کے بعد ان احکام پر عمل بھی کرتے ہیں، اور یہ ﴿ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ کے مقابلہ میں ہے۔ آگے ان منافقوں سے متعلق وعید ہے کہ یہ جو قرآن اور احکام اور دلیلیں سن کر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے) تو (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کرنے والے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آپڑے (یہ ملامت کے لئے مجاز ہے یعنی کیا قیامت میں نصیحت حاصل کریں گے؟) تو (یاد رکھو کہ قیامت بھی نزدیک ہے۔ چنانچہ) اس کی (کئی) علامتیں تو آچکی ہیں، چنانچہ حدیث کے مطابق خود نبی ﷺ کی بعثت قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور شق القمر یعنی چاند کا دو ٹکڑے ہونا نبی ﷺ کا معجزہ ہونے کے علاوہ قیامت کی علامتوں میں سے بھی ہے، جیسا کہ سورۂ قمر کی پہلی آیت ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ میں اس معجزہ کے قیامت کے قریب ہونے کے ذکر سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اور لوگوں کا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ابو شیبہ و احمد کے حوالہ سے جابر سے مرفوع حدیث کے طور پر روایت کیا گیا ہے اور اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں یمامہ والا مسیلمہ کذاب اور صنعا والا العنسی ہیں، اور یہ سب علامتیں خود قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں سامنے آچکی تھیں، چاہے آیت کے نازل ہونے کے وقت مذکورہ ساری علامتیں واقع ہو چکی ہیں یا بعض جلدی ہی سامنے آنے والی ہوں۔ جیسے مسیلمہ کذاب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عمر کے آخری زمانہ میں ہوا۔ اور اگر ان میں سے بعض مراد لی جائیں تب شرطوں کے مجموعہ کو جنس پر محمول کرنے سے کلام صحیح ہو سکتا ہے۔ اور یہاں شرط یعنی علامتوں سے مراد وہ علامتیں ہیں جن میں تنگی نہ ہو، جنہیں غیر مضیقہ کہتے ہیں یعنی جو قیامت سے بہت پہلے واقع ہوئیں اور مضیقہ علامتیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا، دجال کا نکلنا، اور سورج کا مغرب سے نکلنا وغیرہ مراد لینا، یہاں اس لئے مناسب نہیں کہ اس سے آیت کے نازل ہونے کے زمانہ میں لوگوں کو ڈرانا تکلیف سے خالی نہیں، اور ﴿ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ﴾ سے وعید مقصود ہے۔ آگے نصیحت حاصل کرنے میں توقف میں ان کی رائے کا فاسد ہونا، اور قیامت میں نصیحت کا کوئی فائدہ نہ ہونا جو ﴿ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ ﴾ سے اشارہ کے طور پر معلوم ہو چکا تھا، صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اب جب کہ سمجھنے کا وقت ہے، نہیں سمجھتے) تو جب قیامت ان کے سامنے آجائے گی اس وقت انہیں سمجھنا کہاں میسر ہوگا (یعنی مفید نہ ہوگا)

﴿ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ١٩ؔ ﴾

ع ۲

ترجمہ: تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی۔ اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع سے یہاں تک مؤمنوں، کافروں اور مؤمنوں کے حالات کا مع انجام ذکر ہے۔ اب دوسروں کو سنانے کے لئے آپ کو دین پر قائم رہنے اور دین میں نقص وبگاڑ پیدا کرنے والے امور کو دور کرنے کا خطاب ہے، اور وعدوں ووعید کے طور پر جزا یعنی بدلے کی طرف اشارہ ہے، دوسروں کو سنانے کا قرینہ ﴿ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ ﴾ میں جمع کی ضمیر ہے۔ اور ظاہر میں آپ کو مخاطب بنانے کی حکمت، حکم کے اعلیٰ شان والا ہونے میں مبالغہ ہے کہ جب معصوم کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے تو غیر معصوم کس گنتی میں ہیں اور توجیہ یہ ہے کہ جب سننے والے نے دین اور ایمان کی جزا اور کفر وعصیان یا نافرمانی کی سزا سن لی تو سننے والے کو چاہئے کہ دین وایمان پر قائم رہے اور جو چیز دین میں نقص یا کمی پیدا کرنے والی ہو، چاہے اس کو زائل اور ختم کرنے والی نہ ہو، جیسے گناہ۔ اول تو ان سے بچے اور اور اگر کبھی وہ ہو جائیں تو استغفار کر کے یعنی معافی مانگ کر اور مغفرت طلب کر کے انہیں دور کرے اور حق تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین دل ودماغ میں بٹھا کر جزا وسزا کو نظر کے سامنے رکھے کہ مذکورہ امور کو بجالانے میں مددگار ہو۔

ایمان پر ثابت قدم رہنے اور معصیت ونافرمانی پر معافی مانگنے

اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں ووعیدوں کو دماغ میں رکھنے کا حکم:

(جب اطاعت اور نافرمانی کرنے والوں کا حال اور انجام سن چکے) تو آپ (ماضی کی طرح مستقبل میں بھی) اس کا (پوری طرح) یقین رکھئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے قابل نہیں (اس میں دین کے اصول وفروع تمام آگئے۔ کیونکہ علم سے مراد کامل اور ہر لحاظ سے پورا علم ہے اور کامل علم کے لئے ان سب امور پر عمل کرنا لازم ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ﴾ اور اس عنوان سے اس لئے تعبیر کر دیا گیا کہ یہ تمام شرعی امور کی بنیاد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام امر ونہی پر یعنی جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے سب پر ہمیشہ عمل کرو) اور (اگر کبھی کوئی غلطی وخطا ہو جائے جس سے دین کے کمال میں خلل آ جائے، تو اگرچہ اس خطا کے آپ سے واقع ہونے کے وقت میں آپ کے معصوم ہونے کی وجہ سے واقع میں خطا نہ ہوگی، بلکہ مباح ہوگی، بلکہ بعض اوقات ایک لحاظ سے عبادت ہوگی اور اس وجہ سے کہ وہ اجتہاد سے ہوئی ہے، وہ عبادت اور اجر کا سبب ہے لیکن چونکہ اس اعتبار سے کہ اس فعل میں مشغول ہونا اس سے افضل عمل میں خلل ہو گیا اور افضل عمل کا ترک کرنا آپ کی اعلی شان کے اعتبار سے صورت کے لحاظ سے خطا ہے، اس لئے) آپ اپنی (اس صورت میں دکھائی دینے والی) خطا کی معافی مانگتے رہئے، اور (چونکہ ایسا امر جو

دین کے کمال میں خلل بننے والا ہو آپ کی امت کے کسی مسلمان مرد یا عورت سے ہو سکتا ہے اور وہ واقع میں بھی گناہ ہو سکتا ہے، اس لئے آپ) سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی (بخشش کی دعا مانگتے رہئے تا کہ دین کا جو کمال آپ کی شان کے لحاظ سے مناسب ہے اور اسی طرح دین کا جو کمال آپ کی امت کی شان کے مناسب ہے، اس میں خلل پیدا کرنے والی چیزیں دور ہوتی رہیں، اور وہ محفوظ رہے) اور (یہ بھی یاد رہیں کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی (یعنی سارے حالات اور اعمال کی) خبر رکھتا ہے (لہٰذا اس کے وعدہ کے امیدوار اور اس کی وعید سے ڈرتے رہنا چاہئے)

فائدہ: اس بیان سے معلوم ہوا کہ ذنب یعنی خطا سے مراد مجازی خطا ہے اور ایسے ذنب یا خطا کی مثال یہ ہے کہ ایک بار آپ کی خدمت میں ابن ام مکتوم صحابی رضی اللہ عنہ آئے جو نابینا تھے، آپ اس وقت کسی کافر کو سمجھا رہے تھے، انھوں نے بیچ میں ٹوکا اور خود کچھ پوچھنے لگے، اس وقت آپ کو ناگوار ہوا، جس کا ذکر سورۂ عبس کے شروع میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف مسلمان ہو اور ایک طرف کافر تو اس وقت مسلمان کے فروعی سوال کو ملتوی کر کے اس کافر کو اصل دین کی طرف دعوت دینا ہر شخص جانتا ہے کہ دین اور عبادت کا زیادہ بڑا کام ہے، چنانچہ آپ نے اپنے اجتہاد سے اس کو ترجیح دی یعنی اس کا جواب دینا پہلے ضروری سمجھا، کہ اصل کی تعلیم فرع کی تعلیم سے زیادہ اہم ہے، لیکن چونکہ آیت اور اس کے موقع محل کو دیکھنے سے ظاہر ہے کہ مسلمان کو فائدہ ہونا یقینی تھا اور کافر کے بارے میں محض خیال اور وہم تھا اور یقینی کو خیالی سے پہلے رکھا جاتا ہے، اس لئے وہ آیتیں جن میں ظاہر میں ناراضی پائی جاتی ہے نازل ہوئیں۔

اور اصل کی تعلیم کو پہلے رکھنا اس جگہ ہے جہاں یقینی اور خیالی دونوں ایک ہی درجہ پر یعنی برابر ہوں، لہٰذا آپ کا فعل بھی عبادت تھا، مگر جو فعل ترک ہو گیا، وہ اس سے زیادہ اہم عبادت تھی لہٰذا ایسے امور میں استغفار کا حکم ہے اور ایسے ہی امور سورۂ فتح کے شروع میں مراد ہیں جن کو ذنب قرار دے کر مغفرت کی خوش خبری دی گئی۔ خوب سمجھ لو۔

اور ﴿ فَاعْلَمْ ﴾ میں علم پر قائم وثابت رہنا مراد ہے اور اگرچہ آپ کے معصوم ہونے کی وجہ سے آپ میں قائم وثابت نہ رہنے کا احتمال نہیں ہے، لیکن معصوم ہونا اور امر اور نہی کے پابند ہونے کے خلاف نہیں ہے، جس سے کبھی خبر دینا مقصود ہوتا ہے اور کبھی جس کا امر و حکم دیا گیا وہ مقصود ہوتا ہے اور جس سے روکا گیا، اگر وہ اس کو معلوم ہو تو دوسروں کو اس حکم کا سنانا اہتمام کی غرض سے مقصود ہوتا ہے۔

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۝ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ ۝ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۝
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝
فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ
اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ
اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ اُن لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو۔ سو عنقریب اُن کی کم بختی آنے والی ہے۔ اُن کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے، پھر جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہتے تو اُن کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا۔ سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع قرابت کر دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا، پھر اُن کو بہرا کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟ جو لوگ پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے کہ سیدھا راستہ اُن کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے اُن کو چکمہ دیا ہے اور اُن کو دور کی سُوجھائی ہے۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ خدا کے اُتارے ہوئے احکام کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعضی باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں کرنے کو جانتا ہے۔ سو ان کا کیا حال ہوگا جبکہ فرشتے اُن کی جان قبض کرتے ہونگے اُن کے مونہوں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہونگے۔ یہ اس سبب سے کہ جو طریقہ خدا کی ناراضی کا موجب تھا یہ اُسی پر چلے اور اُس کی رضا سے نفرت کیا کئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے سب اعمال کالعدم کر دیئے۔ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اُن کی دل کی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا۔ اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو اُن کا پورا پتہ بتلا دیتے۔ سو آپ اُن کو اُن کے حلیہ سے پہچان لیتے اور آپ اُن کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔ اور اللہ

تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے اور ہم ضرور تمہاری سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم اُن لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں، اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں۔

ربط: اوپر مؤمنوں اور کافروں کے ذکر کے بعد منافقوں کا ذکر تھا۔ اب بھی ان کے حال کی زیادہ تفصیل ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں مؤمنوں اور کافروں کا حال کم ہے اور منافقوں کا زیادہ ہے، کیونکہ ان کا حقیقت کو چھپانے کی غرض سے حالت کو چھپانے کی کوشش کرنا دھوکہ دہی کے لئے اس کو کھولنے کا تقاضا کرتا ہے اور شروع میں مؤمنوں کا قول تمہید کے لئے بیان کیا گیا ہے۔

منافقوں کی برائیوں کی تکمیل و تفصیل:

اور جو لوگ ایمان والے ہیں، وہ (تو ہمیشہ اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ اللہ کا کلام اور نازل ہوتا کہ ایمان تازہ ہو اور نئے نئے احکام آئیں تو ان کا ثواب بھی حاصل کریں اور اگر گذشتہ احکام کی تاکید ہو تو اور زیادہ ثابت و قائم ہوں۔ اور اس خواہش میں) کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت (کیوں نازل نہیں ہوئی؟ (کہ اگر نازل ہو تو تمنا پوری ہو) تو جس وقت کوئی صاف صاف (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور (اتفاق سے) اس میں جہاد کا بھی (صاف صاف) ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح (گھبرائی ہوئی نگاہوں سے) دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو (اس طرح دیکھنے کا سبب خوف اور بزدلی ہے کہ اب عزت و نام کی خاطر جہاد میں جانا پڑے گا اور مصیبت آگئی۔ اور جو لوگ اللہ کے اس طرح کے حکم سے جی چراتے ہیں) تو (اصل یہ ہے کہ) جلدی ہی ان کی کم بختی آنے والی ہے (کہ چاہے دنیا میں بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہوں ورنہ موت کے بعد تو ضروری ہی ہے، اور اگرچہ فرصت کے وقت میں بیٹھ کر یہ لوگ بہت سی باتیں اطاعت اور چاپلوسی کی بنایا کرتے ہیں، لیکن) ان کی اطاعت اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے (جو کہ اب جنگ کے حکم کے نازل ہونے کے وقت ان کی حالت سے بھی ظاہر ہوگئی) پھر (جہاد کے حکم کے نازل ہونے کے بعد) جب سارا کام (اور لڑائی کا سامان) تیار ہی ہو جاتا ہے تو (اس وقت بھی) اگر یہ لوگ (اللہ پر ایمان کے دعویٰ میں) اللہ سے سچے رہتے (یعنی ایمان کے دعویٰ کے تقاضے پر جو کہ عام طور سے تمام احکام پر اور خاص طور سے جہاد کے حکم پر عمل کرنا ہے، عمل کرتے اور سچے دل سے جہاد کرتے) تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا یعنی اگر شروع میں منافق تھے تو آخر ہی میں نفاق سے توبہ کرلیتے تب بھی ایمان قبول ہو جاتا، اور اس میں انتہا کو منحصر نہ سمجھا جائے، کیونکہ سچے دل سے عمل کرنا موت کے وقت تک مقبول ہے۔

آگے جہاد کے امر کی تقویت اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت کے لئے جہاد کو چھوڑ دینے پر منافقوں کو خطاب کر کے ڈر کی ایک ظاہری چیز بھی بیان فرماتے ہیں کہ تم لوگ جہاد سے نفرت کرتے ہو) تو (اس میں دنیاوی نقصان

بھی ہے چنانچہ) اگر تم (اور اسی طرح سب جہاد سے) الگ تھلگ رہو تو کیا تمہیں یہ احتمال بھی ہے (یعنی یہ احتمال ہونا چاہئے، اس طرح یہ سوال تقریر کے لئے ہے) کہ تم (یعنی تمام لوگ) دنیا میں فساد پھیلا دو۔ اور آپس میں رشتہ داریاں ختم کرلو (یعنی جہاد سے بڑا فائدہ عدل وانصاف اور اصلاح اور امن قائم کرنے کا ہے، اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو فساد پھیلانے والوں کا غلبہ ہوجائے اور ایسا کوئی بھی انتظام نہ رہے جس میں تمام مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہو، اور ایسا انتظام نہ ہونے کے لئے فساد اور حقوق کا ضائع کرنا لازم ہے، چاہے صحیح احکام کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی شخص لڑائی بھڑائی نہ ہونے کی صورت میں امن اور عدل سمجھ جائے، جیسا کہ شریعت مخالف قانونوں کے یہی آثار دیکھنے میں آتے ہیں کہ ظاہر میں اتفاق اور حقیقت میں اختلاف۔ لہٰذا جہاد میں دنیاوی فائدہ بھی ہو، اس سے الگ ہو کر بیٹھ رہنا اور بھی زیادہ عجیب ہے۔

آگے غائب کی طرف التفات کے طور پر ان مذکورہ منافقوں کی برائی ہے کہ) یہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا (اس لئے اس کے احکام پر عمل کی توفیق نہیں رہی) پھر (رحمت سے دور کرنے پر واقعہ یہ ہوا کہ) انہیں (اللہ کے احکام کو قبول کرنے والے کانوں سے) بہرا کردیا اور (حق کا راستہ دیکھنے سے) ان کی (باطنی) آنکھوں کو اندھا کردیا (آگے ان پر ملامت ہے کہ قرآن میں جہاد اور دیگر احکام کے واجب ہونے اور قرآن کے حق ہونے کی دلیلوں کے باوجود اور اس کے باوجود کہ ان احکام کی مصلحتوں اور آخرت کے ہمیشہ کے نفعوں کا اور کبھی دنیاوی فائدوں کا ذکر ہے اور ان احکام کی مخالفتوں پر وعیدوں کا بیان ہے، پھر جو یہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے) تو کیا یہ لوگ قرآن (کے اعجاز اور مضمونوں) میں غور نہیں کرتے (اس لئے حقیقتیں کھل کر ان کے سامنے نہیں آتیں) یا غور کرتے ہیں مگر) دلوں پر (غیب کے) تالے لگ رہے ہیں (ان باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے) اور واقع میں دونوں باتیں جمع ہیں، اول ان کا فعل ہوا یعنی انکار کی وجہ سے غور وفکر نہ ہونا، پھر اس کے وبال میں تالے لگ گئے، جس کو دوسری جگہوں پر طبع اور ختم بھی کہا گیا ہے اور اس ترتیب کی دلیل یہ آیت ہے ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ (سورۃ المنافقون آیت ۳) اور اس مجموعہ پر ﴿ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴾ لاگو ہے۔ آگے اس غور وفکر نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ) جو لوگ (حق) سے پیٹھ پھیر کر ہٹ گئے، اس کے بعد کہ انہیں (عقلی دلیلوں، جیسے قرآن کے اعجاز اور نقلی دلیلوں جیسے گذشتہ کتابوں میں بیان کی گئی پیشین گوئیوں سے، اس لئے کہ اکثر منافق اہل کتاب تھے) سیدھا راستہ صاف معلوم ہوگیا، شیطان نے انہیں فریب دیا ہے اور انہیں دور کی سجھائی ہے (کہ ایمان لانے سے موجودہ فلاں مصلحتیں اور جن کی آئندہ امید ہے فوت ہوجائیں گی۔ اور یہ ذہن میں بیٹھا ہوا اور طے ہے اس لئے ایمان نہ لانا ہی بہتر ہے، اور یہ غلط کام کو اچھا سمجھنا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اس غور وفکر نہ کرنے کی وجہ عناد ہے کہ ہدایت واضح ہوجانے کے بعد یہ پیچھے کی طرف لوٹ گئے، اور اس عناد کے بعد شیطان کی طرف سے ان کے ذہنوں میں ان کے عملوں کو اچھا کر کے بٹھا دیا گیا۔ اور شیطان کی طرف سے ان کے عمل کو اچھا بنا کر

دکھانے پر غور وفکر نہ ہوا اور غور وفکر نہ ہونے سے ختم اور طبع ہوا یعنی مہر لگی پھر) یہ (ہدایت واضح ہوجانے کے بعد پیچھے کی طرف لوٹنا) اس سبب سے ہوا کہ انھوں نے ایسے لوگوں سے جو کہ اللہ کے اتارے ہوئے (احکام کو حسد کی وجہ سے) ناپسند کرتے ہیں (اس سے یہود کے رئیس وسردار مراد ہیں، جو رسول اللہ ﷺ سے حسد کرتے تھے، اور حق کو پہچان لینے کے باوجود (اس کے اتباع سے عار کرتے ہوئے بچتے تھے۔ حاصل یہ کہ ان منافقوں نے یہود کے رئیسوں اور سرداروں سے) یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (یعنی تم جو ہمیں محمد ﷺ کے اتباع سے منع کرتے ہو، اس کے دو حصے ہیں: ایک ظاہر میں اتباع نہ کرنا اور دوسرے باطن میں اتباع نہ کرنا تو پہلے حصہ میں تو ہم مصلحت کی وجہ سے تمہارا کہنا نہیں مان سکتے، لیکن دوسرے حصہ میں مان لیں گے، کیونکہ عقیدوں میں ہم تمہارے ساتھ ہیں، جیسا کہ انھوں نے کہا ﴿ اِنَّا مَعَکُمْ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۴) مطلب یہ ہوا کہ حق سے پھرنے کا سبب قومی تعصب اور اندھی تقلید ہے۔ غرض سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے اور ختم وطبع پر ختم ہوتا ہے) اور (اگرچہ یہ منافق لوگ اس قسم کی باتیں پوشیدہ طور پر کرتے ہیں، مگر) اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ طور پر کی ہوئی باتوں کو (اچھی طرح) جانتا ہے (اور بعض امور کی وحی کے ذریعہ سے آپ کو خبر کردیتا ہے۔ آگے وعید ہے جو کہ ﴿ اَمْلٰى لَهُمْ ﴾ کی تفسیر کے طور پر ہوسکتی ہے یعنی جو ایسی حرکتیں کررہے ہیں) تو ان کا کیا حال ہوگا۔ جب فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں پر اور ان کی پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے (اور) یہ (عذاب) اس سبب سے (ہوگا) کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضگی کا سبب تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی رضا (یعنی رضا کا سبب بننے والے اعمال) سے نفرت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سب (نیک) اعمال (شروع ہی سے) ضائع کردیئے (لہٰذا اس عذاب کے مستحق ہوگئے اور اگر کسی کے پاس کوئی عمل مقبول ہوتو اس کی برکت سے عذاب میں کچھ تو کمی ہوہی جاتی ہے۔

آگے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴾ کے مضمون کی شرح کے طور پر ہے کہ) جن لوگوں کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے (اور وہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں) کیا وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی ان کے دلوں کی دشمنی کو ظاہر نہ کرے گا؟ (یعنی انہیں اس بات کا کیسے اطمینان ہوگیا جب کہ حق تعالیٰ کا علم الغیب یعنی غیب کی باتوں اور حالات کا جاننے والا ہونا ثابت اور مانی ہوئی حقیقت ہے) اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتادیتے تو آپ انہیں ان کی علامتوں سے پہچان لیتے (پورا پتہ کا مطلب یہی ہے کہ ہر ایک کا پورا حلیہ بتادیتے اور اگرچہ وہ حلیہ کلی مفہوم ہوتا مگر جو کلی ایک فرد میں منحصر ہو، وہ اسی معین جز کے مطابق ہوتی ہے، اس لئے اس کلی کا بتادینا اس جزئی کی طرف جزئی اشارہ کے درجہ میں ہے) اور (اگرچہ ہم نے مصلحت کی وجہ سے اس طرح نہیں بتایا لیکن) آپ انہیں (اب بھی) ان کے بات کرنے کے ڈھنگ سے ضرور پہچان لیں گے (کیونکہ ان کا کلام سچائی کی بنیاد پر نہیں چلتا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فراست وبصیرت کے نور سے

سچ اور جھوٹ کو پہچاننے کی خصوصی قوت دی تھی کہ سچی بات کا آپ کے دل پر اور اثر ہوتا تھا اور جھوٹی بات کا اور جیسا کہ حدیث میں ہے: الصدق طمانینة والكذب ريبة : یعنی سچ میں اطمینان ہے اور جھوٹ میں شک)

اور (آگے مؤمنوں اور منافقوں سب کو خطاب میں جمع کر کے ترغیب اور ڈرانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے (لہٰذا مسلمانوں کو ان کے اخلاص پر جزا اور منافقوں کو ان کے نفاق اور دھوکہ فریب پر سزا دے گا)

اور آگے مشقت والے احکام جہاد وغیرہ کی ایک حاکمانہ حکمت ارشاد فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ ﴾ الخ میں ایک حکیمانہ حکمت ارشاد فرمائی تھی یعنی) ہم (ایسے مشقت والے امور کا حکم دے کر) ضرور تمہاری سب کی جانچ کریں گے، تاکہ تم میں سے (ظاہری طور پر بھی) ان لوگوں کو دیکھ لیں (اور ایک دوسرے سے الگ) کرلیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور جو (جہاد میں) ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرلیں (یہ اس لئے بڑھادیا کہ جہاد کے حکم کے علاوہ دوسرے احکام بھی داخل ہوجائیں اور صبر کے مجاہدہ کی حالت کے علاوہ دوسرے حالات بھی داخل ہوجائیں)

فائدہ: درمنثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے: ثم دل الله النبی صلی الله علیه وسلم بعدُ علی المنافقین فکان یدعو باسم الرجل من أهل النفاق: یعنی بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو منافقوں کے بارے میں سب کچھ بتادیا، تب آپ منافقوں میں سے ایک ایک کا نام لیتے تھے۔ اور روح المعانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بغیر سند کے ایک روایت ہے: فکان علیه الصلوة والسلام یعرفهم بسیماهم : یعنی آپ ﷺ ان میں سے ہر ایک کو ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے، اور اسی مضمون کی روایت طبری نے ابن زید سے روایت کی ہے تو پہلی روایت میں آیت سے ایک دوسرے کی ظاہری نفی بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ دلالت بات کرنے کے ڈھنگ سے بھی ہوسکتی ہے، البتہ دوسری اور تیسری روایتیں ظاہر میں اس کی نفی کرتی ہیں، لیکن ﴿ لَوْ نَشَآءُ ﴾ الخ میں "لَو" ماضی کے لئے ہے اور ماضی میں نفی سے مستقبل کی نفی لازم نہیں آتی تو ممکن ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد علامتوں سے پہچان بھی عطا ہوگئی ہو۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منافقوں کے بارے میں بتادینا جو بعض روایتوں سے سمجھ میں آتا ہے، اس میں آپ کی پہچان کے بارے میں دونوں احتمال ہیں۔ اور ﴿ نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ ﴾ میں ظاہری طور پر کہا گیا ہے، اس کی شرح سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ ﴿ لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ﴾ کی تفسیر میں گذری ہے۔ اور آیت ﴿ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ ﴾ میں جو ﴿ مُّحْكَمَةٌ ﴾ کی قید ہے یہ محکم متشابہ کے مقابلہ میں ہے جیسا کہ سورۃ آلِ عمران آیت ۷ میں ہے۔ اور اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر جہاد کے بارے میں کوئی پوشیدہ معنی والی آیت نازل ہوتی تو انہیں بہانہ مل سکتا تھا کہ ہم اس کے معنی نہیں

سمجھے۔اور چونکہ محکم یعنی صاف صاف معنی میں اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے ان پر بہت شاق ہوتا تھا، اور اگر شبہ ہو کہ جہاد کا حکم ایک بار نازل ہونا بھی ان کی ناگواری کے لئے کافی تھا، کئی بار نازل ہونے کو اس میں کیا دخل تھا؟ جواب یہ ہے کہ جہاد کی اکثر آیتیں ایسی ہیں کہ جب کوئی نیا قصہ پیش آیا اور کسی خاص قوم یا قبیلہ سے جہاد کی ضرورت ہوئی تو خاص اس سے متعلق آیتیں آ گئیں۔ لہٰذا اگر نئی آیتیں نہ آتیں تو وہ اس سے بے فکر رہتے کہ گذشتہ آیتوں کا موقع تو ختم ہو چکا، اب نئے قصہ میں تو جہاد کا حکم نہیں ہوا ہے، مگر جب اس میں بھی جہاد کی آیتیں نازل ہوتی تھیں تو پھر ان کی جان پر بنتی تھی۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝﴾ ع ۸

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ اُن کو راستہ نظر آ چکا تھا، یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کی کوشش کو مٹا دے گا۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو۔ بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے اللہ کے رستے سے روکا پھر وہ کافر ہی رہ کر مر گئے، سو خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا۔ تو تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔ یہ دنیوی زندگانی تو محض ایک لہو و لعب ہے۔ اور اگر تم ایمان اور تقوی اختیار کرو تو تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا، اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے۔ ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے، سو بعضے تم میں سے وہ ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع سے یہاں تک مسلمانوں کی تعریف وتحسین اور کافروں کی مذمت وتذلیل ہے اور درمیان میں کافروں سے جہاد کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اب خاتمہ میں ان مضمونوں کا کچھ خلاصہ کچھ ان پر تفریع اور تاکید ہے۔ چنانچہ کافروں کی[1] مذمت ان کی بے عزتی وتذلیل کا خلاصہ ہے اور اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم مؤمنوں کی اسی طرح تحسین کے طور پر ہے کہ جب ایمان والوں کے لئے ایسی ایسی خوبیاں ثابت ہیں تو تم ان خوبیوں کی علت یعنی اطاعت کو مت چھوڑنا اور ان خوبیوں کے خلاف باتوں یعنی عمل کو باطل وبے کار کرنے سے بچنا۔ پھر اس تحسین اور تذلیل کے مجموعہ پر ﴿فَلَا تَهِنُوْا﴾ فرماتے ہیں کہ جب دونوں فریقوں میں یہ فرق ہے تو مقبول لوگوں کو ذلیل ورسوا ہونے والوں سے دبنا نہیں چاہئے، اور یہ مضمون ﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ کی تاکید ہے اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب کا مضمون جہاد کے حکم کو پورا کرنے والا ہے اور بالکل ختم پر ترہیب یعنی ملامت وڈرانے کا مضمون ان تمام امر ونہی کی تاکید ہے جن کا ذکر ہوا، ان کی بھی اور جن کا ذکر نہیں ہوا ان کی بھی۔

کلام کے شروع اور آخر میں مؤمنین کو چوکنا کرنا، اور ان کو اطاعت احکام کی

ترغیب دینا، خاص طور سے کافروں کے ساتھ جان ومال سے جہاد کی ترغیب دینا:

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستہ (یعنی دین) سے روکا اور رسول (ﷺ) کی مخالفت کی، اس کے بعد کہ انہیں (دین کا) راستہ (عقلی دلیلوں سے مشرکوں کے لئے اور نقلی دلیلوں سے اہل کتاب کے لئے بھی) نظر آچکا تھا، یہ لوگ اللہ (کے دین) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے (بلکہ یہ دین ہر حال میں پورا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ پورا ہوا) اور اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بے کار کردے گا (جو وہ لوگ دین حق کو مٹانے کے لئے کر رہے ہیں، یہ مسلمانوں کو ڈرانے کی تمہید تھی۔

آگے اطاعت کی ترغیب کے ساتھ چوکنا کرنے کی تصریح ہے کہ) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور (چونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ ہی کا حکم بتاتے ہیں، چاہے کسی خاص جز کی وحی سے یا پوری طرح وحی کی میں، کسی جز کو داخل کرکے، اس لئے) رسول (ﷺ) کی (بھی) اطاعت کرو۔ اور (کافروں کی طرح اللہ اور رسول کی مخالفت کرکے) اپنے اعمال کو برباد مت کرو (اگر یہ مخالفت خود ایمان میں ہے تب تو برباد ہونا اس لئے ہے کہ اگر کفر پہلے سے ہے جیسے اصلی کافر کا کفر تو وہ عمل کے صحیح ہونے کے خلاف ہے اور اگر بعد میں ملا ہے جیسے مرتد کا کفر تو وہ عمل کو برباد کرنے والا ہے اور اگر مخالفت خود

(۱) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر کافروں کی تذلیل اور مذمت کی تلخیص ہے اسی طرح بعد میں اطاعت کا حکم مبتدا اور تحسین مؤمنین پر لفظ تفریع خبر ہے۔

ایمان میں نہیں بلکہ کسی عمل میں ہے جیسے گناہ گار مؤمنوں کا گناہ اور نافرمانی، تب برباد ہونے کی یہ صورت ہے کہ جو ایک عمل کسی دوسرے عمل کے صحیح ہونے یا باقی رہنے کی شرط ہے، اس میں خلل ڈالا جائے جس کی تفصیل سورۃ البقرہ آیت ۱۶۴ ﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذری ہے[1] اور اس کے باوجود کہ کافر لوگ جو مخالفت کرتے تھے وہ خود ایمان ہی میں تھی جو کہ کسی چیز کی شرط کے مرتبہ میں ہے، لیکن چونکہ اس میں کسی چیز کی شرط نہ ہونے کا مرتبہ بھی پایا جاتا ہے جو کہ تمام مرتبوں میں مشترک ہے، اس لئے ڈرانے میں اس مخالفت کو کافروں کی مخالفت کی قسم سے قرار دینا جیسا کہ میں نے موقع ومحل کے قرینہ سے اس لفظ سے کہ کافروں کی طرح اس کا اعتبار کیا ہے کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اوپر تو ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ میں دنیا میں نقصان بیان کیا گیا تھا۔ آگے اس کا آخرت میں نقصان بیان فرماتے ہیں کہ) بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انھوں نے اللہ کے راستہ سے روکا، پھر وہ کافر ہی رہ کر مر (بھی) گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں کبھی نہیں بخشے گا (مغفرت نہ ہونے کے لئے کفر کے ساتھ اللہ کے راستہ سے روکنا شرط نہیں بلکہ موت کے وقت تک کافر رہنے کا یہ اثر ہے، لیکن اس کے زیادہ برا ہونے کے لئے یہ واقعی قید بڑھادی، کہ اس وقت کا فریسوں اور سرداروں میں یہ امر بھی بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔

آگے مؤمنوں کی تعریفوں اور کافروں کی برائیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب معلوم ہوگیا کہ مسلمان اللہ کے محبوب ہیں اور کافر سخت ناپسند ہیں) تو (اے مسلمانو!) تم (کافروں کے مقابلہ میں) ہمت مت ہارو اور (ہمت ہار کر انہیں) صلح کی طرف مت بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے (اور وہ مغلوب ہوں گے کہ تم محبوب ہو اور وہ ناپسند ہیں، ان پر غضب ہے) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (یہ تو تمہارے لئے دنیا کی کامیابی ہوئی) اور (آخرت میں یہ کامیابی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ) تمہارے اعمال (کے ثواب) میں ہرگز کمی نہ کرے گا (یہ تو ہمت بڑھا کر جہاد کی ترغیب دی۔

آگے زہد وتقوی یعنی نیک اعمال اور عبادت کے حکم کے ذریعہ جہاد کی ترغیب اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے حکم کی تمہید ہے کہ) یہ دنیاوی زندگی تو صرف کھیل تماشہ ہے (اگر اس میں جان اور مال کو فائدہ اٹھانے کے لئے بچانا چاہیں تو خود وہ فائدہ اٹھانا ہی کتنے دن کا ہے اور اس کا حاصل کیا ہے؟) اور اگر تم ایمان اور تقوی اختیار کرو (جس میں جان

(۱) مطلب یہ کہ اہل ایمان کی مخالفت سے جو منع کیا گیا ہے وہ مخالفت ظاہر ہے کہ کافروں کی مخالفت کے قبیل سے نہیں ہے کہ وہ ایمان میں تھی، پھر ﴿ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ میں یہ کیوں کہا کہ کفار کی مخالفت کے قبیل سے، جواب یہ ہے کہ کافروں کی یہ مخالفت مرتبہ بشرط شی میں ہے اور مرتبہ بشی میں لابشرط شی بھی شامل ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اس کا جز ہوتا ہے اور یہ دونوں مخالفتوں میں مشترک ہے اس لئے ایک مخالفت کو دوسری مخالفت کے قبیل سے کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ صحیح ہے۔

اور مال کے) ذریعہ جہاد کرنا بھی آ گیا) تو (تمہیں اپنی طرف سے نفع بھی پہنچا دے گا۔ اس طرح کہ) تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا، اور (تم سے کوئی نفع نہیں چاہے گا، چنانچہ) تم سے تمہارے مال (تک بھی جو کہ جان کے مقابلہ میں بہت کم اہمیت رکھتے ہیں، اپنے نفع کے لئے) طلب نہیں کرے گا (جب تم سے ایسی چیز طلب نہیں کرتا جس کا دینا آسان ہے تو جان جس کا دینا مشکل ہے، اسے تو کیوں طلب کرے گا؟ چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارے جان و مال کے خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں، اور نہ ہی یہ ممکن ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ﴾

اور لا يسئلكم أجوا كا تعلق ﴿ إِنْ تُؤْمِنُوْا ﴾ سے اس معنی میں نہیں ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو تمہارا مال لے لے گا، جیسا کہ اس کے جزا ہونے کا تقاضا ہے بلکہ اس معنی میں ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے تو ہمارا کوئی خصوصی تعلق ہی نہیں ہے، اس سے مال کے سوال کا کوئی احتمال ہی نہیں، ہاں شاید ایمان لانے کی صورت میں ڈرتا ہو کہ کہیں دوستی میں فرمائش نہ ہونے لگے، جیسا کہ اکثر دنیاداری والوں میں دیکھا جاتا ہے، اس لئے مبالغہ کے طور پر اس پر مرتب فرمایا کہ اگر تم ایمان بھی لے آؤ تب بھی ہم تم سے اپنے لئے مال طلب نہ کریں، اور اپنے نفع کے لئے سوال کرنا تو سوال کی ایک محال فرد ہے، اس کا تو احتمال ہی نہیں۔ ہماری طرف سے تو سوال کے بعض ممکن فرد بھی کہ وہ سارے مال کا سوال ہے واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو سارا مال خرچ کرنا ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ) اگر (امتحان کے طور پر) تم سے تمہارے مال طلب کرے پھر آخری درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے (یعنی سارا مال طلب کرنے لگے) تو تم (یعنی تم میں سے اکثر) کنجوسی کرنے لگو (یعنی دینا گوارا نہ کرو) اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کر دے (یعنی مال نہ دینے کی وجہ سے جو کہ ظاہری فعل ہے باطن کے اندر پائی جانے والی ناگواری سب کے سامنے آ جائے، اس لئے یہ ممکن فرد بھی واقع نہیں کی گئی اور) ہاں (اس ممکن فرد پر کنجوسی اور ناگواری کا ظاہر ہونا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ) تم لوگ ایسے ہو کہ تمہیں اللہ کے راستہ میں (جس کے نفع کا خود تمہیں پہنچنا یقینی ہے، مال کا تھوڑا سا حصہ) خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے (اور باقی اکثر تمہارے قبضہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے) تو (اس پر بھی) تم میں وہ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں (چاہے ایسے لوگ تھوڑے ہی سہی، مگر یہ تو معلوم ہو گیا کہ اگر وہ مذکورہ فرد واقع ہوتی جو کہ اس سے بہت زیادہ مشقت والی اور شدید و سخت ہے تو جیسے اب بعض تھوڑے سے لوگ کنجوسی کرتے ہیں اس وقت کچھ زیادہ بلکہ اکثر کنجوسی کرتے جیسا کہ طبیعتوں کے انداز سے صاف ظاہر ہے) اور (آگے اس واقع ہونے والی فرد پر کنجوسی کی مذمت ہے کہ) جو شخص (ایسی جگہ خرچ کرنے سے) کنجوسی کرتا ہے تو وہ (حقیقت میں) خود اپنے آپ ہی سے کنجوسی کرتا ہے (یعنی خود اپنے آپ ہی کو اس کے ہمیشہ کے نفع سے محروم رکھتا ہے) اور (ورنہ) اللہ تو کسی کا محتاج نہیں (کہ اس کے نقصان کا احتمال ہو) اور (بلکہ) تم سب (اس کے) محتاج ہو (اور تمہاری اسی محتاجی کی رعایت سے تمہیں خرچ کرنے کا حکم کیا گیا، کیونکہ آخرت میں تمہیں ثواب کی حاجت ہوگی۔ اور اس کا طریقہ

یہی اعمال ہیں، اب تم اپنا نفع نقصان دیکھ لو۔ اور پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں کسی عمل کرنے والے کے خود عمل ہی کی حاجت نہیں) اور اگر (بعض حکمتوں کی وجہ سے دنیا میں ایسے لوگوں کو رکھنا ہی منظور ہوگا جو کہ نیک عمل کریں، اور) تم (ہمارے احکام سے) منہ پھیرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا (اور) پھر وہ تم جیسے (منہ پھیرنے والے) نہ ہوں گے (بلکہ نہایت فرماں بردار ہوں گے اور یہ کام ان سے لے لیا جائے گا اور اس طرح وہ حکمت پوری ہو جائے گی)

فائدہ: ﴿ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوٓا اِلَى السَّلْمِ ﴾ یعنی "تم ہمت مت ہارو اور صلح کی طرف مت بلاؤ" میں جو صلح سے منع کیا گیا ہے تو اس سے مطلق صلح مراد نہیں، بلکہ صرف اس صلح سے منع کیا گیا ہے جس کی بنیاد ہمت کی کمی اور کمزوری ہو، جو کہ معصیت یعنی نافرمانی اور گناہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب معصیت ناجائز ہے تو اس کی بنیاد پر کوئی عمل کرنا بھی جائز نہ ہوگا اور جو صلح کسی مصلحت یعنی اچھے مقصد سے ہو چاہے وہ مصلحت جسمانی قوت کی کمی اور کمزوری ہو یا تعداد کی کمی یا سامان کی کمی وغیرہ ہو، وہ جائز ہے۔

اور ﴿ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ﴾ میں جو غلبہ کی خوش خبری دی ہے، اگر یہ خاص مخاطب کے اعتبار سے ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں، کیونکہ سب کے دیکھتے دیکھتے ایسا ہی واقع ہوا، اور اگر عام مؤمنوں کے اعتبار سے ہے تو دوسری جگہ ﴿ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی کامل ایمان والے ہونے کی قید لگائی ہے اور اس کی تحقیق سورۃ المائدہ آیت ۵۶ ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ الخ کی تفصیل کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

اور ﴿ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا ﴾ کی وضاحت میں سوال کی جس فرد کو ممکن کہا گیا ہے، اگر اس پر شبہ ہو کہ یہ سوال تو خود ہی محال ہے کیونکہ وہ حاجت ومحتاجی پر موقوف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سوال سے مراد مطلق طلب کرنا ہے، چاہے حکم وامر کے طور پر ہی سہی۔ چنانچہ آیت ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ الخ میں حق تعالیٰ کی طرف سے قرض کے لئے سوال کرنے کی نسبت اس معنی کے اعتبار سے خود ثابت ہے۔

اور ﴿ تَبْخَلُوْا ﴾ کے ترجمہ میں جو لفظ "اکثر" کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ وہ خوشی سے سب کچھ دیدیتے۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ پھر ﴿ تَبْخَلُوْا ﴾ یعنی "بخل وکنجوسی کرو" میں سب کی طرف کیوں نسبت کردی؟ جواب یہ ہے کہ جو نسبت اکثر کی طرف ہوتی ہے، وہ مجاز کے طور پر سب کی اور کل کی طرف ہوتی ہے، ایسا کلام میں عام طور سے ہوتا ہے اور اس ممکن فرد کا واقع نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ شروع میں جتنے بھی خرچ واجب ہیں، ان میں سے کسی میں بھی سارا مال دینا واجب نہیں اور یوں کوئی سارے مال کو خود ہی نذر کرے تو یہ اس نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے اور اس کے لازم کرنے کی وجہ سے شریعت میں واجب ہوا ہے۔

اور اگر شبہ ہو کہ جان تو سارے مال سے زیادہ عزیز پیاری اور قیمتی ہے، اس کے دینے کا کیوں حکم ہوا ہے؟ تو اس

کا جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت اصلاح کے لئے انسان کو زیادہ ہے اور سارے مال کے دینے اور خرچ کرنے کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں، اور چونکہ نفع وفائدے نہایت عظیم ہیں، اس لئے عظیم مشقت کو گوارا کیا گیا، اور چونکہ فساد وبگاڑ کے پھیلنے کے بعد تھوڑی جانوں کے بچانے سے جو کہ جہاد کو چھوڑ دینے اور نہ کرنے سے لازم آتا ہے بہت سی جانیں جاتیں، اس لئے تھوڑی جانوں کا جانا گوارا ہوا۔ اور آخرت کا نفع اس کے علاوہ ہے۔

اور ﴿ تُنۡفِقُوۡا ﴾ کے ترجمہ میں جو ''تھوڑا سا'' کہا گیا ہے، اس کی دلیل اس کا وقوع ہے، اور کلام میں اس کا قرینہ ﴿ تُنۡفِقُوۡا ﴾ کے مفعول کا حذف کرنا ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خود خرچ کرنا چاہئے اور وہ تھوڑے سے بھی ہو جاتا ہے، البتہ اس تھوڑے کی تعیین کا ہونا اور نہ ہونا شریعت کے حوالہ ہے۔

اور ﴿ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يَّبۡخَلُ ﴾ کو بعض نے اس خیال کی وجہ سے منافقوں کی شان میں قرار دیا ہے کہ مؤمنوں سے کنجوسی کا ہونا محال ہے۔ لیکن آگے جو ﴿ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا ﴾ آیا ہے اس کے متعلق ترمذی کی ایک حدیث میں صحابہ کا یہ سوال مروی ہے: من هؤلاء اللذين إذا تولينا استبدلوا بنا: یعنی ''وہ لوگ کون ہیں کہ اگر ہم منہ پھیر لیں گے تو ہماری جگہ ان کو لے آئیں گے؟'' جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ تَتَوَلَّوۡا ﴾ کا خطاب مؤمنوں کو ہے، اور ظاہر ہے کہ سب ضمیروں کا مخاطب ایک ہی ہونا مناسب ہے۔ لہٰذا پہلی ضمیر کے مخاطب بھی مؤمنوں کو ہی قرار دینا مناسب ہے۔ رہا یہ کہ ان سے کنجوسی کا واقع ہونا محال ہے تو اول تو نبیوں اور فرشتوں کے سوا ہم کسی کو معصوم نہیں کہتے۔ دوسرے یہ کہ یہ کیا ضروری ہے کہ بخل وہی واقع ہوا ہو جس کی مذمت کی گئی ہے، یعنی خرچ میں کمی کرنا اس صورت میں مذمت کے قابل نہیں ہے جب کہ اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا جائے۔ رہا عتاب تو یہ اس لئے ہوسکتا ہے کہ کبھی کبھی یہ عمل کی طرف بڑھا دیتا ہے اس لئے اس کا دور کرنا ضروری ہے۔ اور ﴿ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا ﴾ میں صحابہ کا منہ پھیرنا یقینی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ﴿ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ﴾ یعنی دوسری قوم پیدا نہ کی گئی ہو۔ ہاں ان کی جگہ دوسری قوم لے آنے کی نفی یقینی ہے، لہٰذا حدیث میں جو اس قوم کی تفسیر فارس والے مؤمنوں سے آئی ہے جو کہ پیدا کئے گئے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

﴿ الحمدللہ! سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تفسیر پوری ہوئی ﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں اللہ کے راستہ میں جان ومال لگا دینے اور خرچ کرنے کی ترغیب تھی، اور اس پوری سورت میں اس خرچ کے چند موقعوں کا ذکر ہے۔

افادہ: اس سورت کی مختلف آیتوں میں کئی واقعوں کی طرف اشارہ ہے، آیتوں کو سمجھنے کی سہولت کے لئے ان واقعوں کو لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلا واقعہ: حضور ﷺ نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن وامان کے ساتھ گئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا یعنی سر کے بال منڈائے اور کٹوائے جو حج اور عمرہ کے موقع پر کیا جاتا ہے، آپ نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا، اگرچہ آپ نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی مگر شوق واشتیاق کی شدت میں اکثر کا خیال اس طرف گیا کہ اس سال عمرہ میسر ہوگا اور اتفاق کی بات کہ آپ ﷺ کا ارادہ بھی عمرہ کا ہوگیا۔

دوسرا واقعہ: آپ عمرہ کے ارادہ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار لوگوں کے ہمراہ مکہ کو چلے۔ چنانچہ ہدی یعنی مکہ پہنچ کر کی جانے والی قربانی کے لئے جانور بھی آپ کے ساتھ تھے، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو قریش نے بہت سارے لوگوں کو جمع کر کے اتفاق کرلیا کہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ آپ نے حدیبیہ میں جو مکہ سے قریب ہے، قیام فرمایا۔

تیسرا واقعہ: آپ نے مکہ میں ایک قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں، ہمیں مکہ میں آنے دو، ہم عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔ مگر اس قاصد کو کوئی جواب نہیں ملا، یہاں تک کہ آپ نے اس کام کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کی زبانی بھی قریش کو یہی پیغام کہلا بھیجا۔ اور ان بعض مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں مظلوم اور مغلوب حالت میں تھے، یہ خوش خبری کہلا بھیجی کہ اب جلدی ہی مکہ میں اسلام غالب ہوجائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش والوں نے روک لیا، ان کی واپسی میں دیر لگی تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت آپ نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع پیش آجائے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سارے صحابہ سے جہاد کی بیعت لی، جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو وہ ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا۔

چوتھا واقعہ: پھر مکہ کے چند رئیس صلح کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنے کا فیصلہ ہوا، جس پر شروع میں بسم اللہ الخ لکھنے پر ہی قریش نے جھک جھک کی کہ ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھنے دیں گے، وہاں پرانا کلمہ باسمک اللّٰھم لکھائیے۔ اور پھر آپ کے نام کے ساتھ "رسول اللہ" لکھنے پر بحث کی کہ صرف ابن عبداللہ لکھا جائے، اس پر گفتگو ہوتی رہی اور مسلمانوں کو غصہ بھی آیا۔ یہاں تک کہ وہ جوش میں آگئے کہ معاملہ تلوار سے ایک طرف کر دیا جائے، لیکن آپ ﷺ نے ان دونوں باتوں کو منظور فرمالیا۔ اور مسلمانوں نے بھی ضبط کیا یہاں تک کہ صلح نامہ لکھا گیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیے، اور آئندہ سال آکر عمرہ کر لیجئے اور ایک مضمون یہ تھا کہ دس سال تک لڑائی نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ نے حدیبیہ ہی میں ہدی کو ذبح کیا، اور حلق و قصر کر کے احرام کھول دیا۔ اور مدینہ کو واپس تشریف لے چلے۔

پانچواں واقعہ: حدیبیہ میں صلح سے پہلے ایک واقعہ یہ ہوا کہ مکہ والوں میں سے ایک مسلح یعنی ہتھیار بند جماعت خفیہ طور پر یہاں اس ارادہ سے آئی کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دیں، صحابہ نے انہیں دیکھ لیا اور پکڑ لیا مگر آپ نے انہیں رہا کر دیا۔

چھٹا واقعہ: جب آپ مکہ کے لئے چلے تھے تو آپ کو بھی قریش کی طرف سے لڑائی لڑنے کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ نے زیادہ مجمع کے ساتھ چلنے میں مصلحت سمجھی، چنانچہ آپ نے اعراب یعنی دیہات والوں میں بھی اس کا اعلان کرا دیا کہ تمہیں بھی چلنا چاہئے، مگر وہ لوگ نفاق کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہیں گئے، اور کہنے لگے کہ مکہ میں بہت لوگوں نے جمع ہو کر آپ کو وہاں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لئے ہم تو ان کے مقابلہ میں نہیں جاتے، اور آپ کے اور مؤمنوں کے بارے میں کہا کہ یہ لوگ بچ کر واپس نہیں آئیں گے۔ اور جب آپ واپس تشریف لے آئے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹے عذر کرنے لگے۔

ساتواں واقعہ: جب آپ حدیبیہ سے واپس مدینہ کے لئے تشریف لا رہے تھے تب راستہ میں یہ سورت پوری یا اس کا اکثر حصہ نازل ہوا، اس بارے میں دو قول ہیں اور یہ سارے واقعے سن ٦ ہجری میں ہوئے۔

آٹھواں واقعہ: آپ حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد محرم ٧ ہجری میں اپنے حدیبیہ والے ساتھیوں کو ہی لے کر خیبر کو فتح کرنے کے لئے چلے جو کہ مدینہ سے شمال میں چار منزل کے فاصلہ پر شام کی سمت میں ایک شہر تھا۔ وہاں پہنچنے پر وہ شہر فتح ہو گیا۔ اس مہم میں کوئی شخص حدیبیہ کی مہم سے پیچھے رہ جانے والا شریک نہیں تھا۔

نواں واقعہ: اگلے سال ذی قعدہ ٧ ہجری میں آپ معاہدہ کے مطابق پچھلے سال فوت ہونے والے عمرہ کی بجائے پھر عمرہ ادا کرنے کے لئے چلے، چنانچہ آپ نے مکہ پہنچ کر امن و امان اور سکون و اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا۔

دسواں واقعہ: صلح نامہ میں جو دس سال تک لڑائی بند رہنے کا معاہدہ لکھا تھا قریش نے اس کو توڑ دیا۔ آپ نے مکہ پر چڑھائی کی اور رمضان ۸ ہجری میں اس کو فتح کر لیا۔ جس کی تفصیل سورۂ براءت کی تفسیر کے فائدہ میں لکھی گئی ہے، یہ سب روایتیں روح المعانی میں حوالوں سمیت موجود ہیں، بعض آیتوں میں دوسرے واقعوں کی طرف بھی اشارہ ہے مگر اول تو ان کی تفسیر میں اختلاف ہے دوسرے ان کی تفصیل پر تفسیر موقوف نہیں ہے، اس لئے وہ واقعے انہی آیتوں کے ساتھ لکھ دیئے جائیں گے۔ اب تفسیر شروع ہوتی ہے، پہلے فتح مبین کے ساتھ مع اس کے عظیم الشان والے مقصدوں کے حضور ﷺ پر احسان کا اظہار فرماتے ہیں۔

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ ﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے، اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو۔

رسول اللہ ﷺ کو فتح مبین کی مبارک باد اور دین کی تقویت کے تعلق سے باتیں:

بے شک ہم نے (حدیبیہ کی اس صلح کے ذریعہ) آپ کو ایک کھلی فتح عطا کر دی (یعنی حدیبیہ کی اس صلح سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ ایک مطلوب فتح یعنی مکہ کی فتح کا سبب ہو گئی، جیسا کہ آگے اس کا بیان آ رہا ہے، گویا یہ صلح ہی مکہ کی فتح ہو گئی، اور مکہ کی فتح کو فتح مبین یا کھلی فتح اس لئے کہا گیا کہ فتح کی غرض و مقصد لوگوں کے اسلام قبول کرنے یا اطاعت قبول کر لینے کی وجہ سے اسلام کا غلبہ ہونا ہے۔ اور اس کا مطلوب اثر یہی ہے، اور مکہ کی فتح سے اسلام کو اس لئے نہایت غلبہ ہوا کہ عرب کے تمام قبیلوں کو اس کا انتظار تھا کہ اگر آپ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو ہم بھی اطاعت کر لیں گے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو چاروں طرف سے قبیلے امنڈ پڑے اور خود یا وفد کے واسطہ سے حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ بخاری نے عمرو بن سلمہ سے روایت کیا ہے۔ لہٰذا چونکہ اسلام کے غلبہ کے آثار اس فتح کے بعد زیادہ نمایاں ہوئے، اس لئے اس کو فتح مبین فرمایا گیا اور حدیبیہ کی صلح اس کا سبب اس طرح ہو گئی کہ مکہ والوں سے بار بار لڑائی ہوتی رہتی تھی، اور اس وجہ سے مسلمانوں کو اپنی قوت اور سامان بڑھانے کی فرصت اور مہلت نہیں ملتی تھی، اب جو صلح ہو گئی تو مسلمانوں نے اطمینان کے ساتھ مختلف میدانوں میں کوششیں کیں اور سرگرمیوں میں حصہ لیا، جس کی وجہ سے بہت سے نئے لوگ مسلمان ہو گئے اور تعداد بڑھ گئی اور خیبر وغیرہ کی فتح سے سامان بھی درست ہو گیا، اور ایسے ہو گئے کہ دوسروں پر دباؤ بنا سکیں۔ پھر قریش کی طرف سے

بدعہدی ہوئی تو آپ دس ہزار افراد کے ساتھ مقابلہ کے لئے چلے، ادھر مکہ والے اس قدر دبے کہ کوئی زیادہ لڑائی بھی نہیں ہوئی اور انھوں نے اطاعت قبول کر لی، اور لڑائی اس قدر معمولی ہوئی کہ اہل علم میں اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ مکہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا یا زور وزبردستی سے۔ غرض اس طرح یہ صلح فتح کا سبب ہو گئی، اس لئے اس صلح کو مجاز کے طور پر سبب پر مسبب کا اطلاق کرتے ہوئے فتح فرمادیا جس میں فتح کی پیشین گوئی بھی ہے۔

آگے اس فتح کے دنیا کے اور آخرت کے ثمروں اور نتیجوں کو بیان فرماتے ہیں، کہ یہ فتح اس لئے میسر ہوئی) تاکہ (اس کے بعد دین کی تبلیغ کے بارے میں جو آپ کی شاندار کوششیں شروع ہی سے ہو رہی ہیں۔ ان کا نتیجہ ظاہر ہو۔ یعنی لوگ کثرت سے مسلمان ہوں، اور اس سبب سے کہ کسی کی کوشش سے کسی کا ایمان لانا کوشش کے اجر کا سبب ہوتا ہے۔ اگرچہ خود کوشش کا بھی اجر ملتا ہے لیکن حدیث میں: من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها: یعنی ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اسے اس طریقہ کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ملے گا'' کے مطابق مسلمان ہونے سے اور زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اس لئے بہت زیادہ مخلوق کے اسلام قبول کرنے کے بدلہ میں آپ کا اجر بہت زیادہ بڑھ جائے اور اجر کے زیادہ ہونے اور قرب کی برکت سے) اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی (صورت اور ظاہر میں دکھائی دینے والی) ساری کوتاہیوں کو معاف فرمادے اور آپ پر (جو اللہ تعالیٰ) اپنے احسان (کرتا آرہا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کو نبوت عطا فرمائی، قرآن نازل فرمایا۔ بہت سے علوم دیئے، بہت سے اعمال کا ثواب دیا۔ ان احسانوں کو اور زیادہ) پورے کردے (یعنی ایک نعمت یہ دے کہ آپ کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوں جس کی وجہ سے آپ کا اجر اور قرب بڑھے، یہ دو نعمت تو آخرت کی ہیں، جن کا حاصل آخرت کے نقصان کا دور ہونا اور آخرت کے فائدے حاصل ہونا ہے اور نقصان کے دور ہونے کے اہم ہونے کی وجہ سے اس کو ﴿ یَغۡفِرَ ﴾ الخ میں پہلے رکھا) اور (دو نعمتیں دنیاوی ہیں: ایک یہ کہ) آپ کو (بغیر کسی کی روک ٹوک کے، دین کے) سیدھے راستہ پر لے چلنے (اور پہلے سے بھی آپ کا سیدھے راستہ پر چلنا یقینی ہے، لیکن اس میں کافر رکاوٹ ڈالتے اور ٹکراتے تھے) اور (دوسری دنیاوی نعمت یہ ہے کہ) اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (یعنی جس کے بعد آپ کو پھر کبھی دبنا ہی نہ پڑے جیسا کہ اس سے پہلے کبھی کبھی مسلمانوں کو مصلحت کی وجہ سے دبنا پڑا ہے ﴿ یَہۡدِیَکَ ﴾ کا حاصل مغلوب ہونے کی نفی ہے جو کہ نقصان کا دور ہونا ہے اور ﴿ یَنۡصُرَکَ ﴾ کا حاصل غالب ہونے کا اثبات ہے جو کہ نفع کا حاصل ہونا ہے اور یہ مفہوم پہلے والے مفہوم سے زیادہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہوتے ہوتے تمام عرب جزیرہ پر آپ کا تسلط ہو گیا)

فائدہ: ﴿ لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ ﴾ الخ میں لام کی یہ توجیہ سب سے زیادہ آسان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مخلوق کے اسلام قبول کرنے کا سبب ہے اور مخلوق کا اسلام قبول کرنا اللہ کے نزدیک قبول اور اجر کی کثرت کا سبب ہے، اور اللہ کے

نزدیک قبول اور اجر کی کثرت، غفران کا سبب ہے۔ اور سبب کا سبب بھی سبب ہے۔ لہٰذا فتح، مغفرت کا سبب ہو گیا۔ اور باقی میں سبب ہونا اور زیادہ ظاہر ہے اور ذنوب کی اس مغفرت کی حقیقت سورۂ محمد آیت ۱۹ کے فائدہ میں گذر چکی۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا تا کہ اُن کے پہلے ایمان کے ساتھ اُن کا ایمان اور زیادہ ہو۔ اور آسمان اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایسی بہشتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس میں ہمیشہ کو رہیں گے۔ اور تا کہ اُن کے گناہ دور کر دے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے، اور تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ بُرے بُرے گمان رکھتے ہیں۔ اُن پر بُرا وقت پڑنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ اُن پر غضبناک ہوگا اور ان کو رحمت سے دور کر دے گا اور اُن کے لئے اُس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اور آسمان اور زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر ان نعمتوں کا ذکر تھا جو اس واقعہ میں آپؐ سے متعلق تھیں۔ اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اس واقعہ میں آپ کے ساتھی مؤمنوں سے متعلق ہیں اور ان کی تکمیل اور مقابلہ کے لئے اس کے ساتھ ہی کافروں کے عذاب کا بھی ذکر کر دیا۔

مؤمنوں کی نعمتوں اور کافروں کے عذاب کا ذکر:

وہ اللہ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا کیا (جس کے دو اثر ہیں: ایک جہاد کی بیعت کے وقت جہاد کی ہمت اور عزم رکھنا جس کا ذکر آگے آیت ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ الخ میں آ رہا ہے اور دوسرا اثر کافروں کی بے جا ضد کے وقت جوش کو ٹھنڈا کرنا، جس کا ذکر او پر چوتھے واقعہ میں ہوا ہے، اور جس کا بیان آگے آیت ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ﴾ میں آ رہا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ﴿سَكِيْنَتَهٗ﴾ عام ہے اور

آگے دو موقعوں پر اس کی ایک ایک خاص فرد کا ذکر ہے اور یہ اطمینان وتحمل اس لئے پیدا کیا) تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (اس طرح کہ پہلے سکینہ سے جنگ وقتال کا عزم ہوا اور دوسرے سکینہ سے جنگ وقتال سے رکنا ہوا۔ اور یہ دونوں امر چونکہ رسول اللہ ﷺ کے امر اور رضا کے مطابق تھے، لہٰذا دونوں میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہوئی۔ اور آپ کی ہر اطاعت سے ایمان کا نور بڑھتا ہے) اور (تم جنگ وقتال کے عزم میں کبھی کافروں کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر جھکنا نہیں، اور اسی طرح جنگ وقتال سے رکنے میں جب کہ اسی کا حکم دیا گیا ہو، جیسا کہ حدیبیہ میں یہ واقعہ ہوا تھا یہ خیال مت کرنا کہ افسوس صلح ہوگئی اور کافر بچ گئے، انہیں سزا نہیں دی گئی، لہٰذا نہ اس میں کوئی شک کرنا اور نہ دل میں اس کا خیال لانا کیونکہ) آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر (جیسے فرشتے اور دوسری مخلوقات یہ سب) اللہ ہی کے (لشکر) ہیں (لہٰذا جنگ وقتال کے امر میں تمہاری کمی کی تلافی اپنے لشکروں سے کرسکتا ہے اور اگرچہ اس کی بھی ضرورت نہیں، لیکن یہ بھی تائید کا ایک طریقہ ہے۔ چنانچہ یہ بھی بار بار واقع ہوا، ہجرت میں ﴿اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ بدر میں ﴿یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ﴾ احزاب میں ﴿وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ حنین میں ﴿وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور اسی طرح جنگ وقتال سے رکنے کے امر میں یہ خیال نہ کرو کہ اگر ہمیں جنگ وقتال کا حکم ہو جاتا تو ہم انہیں ہلاک کردیتے۔ کیونکہ انہیں ہلاک کرنا کچھ تم پر موقوف نہیں، اگر ہم چاہیں تو اپنے ان دوسرے لشکروں کے ذریعہ ہلاک کرسکتے ہیں، لیکن چونکہ اس وقت صلح میں ہی حکمتیں تھیں جس میں سے بعض کا بیان ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ﴾ الخ کی وضاحت میں گذر چکا ہے) اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے (جب جنگ وقتال میں مصلحت ہوتی ہے تو اس کا حکم دیتا ہے، اس وقت اس میں ہچکچاہٹ یا جھجک نہیں دکھانی چاہئے۔ اور جب جنگ وقتال کے نہ کرنے میں مصلحت ہوتی ہے تب اس کا حکم دیتا ہے، اس وقت اس میں کوئی رنج وافسوس نہیں کرنا چاہئے۔

آگے اسی غرض یعنی ایمان کی زیادتی کو دوسرے عنوان سے جو کہ ایمان کی زیادتی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، بیان فرماتے ہیں، یعنی) تا کہ اللہ تعالیٰ (اس اطاعت کی بدولت) مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ (اس اطاعت کی بدولت) ان کے گناہ دور کردے (اس لئے کہ اطاعت میں توبہ اور تمام نیک اعمال شامل ہیں، اور ان کا مجموعہ تمام برائیوں کا کفارہ ہوتا ہے) اور یہ (جس کا ذکر ہوا، سب) اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے (اور ﴿لِّيُدْخِلَ﴾ الخ بھی ﴿لِيَزْدَادُوْٓا﴾ کی طرح ﴿اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ﴾ سے متعلق ہے اور ﴿اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ﴾ ایمان کی زیادتی کے واسطہ سے ﴿يُدْخِلَ﴾ الخ کا سبب ہے، اس طرح کہ ﴿اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ﴾ اطاعت کا سبب ہے اور اطاعت ﴿يُدْخِلَ﴾ الخ کا سبب ہے۔

اور اس خوش خبری میں عورتوں کے شامل ہونے کے بارے میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو حدیبیہ میں شریک ہی نہیں

تھیں، اصل بات یہ ہے کہ فضیلت کی بنیاد اطاعت پر ہے، چاہے خاص اس امر میں ہو، جیسا کہ حدیبیہ والوں سے ہوا یا دوسرے امور میں ہو، اور اس میں مؤمن عورتیں بھی شریک ہیں۔ اور اس کے بڑھا دینے سے ایک طرح سے عورتوں کی تسلی بھی ہے کہ حدیبیہ والوں کے فضائل سن کر ممکن تھا کہ ان کے دل ٹوٹتے کہ ہم محروم رہ گئیں۔ اس لئے بتا دیا کہ اصل بنیاد اطاعت ہے تو جو احکام تمہارے لئے ہیں تم ان میں اطاعت کرو کہ تم بھی ان خوش خبریوں کی مستحق ہوگی)

اور (چونکہ آیت ﴿ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ ﴾ الخ مؤمنوں کی تعریف کا مقام ہے اور تعریف کا مقام زیادہ تر محاوروں میں اس کے خاص ہونے کا تقاضا کرتا ہے جس کی تعریف کی جاتی ہے، اس کے ساتھ جس کے ذریعہ تعریف کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ سکینت غیر مؤمنوں کے دلوں میں نازل نہیں کی گئی، لہٰذا گویا کلام کا مجموعہ اس طرح ہوا کہ اللہ وہ ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی اور غیر مؤمنوں کے دلوں میں سکینت نازل نہیں فرمائی۔ اور پہلے جز کی علت غائیہ ﴿ لِيَزْدَادُوْٓا ﴾ سے ﴿ يُدْخِلَ ﴾ تک میں ذکر ہوئی۔ اور دوسرے جز کی علت غائیہ آگے بیان فرماتے ہیں کہ کافروں کو مطلق سکینت سے کہ اس کا پہلا نتیجہ ایمان ہے، اس لئے محروم رکھا یعنی انہیں ایمان کی بھی توفیق نہیں ہوئی) تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (ان کے کفر کی وجہ سے) عذاب دے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برے خیال رکھتے ہیں (اس برے خیال میں شرک والے اور کفر والے عقیدے بھی سب داخل ہیں، اور اس میں رسول کو نبوت کے معاملہ میں جھٹلانا اور اسلام کے غلبہ کا وعدہ وغیرہ بھی داخل ہے اور اس میں کافروں پر چوٹ کی ہے جو اس واقعہ میں آپ سے ٹکرائے اور ضد دکھائی اور مدینہ کے منافقوں پر بھی چوٹ ہے کہ اس واقعہ میں عداوت یعنی دشمنی کی وجہ سے اس بات کی تمنا رکھتے تھے کہ مسلمان بچ کر نہ آئیں، اور اسلام کے غلبہ کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جن کے اللہ کی جانب سے ہونے پر قطعی دلیلیں قائم ہیں، انہیں غلط سمجھتے تھے، اور آگے کے ارشاد ﴿ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ ﴾ الخ سے یہی مراد ہے، اور چونکہ اس عذاب کی بنیاد کفر ہے اس لئے منافق عورتوں اور مشرک عورتوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ اور اس واقعہ میں خاص طور سے بھی آپ کے مخالف ہونے میں کافر عورتیں بھی شریک ہیں، چاہے دل سے ہی سہی، جیسا کہ جنگ وقتال کو اچھا سمجھنے میں یا صلح کو اچھا سمجھنے میں مسلمان عورتیں بھی شریک تھیں، چاہے دل سے ہی سہی۔ لہٰذا دونوں جگہ عورتوں کے ذکر کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔

آگے ان سب کافروں کے لئے وعید ہے کہ دنیا میں) ان پر برا وقت آنے والا ہے (چنانچہ مشرک چند ہی دن بعد قتل اور گرفتار ہوئے، اور منافقوں کی ساری عمر حسرت اور پریشانی میں کٹی کہ اسلام بڑھتا وترقی کرتا تھا اور وہ گھٹتے جاتے تھے، یہ تو دنیا میں ہوگا) اور (آخرت میں) اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوگا اور انہیں رحمت سے دور کر دے گا۔ اور ان کے لئے اس نے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور (آگے اس وعید کی تاکید ہے کہ) آسمانوں اور زمین کے

سارے لشکر اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ زبردست (یعنی پوری قدرت والا ہے کہ اگر چاہتا تو کسی بھی لشکر کے ذریعہ ان سب کی ایک دم صفائی کر دیتا کہ یہ اس کے مستحق ہیں، لیکن چونکہ وہ) حکمت والا ہے (اس لئے مصلحت کی وجہ سے عذاب وسزا میں مہلت دیتا ہے)

فائدہ: اوپر بھی ﴿ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ آیا ہے مگر وہاں اس سے مقصود مومنوں کے غالب کرنے پر قادر ہونا تھا۔ جس کا حاصل تسلی اور اطمینان ہے، اور یہاں مقصود کافروں پر قہر برپا کرنے پر قادر ہونا ہے جس کا حاصل ڈرانا ہے جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے دونوں جگہ ظاہر ہے۔ اور اس لئے یہاں ﴿ حَكِيْمًا ﴾ کے ساتھ ﴿ عَزِيْزًا ﴾ فرمایا جو کہ قہر پر دلالت کرنے والا ہے۔ وہاں کے برخلاف، لہٰذا تکرار لازم نہیں آئی۔

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ ع ۹

ترجمہ: ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا کر کے بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو، اور اُس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اُس کی تسبیح میں لگے رہو، جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو شخص عہد توڑے گا، سو اُس کے عہد توڑنے کا وبال اُسی پر پڑے گا اور جو شخص اُس بات کو پورا کرے گا جس پر خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا اُس کو بڑا اجر دے گا۔

ربط: اوپر مسلمانوں پر ہونے والی جن نعمتوں کا ذکر تھا چونکہ حقیقت میں ان کا عطا کرنے والا حق تعالیٰ ہے اور عطا کرنے کے لئے واسطہ جناب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اب اللہ اور رسول کے حقوق کا اور ان حقوق کو ادا کرنے والوں کی فضیلت کا اور نہ ادا کرنے والوں کی مذمت کا بیان ہے۔

اللہ اور رسول کے حقوق اور ان کو ادا کرنے والوں اور ان کی

خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے وعدوں اور وعیدوں کا بیان:

ہم نے آپ کو (امت کے اعمال پر قیامت کے دن) گواہی دینے والا (عام طور پر) اور (دنیا میں خاص طور سے

مسلمانوں کے لئے) خوش خبری دینے والا اور (کافروں کے لئے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (اور اے مسلمانو! ہم نے انہیں اس لئے رسول بنا کر بھیجا ہے) تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو (عقیدہ کے اعتبار سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کمالوں کی صفت رکھنے والا اور ہر قسم کی کمیوں سے پاک سمجھو، اور عمل کے لحاظ سے بھی کہ اس کی تعظیم کرو یعنی اس کی اطاعت کرو) اور صبح وشام اس کی تسبیح (اور پاکی بیان کرنے) میں لگے رہو (اگر تسبیح کی تفسیر نماز سے کی جائے تو صبح وشام کی فرض نمازیں مراد ہوں گی، ورنہ مطلق اللہ کا ذکر ہوگا، چاہے وہ مندوب اور مستحب ذکر ہی کیوں نہ ہو۔ آگے بعض مخصوص حقوق سے متعلق ارشاد ہے کہ) جو لوگ آپ سے (حدیبیہ کے دن اس بات پر) بیعت کر رہے ہیں (یعنی بیعت کر چکے ہیں کہ جہاد سے بھاگیں گے نہیں) تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں (کیونکہ آپ سے اس امر پر بیعت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے، اور جب یہ بات ہے تو گویا) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (یہ اس سے پہلے والی بات کی تاکید ہے، کیونکہ یہ بیعت سے کنایہ ہے) پھر (بیعت کے بعد) جو شخص عہد توڑے گا (یعنی طاعت کے بجائے مخالفت کرے گا) تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا، اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) اللہ سے عہد کیا ہے تو جلدی ہی اللہ اس کو بڑا اجر دے گا۔

فائدہ: اس بیعت کا ذکر تیسرے واقعہ میں گذر چکا ہے اور چونکہ لفظ عام ہے اس لئے جو ایسے عہد کو توڑے گا جس کا پورا کرنا واجب ہے اس کے لئے یہی وعید ہے اور عام طور سے کی جانے والی بیعت کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہے بلکہ مطلق عہد مراد ہے چاہے صراحت کے ساتھ ہو یا التزام کے طور پر ہو یا لزوم کے طور پر، مثال کے طور پر ایمان لانا عہد الست کی بنا پر جو سب پر واجب ہے اور عام طور پر کی جانے والی بیعت کے توڑنے کو یہ وعید شامل بھی نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی مرید نے ایک پیر سے تعلق ختم کر لیا، لیکن اللہ کے ضروری احکام میں عقیدہ یا عمل سے خلل ڈالنے والا کوئی کام نہیں کیا تو کوئی گناہ نہیں، البتہ شرعی ضرورت کے بغیر ایسا کرنا بے برکتی کا سبب ہے۔ اور ممکن ہے کہ کسی وجہ سے مصیبت کی طرف لے جانے والا ہو جائے اور شرعی ضرورت سے (تعلق ختم کرنا) واجب ہے، جیسے کسی ایسے شخص سے بیعت ہو جائے جو شریعت پر عمل کرنے والا نہیں ہے اور اس کا پابند نہیں ہے تو اس سے تعلق ختم کرنا واجب ہے۔

اور ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ لینا ضروری ہے یا یہ کہ شیخ کا یا پیر کا جو بیعت لینے والا ہے اس کا ہاتھ اوپر ہی ہونا ضروری ہے، اصل یہ ہے کہ یہ مطلق بیعت اطاعت کی ضمانت کے معنی میں ہے۔ اور ﴿يَدُ اللّٰهِ﴾ میں حقیقی معنی متشابہات ہی سے ہیں، اس میں زیادہ تحقیق کے چکر میں نہ پڑیں۔

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: جو دیہاتی پیچھے رہ گئے وہ عنقریب آپ سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور عیال نے فرصت نہ لینے دی، سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے، یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ سو وہ کون ہے جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تم کو کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے۔ بلکہ تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مؤمنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آویں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں اچھی بھی معلوم ہوئی تھی اور تم نے بُرے بُرے گمان کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔ اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاوے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ اور تمام آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔

ربط: اوپر حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی تعریفیں تھیں، آگے اس مہم سے پیچھے رہ جانے والوں کی برائی ہے جس کا قصہ چھٹے واقعہ میں بیان ہو چکا ہے۔

حدیبیہ کی مہم سے پیچھے رہ جانے والے منافقوں کی برائی اور ملامت:

جو دیہاتوں والے (اس سفر سے) پیچھے رہ گئے (اور شریک نہیں ہوئے) وہ جلدی ہی (جب کہ آپ مدینہ پہنچیں گے، کیونکہ یہ سورت راستہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ساتویں واقعہ میں بیان ہوا ہے۔ آپ سے بات بنانے کے لئے) کہیں گے کہ (ہم جو آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہمیں ہمارے مال اور گھر والوں نے مہلت و فرصت نہیں لینے دی (یعنی ان سے متعلق ضروری کاموں میں مشغول رہے، ورنہ ضرور شریک ہونے کا ارادہ تھا) تو ہمارے لئے (اس کوتاہی کی) معافی کی دعا کر دیجئے (اگرچہ صحیح عذر کی صورت میں استغفار کی درخواست غیر مخلص کی طرف

سے ہو تو اخلاص میں ریا کاری پر محمول ہوسکتا ہے۔ اور اگر مخلص کی طرف سے ہو تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ عذر کا عذر ہونا اکثر اجتہادی امر ہوتا ہے اور اجتہاد کی بنیاد غور وفکر پر ہوتی ہے۔ اس میں بعض اوقات نفسانی وشیطانی خیالوں کی وجہ سے غور وفکر سے یا غور وفکر کے تقاضے پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوجاتی ہے۔ اس لئے استغفار کی ضرورت ہوتی ہے۔ آگے حق تعالیٰ انہیں جھوٹا قرار دیتے ہیں کہ) یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (مطلب یہ کہ ان کے اس عذر میں کئی مضمون شامل ہیں، ایک یہ کہ ہمیں فرصت نہیں تھی، دوسرے یہ کہ ہمارا ارادہ شریک ہونے کا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہمیں آپ کے استغفار کے مفید ہونے کا عقیدہ ویقین ہے حالانکہ خود اپنے دل میں ان امور کو صحیح نہیں سمجھتے۔ پہلے دو امروں میں واقعہ نہ ہونے کی وجہ سے اور تیسرے امر میں نبوت کا عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے۔ آگے ان کے دعوے کو رد کرنے کی آپ کو تلقین ہے کہ یہ لوگ آپ سے یہ عذر پیش کریں تو) آپ (ان سے جواب میں یہ) کہہ دیجئے کہ (اول تو یہ عذر واقعہ کے مطابق ہوتا تب بھی قطعی حکم کے ہوتے ہوئے محض لغو وبے کار ہے، کیونکہ وہ عذر واقع میں تو قضا اور تقدیر سے بچا نہیں سکتا، چنانچہ جو عذر تم نے بیان کیا ہے) تو (ہم اس کے متعلق پوچھتے ہیں کہ) وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لئے (نفع اور نقصان کے طور پر) کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا ہو، اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے (تمہارے نفس میں یا مال میں یا گھر والوں میں؟ اور ظاہر ہے کوئی ایسا نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ واقع میں کوئی عذر قضا اور تقدیر کو دور کرنے والا نہیں، مگر جہاں شریعت نے مصلحت سمجھی نفس وغیرہ کی تسلی کی حکمت کے لئے بہت سے موقعوں پر واقعی عذر کو رخصت کی بنیاد قرار بھی دیدیا ہے، تو جہاں شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور قطعی حکم کردیا جیسا کہ اس بحث میں ہے جو یہاں چل رہی ہے۔ وہاں واقعی عذر بھی قبول کے قابل نہ ہوگا۔ دوسرے یہ عذر واقعی بھی نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور تم یوں سمجھتے ہوگے کہ ہمیں اس کی خبر نہیں ہوئی تو واقع میں ایسا نہیں ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے اعمال کی خبر ہے (اور اس نے مجھے وحی کے ذریعہ خبر کردی ہے کہ تمہارے پیچھے رہ جانے کی وجہ وہ نہیں ہے جو تم نے بیان کی ہے) بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ) تم نے یہ سمجھا کہ رسول (ﷺ) اور (ان کے ساتھی) مؤمن اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے (بلکہ مشرک لوگ سب کا صفایا کردیں گے) اور یہ بات تمہارے دلوں کو اچھی بھی معلوم ہوتی تھی (یعنی رسول اور مؤمنوں سے عداوت ودشمنی کی وجہ سے، اس خیال کے مطابق تمنا بھی تھی) اور تم نے برے برے گمان کئے (جس کا بیان اوپر ﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ﴾ الخ میں ہوچکا ہے) اور تم ان برے گمانوں کی وجہ سے جو کہ کفر سے تعلق رکھنے والے خیال ہیں) برباد (یعنی عذاب کے مستحق) ہونے والے لوگ ہوگئے اور (اگر ان وعیدوں کو سن کر تم ایمان لے آؤ تو ٹھیک ہے، ورنہ) جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے، اور (مؤمنوں اور غیر مؤمنوں کے لئے مذکورہ قانون مقرر کرنے کے سلسلہ میں تعجب نہ کیا جائے کیونکہ) تمام آسمانوں اور

زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا دے (چنانچہ مؤمنوں کے لئے مغفرت اور کافروں کے لئے عذاب چاہا اور اسی طرح قرار دیدیا) اور (اگرچہ کافر سزا کا مستحق ہوتا ہے لیکن) اللہ تعالیٰ (ایسا) بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (کہ اگر وہ بھی ایمان لے آئے تو اس کو بھی بخش دیتا ہے)

فائدہ: بعض تفسیروں میں ہے کہ بعد میں ان میں سے بہت سے لوگوں نے توبہ کر لی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آئے تھے۔

﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾ ع

ترجمہ: جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، وہ عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے، کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے خدا تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے تو وہ لوگ کہیں گے کہ بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو، بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع ہو جاویں۔ سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض دے گا، اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل روگردانی کر چکے تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔ اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اُس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے گا اُس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

ربط: اوپر ﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ﴾ الخ میں حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ جانے والوں سے حدیبیہ کے واقعہ سے متعلق بات چیت کا حکم تھا۔ اب ان سے دو اور واقعوں کے متعلق گفتگو کا حکم ہے۔

حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ جانے والوں سے بعض دیگر واقعات سے متعلق گفتگو:

جو لوگ (حدیبیہ کے سفر سے) پیچھے رہ گئے تھے، وہ جلدی ہی جب تم (خیبر کی) غنیمتیں لینے کے لئے چلو گے (مطلب یہ کہ جب تم خیبر فتح کرنے کے لئے چلو گے، جہاں غنیمتیں ملنے والی ہیں، اس طرح گویا خیبر کی طرف چلنا غنیمتوں کی طرف چلنا ہے۔ حاصل یہ کہ جب خیبر کی طرف جانے لگو گے تو یہ لوگ تم سے) کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ (خیبر کی طرف) چلیں (اور اس درخواست کی وجہ غنیمت کا لالچ تھا، جس کے حاصل ہونے کی قرینوں سے انہیں امید تھی، حدیبیہ کے سفر کے برخلاف کہ اس میں زحمت بلکہ ہلاکت کا زیادہ اندیشہ تھا۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو (جو کہ اس واقعہ سے متعلق ہوا ہے کہ سوائے حدیبیہ والوں کے خیبر کے لئے اور کوئی نہ جائے، خاص طور سے پیچھے رہ جانے والے۔ یہ لوگ اس حکم کو) بدل ڈالیں (یعنی مسلمانوں سے اس کی درخواست کرنا گویا یہ درخواست ہے کہ مسلمان اللہ کے حکم کے خلاف عمل کریں جو ان کے لئے شرعی طور پر منع ہے۔ اور اس معنی میں حکم کو بدلنے کے فاعل اور اس کے ذمہ دار مسلمان قرار پائیں گے، لیکن چونکہ اس درخواست کی وجہ سے وہ لوگ اس تبدیلی کا سبب ہیں، لہٰذا ان کی طرف اس کی نسبت کی گئی، اور مذکورہ معنی میں تبدیلی کے واقع ہونے سے اللہ کے افعال اور صفتوں میں کوئی کمی نہیں آتی، کیونکہ وہ شرعی قانون کا حکم تھا لیکن مؤمنوں کا گنہ گار ہونا لازم آتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ وہ لوگ اس امر کی درخواست کرتے ہیں کہ تم گنہ گار ہو جاؤ تو) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے (یعنی ہم اس درخواست کو منظور نہیں کریں گے، اور تمہیں ساتھ لے جا کر گنہ گار نہیں ہوں گے، کیونکہ ہمیں) اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے (یعنی یہی حکم دیا ہے کہ اوروں کو مت لے جانا، اور "پہلے سے" اس لئے کہا کہ حدیبیہ سے واپسی کے دوران یہ حکم ہو گیا تھا یا تو وحی غیر متلو یعنی اس وحی کے ذریعہ جو قرآن میں شامل نہیں یا اس آیت کے ذریعہ ﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ کہ ماضی کا لفظ وعدہ کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے اور ضمیر "ھُم" سے مراد خاص حدیبیہ والے ہیں۔ جیسا کہ اوپر انہی کا ذکر ہے۔ اور حضور کو اس کا مطلب بھی سمجھایا گیا ہو۔ آگے ان کے جواب کی خبر پیشین گوئی کے طور پر دیتے ہیں کہ جب آپ انہیں یہ جواب دیں گے) تو وہ لوگ کہیں گے (اور ظاہر ہے کہ آپ کے سامنے کہنا مراد نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے کہیں گے: ہمیں ساتھ نہ لے چلنے کا جو اللہ کا حکم بتایا جا رہا ہے، یہ صحیح نہیں ہے) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو (اس لئے ہمارا غنیمت میں شریک ہونا گوارا نہیں کر رہے ہو، حالانکہ ان مسلمانوں میں حسد کا نام و نشان بھی نہیں) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم بات سمجھتے ہیں (اس لئے مسلمانوں کے جواب کو حسد پر محمول کرتے ہیں، اگر سمجھنے والے ہوتے تو وحی کی تو ضرور ہی تصدیق کرتے۔ اور یہ عجب نہیں کہ خیبر کی حدیبیہ والوں کے ساتھ تخصیص اور اپنے

محروم ہونے کی وجہ [1] بھی سمجھ لیتے۔ چنانچہ حدیبیہ والوں کا خود کو ایک عظیم خطرہ میں ڈال دینے اور پھر ظاہر میں ناکامی کے ساتھ لوٹ آنے کا اس خصوصیت کا تقاضا ہونا اور منافقوں کو خود غرضی کا اس محرومی کے لئے تقاضا ہونا کچھ زیادہ ڈھکا چھپا نہیں ہے اور خیبر کے غزوہ میں اس حکم پر عمل بھی ہوا۔ جیسا کہ پچھلے حکم میں ذکر ہوا، یہ مضمون خیبر سے متعلق ہوا۔

آگے ایک دوسرے واقعہ سے متعلق گفتگو کے لئے ارشاد ہے کہ) آپ ان پیچھے رہ جانے والے (دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (اگر ایک خیبر میں نہ گئے تو نہ سہی ثواب حاصل کرنے کے اور بھی موقع آنے والے ہیں۔ چنانچہ) جلدی ہی تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے (اس سے فارس اور روم کے غزوے مراد ہیں، جیسا کہ الدر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے ان کی فوجیں جنگی قاعدوں کو جاننے والی اور ہتھیاروں اور دوسرے سامانوں والی تھیں کہ) یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ (اسلام کے احکام کی) اطاعت کرنے والے ہو جائیں (چاہے اسلام سے یا جزیہ سے، مطلب یہ کہ اس کام کے لئے بلائے جاؤ گے) تو (اس وقت) اگر تم اطاعت کرو گے (اور ان سے جہاد کرو گے) تو تمہیں اللہ تعالیٰ نیک بدلا (یعنی جنت) دے گا اور اگر تم (اس وقت بھی) منہ پھیرو گے، جیسے اس سے پہلے (حدیبیہ وغیرہ میں) منہ پھیر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا (جہنم مراد ہے۔

البتہ جہاد کی طرف دعوت سے بعض معذور اس حکم سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ چنانچہ) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور (﴿فَإِنْ تُطِيعُوا﴾ الخ میں جو خاص جہاد کرنے والے اور پیچھے رہ جانے کے لئے وعدہ اور وعید کا بیان کیا گیا ہے، ان کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ کلی قاعدہ ہے کہ) جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مانے گا، اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو شخص (حکم سے) منہ پھیرے گا اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔

فائدہ: ﴿قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا﴾ الخ میں جو کلمہ "لَنْ" ہے، وہ مطلق ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ خاص خیبر کے غزوہ کے اعتبار سے ہے اور اس کے ختم تک ہمیشہ کی بات ہے۔ چنانچہ روح المعانی والے نے بحر والے سے جو نقل کیا ہے کہ ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے مزینہ اور جہینہ قبیلے بعد میں حضور ﷺ کے ساتھ بعض غزووں میں شریک ہوئے اس سے ٹکراؤ نہ رہا۔ اور فارس وغیرہ کے غزووں میں ان مذکورہ دیہاتوں والوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بلایا، جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اور بعض تفسیروں میں ہے کہ یہ لوگ دل سے شریک بھی ہوئے، اور خیبر کی غنیمتوں کی جو خصوصیت حدیبیہ والوں کے ساتھ بیان کی گئی، اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے حبشہ کے بعض مہاجروں کو جو

(۱) سمجھدار ہونے کا لازمی تقاضا تو وحی کی تصدیق تھا، باقی سمجھدار ہونے پر سمجھ لینے کی وجہ کا پایا جانا اگرچہ ضروری نہیں لیکن غالب الوقوع ہوتا۔

سفینہ والے کہلاتے ہیں، اس میں سے دیا ہے، کیونکہ یہ دینا حقوق والوں کی رضامندی سے تھا یا آپ نے خمس یعنی اس پانچویں حصہ میں سے دیا جو خاص غنیمت والوں کا حق نہیں ہے۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور اُن کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور اُن کو ایک لگتے ہاتھ فتح دیدی، اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لو گے، سو سر دست تم کو یہ دیدی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور تاکہ یہ اہل ایمان کے لئے ایک اور نمونہ ہو جاوے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے، اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی، خدا تعالیٰ اُس کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ربط: اوپر پیچھے رہ جانے والوں کی برائیاں تھیں، اب اخلاص والے مؤمنوں کے لئے خوش خبریاں ہیں۔

اخلاص والے مؤمنوں کے لئے حسی اور معنوی خوش خبریاں:

بے شک اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو سفر میں آپ کے ساتھ ہیں) خوش ہوا۔ جب یہ لوگ آپ سے (درخت کے) نیچے (جہاد میں ثابت قدم رہنے پر) بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور وفاداری کا عزم) تھا، اللہ کو وہ بھی معلوم تھا۔ اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے ان (کے دل) میں اطمینان پیدا کر دیا (جس سے انہیں اللہ کا حکم ماننے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوئی، یہ تو معنوی نعمتیں ہوئیں) اور (اس کے ساتھ انہیں حسی نعمتیں بھی دیں جن میں معنوی نعمتیں بھی شامل تھیں، چنانچہ) انہیں انعام میں جلدی ہی فتح (بھی) دیدی (اس سے خیبر کی فتح مراد ہے) اور (اس فتح میں) بہت سی نعمتیں بھی (دیدیں) جو یہ لوگ لے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست (یعنی قدرت والا اور) بڑا حکمت والا ہے (کہ اپنی قدرت اور حکمت سے جس کو چاہے اور جب مناسب ہو، فتح دیدیتا ہے اور کچھ اس خیبر پر ہی بس نہیں، بلکہ) اللہ تعالیٰ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے، جو تم لو گے تو (ان میں سے) فوری طور پر تمہیں یہ

دیدی ہے اور (یہ دینے کے لئے خیبر والوں کے اور ان کے حلیفوں کے یعنی جن سے انھوں نے معاہدے کر رکھے ہیں، ان کے) لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (یعنی سب کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا کہ انہیں ہاتھ بڑھانے اور چلانے کی زیادہ ہمت نہیں ہوئی، اور اس سے تمہارا دنیاوی نفع بھی مقصود تھا تا کہ آرام اور اطمینان ہو، اور مالی حالت بھی اچھی ہو) اور (دینی نفع بھی مقصود تھا) تا کہ یہ (واقعہ) ایمان والوں کے لئے (دوسرے وعدوں کے سچے ہونے کا) ایک نمونہ ہو جائے (یعنی اللہ کے وعدوں کے سچا ہونے پر اور زیادہ ایمان پکا ہو جائے) اور تا کہ (اس نمونہ کے ذریعہ سے) تمہیں (آئندہ کے لئے ہر امر میں) ایک سیدھے راستہ پر ڈال دے (اس راستہ سے مراد اللہ پر یقین اور بھروسہ ہے یعنی اس واقعہ کو سوچ کر ہمیشہ کے لئے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ سے کام لیا کرو، لہٰذا دینی نفعے دو ہوئے: ایک علم اور اعتقاد کا ﴿ وَلِتَكُوْنَ ﴾ الخ اور دوسرا عملی واخلاقی ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ ﴾ الخ اور ایک فتح (کا) اور بھی (وعدہ) ہے جو اس وقت تمہیں حاصل نہیں ہوئی (اس سے مکہ کی فتح مراد ہے۔ جو اب تک واقع نہیں ہوئی تھی، مگر) اللہ تعالیٰ اس کو (قدرت کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے (اور جب چاہے گا تمہیں عطا فرمائے گا) اور (اسی کی کیا خصوصیت ہے) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (چنانچہ جب مصلحت ہوئی مکہ بھی فتح ہو گیا جس کا ذکر دسویں واقعہ میں کیا گیا)

فائدہ: خیبر کا غزوہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہوا، لہٰذا اگر یہ آیتیں بھی راستہ میں نازل ہوئی ہیں تو اس سورت کا واپسی میں نازل ہونا اکثر اجزا کے اعتبار سے ہے۔ ساتویں واقعہ میں دو رقولوں کے اختلاف سے انہی دو روایوں کی طرف اشارہ ہے اور ﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً ﴾ میں وہ غنیمتیں داخل ہیں جو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حاصل ہوئیں اور یہاں جو ﴿ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ ﴾ آیا ہے چونکہ یہ بیعت کے وقت کا مضمون ہے، اس لئے اس کی تفسیر صلح کے وقت کے صبر وتحمل اور علم ونفس پر قابو سے نہیں کی گئی، جیسا کہ ایسی صورت میں اگلے موقع پر کی گئی ہے۔ اور ﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ ﴾ الخ میں اگرچہ مکہ کی فتح بھی داخل ہے مگر اس کے ذکر کی خصوصیت ﴿ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا ﴾ الخ سے مکہ کی فتح کے اہتمام کے لئے ہے۔ چونکہ اس کو صحابہ خصوصیت کے ساتھ چاہتے تھے۔

﴿ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔــوْهُمْ

فَتُصِيبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ اُن کو کوئی یار ملتا نہ مددگار۔ اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے، اور آپ خدا کے دستور میں رد و بدل نہ پاویں گے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے عین مکہ میں روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو دیدیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رُکا ہوا رہ گیا اُس کے موقع میں پہنچنے سے روکا اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر اُن کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے، اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم اُن کو دردناک سزا دیتے۔ جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقوی کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اُس کے زیادہ مستحق ہیں اور اُس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا ﴾ میں مکہ کی فتح کے فوری طور پر واقع نہ ہونے اور آئندہ وقوع کے وعدے کی بعض حکمتوں کا ذکر ہے۔ اب فی الحال وقوع کے بعض تقاضے اور جنگ کی صورت میں ان تقاضوں کا لازماً مرتب ہونا اور باوجود ان تقاضوں کے واقع نہ ہونے کی بعض حکمتیں بیان کرتے ہیں جیسا کہ سورت کے شروع میں بھی اس صلح کو جو کہ فتح واقع نہ ہونے کے معنی میں ہے: فتح سے تعبیر کر کے اس کی بعض حکمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو احقر نے وہاں بیان کیا ہے۔

فتح کی طرف لے جانے والے جنگ و قتال کے بعض تقاضوں اور بعض رکاوٹوں کا بیان:

اور (چونکہ ان کافروں کے مغلوب ہونے کے تقاضے موجود تھے، جو آگے آ رہے ہیں، اس لئے) اگر (تمہارے درمیان یہ صلح نہ ہوتی، بلکہ) تم سے یہ کافر لڑتے تو (ان تقاضوں کی وجہ سے) ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ انہیں کوئی حامی ملتا اور نہ مددگار (ملتا اور) اللہ تعالیٰ نے (کافروں کے لئے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے (کہ مقابلہ میں

حق والے غالب اور باطل والے مغلوب رہے ہیں، اور کبھی کسی حکمت سے اس میں توقف ہونا اس کے غلبہ کے خلاف نہیں ہے) اور آپ اللہ کے دستور میں (کسی شخص کی طرف سے) کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے (کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہے اور کوئی اس کو نہ ہونے دے) اور وہ ایسا ہے کہ (اس کے باوجود کہ جنگ وقتال میں تمہیں ہی غلبہ ہوتا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے ان کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے) اس نے ان کے ہاتھ تم سے (یعنی تمہیں قتل کرنے سے) اور تمہارے ہاتھ ان (کے قتل) سے خاص مکہ (کے قریب حدیبیہ) میں روک دیئے، اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دیدیا تھا (یہ پانچویں واقعہ کی طرف اشارہ ہے، یعنی اس میں حق تعالیٰ کا احسان اور اس کی حکمت تھی، تو "ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے" میں احسان ہونا ظاہر ہے اور "تمہارے ہاتھ ان سے" میں احسان یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنگ وقتال طویل ہو جاتا اور جنگ وقتال نہ ہونے کی جو حکمتیں آگے بیان ہوئی ہیں وہ فوت ہو جاتیں) اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو (اس وقت) دیکھ رہا تھا (ان کاموں کے اثر کو جانتا تھا۔ اس لئے ایسا کام نہیں ہونے دیا، جس سے جنگ وقتال ہو جائے۔

اب کافروں کے مغلوب ہونے کے تقاضے بیان فرماتے ہیں کہ) یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے (اللہ کے ساتھ) کفر کیا اور تمہیں (عمرہ کرنے کے لئے) مسجد حرام (سے جہاں طواف ہوتا ہے اور اس کے تحت آنے والے صفا و مروہ سے جہاں سعی ہوتی ہے، ان سب مقاموں) سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو (حدیبیہ میں) رکا ہوا رہ گیا۔ اس کے موقع (مقررہ جگہ یعنی منیٰ) میں (جو کہ مسجد حرام کے تحت آتا ہے) پہنچنے سے روکا (یہ دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے) اور (ان امور کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں سے ان کی جنگ کرا کر انہیں مغلوب کر دیا جاتا، لیکن بعض حکمتیں مذکورہ تقاضہ کی تاثیر کے لئے رکاوٹ ہوگئیں، چنانچہ ایک حکمت یہ ہے کہ اس وقت وہاں بہت سے مسلمان تھے جو کافروں کے ہاتھوں میں بے بس اور مظلوم تھے، جیسا کہ تیسرے واقعہ سے معلوم ہوا تو ان کے ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے کی وجہ سے جنگ اور قتال کا اثر ان تک بھی ضرور پہنچتا جس سے انہیں ظاہری نقصان ہوتا اور جو مسلمان انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے انہیں باطنی نقصان پہنچتا، اس لئے جنگ نہیں ہوئی، اس کو فرماتے ہیں کہ) اگر (مکہ میں اس وقت) بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تمہیں خبر بھی نہیں تھی، یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی بے خبری میں نقصان پہنچتا جیسے گناہ ہونا اور دل دکھنا اور جی برا ہونا، لہٰذا اگر یہ بات نہ ہوتی تو (مذکورہ تقاضوں کے مطابق ابھی) سب قصہ طے کر دیا جاتا، لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (چنانچہ ان مسلمانوں کی جان بچی، اور تمہارا دین بچا، البتہ) اگر یہ (مذکورہ مسلمان مکہ سے کہیں) الگ ہو گئے ہوتے تو ان (مکہ والوں) میں جو کافر تھے ہم انہیں (مسلمانوں کے ہاتھوں سے دردناک سزا دیتے (اور انہیں قتل کرا دیتے۔

اور جنگ وقتال کے تقاضوں میں سے ایک اور امر بھی ذکر کے قابل ہے جو اس وقت واقع ہوا تھا) جب کہ ان کافروں

نے اپنے دلوں میں غیرت (عار اور حمیت) کو جگہ دی۔ اور غیرت بھی جاہلیت کی (اس غیرت وحمیت سے وہ ضد مراد ہے جو انھوں نے بسم اللہ اور لفظ رسول اللہ لکھنے کے خلاف مسلمانوں سے کی تھی جس کا چوتھے واقعہ میں ذکر ہوا۔ اور اسی لئے اس کے ساتھ لفظ جاہلیت شامل فرمایا۔ ورنہ مطلق غیرت اور عار وحمیت بری یا مذمت کے قابل نہیں) تو (اس کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ پڑتے، مگر) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مؤمنوں کو اپنی طرف سے اطمینان (صبر وتحمل) عطا فرمایا (جس سے اپنے اوپر ضبط وقابو کر کے انھوں نے ان لفظوں کے لکھنے پر اصرار نہیں کیا، یہاں تک کہ صلح ہوگئی۔ اور کافر قتل ہونے سے بچ گئے) اور (اس وقت) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقوی کی بات پر جمائے رکھا (تقوی کی بات سے مراد کلمہ طیبہ یعنی توحید اور رسالت کا اقرار مراد ہے کہ اس کی بدولت کفر وشرک سے بچاؤ ہو جاتا ہے، اور وہ تقوی اور اطاعت کے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اس پر جمائے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ توحید اور رسالت کے عقیدہ کا تقاضا اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا، اور مسلمانوں کا یہ ضبط اور صبر وتحمل صرف اس وجہ سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ضبط کا حکم فرمایا تھا، چنانچہ یہ اطاعت تقوی کی بات پر جمنا ہے) اور وہ (مسلمان) اس (تقوی کی بات) کے (دنیا میں بھی) زیادہ مستحق ہیں (کیونکہ ان کے دلوں میں حق کی طلب ہے، اور حق کی طلب ہی ایمان کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے) اور (آخرت میں بھی) اس (کے ثواب) کے لائق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (اس لئے اس نے ان مذکورہ حکمتوں سے ان کے دلوں میں صبر وتحمل پیدا کر دیا۔ اور تقاضوں کے باوجود ان رکاوٹوں کو اثر والا بنا دیا)

فائدہ: ظاہر میں ﴿ لَمْ تَعْلَمُوْهُمْ ﴾ یعنی "جن کی تمہیں خبر نہیں تھی" اور ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ یعنی "بے خبری میں" اور ﴿ لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ ﴾ یعنی "اگر وہاں بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں" اور ﴿ لَوْ تَزَيَّلُوْا ﴾ یعنی "اگر وہ وہاں سے الگ ہو جاتے" میں تکرار معلوم ہوتی ہے، لیکن پہلے والے دونوں کو تفصیل اور بعد والے دونوں کو اس تفصیل کی تلخیص اور اجمال کہا جائے تو تفصیل کے بعد کے اس اجمال کو اس تکرار میں جس سے بچنے کی ضرورت ہے، کوئی دخل نہیں کہہ سکتا۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ کیوں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا دور کرنا اپنے اختیار اور قدرت میں ہو، اور اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے اس کا گناہ ہوگا، اگر کہا جائے کہ صحابہ میں یہ احتمال کہاں ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتے؟ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اس کا دھیان نہیں ہوتا کہ ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی اور صحابہ سے اس بے خیالی کے ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اور حدیبیہ کو بطن مکہ جو "بالکل مکہ" کے معنی میں ہے، اس کے قریب ہونے کی وجہ سے مبالغہ کے طور پر فرما دیا جس سے

ظاہر میں اس قول کی تائید ہوسکتی ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں ہے، جیسا کہ حنفی علماء اس کے قائل ہیں، اوران پر یہ شبہ ہوگا کہ ﴿ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ﴾ یعنی "جو اس کے موقع میں پہنچنے سے رکا رہ گیا" سے معلوم ہوتا ہے کہ ھدی یعنی قربانی کا جانور حرم میں نہیں پہنچا، کیونکہ سب کے اتفاق کے مطابق اس کا اصلی محل وموقع نہ روکے جانے کی حالت میں حرم ہے اور حدیبیہ میں ہدی کا پہنچنا یقینی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حدیبیہ، حرم سے باہر ہے۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ محل سے مراد مطلق حرم نہیں بلکہ حرم کا وہ موقع مراد ہے جو اولیٰ قرار دیا گیا ہے، جہاں عام طور سے قربانی کی جاتی ہے، یعنی نحر یعنی قربانی کے دنوں میں منیٰ ہے اور غیر قربانی کے دنوں میں مکہ۔ کہ شامی نے شرح اللباب سے اس کا اولیٰ ہونا نقل کیا ہے۔ اور روایت کے مطلق ہونے میں حج اور عمرہ دونوں کی قربانی شامل ہے اور بندہ نے ترجمہ میں اس طرف اشارہ کردیا ہے اور جمہور حدیبیہ کو حرم سے باہر کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کو بطن مکہ کہنا انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا، بلکہ مطلق قریب ہونے کی وجہ سے ہوگا، اوران پر یہ شبہ ہوگا کہ تمہارے نزدیک روکے جانے والے کے لئے ہدی کا محل خود روکے جانے کا محل ہے تو ہدی یہاں تک پہنچ چکی تھی، پھر ﴿ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ﴾ کہنے کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ بھی وہی جواب دیں گے کہ مقررہ جگہ مراد ہے، اور احق کو اسم تفضیل میں لانا اور اَھل کو بغیر اسم تفضیل کے لانا شاید اس نکتہ کی وجہ سے ہو کہ دنیا میں ایمان لانے کے مکلف سب ہیں، تو ایمان کی تھوڑی تھوڑی قابلیت سب میں پائی جاتی ہے۔ البتہ مسلمانوں میں زیادہ پائی جاتی ہے اور آخرت میں کافروں کے لئے ثواب کی قابلیت بالکل بھی نہیں ہوگی، لہٰذا خود اہلیت بھی مسلمانوں ہی میں منحصر ہوگی۔

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ ﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو مطابق واقع کے ہے تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے۔ امن وامان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا کوئی بال کترواتا ہوگا کسی طرح اندیشہ نہ ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں، پھر اس سے پہلے لگتے ہاتھ ایک فتح دیدی۔

ربط: اوپر جس واقعہ کا ذکر ہے اس سے پہلے آپ نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا تھا، جس کا ذکر پہلے واقعہ میں ہوا۔ جب حدیبیہ میں رک گئے تو بعض صحابہ نے تعبیر واقع نہ ہونے پر آپ سے سوال کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کی تعبیر اسی سال پوری ہوگی۔ بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے

ہیں کہ میں نے کہا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم جلدی بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ تو کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال جاؤ گے؟ میں نے کہا کہ نہیں فرمایا تو تم وہاں جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔ اور خازن اور مدارک میں بغیر حوالہ کے اور ابن جریر میں ابن زید کے حوالہ سے یہ بھی ہے کہ منافقوں نے طعنہ دیا اور اعتراض کیا کہ خواب غلط نکلا۔ اگلی آیتوں میں اس خواب کی تحقیق اور اس جواب کی تصدیق ارشاد ہے، جیسا کہ الدر المنثور میں مجاہد سے روایت ہے کہ آپ کے صحابیوں نے آپ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے خواب کا کیا ہوا؟ تب اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا ﴾ الخ نازل فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کے خواب کی تصدیق:

بے شک اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے، جو واقعہ کے بالکل) مطابق ہے تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ شہر) میں ان شاء اللہ ضرور جاؤ گے۔ امن وامان کے ساتھ کہ تم میں کوئی سر منڈاتا ہوگا، کوئی بال کٹواتا ہوگا (اس سے عمرہ مراد ہے کہ اس میں حلق اور قصر ہوتا ہے۔ اور شروع سے آخر تک) تمہیں کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا (مطلب یہ کہ خواب کی تعبیر ضرور پوری ہوگی۔ چنانچہ اگلے سال اسی طرح ہوا جس کا ذکر نویں واقعہ میں ہو چکا ہے۔ رہی یہ بات کہ جس سال خواب دیکھا تھا، اسی سال تعبیر ہو جاتی) تو (اصل بات یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں (اور حکمتیں) معلوم ہیں جو تمہیں معلوم نہیں (چونکہ اس میں دیر کرنے میں حکمت تھی، اس لئے اس میں دیر فرمادی) پھر (اس دیر سے جو رنج ہوا تھا اس کو دور کرنے کے لئے) اس (تعبیر کے واقع ہونے) سے پہلے جلدی ہی فتح دیدی (اس سے خیبر کی فتح مراد ہے)۔

فائدہ: لفظ ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ تاکید واہتمام کے لئے ہے جو صحابہ کے شک کو دور کرنے یا مخالفوں کے طعن کے جواب کا تقاضا ہے اور ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ میں داخل ہونے کے وقت کا امن مراد ہے۔ اور ﴿ لَا تَخَافُوْنَ ﴾ میں داخل ہونے کے بعد سے نکلنے کے وقت تک کا امن مراد ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تکرار نہیں ہے اور ﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ﴾ الخ میں یہ بھی احتمال ہے کہ ایک حکمت کا بیان ہو، اس کی وضاحت یہ ہوگی کہ اگر اسی سال عمرہ ہوتا تو جنگ ضرور ہوتی اور صلح نہ ہوتی اور اس میں بہت سی مصلحتیں فوت ہو جاتیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ خیبر کی غنیمتیں ہاتھ نہ آتیں، کیونکہ اول تو مکہ والوں کے ساتھ جنگ وقتال کرتے کرتے تھک چکے ہوتے تو دو ہی مہینے بعد دوسری جنگ لڑنا مشکل ہوتا۔ دوسرے خیبر کی طرف سفر کرتے وقت مکہ والوں کا اندیشہ رہتا کہ کہیں وہ مدینہ پر نہ آچڑھیں، اس طرح سفر کرنا دشوار ہوتا۔ لہٰذا خواب کی تعبیر اس دیر میں اور صلح پوری ہونے کے فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ جلدی ہونے والی فتح بھی ہے۔ واللہ اعلم

اور یہاں لفظ ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ جو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کسی اور اللہ کے لئے

فرما رہا ہے، مؤمنوں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کے لئے شرط لگا رہا ہے کہ اگر وہ چاہے گا تو تم مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے بلکہ یہ ان شاء اللہ کہنا تحقیق اور تاکید کے لئے ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ؕ‏ ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ‌ تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا‌ سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ‌ ؕ ذٰ لِكَ مَثَلُهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ ۛۚ ‌ۖ وَمَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۛۚ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطْئَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ‌ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝٢٩ ﴾

ترجمہ: اور وہ اللہ ایسا ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کردے۔ اور اللہ کافی گواہ ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو اُن کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، اُن کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ اُن کے اوصاف توریت میں ہیں، اور انجیل میں اُن کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اُس نے اُس کو قوی کیا، پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تا کہ اُن سے کافروں کو جلادے۔
اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

ربط: اوپر جو فتحوں کے وعدے اور خوش خبریاں اور حدیبیہ والوں کے خاص طور سے اور تمام صحابہ کے عام طور سے فضائل سنائے ہیں، اب خاتمہ میں ان مضمونوں کی تاکید اور تلخیص ہے۔ اور چونکہ یہ سب نعمتیں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق اور اطاعت کی بدولت عطا ہوئی ہیں، تصدیق اور اطاعت پر ہمیشہ جاری رہنے والی تاکید کے لئے اور صلح نامہ میں لفظ رسول اللہ لکھنے پر کافروں کے ضد کرنے سے جو ان کا رسالت کا انکار کرنا معلوم ہوتا ہے اس کو رد کرنے کے لئے محمد ﷺ کی رسالت کی تحقیق اور نص ہے اور وعدوں کا عام ہونا اس سے ظاہر ہے کہ اوپر ﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيۡرَةً ﴾ الخ فرمایا ہے اور ظاہر ہے یہ غنیمتیں جن غزووں میں ہاتھ آئی ہیں، ان میں حدیبیہ والوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شریک تھے، اسی طرح مکہ کی فتح میں ﴿ وَّاُخۡرٰى لَمۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَيۡهَا ﴾ فرمایا ہے۔ اس میں بھی حدیبیہ والے اور غیر حدیبیہ والے شریک تھے، اور خوش خبری میں ﴿ لِيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ عام عنوان سے فرمایا ہے۔ اسی طرح اگلی آیتوں میں ﴿ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ ﴾

عام عنوان ہے، جس میں مدینہ والے بھی داخل ہیں۔ اور نازل ہونے کے موقع کی وجہ سے اس میں زیادہ حق دار اور زیادہ پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ باقی الفاظ کے عام ہونے کی وجہ سے سارے صحابہ داخل ہیں کہ لفظ ﴿مَعَهٗٓ﴾ سب پر صادق آتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اثبات اور صحابہؓ کو دنیا اور دین کی فتحوں کی خوش خبری:

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تاکہ اس (دین) کو (حجت اور دلیل کے اعتبار سے تو ہمیشہ اور دین اسلام والوں کی سلطنت اور شوکت کے اعتبار سے دین والوں کی اصلاح کی شرط کے ساتھ) تمام دینوں پر غالب کر دے اور چونکہ یہ شرط صحابہ میں پائی جاتی تھی جیسا کہ اس پر یہ ارشاد ﴿وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ الخ دلالت کرتا ہے اس لئے یہ آیت رسالت کے اثبات کے ساتھ صحابہ کے لئے عام فتحوں کی خوش خبری بھی ہوگئی، چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے) اور (جاہلیت والی غیرت وحمایت والے جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں، ان کے انکار کی وجہ سے آپ رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ آپ کی رسالت پر) اللہ کافی گواہ ہے (اور وہ آپ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہے۔ اور کافی کا یہ مطلب نہیں کہ دلیلوں کی ضرورت تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا انکار کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی گواہی یہی ہے کہ اس نے رسالت پر معجزوں سے اور قرآن کے معجزہ سے دلیلیں قائم کیں، لہٰذا دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوگئی) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں (اس میں رسالت کے اثبات کے ساتھ آپ کی تسلی بھی ہے کہ اگر یہ لوگ صلح نامہ میں آپ کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ نہیں لگانے دیتے تو ہم اپنے قرآن میں آپ کے نام کے ساتھ یہ لفظ قیامت تک کے لئے شامل کئے دیتے ہیں) اور (آگے آپ کا اتباع کرنے والے صحابہ کی فضیلتیں اور خوش خبریاں ہیں کہ) جو لوگ ان کے ساتھ ہیں (عام طور سے اور جو حدیبیہ کے اس سفر میں آپ کے ساتھ ہیں وہ خاص طور سے اور صحبت یعنی ساتھ رہنے میں کم یا زیادہ صحبت والے سب شامل ہیں، لہٰذا اس میں سارے صحابہ آگئے، غرض ان حضرات میں یہ صفتیں اور کمال پائے جاتے ہیں کہ) وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں (اور) آپس میں (یعنی مسلمانوں کے ساتھ) مہربان ہیں (اور) تم انہیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی ثواب) اور رضامندی (یعنی قرب) حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، ان (کے بندہ ہونے) کے نشان ان کے سجدوں (اور عبادت) کے اثر سے ان کے چہروں پر موجود ہیں (وہ آثار اور نشان خشوع وخضوع یعنی عبادتوں میں اللہ کے سامنے عاجزی کرنے اور گڑگڑانے کے نور ہیں، جو تقویٰ اختیار کرنے والے مؤمن کے چہرہ پر دکھائی دیتے ہیں) یہ (جو) ان کی صفتیں (بیان ہوئی ہیں) توریت میں (موجود) ہیں اور انجیل میں ان کی یہ صفت (بیان ہوئی) ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے پہلے (زمین سے) اپنی کونپل نکالی، پھر اس نے (عناصر سے غذا پا کر

اپنی) اس (کونپل) کو قوی کیا (مطلب یہ کہ وہ کھیتی قوی ہوئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ (اپنے بڑھنے ترقی پانے اور پھل پھول کی وجہ سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اس طرح صحابہ میں پہلے کمزوری تھی، پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی، اس میں بھی اسلامی فتوحات یعنی فتحوں کی خوش خبری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو ترقی وکامیابی اس لئے دی) تاکہ ان (کی اس حالت) سے کافروں کو (حسد میں) جلادے (اور آخرت میں) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کررہے ہیں (گناہوں کی) مغفرت اور (طاعتوں پر) عظیم اجر کا وعدہ کر رکھا ہے (﴿اَشِدَّآءُ﴾ الخ میں ان کے آخرت کے اعمال اور ﴿کَزَرْعٍ﴾ میں ان کے دنیاوی اعمال اور ﴿وَعَدَ﴾ الخ ان کے اچھے انجام کا ذکر ہے)

فائدہ: زُرّاع یعنی کسانوں کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ اپنی کھیتی کو دیکھتے ہیں، جب انہیں وہ کھیتی اچھی معلوم ہوتی ہے تو وہ واقعی ہوتی ہے اور اس میں نہایت بلیغ انداز میں صحابہ کی تعریف ہے۔ اور ﴿مِنْهُمْ﴾ میں ''مِن'' بیان کے لئے ہے، لہٰذا اس میں سارے صحابہ داخل ہیں، البتہ یہ طے ہے کہ صحابی ہونے اور صحابی کی برکتوں اور فضیلتوں کے لئے ایمان پر خاتمہ ہونا شرط ہے، لیکن اس سے صحابہ کے بارے میں بدزبانی کرنے والوں کا مقصود پورا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اگر اللہ کے علم میں حقیقی صحابی صرف گنتی کے چند ہی ہوتے جیسا کہ اس فرقہ کا فاسد گمان ہے تو اللہ تعالیٰ اس عنوان سے تعبیر نہ فرماتے جس سے فصیح محاوروں کی رو سے تمام صحابہ معلوم ہوتے ہیں، اور لفظ ''مِن'' کو بعض کے معنی میں لیا جائے تو اس سے اکثریت معلوم ہوتی ہے تعبیر نہ فرماتے کہ اس سے سخت غلطی کا وہم ہوتا ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کی صحبت میں اور آپ کے ساتھ رہنے والے تمام یا تقریباً تمام صحابہ ایسے ہی تھے، اگر کبھی کوئی شخص جس نے صحبت کم پائی ہو۔ ان سے خارج ہوجائے تب بھی مذکورہ فرقہ کو اس آیت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور بعض نے اس آیت سے اس فرقہ کو کافر قرار دینے پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی صحابہ سے غیظ رکھتے اور جلتے ہیں، لیکن اس آیت سے یہ استدلال مشکل ہے کیونکہ آیت سے کافر کا غیظ رکھنا اور جلنا ثابت ہوتا ہے پوری طرح یا اکثر۔ اور ہر غیظ رکھنے والے اور جلنے والے کا کافر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اور ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ الخ میں چند احتمال ہیں:

اول: ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ﴾ پر کلام ختم ہوجائے اور ﴿ذٰلِكَ﴾ سے ان صفتوں کی طرف اشارہ ہو جو اوپر بیان ہوئیں۔ اور ﴿مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ سے دوسرا کلام شروع ہو۔ اور اس کی خبر ﴿کَزَرْعٍ﴾ الخ ہو۔ اس بنیاد پر اوپر والی صفتیں توریت میں بیان ہوئی ہوں گی۔ اور بعد والی مثال انجیل میں ہوں گی۔

دوسرا احتمال: ﴿فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ پر کلام ختم ہوا اور ﴿ذٰلِكَ﴾ کا اشارہ اوپر والی صفتوں کی طرف ہو تو اس بنیاد پر

گذشتہ صفتیں توریت اور انجیل میں ہونی چاہئیں اور ﴿ كَزَرْعٍ ﴾ کا جملہ مستقل ہو، جس کا مضمون کسی سے بھی نقل نہ کیا گیا ہو۔

تیسرا احتمال: کلام نہ توریت پر ختم ہو نہ انجیل پر۔ اور ﴿ ذٰلِكَ ﴾ سے اگلی مثال کی طرف اشارہ ہو، تو اس بنیاد پر مثال کا مضمون توریت اور انجیل دونوں میں ہونا چاہئے، اگر توریت اور انجیل اصلی صورت میں موجود ہوتیں تو کوئی بھی ایک احتمال متعین اور یقینی ہو جاتا۔ مگر جس حالت میں وہ اب پائی جاتی ہیں، ان کے اعتبار سے پہلے احتمال کو ترجیح حاصل ہے۔ چنانچہ تفسیر حقانی میں توریت سفر استثنا کے تینتیسویں باب کے شروع سے نقل کیا ہے "خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا (دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا" پھر اسی باب سے آگے چل کر نقل کیا ہے "ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے" فاران پہاڑ مکہ شہر کے پاس ہے اور شعیر مدینہ کے پاس اور یہ مضمون ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ سے ملتا ہوا ہے کیونکہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا کہ تیری باتوں کو مانیں گے اور انجیل متی کے تیرھویں باب کے آٹھویں جملہ اور پھر ۳۱ و ۳۲ ویں جملہ سے نقل کیا ہے "اور کچھ تخم اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا، کچھ سو گنا، کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا"۔ بندہ گذشتہ کتابوں سے بالکل واقف نہیں، اس لئے زیادہ تحقیق نہ کر سکا۔ اور ﴿ اَشِدَّآءُ ﴾ اور ﴿ رُحَمَآءُ ﴾ سے مقصود اللہ کے لئے بغض اور اللہ کے لئے محبت رکھنا ہے، للہذا کبھی کبھی شرعی حکم کے مطابق مؤمن کے ساتھ غصہ وسختی اور کافر کے ساتھ نرمی ورحم اس کے خلاف نہیں۔

﴿ الحمد للہ! سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۂ حجرات کی آتی تفسیر ہے ﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت میں جہاد کے ذریعہ دور دور تک اصلاح کا بیان ہے۔اب اس سورت میں وعظ وتقریر کے ذریعہ نفس کی اصلاح کا بیان ہے اور سورت کے اجزا کے مجموعہ کا حاصل رسول اللہ ﷺ کے حقوق اور دینی بھائیوں کے حقوق کا بیان ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے اُن لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ بیشک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں اُن میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آتے جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کی تعظیم وبزرگی سے متعلق احکام:

ان آیتوں کے نازل ہونے کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار بنی تمیم کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت

ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں آپس میں آپ کی مجلس میں اس بارے میں گفتگو ہوئی کہ ان لوگوں پر حاکم کس کو بنایا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے قعقاع بن معبد کے حق میں رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کے بارے میں رائے دی، اور گفتگو بڑھنے پر دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا، جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے کہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ اور رسول (کی اجازت) سے پہلے (کسی قول یا فعل میں) آگے مت بڑھا کرو (یعنی جب قوی قرینوں یا تصریح سے گفتگو کی اجازت نہ ہو، گفتگو نہ کیا کرو، جیسا کہ آیت کے نازل ہونے کے وقت انتظار کرنا چاہئے تھا کہ یا تو آپ خود کچھ فرماتے یا آپ پوچھتے۔ بغیر انتظار کے اپنی طرف سے کوئی بات کہنے میں احتمال تھا کہ شاید پہلے کہی جانے والی بات آپ کی مرضی کے خلاف ہو، تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ جائز ہونا شرعی اجازت پر موقوف ہے، چاہے وہ اجازت قطعی ہو یا ظنی۔ اور جس طرح رسول ﷺ کے سامنے نہ ہونے میں پہلے نص اور پھر نص میں غور وفکر ضروری ہے، اسی طرح آپ کی موجودگی میں پہلے نص کا انتظار اور پھر قرینوں میں غور وفکر کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ یہ غلطی ہوئی کہ آپ کی طرف سے نص کے سامنے آنے کا انتظار نہیں کیا، اسی طرح ہر فعل میں یہی حکم ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ (تمہارے سارے اقوال کو) سننے والا (اور تمہارے افعال کو) جاننے والا ہے (اور) اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو (یعنی نہ بلند آواز سے بولو، جب آپ کے سامنے بات کرنی ہو، چاہے خطاب آپس میں ہی ہو۔ اور نہ برابر کی آواز سے بولو جب خود آپ سے خطاب کرنا ہو) کبھی تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات آواز کا بلند کرنا کہ صورت میں بے باکی ہے، اور آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولنا کہ فطری طور پر گستاخی ہے، اس لئے تابع شخص جس کے تابع ہوتا ہے قول اور حال کے اعتبار سے اس کا ادب اس پر لازم ہوتا ہے اور اس میں اس ادب کا خیال نہ کرنا ہے اذیت پہنچانے کا سبب ہوسکتا ہے۔ اور رسول کو اذیت پہنچانا عمل کو برباد کرنے کا سبب ہے اور اگرچہ دوسری نافرمانیاں عمل کو برباد کرنے کا سبب نہیں ہوتیں، لیکن یہ نافرمانی سب میں سے مخصوص ہے، البتہ بعض اوقات جبکہ طبیعت زیادہ کھلی ہوئی ہو یہ امور ناگوار نہیں ہوتے اس وقت ایذا واقع نہ ہونے کی وجہ سے بربادی کا سبب نہیں ہوتے اور چونکہ سننے والے کو اذیت کا ہونا یا نہ ہونا بولنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس بنیاد پر ممکن ہے کہ اذیت ہوجائے اور اس سے اعمال برباد بھی ہوجائیں اور بولنے والا اسی گمان میں رہے کہ اذیت نہیں ہوئی۔ لہٰذا اعمال کے برباد ہونے کی بھی خبر نہ ہو۔ ﴿ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ کے یہی معنی ہیں۔ اور اسی وجہ سے مطلق آواز کو بلند کرنے اور زور سے بولنے سے منع کیا گیا کہ اگرچہ اس کے بعض افراد اذیت پہنچانے کا سبب نہ ہوں گے لیکن اس کی تعیین کیسے ہوگی؟ لہٰذا مطلق ایسے تمام ہی طریقوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔

یہ تو آواز بلند کرنے پر ڈرانا تھا۔ آگے آواز کو دبی ہوئی رکھنے کی ترغیب ہے کہ) بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے دبی ہوئی رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لئے خالص کر دیا ہے (یعنی ان کے دلوں میں تقوی کے سوا کچھ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ کامل متقی ہیں۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاص اس باب میں تقوی کے کمال کی صفت پائی جاتی ہے، کیونکہ ترمذی کی مرفوع حدیث کے مطابق تقوی کا کمال یہ ہے کہ: لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لاباس به حذراً لما به باس: یعنی "بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک ان چیزوں سے بچنے کی غرض سے جن میں کوئی حرج ہے ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں ہے اور آواز بلند کرنے کی ایک قسم اپنے آپ میں بغیر حرج والی ہے، جس میں کوئی اذیت نہ ہو اور ایک قسم حرج والی ہے جس میں کوئی اذیت ہو۔ جب انھوں نے مطلق آواز کے بلند کرنے کو ترک کر دیا تو حرج والی سے بچ کر بغیر حرج والی کو ترک کر دیا، لہٰذا تقوی کا کمال واقع ہو گیا اور "اپنے آپ" کی قید اس لئے لگائی کہ منع کرنے کے بعد تو دونوں قسمیں حرج والی ہیں۔ آگے ان کے اس عمل کا آخرت کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ) ان لوگوں کے لئے مغفرت اور عظیم اجر ہے۔

(اور اگلی آیتوں کا قصہ یہ ہے کہ بنی تمیم جب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے تو آپ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے، ان لوگوں نے تہذیب نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو نام لے لے کر پکارنا شروع کر دیا یا محمد اخرج إلينا یعنی "اے محمد! باہر آؤ" اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جیسا کہ الدر المنثور میں ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ) جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے (ورنہ آپ کا ادب واحترام کرتے اور ایسی جرأت نہ کرتے اور ﴿اَكْثَرُهُمْ﴾ فرمانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بعض پکارنے والے واقعی جرأت وہمت والے نہیں ہوں گے لیکن دیکھا دیکھی وہ بھی غلطی کر بیٹھے۔ اور یا سب ایک ہی طرح کے ہوں لیکن اس لفظ کے کہنے سے کوئی بھڑکے گا نہیں، کیونکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاید یہ بات میرے بارے میں نہ کہی گئی ہو۔ اور یہ طریقہ وعظ کے آداب میں سے ہے) اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (وانتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا (کیونکہ یہ ادب کی بات تھی) اور (اگر یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں تو معاف ہو جائے، کیونکہ) اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ: گذشتہ آیتوں کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کی یہ حالت ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اب میں مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے کانا پھوسی کرتا ہے، جیسا کہ الدر میں بیہقی سے روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا جیسا کہ صحاح میں ہے اور باوجودیکہ ثابت بن قیس کی آواز فطری طور پر بلند تھی، مگر یہ سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے، انھوں

نے بہت تکلف کر کے اپنی آواز کو کم کرلیا، جیسا کہ الدر میں ہے۔ اور علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہوں، ان کے ساتھ بھی یہی ادب برتنا چاہئے کہ اگر چہ سوء ادب کا وبال اس درجہ کا نہ ہوگا، لیکن بلا ضرورت اذیت پہنچانا حرام ضرور ہے اور اعمال کے برباد ہونے کی وضاحت میں جو کہا گیا ہے کہ یہ اس عام میں سے مخصوص ہے، احقر کے نزدیک آسان امر یہی ہے۔ اور اس سے معتزلہ و خوارج کے اس استدلال کی بھی گنجائش نہیں رہی کہ گناہ کرنے سے آدمی ایمان سے خارج یا کفر میں داخل ہو جاتا ہے، اور نہ ہی حق والوں کی طرف سے جواب دینے کے لئے اس امر کی ضرورت رہی کہ آواز کے بلند ہونے کا کفر ہونا رسول اللہ ﷺ کی اذیت کے واسطہ سے تکلف کے ساتھ ثابت کیا جائے، کیونکہ آواز کا وہی بلند ہونا وغیرہ کفر ہو سکتا ہے جس سے خاص مقصود آپ کو اذیت پہنچانا ہی ہو، معصیت کے برخلاف کہ اس کا امر آسان ہے اذیت کا احتمال رکھنے والے فعل کا بھی معصیت قرار دینا محال نہیں، خوب سمجھ لو۔

اور جیسا کہ اللباب میں ہے کہ ایک معصیت کو بھی اعمال کا برباد کرنے والا کہنا پڑے گا تو اس جزئیہ کے اثبات کی ضد کوئی نفی کرنے والا کلیہ نص کے طور پر نہیں ہے، اس لئے اس کا قائل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں نبی ﷺ کی عظمت و بزرگی کی خاص رعایت ہے اس لئے اس کے قائل ہونے میں زیادہ ترجیح ہے۔

اعمال کے برباد ہونے کی ایک وضاحت تو یہ ہے مگر اس کو لکھنے کے بعد اس کا یہ جز دل میں کھٹکتا تھا کہ اہل سنت کے اس قاعدہ کو جو ظاہر میں عام معلوم ہوتا ہے کہ معاصی یعنی نافرمانیاں اعمال کو برباد کرنے والی نہیں ہیں، مخصوص کہنا پڑے گا، جس پر قریب والی آیت کی توجیہ کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے اور چونکہ دوسری توجیہوں کا بھی احتمال ہے اس لئے احتمال کے ہوتے ہوئے اس ظاہر کا دلیل بننا مشکل ہے، اور بغیر دلیل کے تخصیص کا دعوی کرنا مشکل ہے اس لئے ایسی توجیہ کی تلاش ہوئی جس میں تخصیص کا بھی قائل ہونا نہ پڑے اور آیت میں بھی کوئی دور دراز کی تاویل نہ کرنی پڑے۔ چنانچہ اس کا جواب کئی دوسری تفسیروں میں بھی تلاش کیا گیا اور دوسرے دوستوں سے بھی مشورہ کیا گیا، مگر میرے دل کو کسی توجیہ سے تسلی نہیں ہوئی، آخر حضرت مولانا رومی کے کلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کر کے مدد مانگی کہ ان کے کلام میں کوئی ایسا مضمون مل جائے جو اس آیت کی تفسیر میں مددگار ہو جائے، یہ دعا کر کے جو مثنوی مولانا روم کھولی تو دوسرے مناسب اشعار کے ساتھ یہ شعر نکلا:

چوں دل آن شاہ زیں ساں خون بود ❁ عصمت او انت فیہم چون بود[1]

جس میں بہت ہی تھوڑا سا غور کرنے سے فوراً یہ وضاحت دل میں آگئی کہ بے ادبی اور گستاخی جب رسول اللہ ﷺ

(۱) ترجمہ: جب اس شاہ کا دل اس طرح کی حرکت سے خون (رنجیدہ) ہوگیا تو ان کی عصمت کے لئے ﴿ اَنۡتَ فِيۡهِمۡ ﴾ کی قید کی کیا ضرورت تھی؟

کو اذیت پہنچانے کی نیت سے نہ ہو صرف گناہ ہی ہوگا مگر چونکہ یہ رسول کو اذیت پہنچانے کا سبب ہوگا (اور یہ مولانا کے قول زیں ساں خوں بود کے مطابق ہے) اور رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانا حق تعالیٰ کے نزدیک اس قدر ناپسند ہے کہ بعض اوقات وہ ذلت ورسوائی، توفیق نہ دینے اور بندہ کے حق کی حفاظت نہ ہونے کا سبب ہوجاتا ہے (اور یہ مولانا کے قول عصمت او ﴿ اَنْتَ فِیْهِمْ ﴾ چوں بود کے مطابق ہے) اور یہ ذلت ورسوائی، اختیاری کفر میں واقع ہونے کا سبب ہوجاتا ہے، اور کفر کا اعمال کو برباد کرنے والا ہونا معلوم ہے، لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے آواز بلند مت کرو اور اونچی آواز سے مت بولو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچے جس سے تم ذلیل ورسوا ہوجاؤ اور اس ذلت ورسوائی کے سبب خدانخواستہ تم جان بوجھ کر کفر کے اعمال کرنے لگو، اور جس وقت تم نے آواز بلند کرنے اور زور سے بولنے کا عمل کیا تھا اس وقت تمہیں رسول کی اذیت اور حق کی رسوائی کے واسطہ سے آواز کے بلند کرنے اور کفر کے لئے زور سے بولنے کے سبب کی خبر اور اس کا احتمال بھی نہ تھا، کیونکہ اس کے احتمال پر صحابہ کے اس عمل کا احتمال کب ہوسکتا تھا، لہٰذا میں نے جو کہا ہے کہ "کہیں ایسا نہ ہو" الخ یہ ﴿ اَنْ تَحْبَطَ ﴾ یعنی "کہیں برباد ہوجائیں" کا برباد ہوجانے کا اندیشہ ہے" کی تاویل کا حاصل ہے۔ اور جو یہ کہا ہے کہ اس وقت تمہیں خبر بھی نہ ہو، چنانچہ ظاہر ہے کہ اس کا احتمال بھی نہ تھا۔ اور ﴿ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ کا حاصل ہے لہٰذا اس وضاحت سے کسی معصیت کا بلاواسطہ برباد ہونا بھی لازم نہ آیا۔ اور اہل سنت نے اسی بلاواسطہ برباد ہونے کی نفی فرمائی ہے اور اس معصیت کا دوسری معصیتوں سے زیادہ شدید ہونا بھی ثابت ہوگیا جیسا کہ اس موقع پر سمجھ میں آرہا ہے کہ دوسری معصیتوں میں اس قسم کی وعید نہیں آئی۔ الحمدللہ! کہ اس وضاحت سے ساری بات صاف ہوگئی اور لفظوں کے اعتبار سے بھی کسی تکلف سے کام نہیں لینا پڑا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مولانا کی برکتوں کا اثر ہے۔

اور احقر کہتا ہے کہ اوپر کی وضاحت میں حال والے جملہ ﴿ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ کا عمل کرنے والے سے تعلق حکم کے طور پر ہوگا۔ اس کے بعد اس حال کی ایک وضاحت حقیقی تعلق کی ذہن میں آئی جس کو ابھی لکھنے نہیں پایا تھا کہ میرے مشفق مولوی حبیب صاحب نے مجھے لکھ کر دکھائی چونکہ وہ بالکل وہی وضاحت تھی جو میں لکھنا چاہتا تھا، اس لئے مجھے اس سے پوری طرح اتفاق ہوا۔ چنانچہ آگے اس کو لکھا جارہا ہے کہ چونکہ ﴿ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ ﴿ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ ﴾ کا حال ہے اس لئے مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بیان کا عنوان یہ ہو۔ لہٰذا یہ معنی ہوئے کہ تم آواز کو بلند نہ کرو اور زور سے نہ بولو کہ کہیں اس کے نتیجہ میں تمہارے اعمال برباد ہوجائیں (اس طرح کہ آواز کا بلند ہونا اور زور سے بولنا رسول اللہ ﷺ کی اذیت کا سبب ہونے کی وجہ سے ذلت ورسوائی کی حد تک پہنچادے۔ اور ذلت ورسوائی اختیاری کفر تک پہنچادے اور اختیاری کفر اعمال کے برباد ہونے کا سبب بن جائے) اور تمہیں احساس بھی نہ ہو کہ اس کا اصلی سبب تمہارا آواز کو بلند کرنا

اور زور سے بولنا ہی تھا، اور تمہاری اس لاپروائی نے تمہیں یہ برے دن دکھائے، اس عنوان میں پورا مقصود بھی آ گیا۔ اور ﴿ أَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾ کا حال ہونا بھی ظاہر رہا۔

اور لفظ ﴿ حَتَّىٰ تَخْرُجَ ﴾ کے ساتھ ﴿ إِلَيْهِمْ ﴾ اس لئے بڑھایا کہ اگر باہر نکلے، مگر قرینہ سے معلوم ہوا کہ ان سے ملنے کے لئے تشریف نہیں لائے، مثال کے طور پر باہر آ کر کسی اور کام کی طرف متوجہ ہو گئے تو انہیں اس وقت اور بھی صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ آپ ان کی طرف توجہ فرمائیں، کیونکہ یہ نکلنا ان کی طرف نہیں ہے جو کہ صبر کی غایت تھی۔ بلکہ ان کی طرف توجہ ہونا جو کہ ان کی طرف نکلنے کا حاصل ہے، صبر کی غایت ہوگی۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

ربط: اوپر نبی ﷺ کے متعلق آداب میں ارشاد تھا ﴿ لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾ یعنی شرعی اجازت سے پہلے کسی معاملہ میں آگے مت بڑھو، اب اس عام امر میں سے ایک خاص امر کا ذکر فرما کر اس شرعی حکم سے آگے بڑھنے سے منع فرماتے ہیں، اور وہ خاص امر کسی خاص شخص یا مجمع کی شکایت پہنچانا ہے، اور شرعی اجازت سے پہلے بغیر تحقیق کے اس شکایت کے تقاضے پر عمل کرنا ہے۔

بغیر تحقیق چغلی پر عمل کرنے سے منع کرنا:

(یہ آیت ایک خاص قصہ کے طور پر نازل ہوئی جب کہ حکم عام ہے، قصہ یوں ہے کہ حضور ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، اور ایک روایت میں بنی وکیعہ آیا ہے۔ ولید کے اور ان لوگوں کے درمیان جہالت کے زمانہ سے کچھ دشمنی تھی، ولید کو وہاں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا، لیکن وہ لوگ ولید کے آنے کی خبر سن کر ان کے استقبال کے لئے اپنی بستی سے باہر آ گئے جس کی وجہ سے ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ قتل کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں، چنانچہ دور سے ہی واپس ہو گئے اور جا کر رسول اللہ ﷺ سے اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا کہ وہ تو اسلام کے خلاف ہو گئے ہیں، آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو تحقیق کے لئے بھیجا اور فرما دیا کہ خوب تحقیق کرنا اور کوئی فیصلہ جلد بازی میں مت کرنا، چنانچہ انھوں نے وہاں اطاعت اور بھلائی کے سوا کچھ بھی نہیں پایا، چنانچہ آ کر بتا دیا جس سے آپ کو اطمینان ہو گیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ یہ باتیں میں نے درمنثور کی کئی روایتوں سے خلاصہ کے طور پر لی ہیں اور بعض روایتوں میں آیا

ہے کہ خود وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اطمینان دلایا۔ دونوں قسم کی روایتوں میں مطابقت اس طرح ہوسکتی ہے کہ دونوں واقعے ہوئے ہوں) اے ایمان والو! (جس طرح ولید بن عقبہ کی خبر پر، اس کے باوجود کہ ولید پر فاسق ہونے کا حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کی، بلکہ اس کی تحقیق فرمائی، جس سے ایک شرعی حکم ثابت ہوگیا کہ بغیر تحقیق کے ایسی خبر پر عمل نہیں کرنا چاہئے اور اوپر تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ شرعی حکم سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا لازمی ہے کہ اس شرعی حکم سے آگے بڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اور جب ایسے شخص کے بارے میں یہ حکم ہے جس پر فاسق ہونے کا حکم نہیں لگایا تو فاسق کے بارے میں تو اور بھی زیادہ یہ حکم ہوگا، اس پر ہم تمہیں اہتمام کے لئے پھر حکم دیتے ہیں کہ) اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے (جس میں کسی کی شکایت ہو) تو (بغیر تحقیق کے اس پر عمل مت کیا کرو، بلکہ اگر عمل کرنا ہو تو پہلے) خوب تحقیق کرلیا کرو۔ کبھی کسی قوم کو نادانی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچادو کہ پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

فائدہ: مطلب یہ کہ جس طرح اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اسی طرح تمہیں کرنا چاہئے کہ اس کے خلاف وہی اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کا حکم ہے، جس سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ میں عام مؤمن مخاطب ہیں اور فاسق سے عام فاسق مراد ہیں، اور فاسق کا ذکر حکم میں مبالغہ کے فائدہ کے لئے ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس کے قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کو فاسق کہہ دیا گیا ہے، لہٰذا اس آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ اس کا شبہ رہا کہ یہ وہم ہو کہ آپ نے بغیر تحقیق کے کچھ کارروائی کرنی چاہی ہوگی۔ شبہ دور کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اس میں خطاب آپ سے ہے ہی نہیں، بلکہ عام مؤمنوں کو حکم ہے کہ اس طرح کے معاملوں میں حضور ﷺ کے اس طریقہ پر عمل کرو، اور اس خبر سے مطلق خبر مراد نہیں ہے، بلکہ جس امر پر عمل کرنے سے کسی کا نقصان لازم آتا ہو، جیسا کہ ﴿ اَنْ تُصِیْبُوْا ﴾ الخ اس کا قرینہ ہے، تو اس شخص کی خبر جس کے فاسق ہونے کا احتمال ہے اور اس شخص کی بھی جس کا فاسق ہونا ہو چکا دونوں ہی خبریں قبول کے قابل نہیں ہیں، لہٰذا اس موقع پر مطلق خبر واحد کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کی تفصیل سے بحث کرنا ایک زائد امر ہے، اور اس طرح صحابہ کے عدول اور غیر عدول یعنی مقبول و غیر مقبول ہونے کی بحث کرنا بھی زائد امر ہے، کیونکہ ولید کا فاسق ہونا آیت سے لازم ہی نہیں آتا۔ بلکہ حدیث سے بھی لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ ولید کو خود گمان میں غلطی ہوئی ہو، اور ﴿ فَتَبَیَّنُوْۤا ﴾ سے یہ مقصود نہیں کہ اس خبر کی ضرور ہی تحقیق کی جائے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی کی برائی سن کر بالکل ہی دھیان نہ دیں تو جائز ہے، بلکہ بعض جگہ تو تجسس یعنی چھان بین کرنا حرام ہے، بلکہ اس سے مقصود بغیر تحقیق کے عمل کرنے سے منع کرنا ہے، جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت میں ظاہر کردیا ہے۔

اور یہ ایک مستقل مسئلہ ہے کہ تحقیق کرنا کہاں واجب ہے؟ کہاں جائز ہے؟ اور کہاں منع ہے؟ تو اس بارے میں مختصر

انداز میں بات یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی شرعی واجب فوت ہوتا ہو، وہاں واجب ہے۔ مثال کے طور پر سلطان کسی کے مرتد ہونے کی خبر سنے تو چونکہ مرتد ہونے کی صورت میں اس پر واجب ہے کہ اس کو توبہ کرادے ورنہ قتل کردے، اس لئے تحقیق واجب ہوگی۔ یا مثال کے طور پر سلطان نے سنا کہ فلاں شخص، فلاں شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے تو سلطان ہونے کی وجہ سے رعایا کی حفاظت اس کے ذمہ واجب ہے، اس لئے اس کی تحقیق اور حفاظت کا انتظام کرنا واجب ہے۔ اس لئے اس کی تحقیق اور انتظام واجب ہے اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق کرنے سے اس شخص کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا جس کے بارے میں یہ خبر پہنچائی گئی ہے تو وہاں تحقیق جائز ہے جیسے یہ سنا کہ فلاں شخص خفیہ طور پر شراب پیتا ہے تو چونکہ تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں اور تحقیق کرنے سے اس کی ذلت اور رسوائی ہوتی ہے، خوب سمجھ لو۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اُس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اُس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ میں نبی ﷺ سے متعلق ایک ادب یہ بتایا گیا ہے کہ کسی معاملہ میں آپ کے حکم سے آگے نہ بڑھا جائے، اور اس امر کی بعض قسمیں دینی امور نہیں بلکہ دنیاوی امور ہیں، جیسے آپ نے حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی سے فرمایا تھا کہ زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا جائے تو ایسے امور کے دنیاوی ہونے کی وجہ سے آگے بڑھنے کے جائز ہونے اور اطاعت کے واجب نہ ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسے معاملوں میں یہ خیال بھی ہوسکتا ہے کہ یہ امور رائے اور تدبیر سے متعلق ہیں، خود حضور ﷺ کے لئے ہماری رائے کے مطابق عمل کرنا مناسب اور مصلحت کے مطابق ہے۔ اب اس بارے میں ارشاد ہے اور چونکہ ایسے امور صرف حضور کی زندگی میں ہی پیش آسکتے ہیں، اس لئے ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ فرما کر اس تخصیص کی نص ظاہر فرما دی۔

امت پر رسول اللہ ﷺ کی مطلق اطاعت کا واجب ہونا اور نافرمانی کا گناہ ہونا:

اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول (ﷺ موجود) ہیں (جو اللہ کی بڑی نعمت ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ الخ لہٰذا اس نعمت کا شکریہ ہے کہ تم کسی بات میں آپ کی نافرمانی مت کرو، چاہے وہ بات دنیاوی ہی کیوں نہ ہو، اور اس فکر میں مت پڑو کہ دنیاوی امور میں خود حضور ہماری رائے کے مطابق عمل کیا کریں، کیونکہ) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تمہیں بہت نقصان پہنچے۔ اس کے برخلاف آپ کی رائے پر عمل کیا جائے، کیونکہ اس کے دنیاوی امر ہونے کی صورت میں اگرچہ اس میں مصلحت کے خلاف ہونے کا احتمال اپنے آپ میں نبوت کی شان کے خلاف اور محال نہیں۔ لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو، بہت ہی کم یعنی نہ ہونے کے برابر ہوں گے، پھر اگر کچھ ہوں بھی اور ان میں مصلحت فوت بھی ہو جائے تو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا بہترین بدل یعنی رسول کی اطاعت کا اجر اور ثواب ضرور ملے گا۔ اس کے برخلاف کہ تمہاری رائے پر عمل ہو کہ وہ بہت ہی تھوڑے سہی پھر بھی کچھ ایسے بھی نکلیں گے جن میں مصلحت ہو، اگرچہ وہ متعین تو نہیں ہیں، پھر بہت ہی کم ہوں گے، زیادہ احتمال نقصان ہی کا ہے، پھر اس نقصان کا کوئی بدل نہیں، اور اس وضاحت سے "کثیر" کی قید کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا، بہر حال اگر آپ ﷺ تم لوگوں کی موافقت کرتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے) لیکن اللہ تعالیٰ نے (تمہیں مصیبت سے بچالیا، اس طرح کہ) تمہیں (کامل ایمان کی محبت دی اور اس (کے حاصل کرنے) کو تمہارے دلوں میں اچھا کر دیا۔ اور کفر اور فسق (یعنی کبیرہ گناہوں) اور (مطلق) نافرمانی (یعنی صغیرہ گناہوں سے تمہیں تمہارے دلوں میں) نفرت دیدی (پیدا کر دی جس کی وجہ سے تمہیں ہر وقت رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کی تلاش رہتی ہے، اور جس کی وجہ سے تم رسول ﷺ کی رضا کا سبب بننے والے اعمال سے متعلق احکام کو مان لیتے ہو۔ چنانچہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ دنیاوی امور میں بھی رسول کی اطاعت واجب ہے اور مطلق اطاعت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا اور کامل ایمان حاصل کرنے کی رغبت پہلے سے موجود ہے، پس) تم نے فوراً اس حکم کو قبول بھی کر لیا، اور انہیں قبول کر کے ایمان کی اور تکمیل کر لی) ایسے لوگ (جو ایمان کی تکمیل سے محبت رکھتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے سیدھے راستہ پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (نے جو یہ احکام فرمائے ہیں تو وہ ان کی مصلحتوں کو) جاننے والا ہے اور (چونکہ) حکمت والا ہے (اس لئے ان احکام کو واجب کر دیا ہے)

فائدہ: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ کے الفاظ کا ظاہر اس امر کا قرینہ ہے کہ ان میں کسی ایسے امر کا بیان ہے جو حضور ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص تھا۔ اور احقر کے نزدیک وہ امر یہی دنیاوی معاملوں میں اطاعت کرنا ہے اور ﴿ فِيْ كَثِيْرٍ ﴾ کہنا بھی اسی کا قرینہ ہے کہ ایسے ہی امور مراد ہیں، کیونکہ دینی امور میں تو کسی ایک امر میں بھی (عدم)

اطاعت کی گنجائش نہیں، اور تخصیص کی وجہ یہ نہیں کہ اگر آپ اپنے بعد کے لئے ایسے احکام فرما جاتے تو اطاعت واجب نہ ہوتی بلکہ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ایسے احکام نہیں فرمائے، کیونکہ یہ احکام جزئی تھے اور حضور نے جو ہمیشہ باقی وقائم رہنے والی شریعت چھوڑی ہے، وہ کلی احکام ہیں، اور اس مسئلہ کی تحقیق کہ دنیاوی امور میں اطاعت کس شرط سے واجب ہے، سورۃ الاحزاب آیت ۳۶ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ میں گذر چکی ہے۔

﴿وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾ ع ۱۳

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان اصلاح کر دو، پھر اگر اُن میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اُس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جاوے، پھر اگر رجوع ہو جاوے تو اُن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان تو سب بھائی ہیں، سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔

ربط: اوپر نبی ﷺ کے حقوق کا ذکر تھا۔ اب بعض آپسی حقوق اور سماجی آداب کا بیان ہے، جس میں کئی حکم بیان کئے گئے ہیں۔ اور سب میں مشترک امر ایذا پہنچانے سے روکنا ہے۔

پہلا حکم: مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا اور فساد پھیلانے والوں کے شر کو دفع کرنا:

اور اگر مسلمانوں میں سے (دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو (کہ جس بات پر جھگڑا ہے اس کو دور کر کے لڑائی بند کرادو) پھر اگر (صلح کی کوشش کے بعد بھی) ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے (اور لڑنا بند نہ کرے) تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے (اللہ کے حکم سے مراد لڑنا بند کرنا اور صلح کا راستہ اختیار کرنا ہے) پھر اگر (وہ) زیادتی کرنے والا (فرقہ، اللہ کے حکم کی طرف) پلٹ آئے (یعنی لڑائی جھگڑا بند کر دے) تو ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کر دو (یعنی شرعی حدوں کے مطابق اس معاملہ کو طے کر دو، صرف لڑائی جھگڑا بند کرنے کو ہی کافی مت سمجھو۔ ورنہ دوسرے وقت لڑائی جھگڑے کا احتمال رہے گا) اور انصاف کا خیال رکھو (یعنی نفسانی خواہش کو غالب نہ ہونے دو) بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (اور ہم نے جو صلح

کرانے کا حکم دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) مسلمان تو سب (دین میں شریک ہونے کی وجہ سے جو کہ معنوی نسب ہے، ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو (تا کہ بھائی چارہ قائم رہے) اور (صلح کے وقت) اللہ سے ڈرتے رہا کرو (یعنی شریعت کی حدود کی رعایت رکھا کرو) تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

فائدہ: لڑنے والے کہ ان کے آپس میں لڑنے کا امکان ہو یا خود اس وقت لڑ رہے ہوں جو کہ مسلمان ہوں چاہے مخلص مسلمان ہوں یا دلوں میں نفاق رکھنے والے ہوں، چاہے ایک ایک لڑ رہے ہوں یا کئی کئی۔ ان کے احکام کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو دونوں جماعتیں مسلمانوں کے امام یعنی حاکم کے ماتحت ملک میں رہتے ہوں یا دونوں اس ولایت سے باہر رہتے ہوں یا ایک اس ولایت میں رہتا ہو اور دوسرا اس سے باہر رہتا ہو، پہلی صورت میں اگر عام لوگوں کی کوشش سے ان میں لڑائی جھگڑا بند نہیں ہوا تو امام کے اوپر ان پر صلح کرانا واجب ہے، پھر تین حالتیں ہیں یا تو دونوں اطاعت کرلیں یا دونوں اطاعت سے انکار کردیں یا ایک اطاعت کرلے اور دوسرا اطاعت سے خارج ہو جائے۔ پہلی حالت میں قصاص اور دیت کے احکام جاری ہوں گے اور یہ سب ﴿ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ یعنی "ان دونوں کے درمیان صلح کرادو" کے حکم میں داخل ہیں اور دوسری حالت دوسری صورت سے متعلق ہے جس کا حکم آگے آرہا ہے اور تیسری حالت تیسری صورت سے متعلق ہے کہ اس کا حکم بھی آگے آرہا ہے اور دوسری صورت میں دونوں باغی ہیں یعنی جو اطاعت سے انکار کردیں، ان کا حکم آگے آرہا ہے، اور تیسری صورت میں جو حکومت کے ماتحت ہے اسے عادل کہتے ہیں اور جو اطاعت سے انکار کررہا ہے اسے باغی کہتے ہیں کہ وہ خود امام ہی سے لڑنے پر آمادہ ہے۔ ﴿ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا ﴾ یعنی "اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے" اس میں اسی (تیسری قسم کا) حکم ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ان کا شبہ یا شکایت دور کی جائے، صلح کرانے کے لئے یہ ایک لازمی بات ہے، پھر اگر وہ بغاوت اور زیادتی چھوڑ دیں تو اس صورت میں ان سے کوئی لڑائی یا جنگ نہیں کی جائے گی، اور اگر باز نہ آویں تو ان سے لڑائی کی جائے گی۔ پھر اگر انہیں قوت وشوکت حاصل ہے تو جنگ کے وقت تو ان سے متعلق یہ احکام ہیں کہ ان کے زخمی کو قتل کردیا جائے گا اور بھاگنے والے کا تعاقب یعنی پیچھا کیا جائے گا، اور جنگ کے بعد ان سے متعلق یہ احکام ہیں کہ ان کے ہاتھ سے جو عادل قتل ہوں ان کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور ان کے ہاتھ سے جو مال تلف ہوا اس کا ضمان یعنی بدلا نہیں لیا جائے گا، یہ سب احکام عدل وقسط میں داخل ہیں۔ اور اگر انہیں قوت وشوکت حاصل نہیں ہے تو جنگ کے وقت ان سے متعلق یہ احکام ہیں کہ نہ ان کے زخمی کو قتل کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا، اور جنگ سے متعلق یہ احکام ہیں کہ ان کے ہاتھ سے جو عادل کا مال یا جان تلف ہوئے ہیں ان کا ضمان وقصاص لیا جائے گا، یہ احکام سب بھی عدل وقسط میں داخل ہیں، اور احکام مشترکہ یعنی قوت وشوکت کے ہونے اور نہ ہونے دونوں میں یہ ہیں کہ جنگ سے پہلے ہی ان کے ہتھیار چھین لئے جائیں گے، اور انہیں گرفتار کرکے توبہ

کرنے کے وقت تک قید رکھیں گے، اور جنگ کے وقت یا جنگ کے بعد ان کی اولاد کو غلام یا باندی نہیں بنائیں گے، ان کا مال غنیمت نہیں ہوگا، البتہ ان کے توبہ کرنے تک ان کے مالوں کو ضبط رکھا جائے گا، توبہ کے بعد واپس دیدیں گے۔ یہ سب بھی عدل وقسط میں داخل ہے اور یہ سب احکام اس صورت میں ہیں جب مسلمانوں کا کوئی امام یعنی حاکم موجود ہو۔ ورنہ ایسی کسی بھی لڑائی میں حصہ نہ لینے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کا حکم ہے۔ اسی طرح حق کی مدد ونصرت کی قدرت نہ ہونے یا حق اور باطل میں شک وشبہ ہونے کی صورت میں بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کا حکم ہے۔ ان میں اکثر مسئلے ہدایہ سے لئے ہیں اور بعض بہت تھوڑے سے دوسری دلیلوں سے لئے ہیں، ﴿فَاَصْلِحُوْا﴾ میں امام کو انتظام کرنے کا اور دوسروں کو امام کے ساتھ دینے اور اس کی مدد کرنے کا حکم بھی داخل ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کہ کیا عجب ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بُرا ہے، اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

دوسرا حکم: مذاق اڑانے، طعنہ دینے اور ناپسند القاب سے پکارنے کا ممنوع ہونا:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (اللہ کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ تحقیر کیسے کرتے ہیں؟) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ (وہ جن پر ہنستی ہیں) وہ ان (ہنسنے والیوں) سے (اللہ کے نزدیک) بہتر ہوں (پھر وہ ذلیل کیسے کرتی ہیں) اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (کیونکہ یہ سب باتیں گناہ کی ہیں، اور) ایمان لانے کے بعد (مسلمانوں کا) گناہ گاروں میں نام آنا (ہی) برا ہے (یعنی یہ گناہ کرنے کے بعد تمہارے بارے میں یہ کہا جانا کہ وہ مسلمان گناہ یعنی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، نفرت کی بات ہے تو اس سے بچو) اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے (اور بندوں کے حقوق کو تلف کرنے والے) ہیں (جو سزا ظالموں کو ملے گی، وہی انہیں بھی ملے گی)

فائدہ: تمسخر یا مذاق اڑانا وہ ہنسی ہے جس سے دوسروں کو ذلیل کیا جائے اور ان کا دل دکھے، اور جس سے دل خوش ہو اسے مزاح یا خوش طبعی کہتے ہیں، اور وہ جائز ہے۔ ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ﴾ اور ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ﴾

میں قوم اور نساء فرمانے سے یہ مقصود نہیں کہ کئی مرد کئی مردوں کا اور کئی عورتیں کئی عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں کہ چاہے ایک کئی کا یا کئی ایک کا مذاق اڑالیں۔ بلکہ اس سے مراد صرف مرد اور صرف عورتیں ہیں چاہے ایک ہو یا کئی۔ اور اگر مرد عورت کا یا عورت مرد کا مذاق اڑائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور شاید اس کی خصوصیت اس لئے ہو کہ اکثر مذاق اڑانا مردوں کے ذریعہ مردوں کا اور عورتوں کے ذریعہ عورتوں کا ہی ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ مردوں کے ذریعہ مردوں کا اور عورتوں کے ذریعہ عورتوں کا مذاق اڑانے سے منع کرنا مردوں کے ذریعہ عورتوں کا یا عورتوں کے ذریعہ مردوں کا مذاق اڑانے کے منع پر اس سے بھی بڑھ کر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس میں مذاق اڑانے کے علاوہ ایک بے غیرتی اور بے حیائی بھی ہے، اور چاہے دوسرا شخص اس وقت کیسا ہی حقیر و ذلیل ہو، مگر چونکہ دونوں کے خاتمہ بالخیر کا احتمال ہے اس لئے ﴿عَسٰٓی اَنۡ یَّكُنَّ خَیۡرًا مِّنۡهُنَّ﴾ کا ہر حال میں مصداق ہوگا۔ اور برے لقب کے ذریعہ ذکر کرنا اگر صحیح غرض کے بغیر ہو تو حرام ہے اور اگر کوئی صحیح غرض ہو جیسے کوئی شخص لنگڑا ہے اور لنگڑا کہنے سے ہی پہچانا جاتا ہے یعنی اس لقب سے مشہور ہو گیا ہے تو اس لقب کا ذکر کرنا حرام نہیں ہوگا، البتہ اگر اس لقب سے مشہور نہ ہو اور عیب یا حقارت کے طور پر اسے لنگڑا کہا جائے تو حرام ہوگا۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ یَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے؟ اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو! اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تیسرا چوتھا اور پانچواں حکم: برے گمان، تجسس یعنی چھان بین اور غیبت سے منع کرنا:

اے ایمان والو! زیادہ گمان کرنے سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (اس لئے ہر قسم کے گمان کے حکم کی تحقیق کر کے کہ کونسا گمان جائز ہے اور کونسا ناجائز ہے، جائز کی حد تک رہا کرو) اور (کسی کے عیب کی) چھان بین کے پیچھے مت پڑا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (آگے غیبت کی مذمت ہے کہ) کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے؟ اس کو تم (ضرور) ناگوار سمجھتے ہو (لہٰذا غیبت بھی اسی طرح کی برائی ہے، اس سے بھی نفرت ہونی چاہئے۔ اسی کی طرح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کو اس کا جسمانی گوشت نوچ کر کھانے سے تکلیف اور اذیت ہوتی ہے اسی طرح اس کی آبرو خراب ہونے سے دلی تکلیف ہوتی ہے کہ آبرو گوشت

سے بھی زیادہ عزت اور شرافت والی ہے، چاہے اس وقت اس وجہ سے کہ اسے عزت خراب ہونے کی خبر نہیں، حس نہ ہونے کی وجہ سے مردے کی طرح ہے، لیکن خود اپنے آپ میں تو وہ تکلیف واذیت کا سبب ہے، جیسا کہ الخازن میں ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو (اور غیبت چھوڑ دو اور توبہ کر لو) بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

فائدہ: ﴿ كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ﴾ یعنی بہت سے گمان اور ﴿ بَعْضَ الظَّنِّ ﴾ یعنی بعض گمان میں جو کثیر یعنی زیادہ اور بعض فرمایا جو کہ تمام اور جمع کے مقابلہ میں آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ظن کی کئی قسمیں ہیں: ایک واجب جیسے فقہی ظن ایسے معاملوں میں جس میں کوئی نص نہ ہو اور حسن ظن یعنی اچھا گمان (اللہ کے ساتھ) اور دوسرا مباح جیسے روزگار سے متعلق امور میں ظن اور ایسے شخص سے بدگمانی جس میں علانیہ فسق کی علامتیں پائی جاتی ہیں جیسے کسی شخص کا شراب خانوں اور فاحشہ عورتوں کے مکانوں وغیرہ میں آنا جانا ہو اور اس کے فاسق ہونے کا گمان ہو جائے، تو یہ جائز ہے۔ مگر جب تک شراب پینے یا ناجائز جنسی تعلق کا ثبوت نہ مل جائے اس کے بارے میں برا یقین نہ کرے اسی طرح جو بدگمانی غیر اختیاری ہو، مگر اس کے تقاضے پر عمل نہ ہو، اس میں بھی گناہ نہیں، شرط یہ ہے کہ جہاں تک اپنے بس میں ہو اس کو دور کرے۔ اور تیسرا حرام جیسے اللہ اور رسولوں سے متعلق امور میں بغیر قطعی دلیل کے کوئی گمان کرنا یا علم کلام اور فقہی امور میں قطعی دلیل کے خلاف گمان کرنا یا جس میں فسق کی علامتیں قوی نہ ہوں، بلکہ ظاہر میں اصلاح کی علامتیں نمایاں ہوں، اس کے بارے میں برا گمان رکھنا یہ حرام ہے۔ چونکہ ظن و گمان کی تمام قسمیں حرام نہیں تھیں، اس لئے ﴿ كَثِيْرًا ﴾ فرمادیا گیا اور یہ کثرت خود اپنے آپ میں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی قسمیں دوسری قسموں سے زیادہ ہوں اور اگر عام لوگوں کی عادت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو باقی قسموں کے اعتبار سے بھی کثرت کہنا صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ لوگوں کے زیادہ تر گمان حرام ہی ہوتے ہیں، ان قسموں کی تفصیل یہی ہے جن کی طرف ﴿ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ کے ترجمہ میں اشارہ ہے۔

اور بدگمانی کے بارے میں جو مشہور ہے: الحزم سوء الظن: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں لوگ شک و شبہ کرتے ہوں۔ اس کے بارے میں احتیاط رکھے، لہٰذا بدگمانی کے تقاضے پر عمل کرنا اس شخص کے حق میں تو حرام ہے جس سے برا گمان کیا ہے جیسے اس کو ذلیل کرنا اور اس میں عیب نکالنا، اس کو نقصان پہنچانا، اور خود گمان کرنیوالے کے اپنے حق میں اس معنی میں جائز ہے کہ اس کے نقصان سے بچے۔

اور چھان بین کے احکام اوپر آیت ﴿ إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾ کی تفسیر میں بیان کئے گئے ہیں اور چھپ کر باتیں سننا یا خود کو سوتا ہوا ظاہر کر کے دوسروں کی باتیں سن لینا یہ سب تجسس یعنی چھان بین میں داخل ہے۔ البتہ اگر کسی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس نقصان پہنچانے والے کی تدبیروں

اور ارادوں کی چھان بین کرے تو جائز ہے۔

اور غیبت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی کی جائے کہ وہ برائی اس کے سامنے کی جائے تو اسے تکلیف ہو، جبکہ وہ بات سچی ہی ہو۔ اور اگر بات سچی نہیں جھوٹی ہو تو بہتان ہے، اور پیٹھ پیچھے کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ سامنے ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ لمز یعنی طعنہ میں داخل ہے جس سے اوپر ﴿ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ﴾ میں منع کیا گیا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔ البتہ جس سے بہت کم اذیت ہو وہ گناہ صغیرہ ہو سکتا ہے، جیسے کسی کے مکان یا سواری کی برائی کرنا اور جو سننے والا اس کو دور کرنے یعنی غیبت کرنے والے کو روکنے کی قدرت رکھتا ہو اس کا سننا بھی غیبت کرنے کے حکم میں ہے۔ اور اس میں اللہ کا اور بندہ کا دونوں کے حق ہیں، اس لئے توبہ بھی واجب ہے اور معاف کرانا بھی ضروری ہے۔ البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جب تک اس شخص کو اس غیبت کی خبر نہ پہنچے تو بندہ کا حق نہیں ہوتا صرف اللہ کا ہوتا ہے۔ اس کو الروح میں الحسن، الخیاطی، ابن الصباح، النووی ابن الصلاح، الزرکشی اور ابن عبد البر سے ابن مبارک کے واسطہ سے روایت کیا ہے، لیکن اس صورت میں بھی جس شخص کے سامنے غیبت کی تھی، اس کے سامنے اپنا جھوٹا ہونا ظاہر کرنا ضروری ہے اور اگر ممکن نہ ہو تو مجبوری۔

اور موت کے بعد اس کے وارثوں سے معاف کرانا کافی نہیں۔ بلکہ غائب اور میت میں اپنے لئے اور ان کے لئے کثرت سے استغفار کرتا رہے اور بچے اور مجنوں اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے، کیونکہ ان سب کو ایذا پہنچانا حرام ہے، اور جس حربی کافر کو ایذا پہنچانا مباح ہو، اس کی غیبت وقت ضائع کرنے یا گذارنے کی غرض سے کرنا مکروہ ہے۔ اور غیبت کبھی فعل سے بھی ہوتی ہے، جیسے کسی لنگڑے کی نقل کر کے چلنے لگے، جس سے اس کی حقارت وذلت ہو، اور جس سے معاف کرایا جائے اس کے لئے معاف کر دینا مستحب ہے، البتہ اس کے لئے معاف کرنا لازم نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس کی طرف سے مہربانی ہے۔ اور بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ غیبت کو حرام کرنے والی یہ عام آیت بعض کے لئے مخصوص ہے یعنی اگر کسی کی برائی کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت یا مصلحت ہو جو شریعت میں معتبر ہو تو وہ غیبت حرام میں داخل نہیں۔ جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو ظلم کو دور کر سکے یا فتوی طلب کرنے والا واقعہ کی صورت بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے یا مسلمانوں کو کسی کی دینی یا دنیاوی برائی سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتائے یا کسی معاملہ سے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ظاہر کر دے وغیرہ۔ یا جو شخص اپنی فاسقوں والی حرکت کو خود ظاہر کرتا ہو، اور بغیر مجبوری کے غیبت سننا خود غیبت کرنے کی طرح ہے۔ یہ سب تفصیل الروح سے نقل کی ہیں۔ اور ﴿ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ ﴾ میں صرف غیبت کی مذمت شاید زیادہ پائے جانے کی وجہ سے ہو۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

چھٹا حکم: نسب پر فخر کرنے سے منع کرنا:

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم اور حوا) سے پیدا کیا ہے (لہٰذا اس میں تو سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تمہاری مختلف قومیں (اور پھر ان قوموں میں) مختلف برادریاں بنادیں (تو یہ محض اس لئے) تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں، لیکن اس لئے نہیں کہ ایک دوسرے پر فخر کرو، کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو (بڑا پرہیزگار) اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، البتہ اس کے حال کو) اللہ خوب جاننے والا (ہے اور وہ اس کی) پوری خبر رکھنے والا ہے (لہٰذا اس پر بھی شیخی یا فخر مت کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾

فائدہ: آیت میں فرمایا گیا ﴿ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا ﴾ شعوب، شعب کی جمع ہے اور شعب خاندان کی جڑ کو کہتے ہیں اور قبیلہ اس کی شاخ کو۔ مثال کے طور پر سید ایک شعب ہے، اور حسنی و حسینی قبیلے ہیں۔ اور اسی طرح تعارف کی مصلحتیں بہت سی ہیں، مثال کے طور پر ایک نام کے دو شخص ہیں، خاندان کے فرق سے امتیاز ہوسکتا ہے اور مثال کے طور پر اس سے دور کے اور قریب کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور قریب اور بعید کے لحاظ سے ان کے شرعی حقوق ادا کئے جاتے ہیں اور مثال کے طور پر اس سے عصبات یعنی خاندان کے قریبی اور دور کے لوگوں کا پتہ چلتا ہے تو وراثت کے مستحق و غیر مستحق اور دوسروں کے حصہ میں رکاوٹ والوں کا تعین ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہ اپنا خاندان معلوم ہوگا تو اپنا تعلق دوسرے خاندان سے نہیں جوڑے گا۔ جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ اور نسب کے شرف اور عزت کے معتبر ہونے کی حد سورۃ البقرہ آیت ۱۴۱ ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ ﴾ کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں جو اس موضوع کا پہلا موقع تھا۔ وہاں ملاحظہ کرلیں۔

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

رَّحِیْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مان لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کمی نہ کرے گا۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔ پورے مؤمن وہ ہیں جو اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لائے، پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے رستہ میں محنت اٹھائی۔ یہ لوگ سچے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا خدا تعالیٰ کو اپنے دین کی خبر دیتے ہو؟ حالانکہ اللہ کو تو سب آسمان و زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے۔ اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم سچے ہو۔ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی سب مخفی باتوں کو جانتا ہے۔ اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔

ربط: اوپر نسل و نسب پر فخر کرنے سے منع کرنے کے بعد ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ﴾ الخ میں تقدس کے دعویٰ سے منع کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے، جیسا کہ اوپر کی وضاحت سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب ایک ایسی ہی خاص جماعت کی قباحت یعنی برائی بیان کی گئی ہے، جنھوں نے ریاکاری یعنی دکھاوے کے طور پر اس کا اظہار اور دعویٰ کیا تھا، اور چونکہ وہ جھوٹے تھے، اس لئے قباحت یعنی برائی اور زیادہ ہے اور سورت کے شروع میں جو نبی ﷺ سے متعلق آداب کا بیان تھا تو چونکہ ان کا یہ دعویٰ احسان جتانے کے طور پر تھا تو جھوٹ اور ریاکاری کے علاوہ آپ کے ساتھ گستاخی بھی ہے۔ اس لئے اس مضمون کا جس طرح اپنے سے پہلے والے بالکل قریب کے مضمون سے ربط ہے، اسی طرح سورت کے شروع کے مضمون سے بھی ربط ہے، اور سورت کا نبی ﷺ سے متعلق آداب سے شروع ہونا اور اسی پر ختم ہونا آپ ﷺ کی شان کی عظمت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اور اس طرف بھی کہ حقوق کے سلسلہ میں اصل آپ ہی ہیں، اور درمیان میں جن دوسرے حق والوں کا ذکر آ گیا وہ حقوق میں اس حیثیت سے تابع ہیں کہ یہاں اکثر اسلام والوں کے لئے مخصوص حقوق کا

ذکر ہے اور وہ سب اسلام میں آپ ہی کی بدولت شریک ہوئے اور بندہ نے ان سب احکام کو ایک ہی حکم قرار دے کر تمام مضامین کو اس کی تفصیل قرار دیا ہے، ورنہ اگر انہیں الگ الگ بیان کیا جائے تو اور بھی کئی مضمون ہیں، ایک ﴿ لَا تُقَدِّمُوْا ﴾ یعنی آگے نہ بڑھو۔ دوسرے ﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا ﴾ یعنی آواز بلند نہ کرو، تیسرے ﴿ لَا تَجْهَرُوْا ﴾ یعنی زور سے مت بولو، چوتھے ﴿ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا ﴾ یعنی اگر وہ تھوڑا صبر کر لیتے۔ پانچویں ﴿ اِنْ جَآءَكُمْ ﴾ یعنی اگر کوئی تمہارے پاس خبر لے کر آئے۔ چھٹے ﴿ اعْلَمُوْٓا ﴾ الخ یعنی تمہارے درمیان میں رسول موجود ہیں۔ ساتویں یہ جو مضمون آگے آرہا ہے یعنی رسول ﷺ کی موجودگی میں اور ان کے سامنے ریاکاری یعنی دکھاوے اور احسان جتانے سے منع کرنا۔ اور چھ مضمون مؤمنین سے متعلق تھے۔ اس طرح یہ کل تیرہ مضمون ہوئے اور اگر تمسخر یعنی مذاق اڑانے اور لمز یعنی ایک دوسرے کو طعنہ دینے اور ﴿ تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ یعنی برے القاب سے پکارنے سے منع کرنے کو الگ الگ تین مضمون قرار دیں تو یہ سورت پندرہ حکموں پر مشتمل قرار پائے گی۔

ایمان لانے کا احسان جتانے سے منع کرنا:

یہ (بنی اسد وغیرہ کے) دیہاتوں والے (آپ کے پاس آکر جو ایمان لانے کے دعوے کرتے ہیں، یہ اس دعوے میں کئی قبیح یعنی برے کام کرتے ہیں، ایک تو جھوٹ کہ دل کی تصدیق کے بغیر محض زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے (کیونکہ وہ دل سے تصدیق کرنے پر موقوف ہے، اور وہ تم میں موجود نہیں ہے جیسا کہ آگے جلدی ہی ﴿ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ آرہا ہے) لیکن (ہاں) یوں کہو کہ (ہم نے مخالفت چھوڑ کر) اطاعت اختیار کر لی (اور اطاعت: مخالفت کرنا بند کر دینے کے معنی والی محض ظاہری طور پر اتفاق کر لینے سے بھی ہو جاتی ہے) اور (باقی اصل بات تو یہ ہے کہ) ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (اس لئے ایمان کا دعویٰ مت کرو) اور (اگرچہ اب تک تم ایمان نہیں لائے، لیکن اب بھی) اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا (ساری باتوں میں) کہنا مان لو (جس میں یہ بھی داخل ہے کہ سچے دل سے ایمان لے آؤ) تو اللہ تمہارے اعمال میں سے (جو کہ ایمان کے بعد ہوں گے محض اس وقت کے کفر اور جھوٹ کی وجہ سے جو کہ اس وقت کے اعتبار سے گذشتہ ہوگا) ذرا بھی کم نہ کرے گا (بلکہ سب کا پورا پورا ثواب دے گا، کیونکہ) بے شک اللہ بخشنے والا (معاف کرنے والا) بڑا رحم کرنے والا ہے (اب ہم سے سنو کہ کامل مؤمن کون ہیں تا کہ اگر تمہیں مؤمن بننا ہے تو ویسے بنو، تو) پورے مؤمن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر (ایمان پر قائم بھی رہے یعنی عمر بھر اس پر عمل کرتے رہے اور) کبھی شک نہیں کیا (اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستہ میں (یعنی دین کے لئے) جدوجہد (اور محنت) کی جس میں جہاد وغیرہ سب آ گیا، تو) یہ لوگ سچے ہیں (یعنی پورے سچے اور یوں اگر صرف خود تصدیق ہو تب بھی خود "سچ" ہو جائے گا۔ تمہارے برخلاف کہ تمہیں ادنیٰ درجہ کا

ایمان تک حاصل نہیں جس کا مطلب تصدیق ہے اور دعوی کامل ایمان کا کرتے ہو، لہٰذا ایک بری بات تو ان سے یہ ہوئی یعنی جھوٹ بولا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی "کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے ہیں" (سورۃ البقرہ آیت ۸) اور دوسرا برا امر یہ ہے کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یعنی "یہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں" (سورۃ البقرہ آیت ۹۔ تو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنے دین (قبول کرنے) کی خبر دیتے ہو (یعنی اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں کہ تم نے دین قبول نہیں کیا، اس کے باوجود تم دین قبول کرنے کا دعوی کرتے ہو، تو لازم آتا ہے کہ اللہ کے علم کے خلاف اللہ تعالیٰ کو ایک بات بتاتے ہو) حالانکہ (یہ محال ہے کیونکہ) اللہ کو تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی (پوری) خبر ہے اور (آسمانوں اور زمین کے علاوہ) اللہ (اور بھی) سب چیزوں کو جانتا ہے (پھر اسے کوئی کیا بتائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو جو تمہارے بارے میں علم ہے کہ تم ایمان نہیں لائے، وہی بات صحیح ہے، ورنہ محال لازم آتا ہے۔ اور یہ بات اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ﴾ یعنی "کیا تم اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ایسی بات کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا۔ اور تیسری بری بات جو یہ کرتے ہیں یہ ہے کہ) یہ لوگ اپنے اسلام لانے پر آپ پر احسان جتاتے ہیں (جو انتہائی درجہ کی گستاخی ہے) کہ ہم نہ لڑے نہ بھڑے اور مسلمان ہو گئے، جب کہ دوسرے لوگ بہت پریشان کر کر کے مسلمان ہوئے ہیں، (تو) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ (اس لئے کہ گستاخی کے علاوہ تمہارے اسلام لانے سے میرا کیا فائدہ ہو گیا؟) اور (اسلام نہ لانے سے میرا کیا نقصان ہو گیا۔ اگر تم سچے ہوتے تو تمہارا ہی آخرت کا نفع تھا۔ اور جھوٹا ہونے میں بھی تمہارا ہی دنیا کا فائدہ ہے کہ قتل اور قید ہونے سے بچ گئے تو مجھے احسان مت جتاؤ کہ مجھ پر احسان رکھنا کھلی جہالت ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، شرط یہ کہ تم (ایمان کے اس دعوے میں) سچے ہو (کیونکہ ایمان بڑی نعمت ہے اور حق تعالیٰ کی تعلیم اور توفیق کے بغیر یہ نصیب نہیں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ایسی بڑی نعمت عطا فرما دی، لہٰذا جھوٹ سے اور دھوکہ دینے اور احسان جتانے سے باز آؤ، اور یہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی ساری پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور (اسی علم کی وجہ سے جو سب کا احاطہ کرنے والا ہے) تمہارے سارے اعمال کو بھی جانتا ہے (اور انہی کے مطابق تمہیں جزا دیتا ہے، پھر اس کے سامنے باتیں بنانے سے کیا فائدہ؟)

فائدہ: ان آیتوں کی تفسیر میں روایتوں سے متعلق جو کچھ مضمون ہے، وہ سب درمنثور سے ہے۔ اور بعض مضمونوں میں جو بظاہر تکرار معلوم ہوتی ہے وہ غرض کے اختلاف کی بنیاد پر دور ہو گئی، جیسا احقر نے بیان کیا ہے کہ تین چیزوں کا بیان

مقصود ہے: جھوٹ، دھوکہ اور احسان جتانا اور یہ اللہ کی طرف سے ذہن میں ڈالی ہوئی باتیں ہیں، اللہ کا شکر ہے۔

﴿ یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا ﴾ وہ آپ کے اوپر اس بات کا احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے اس میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انھوں نے تو ﴿ اٰمَنَّا ﴾ کہا تھا ﴿ اَسْلَمْنَا ﴾ نہیں کہا تھا، جواب یہ ہے کہ اگر ﴿ اَسْلَمْنَا ﴾ ہوتا تو اس کا شبہ ہو سکتا تھا، اور صیغہ غائب تو ان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا بلکہ ان کی بات کو اپنے طور پر نقل کیا گیا ہے اور غائب کا صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ ان کے ایمان کو اوپر اسلام فرمایا ہے اور وہ اس کا دعوی کرتے تھے اس لئے ﴿ اَسْلَمُوْا ﴾ سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنی ظاہری اطاعت کا آپ پر احسان جتاتے ہیں جس کو واقع میں اسلام یعنی اطاعت کہنا زیادہ مناسب ہے جبکہ وہ اس کو ایمان کہتے ہیں۔

اور آگے ﴿ اِسْلَامَکُمْ ﴾ میں تو کوئی شبہ ہی نہیں اور ﴿ ھَدٰىکُمْ لِلْاِیْمَانِ ﴾ میں لفظ ایمان فرمانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کا ایمان ہونا تسلیم کر لیا گیا، کیونکہ اصل میں یہاں گفتگو فرض کے طور پر ہے جسے ان کی طرف سے نقل کیا گیا ہے جیسا کہ ﴿ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اس کا قرینہ ہے۔ یعنی فرض کر و اگر تمہارے دعوی کے مطابق اس کو ایمان مان لیا جائے تب بھی اللہ ہی کا احسان ہے، لہٰذا آنکھیں کھولو، اور اس کا شکر کرو۔ واللہ اعلم

اور یہاں اسلام سے مراد لغوی اسلام ہے شرعی اسلام نہیں، لہٰذا اس آیت سے ایمان اور اسلام کے ایک دوسرے کے غیر ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

﴿ بحمد للہ! سورۃ الحجرات کی تفسیر ۳۰ ربیع الثانی کو بروز بدھ ظہر کی اذان کے وقت پوری ہوئی آگے ساتویں منزل آتی ہے جو سورۂ قٓ سے شروع ہوتی ہے ﴾
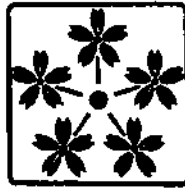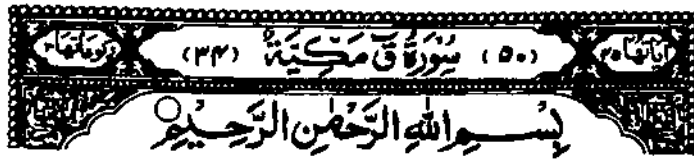
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کے ختم پر ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ میں جزاوسزا کے واقع ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پوری سورت میں یہی بعث وجزا کا مضمون ہے۔ اس کا ممکن ہونا اور اس کا واقع ہونا، اور اس کے واقعات اور وہ مضمون جو اس کے مناسب ہیں۔

﴿ قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۚ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۚ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۚ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۚ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۚ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۚ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۚ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۚ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۚ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۚ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۚ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۚ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ ﴾ ع ۱ ۱۵

ترجمہ: ﴿قٓ﴾ قسم ہے قرآن مجید کی، بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا۔ سو کافر لوگ کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے، جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہونگے، یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے۔ ہم اُن کے اُن اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی کم کرتی ہے اور ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے۔ بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس کو کیسا بنایا اور اُس کو آراستہ کیا اور اُس میں کوئی رخنہ تک نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اُس میں پہاڑوں کو جمادیا اور اُس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع

ہونے والے بندے کے لئے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اُس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ، اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں بندوں کے رزق دینے کے لئے۔ اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح زمین سے نکلنا ہوگا۔ ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود اور عاد اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ اور قوم تبع تکذیب کر چکے ہیں۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید محقق ہوگئی۔ کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے؟ بلکہ یہ لوگ از سرِ نو پیدا کرنے کی طرف سے شبہ میں ہیں۔

اثباتِ بعث ورسالت:

﴿ قٓ ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قرآن مجید کی قسم ہے (یعنی جس کو دوسری کتابوں پر بزرگی وعظمت اور عزت وشرف حاصل ہے، کہ ہم نے آپ کو قیامت کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بھیجا ہے، مگر ان لوگوں نے نہ مانا) بلکہ انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی (کی جنس) میں سے (کہ بشر یعنی انسان ہیں) ایک ڈرانے والا (رسول) آگیا (جس نے انہیں قیامت کے دن سے ڈرایا) تو (اس پر) کافر لوگ کہنے لگے کہ (اول تو خود) یہ (ایک) عجیب بات ہے (کہ انسان رسول ہو، دوسرے دعویٰ بھی عجیب بات کا کرے کہ دوبارہ زندہ ہوں گے۔ بھلا) جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟ یہ دوبارہ زندہ ہونا (امکان سے) بہت ہی دور کی بات ہے (اس محال کے دعویٰ سے نبوت کی اور بھی نفی ہوتی ہے۔

آگے حق تعالیٰ اس کا امکان ثابت فرماتے ہیں کہ امکان سے دور ہونا یا تو قبول کرنے والے کے اعتبار سے ہو کہ موقع ومحل میں زندگی کی قابلیت نہ ہو، تو یہ بات دیکھنے سے ہی بالکل باطل ہے، کیونکہ خود موقع ومحل میں اس وقت زندگی کی صفت موجود ہے۔ یا پھر زندگی پیدا کرنے والے کے اعتبار سے ہو کہ اسے ان اجزا کا علم نہ ہو جو بکھر چکے اور گھل چکے ہیں۔ یا ان میں تصرف کرنے کی قدرت نہ ہو، تو ہمارے علم کی تو یہ شان ہے کہ ہم ان کے ان اجزا کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھاتی اور) کم کرتی ہے اور (یہ نہیں کہ ان اجزا کو ہم آج سے جانتے ہیں بلکہ ہمارا علم قدیم ہمیشہ سے ہے یہاں تک کہ ہم نے واقع ہونے سے پہلے ہی سے سب چیزوں کے سب حالات اپنے قدیم یعنی ہمیشہ کے علم سے ایک کتاب میں جس کا نام لوح محفوظ ہے، لکھ دیئے تھے اور اب تک) ہمارے پاس (وہ کتاب) (یعنی لوح) محفوظ (موجود) ہے (جس میں ان گھل جانے اور بکھر جانے والے اجزا کی جگہ، حالت اور مقدار اور صفت سب کچھ ہے تو اگر قدیم علم کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے کہ وہ دفتر جس میں سب کچھ ہے حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے، مگر یہ لوگ پھر بھی بلا وجہ تعجب کرتے ہیں) بلکہ (تعجب سے بڑھ کر یہ کہ) سچی بات کو (جس میں نبوت اور بعث کا مسئلہ بھی ہے) جبکہ وہ ان کو پہنچتی ہے جھٹلاتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ ایک ڈگمگانے والی حالت میں ہیں (کہ کبھی تعجب کرتے ہیں، کبھی جھٹلاتے ہیں۔ یہ بات درمیان میں جملہ

معترضہ کے طور پر تھی۔

ان کے حال کی برائی کو واضح انداز میں ظاہر کرنے کے لئے آگے قدرت کا اور بیان ہے یعنی) کیا ان لوگوں کو (ہماری قدرت کا علم نہیں؟ اور کیا انھوں) نے اپنے اوپر کی طرف آسمان کو نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اس کو کیسا (اونچا اور بڑا) بنایا اور (ستاروں سے) اس کو سجایا اور اس میں (انتہائی مضبوط ہونے کی وجہ سے) کوئی دراڑ تک نہیں (جیسا کہ اکثر تعمیروں میں لمبے زمانہ کے بعد دراڑ پڑ جاتی ہے۔اور دوسری آیت میں جو آسمان کے دروازوں کا ذکر آیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ پھٹنے و دراڑ اور شگاف وغیرہ سے مختلف ہیں، یہ تو آسمان میں ہماری قدرت ظاہر ہے)اور زمین (میں یہ قدرت ظاہر ہے کہ اس) کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمادیا اور اس میں ہر قسم کی اچھی نظر آنے والی چیزیں اگائیں جو ہر اس بندے کے لئے آنکھیں کھولنے والی اور (ہماری قدرت کو پہچاننے اور سمجھنے کا) سبق دینے والی ہیں، جو توجہ دینے والا ہے (یعنی جو شخص اس غرض سے ہماری بنائی ہوئی چیزوں میں فکر کرنے کی طرف متوجہ ہو، وہ خود بنانے والے کی طرف توجہ کرتا ہے، اور (ہماری قدرت اس سے ظاہر ہے کہ) ہم نے آسمان سے برکت (یعنی نفع) والا پانی برسایا، پھر اس سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبے کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں، بندوں کو رزق دینے کے لئے اور (دوسرے پیڑ پودے جمانے کے لئے بھی) ہم نے اس (بارش) کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا (چنانچہ) اسی طرح (سمجھ لو کہ مردوں کا) زمین سے نکلنا ہوگا (کیونکہ اللہ کی اپنی ذاتی قدرت کے اعتبار سے قدرت کے تحت آنے والی تمام چیزیں برابر ہیں، اور بڑے پر قدرت ہونے سے چھوٹے پر قدرت ہونا زیادہ ظاہر ہے، اس لئے آسمان اور زمین کا ذکر اور زیادہ مناسب ہوا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾: آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے جب ان امور پر ہماری قدرت ثابت ہوگئی تو مردوں کو زندہ کرنے پر کیوں نہیں ہوگی۔

تو جب ان سب کا ہماری قدرت میں ہونا ممکن ہے اور ان کاموں کے کرنے والے میں علم اور قدرت کی صفت موجود ہے پھر تعجب کرنے یا جھٹلانے کا کیا مطلب ہے؟

آگے جھٹلانے والوں کو ڈرانے کے لئے وعید ہے یعنی جس طرح یہ لوگ قیامت کا انکار کر کے رسول کو جھٹلاتے ہیں، اسی طرح) ان سے پہلے نوح کی قوم، اور الرس والے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کی قوم اور ایکہ والے اور تبع کی قوم جھٹلا چکے ہیں (یعنی) سب نے رسولوں (یعنی اپنے اپنے رسول کو توحید اور رسالت اور بعث کے معاملہ میں) جھٹلایا، تو (ان پر) میری وعید دیکھی ہوگی (کہ ان سب پر عذاب نازل ہوا۔اسی طرح ان جھٹلانے والوں پر عذاب آئے گا، چاہے

دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں۔

وعید کے بعد پھر پہلے مضمون کا دوسرے انداز میں ذکر ہے کہ) کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے میں تھک گئے؟ (کہ دوبارہ زندہ نہ کرسکیں گے، یعنی ایک رکاوٹ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اپنے آپ میں موقع ومحل میں بھی قدرت اور فاعل یعنی کام کرنے والے میں علم اور قدرت کی صفت بھی موجود مگر تھکان کی وجہ سے قدرت پر عمل نہیں ہوتا، تو اس کی بھی نفی فرمادی یعنی اس کا بھی احتمال نہیں کیونکہ تھکان قدرت ناقص یعنی کم ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور ایسی صفتوں میں جو غیر سے حاصل نہ کی گئی ہوں، بلکہ خود اپنی ذاتی ہوں ناقص یعنی کم ہونا محال ہے۔ لہٰذا بعث یعنی مارنے کے بعد دوبارہ اٹھانے، زندہ کرنے کا صحیح ہونا دلیلوں سے ثابت ہوگیا۔ اور یہ جو انکار کر رہے ہیں تو ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ نئے سرے سے پیدا کرنے کے بارے میں (بالکل بغیر دلیل کے) شبہ میں (پڑے ہوئے) ہیں (جو دلیلوں کے سامنے کسی بھی طرح توجہ کے قابل نہیں)

فائدہ: ﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ ﴾ سے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ نیلا نیلا جو کچھ نظر آتا ہے، وہ بھاپ کا گولا ہے تو اس کی تطبیق دو طریقوں سے ہوسکتی ہے:

ایک یہ کہ یہ نظر آنا عام ہے، چاہے بغیر حجاب کے ہو یا حجاب کے پیچھے سے ہو، پھر چاہے حجاب کا رنگ بھی اس کے رنگ میں مل جائے یا نہ ملے، پھر اگر یہ رنگ جو نظر آتا ہے، مان لیا جائے کہ بھاپ کا گولا ہے، تو ممکن ہے کہ اس میں آسمان کا رنگ بھی ملا ہوا ہو۔

اور دوسرے یہ کہ ﴿ يَنْظُرُوْٓا ﴾ سے مراد فکری نظر لی جائے اور اس کو مجاز کے طور پر نظر کہہ دیا جائے اور چونکہ آسمانوں کا وجود اس کی خاص صفتوں سمیت صحیح دلیلوں سے ثابت ہے، اس لئے اس کے بارے میں غور وفکر ہوسکتا ہے۔

اور پہلی صورت میں اس کی سجاوٹ کی دونوں باتیں یعنی خود اس کا سجا ہوا ہونا اور جس سے اس کو سجایا گیا، نظر میں آنا: محسوس ہونے کے معنی میں ہیں۔ اور دوسری صورت میں سجا ہوا ہونا غور وفکر کا مرکز اور جس سے سجایا گیا وہ محسوس ہے، اور ﴿اِلَى السَّمَآءِ﴾ یعنی آسمان کی طرف دیکھنے کو آسمان کے آثار کی طرف دیکھنے کے معنی میں بھی کہہ سکتے ہیں، جیسے تارے۔

اور نوح کی قوم، اور عاد اور ثمود اور فرعون کی اور لوط کی قوم کے قصے تو کئی جگہ آچکے ہیں۔ اور الرس والوں کا قصہ سورۃ الفرقان آیت ۳۸ میں اور ایکہ والوں کا سورۃ الشعراء آیت ۱۷۶ میں اور تبع کی قوم کا قصہ سورۃ الدخان آیت ۳۷ میں گذر چکا ہے اور ﴿اِخْوَانُ لُوْطٍ﴾ یعنی لوط علیہ السلام کے برادران کی ایک ضروری تحقیق سورۃ الشعراء آیت ۱۶۰ سے ۱۷۰ تک ان کے قصہ میں گذر چکی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ۝ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُرِيبٍ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم اُن کو جانتے ہیں، اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اُس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ۔ جب دو اخذ کرنے والے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ داہنی اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اُس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔ اور موت کی سختی حقیقۃً آ پہنچی۔ یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا تھا۔ اور صور پھونکا جاوے گا۔ یہ دن ہوگا وعید کا۔ اور ہر شخص اس طرح آوے گا کہ اُس کے ساتھ ایک اُس کو اپنے ہمراہ لاوے گا اور ایک گواہ ہوگا، تو اس دن سے بے خبر تھا سو اب ہم نے تجھ پر سے پردہ ہٹا دیا، سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ اور فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا، عرض کرے گا۔ یہ وہ ہے کہ جو میرے پاس تیار ہے۔ ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو اور ضد رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور حد سے باہر جانے والا ہو اور شبہ پیدا کرنے والا جس نے خدا کے ساتھ معبود تجویز کیا ہو، سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ وہ شیطان جو اُس کے ساتھ رہتا تھا، کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔ ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں بات نہیں بدلی جاوے گی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

گذشتہ مضمون کا باقی:

(اوپر بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا ممکن ہونا ثابت ہو چکا) اور (آگے اس کے واقع ہونے کا بیان ہے اور چونکہ واقع ہونے کی غرض یعنی جزا و سزا اس پر موقوف ہے کہ جزا دینے والے کو اعمال کا علم اور عمل کرنے والے پر قدرت بھی ہو، اس لئے پہلے اس کو بتاتے ہیں کہ) ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (جو قدرت ہونے پر اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے) اور

اس کے جی میں جو خیال آتے ہیں، ہم ان (تک) کو (بھی) جانتے ہیں (اور اس کی زبان اور جسم کے دوسرے اعضا سے جو کچھ ہوتا ہے اس کو تو اور بھی زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں) اور (بلکہ ہمیں اس کے حالوں کا ایسا علم ہے کہ خود اسے بھی اپنے حالوں کا ویسا علم نہیں ہوتا، لہٰذا علم کے اعتبار سے) ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی گردن کی رگ سے بھی زیادہ (جس کے کٹ جانے سے انسان مر جاتا ہے، اور چونکہ عام طور سے انسانوں کو ہلاک کرنے کا طریقہ اکثر گردن کا کاٹنا ہے اس لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی۔ اور گردن کی ان رگوں میں ورید اور شریان دونوں کا احتمال ہے مگر شریان مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان میں روح غالب رہتی ہے اور خون مغلوب رہتا ہے، جب کہ ورید میں اس کا الٹا ہے۔ اور یہاں جس کو روح میں زیادہ دخل ہو، اس کا مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ اور سورۃ الحاقہ آیت ۴۶ ﴿الْوَتِيْنَ﴾ کا دل کی رگ کے معنی سے تعبیر کرنا اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ جو رگیں دل سے ثابت ہیں، وہ شرائین (شریانیں) ہیں۔ اور اگرچہ قرآن میں لفظ ورید آیا ہے مگر اس کے لغوی معنی عام ہیں، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہم علم کے اعتبار سے اس کی روح اور نفس سے بھی زیادہ نزدیک ہیں یعنی انسان کو اپنے احوال کا جیسا علم ہے ہمیں اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ انسان جو علم حاصل کرتا ہے، اس میں انسان کو اپنی بہت سی حالتوں کا علم نہیں ہوتا اور جن کا علم ہوتا ہے بعض اوقات انہیں بھول جاتا ہے یا وہ ذہن سے نکل جاتی ہیں اور حق تعالیٰ میں ان احتمالوں کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی اور جو علم انسان کو چیزوں وغیرہ کو سامنے دیکھنے یا دوسری محسوس کرنے والی قوتوں سے حاصل ہوتے ہیں اگرچہ ان چیزوں کا آنکھوں یا دوسری محسوس کرنے والی قوتوں کے سامنے موجود ہونا معلوم کے لئے لازم ہے، مگر حادث ہونے کی وجہ سے خود ان کا وجود معلوم کے بعد ہے اور حق تعالیٰ کا علم جو اس سے متعلق ہے وہ اس کے وجود سے پہلے ہے اور ظاہر ہے کہ جو علم ہر حالت میں ہو اس کا تعلق اس کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا جو ایک حالت میں ہوگا۔

غرض اللہ کے علم کا انسان کے تمام احوال سے متعلق ہونا بھی ثابت ہوگیا اور اس کے علاوہ کہ وہ اعمال ہمارے علم میں محفوظ اور مضبوط ہیں، اس حفاظت اور ضبط کی ایک ظاہری صورت بھی تجویز فرما دی ہے جو عادت کے مطابق ہونے کی وجہ سے زیادہ واضح اور حجت ہونے میں زیادہ لازم ہے تو انہیں اس وقت کی بھی حالت بتا دیجئے کہ) جب دو پکڑنے والے فرشتے (انسان کے اعمال کو جب وہ انہیں کرتا ہے) پکڑتے رہتے ہیں، جو کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں (اور برابر ہر عمل کو لکھتے رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ﴾ یعنی "تم جو تدبیریں کرتے ہو، ہمارے رسول انہیں لکھتے رہتے ہیں" اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی "تم جو کچھ کرتے ہو ہم لکھتے رہتے ہیں" یہاں تک کہ سارے عملوں میں آسان اور ہلکا عام حالات میں بولنا ہے، مگر ان کی حالت یہ ہے کہ) وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک میں لگا ہوا تیار (موجود) رہتا ہے

(اگر وہ نیکی کا کلام ہوتا ہے تو دائیں جانب والا اس کو ریکارڈ میں لکھ لیتا ہے، اور اگر بدی کا کلام ہوتا ہے تو بائیں جانب والا لکھ لیتا ہے۔ پھر اور اعمال تو جو ریکارڈ اور ذکر کے قابل ہیں، کیوں نہیں لکھے اور ضبط کئے جائیں گے؟ لہٰذا اللہ کے علم کے ساتھ فرشتوں کے ذریعہ اعمال کے دفتر کا لکھا جانا اور ضابطہ میں آنا ثابت ہوگیا)

اور (آگے اصل مقصود تو قیامت اور جزا کے واقع ہونے کو بتانا ہے، مگر پہلے اس سے پہلے والی چیز یعنی موت کو بتاتے ہیں اور اگرچہ اس سے کسی کو انکار نہیں مگر اکثر قیامت کا انکار موت ہی کو بھلانے کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے موت کو سامنے پیش کر دینا انسان کو فکر اور حق کی طلب میں واقع کر سکتا ہے جس کے بعد صحیح دلیلوں میں غور کر کے اس کے واقع ہونے کا قائل ہو سکتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ لو ہوشیار ہو جاؤ) موت کی سختی حقیقت میں (قریب) آ پہنچی (یعنی ہر شخص کی موت قریب ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ آگے انسان کو متوجہ کرنے کے لئے جس کا ذکر ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ الخ میں تھا، خطاب ہے کہ) یہ (موت) وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا (فاجر یعنی گنہ گار تو دنیا کی محبت کی وجہ سے اور غیر فاجر طبیعت اور فطرت کے تقاضہ سے۔ اور اس طبعی امر پر کبھی شوق کا غالب آ جانا، اس کے خلاف نہیں کیونکہ اصل مقصود اس کے نفس پر ہونے والے اثر کا بیان کرنا ہے، نہ کہ عوارض پر توجہ (دینا) اور (قیامت سے پہلے والی چیز یعنی موت کے بیان کے بعد اب اس کے واقع ہونے کا بیان ہے، جو کہ اصل مقصود ہے، یعنی قیامت کے دن دوبارہ) صور پھونکا جائے گا (جس سے سب زندہ ہو جائیں گے) یہی دن وعید کا ہوگا (جس سے لوگوں کو ڈرایا جاتا تھا)

اور (اس دن کے واقع ہونے کے بعد اب اس دن کے واقعات کا بیان ہے یعنی اس دن) ہر شخص اس طرح (قیامت کے میدان میں) آئے گا کہ اس کے ساتھ (دو فرشتے ہوں گے، جن میں) ایک (تو قیامت کے میدان کی طرف) ہانک کرلانے والا ہوگا۔ اور ایک (اس کے اعمال کا) گواہ ہوگا (ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ ہانک کرلانے والا اور گواہ وہی دو فرشتے نیکی اور بدی لکھنے والے ہیں، اس کو الدر المنثور نے روایت کیا ہے۔ اور اگر یہ حدیث محدثوں کی شرطوں کے مطابق قوی نہ ہو تو احتمال ہے کہ دوسرے دو فرشتے ہوں جیسا کہ بعض قائل ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس صورت میں بھی حدیث کی مطابقت کی وجہ سے پہلے قول کا احتمال ہی راجح ہوگا۔

اور جب وہ قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے تو ان میں جو کافر ہوں گے، ان سے خطاب ہوگا کہ) تو اس سے بے خبر تھا، یعنی اس کا قائل نہ تھا) تو اب ہم نے تیرے اوپر سے تیرا (غفلت اور انکار کا) پردہ ہٹا دیا (اور قیامت کا معائنہ کرادیا، تو آج (تو) تیری نگاہ بڑی تیز ہے (کہ کوئی امر ادراک کے لئے رکاوٹ نہیں، کاش تو دنیا میں بھی غفلت کی اس رکاوٹ کو دور کر دیتا تو تیرے بھلے دن ہوتے)

اور (اس کے بعد اعمال کو لکھنے والا) فرشتہ جو اس کے ساتھ رہتا تھا (اور ایک قول کے مطابق اب بھی ہانکنے والا یا گواہ

بن کر آیا ہوگا، اعمال نامہ حاضر کر کے) عرض کرے گا کہ یہ وہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے (جیسا کہ ابن جریج نے اس قرین کی تفسیر فرشتہ سے اور جو قرین اس کے ساتھ ہوگا اس کی تفسیر شیطان سے کی ہے، اس کو الدر نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ اس روزنامچہ کے مطابق کافروں کے بارے میں دو فرشتوں کو چاہے وہ مذکورہ ہانکنے والا اور گواہ ہوں جیسا کہ کہا گیا یا دوسرے دو فرشتے ہوں، حکم ہوگا کہ) ہر ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا ہو اور (حق سے) ضد رکھتا ہو اور نیک کام سے روکتا ہو اور (بندہ ہونے کی) حد سے باہر جانے والا ہو۔ اور (دین میں) شبہ پیدا کرنے والا ہو جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو تو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو

(جب کافروں کو معلوم ہوگا کہ اب ہمیشہ کے نقصان میں پڑنے والے ہیں، اس وقت اپنے بچاؤ کی غرض سے گمراہ کرنے والوں کے ذمہ الزام رکھیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ﴾ یعنی اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے تو ایک دوسرے کے ذمہ الزام ڈالیں گے (سورۂ سبا آیت ۳۱) چونکہ ان گمراہ کرنے والوں میں شیطان بھی ہوں گے، اس لئے) وہ شیطان جو اس کے ساتھ رہتا تھا، کہے گا کہ اے ہمارے رب! میں نے اس کو (زبردستی) گمراہ نہیں کیا تھا (جیسا کہ اس کے الزام رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود اس کے فعل کا بالکل ہی دخل نہ ہو) لیکن (بات یہ ہے کہ) یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں (خود اپنے اختیار سے) تھا (اگرچہ بغیر کسی زبردستی کے، بہکانے کا کام میں نے بھی کیا، اس لئے اس گمراہی کا اثر مجھ پر نہیں ہونا چاہئے) ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑے کی باتیں مت کرو (کہ یہ بے فائدہ ہیں) اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید (یں) بھیج چکا تھا (کہ جو کفر کرے گا چاہے خود یا کسی کے بہکانے سے اور جو کفر کا امر کرے گا چاہے زبردستی چاہے بغیر زبردستی سب کو ان کے گناہ کے لحاظ سے جہنم کی سزا دوں گا، تو) میرے ہاں (مذکورہ وعید کی وہ) بات بدلی نہیں جائے گی (بلکہ سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے) اور میں (اس تجویز میں) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (بلکہ بندوں نے خود ایسے ناشائستہ کام کئے جن کی سزا آج بھگت رہے ہیں)

فائدہ: اعمال کو لکھنے والوں کے لئے جو لفظ ﴿ قَعِيْدٌ ﴾ استعمال فرمایا تو ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالات کے اعتبار سے فرمایا، کیونکہ اس روایت میں یہ ہے جب یہ شخص بیٹھتا ہے تو وہ فرشتے بیٹھ جاتے ہیں اور جب چلتا ہے تو ایک فرشتہ آگے اور ایک پیچھے ہو جاتا ہے اور جب لیٹتا ہے تو ایک سرہانے اور ایک پیروں کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ الدر میں ابن جریج سے روایت ہے۔

اور پاخانہ وغیرہ کے وقت وہ جدا ہو جاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی ایسی پہچان دی ہے جس کے ذریعہ وہ ایسے اعمال کو پہچان لیتے ہیں جو آدمی نے ایسے وقت میں کئے ہوں۔ اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے ارادہ کو بھی

لکھتے ہیں، اور نیکیوں اور بدیوں کے لکھنے والے کا ہانکنے والا اور گواہ ہونا جس روایت میں آیا ہے اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ ہانکنے والا کون ہوگا اور گواہ کون ہوگا، کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر نیکیاں غالب ہوں تو نیکیاں لکھنے والے کی گواہی چونکہ زیادہ مناسب ہے، اس لئے وہ گواہ ہو، اور بدی والے اعمال لکھنے والا ہانکنے والا ہو۔ اور اس کے برعکس میں اس کے برعکس ہو۔ واللہ اعلم۔

اور فرشتہ اور شیطان دونوں کو قرین کہنا اس معنی میں ہے کہ مسلم کی حدیث میں تصریح ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو قرین ہیں: ایک فرشتہ دوسرا شیطان اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ فرشتہ نیک باتیں بتاتا ہے اور شیطان بری باتیں بتاتا ہے۔

اور مذکورہ آیتوں میں پہلے والی آیتیں مؤمن اور کافر میں مشترک ہیں اور بعد والی آیتیں کافر کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کے بعد جہنم کا باقی حال بیان کرتے ہیں، اور ﴿ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ تک کی آیتیں مؤمن کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا مختصر کے بعد تفصیل مضمون کا مجموعہ ہو گیا۔

﴿ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ۝ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ۝ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝ ﴾

ترجمہ: جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جاوے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی۔ یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے جو رجوع ہونے والا پابندی کرنے والا ہو، جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آوے گا اُس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا اور ان کو بہشت میں سب کچھ ملے گا جو جو چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔

گذشتہ مضمون کا باقی حصہ:

(یہاں سے باقی واقعوں کا بیان ہے کہ لوگوں کو وہ دن یاد دلایئے) جس دن ہم جہنم سے (کافروں کو اس میں داخل کر چکنے کے بعد) کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ (یہ پوچھنا شاید کافروں کو ڈرانے کے لئے ہو، کہ جواب سن کر ان کے دل میں جہنم کا اور ڈر پیدا ہو جائے کہ ہم کیسے غضب کی جگہ میں پہنچے ہیں۔ اور اس جواب کے بعد حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دیں گے اور وہ دب جائے گی اور سمٹ جائے گی اور عرض کرے گی کہ بس بھر گئی۔ اس کو شیخان یعنی بخاری اور مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾ یعنی ''میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا'' اور یہاں معلوم ہوتا ہے وہ نہیں بھرے گی، جواب یہ ہے کہ ﴿ لَاَمۡلَـَٔنَّ ﴾ ابتدا اور انتہا کو عام ہے، لہٰذا انتہا میں بھر جانے پر بھی ﴿ لَاَمۡلَـَٔنَّ ﴾ کہنا صحیح ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ بھرنا تو قدم سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ قدم رکھ دیں گے۔ جنوں اور انسانوں سے نہ ہوا۔ جواب یہ ہے کہ قدم کا محض تصرف ہو جائے گا، باقی بھرنا جنوں اور انسانوں سے ہی ہوگا۔ محسوس ہونے والی چیزوں میں اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے جیسے کوئی برتن گیلی مٹی کا بنایا جائے اور اس میں کنکر وغیرہ اس طرح بھرے جائیں کہ وہ کچھ خالی رہ جائے پھر کوئی شخص اس کو ہاتھ سے یا پاؤں سے اس طرح دبا دے کہ وہ چاروں طرف سے دب دبا کر اندر سے اتار جائے کہ وہ کنکر اس کے منہ تک آ جائیں۔

اور قدم کے معنی متشابہات میں سے ہیں۔ اور اس سوال و جواب کے ہونے کی کوئی بڑی بات نہیں، یہ تو جہنم کا بیان ہوا) اور (جنت کا بیان یہ ہے کہ وہ) جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دور نہ رہے گی (اور متقیوں سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے (اس عنوان سے) وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو (اللہ کی طرف دل سے) توجہ کرنے والا (اور متوجہ ہو کر اعمال اور طاعتوں کی) پابندی کرنے والا ہو (غرض یہ کہ جو شخص اللہ سے بغیر دیکھے ڈرتا ہوگا اور (اللہ کے پاس) توجہ کرنے والا دل لے کر آئے گا (ایسے لوگوں کو حکم ہوگا کہ) اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشہ رہنے (کے لئے حکم ہونے) کا دن ہے۔ انہیں جنت میں جو چاہیں گے سب کچھ ملے گا اور ہمارے پاس (ان کی چاہی ہوئی چیزوں میں سے) اور بھی زیادہ (نعمت) ہے (کہ وہاں تک جنتی کا ذہن بھی نہ پہنچے گا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِيَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ﴾ یعنی کسی نفس کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ ان کے لئے ان کی آنکھوں سے چین و سکون کی کون کونسی چیزیں پوشیدہ ہیں'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر**: یعنی ''وہاں ایسی نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں، اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا'' ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی تجلی بھی ہے جیسا کہ الدر المنثور میں انسؓ سے روایت ہے، اور بعض حوریں ہوں گی، وہ کہیں گی ''میں اسی زیادہ والے وعدہ کے مطابق ہوں'' اس کو الدر المنثور میں مرفوع کے طور پر روایت کیا ہے۔ اور اگرچہ مختصر انداز میں مؤمنوں کو حور اور تجلی کا علم ہے مگر ان کی خواہش تفصیلی علم پر موقوف ہے، علم تفصیلی نہ ہونے کی وجہ سے وہ مشیت بھی منفی ہوگی، لہٰذا اس کا، جو چاہیں گے اس پر زیادہ ہونا صحیح ہوا)

فائدہ: جنت کے قریب لانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کی جگہ سے منتقل کر کے قیامت کے میدان میں لے آئیں اور اللہ کو سب قدرت ہے، تو اس صورت میں ﴿ اُدۡخُلُوۡهَا ﴾ یعنی ''اس میں داخل ہو جاؤ'' فرمانا اس معنی میں نہیں کہ ابھی چلے جاؤ، بلکہ خوش خبری اور وعدہ ہے کہ تم حساب و کتاب وغیرہ کے بعد اس میں جانا۔

اور دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حساب وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جنت کے قریب پہنچا کر یا باہر ہی سے کہا جائے گا کہ ﴿ هٰذَا مَا تُوعَدُونَ ﴾ یعنی "تم سے جس کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہ ہے" پھر اور قریب کر کے کہا جائے گا ﴿ ادْخُلُوهَا ﴾ یعنی "جاؤ تم اس میں داخل ہو جاؤ"

﴿ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی، اس میں اُس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہو۔

ربط: اوپر قیامت کے واقع ہونے اور دوسرے واقعوں کا ذکر تھا، جس میں کافروں کے عذاب کا بھی ذکر تھا۔ اور قیامت کا واقع ہونا، اس کے امکان پر موقوف ہے اور عذاب کا واقع ہونا کفر کے ناپسند ہونے پر موقوف ہے، جب کہ کافر دونوں کا انکار کرتے تھے، چنانچہ اب ناپسند ہونے کے اثبات کے لئے گذشتہ کافروں کا عذاب سے ہلاک ہونا آیت ﴿ وَكَمْ أَهْلَكْنَا ﴾ الخ میں اور قیامت کا امکان اور اس کا اللہ کی قدرت کے تحت ہونا آیت ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا ﴾ الخ میں اور اس کے باوجود ان لوگوں کا انکار چونکہ رنج وملال پیدا کرنے والا تھا، اس لئے آیت ﴿ فَاصْبِرْ ﴾ الخ میں آپ کی تسلی کا مضمون ہے اور اس کے باوجود کہ امکان کا اوپر بھی ﴿ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا ﴾ الخ میں بیان ہوا ہے، مگر چونکہ اس میں شور وشغب زیادہ تھا، لہٰذا اس کی تاکید کرنے کے لئے یہ مقام مناسب ہوا۔

کافروں کی ہلاکت کے ذکر سے کفر کے ناپسند ہونے کا اثبات:

اور ہم ان (مکہ والوں) سے پہلے بہت سی امتوں کو (ان کے کفر کے برے نتیجہ میں) ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے (کہیں) زیادہ تھے۔ اور (دنیا کا سامان بڑھانے کے لئے) سارے شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (یعنی قوت کے ساتھ ساتھ روزگار ومعیشت کے اسباب میں بھی بڑی ترقی کی تھی، لیکن جب ہمارا عذاب نازل ہوا تو انہیں) کہیں بھی بھاگنے کی جگہ نہ ملی (یعنی کسی طرح بچ نہ سکے اور ہلاک کرنے کے) اس (واقعہ) میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (سمجھ دار) دل ہو یا (اگر سمجھ داری زیادہ نہ ہو تو کم سے کم یہی ہو کہ) وہ (دل سے) متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو (اور سن کر مختصر انداز میں حق ہونے کا عقیدہ اختیار کر کے سمجھ داروں کا اتباع کرتے ہوئے اس بات کو قبول کر لیتا ہو۔ اور اس عبرت کا حاصل یہ ہے کہ ہلاک کرنے سے اللہ کے نزدیک کفر کا ناپسند ہونا معلوم ہو گیا، لہٰذا

جزاوسزا کا انکار کفر کے ناپسند نہ ہونے کی بنیاد پر تو باطل ٹھہرا)

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، اس سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں۔

بعث کے امکان کا دوبارہ ذکر:

اور (اگر عذاب وسزا کا انکار بعث پر قادر نہ ہونے کی بنیاد پر ہے تو وہ اس لئے باطل ہے کہ ہماری ایسی قدرت ہے کہ) ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، اس سب کو چھ دن (کی مقدار کے مطابق زمانہ) میں پیدا کیا اور ہمیں تھکان نے چھوا تک نہیں (پھر آدمی کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سورۃ الاحقاف آیت ۳۳ میں ارشاد ہے ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴾ یعنی "کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا، وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کردے؟"

﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ ﴾

ترجمہ: سو ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے، آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ اور رات میں بھی اُس کی تسبیح کیا کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

تسلی:

اور شبہات کو ختم کرنے والے ان جوابوں کے باوجود یہ لوگ جو پھر انکار ہی پر اڑے ہوئے ہیں) تو ان کی باتوں پر صبر کیجئے (یعنی رنج وغم نہ کیجئے) اور (چونکہ بغیر اس کے کہ کسی طرف دل کو مشغول کیا جائے، وہ غم کی بات دل سے نہیں نکلتی اور بار بار یاد آکر دل میں رنج پیدا کرتی ہے، اس لئے ارشاد فرماتے ہیں) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہئے (اس میں نماز بھی داخل ہے) سورج کے نکلنے سے پہلے (مثال کے طور پر صبح کی نماز) اور (اس کے) چھپنے سے پہلے (جیسے ظہر اور عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح (اور حمد بیان) کیا کیجئے (اس میں مغرب اور عشا آ گئیں) اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی (اس میں نفل اور وظیفے آ گئے۔ حاصل یہ ہوا کہ اللہ کے ذکر میں اور اس کی فکر میں لگے رہئے تاکہ ان کے کفر والے

اقوال کی طرف توجہ نہ ہو)

﴿ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۝﴾ ع ۱۹

ترجمہ: اور سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا جس روز اُس چیخنے کو بالیقین سب سن لیں گے، یہ دن ہوگا نکلنے کا۔ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر لوٹ کر آنا ہے۔ جس روز زمین اُن پر سے کھل جاوے گی، جبکہ وہ دوڑتے ہونگے، یہ ہمارے نزدیک ایک آسان جمع کر لینا ہے۔ جو جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ اُن پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، تو آپ قرآن کے ذریعہ سے ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

قیامت کے واقع ہونے کا دوبارہ ذکر:

اور (اے مخاطب! اس اگلی بات کو توجہ سے) سن رکھو کہ جس دن ایک پکارنے والا (فرشتہ یعنی اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونک مارنے کی شکل میں مردوں کے قبر سے نکلنے کے لئے) پاس ہی سے پکارے گا (پاس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آواز سب کو بغیر تکلف کے پہنچے گی اور جس طرح دور کی آواز اکثر کسی کو پہنچتی ہے اور کسی کو نہیں پہنچتی، ایسا نہیں ہوگا) جس دن اس چیخنے کو سب یقینی طور پر سن لیں گے۔ یہ دن (قبروں سے) نکلنے کا ہوگا، ہم ہی (اب بھی) جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پھر پلٹ کر آنا ہے (اس میں زندہ کرنے کی قدرت کی طرف اشارہ کر دیا) جس دن زمین ان (مردوں) پر سے کھل جائے گی، جب کہ وہ (نکل کر قیامت کے میدان کی طرف) دوڑتے ہوں گے۔ یہ جمع کر لینا ہمارے نزدیک بہت آسان ہے (غرض بار بار قیامت کا امکان اور واقع ہونا ثابت کیا جاچکا۔ مگر اس پر بھی جو لوگ نہ مانیں تو آپ غم نہ کیجئے، کیونکہ) جو کچھ یہ لوگ (قیامت وغیرہ کے بارے میں) کہہ رہے ہیں، ہم خوب جانتے ہیں (ہم خود سمجھ لیں گے) اور آپ ان پر (اللہ کی جانب سے) زبردستی کرنے والے (مقرر کرکے) نہیں (بھیجے گئے) ہیں (بلکہ صرف ڈرانے والے اور تبلیغ کرنے والے یعنی پیغام پہنچانے والے ہیں۔ جب یہ بات ہے) تو آپ قرآن کے ذریعہ سے (عام ذکر و نصیحت سے سب کو اور خاص نفع دینے والے ذکر و نصیحت سے صرف) ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (اس قید کے لگانے سے کہ "جو میری وعید سے ڈرتا ہو" اشارہ ہوگیا کہ اگرچہ آپ ذکر و نصیحت عام کرتے ہیں جیسا کہ دیکھا جاتا ہے پھر بھی وعید سے ڈرنے والا کوئی کوئی ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ آپ کے اختیار میں نہیں جب آپ کے اختیار میں نہیں تو اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت اور کیا فائدہ؟)

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۭ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ يَسْـَٔــلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۭ يَوْمَ هُمْ عَلَي النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۭ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: قسم ہے اُن ہواؤں کی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں پھر اُن بادلوں کی جو بوجھ کو اٹھاتی ہیں پھر اُن کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر اُن فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں، تم سے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بالکل سچ ہے۔ اور جزا ضرور ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم لوگ مختلف گفتگو میں ہو، اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے۔ غارت ہو جائیں، بے سند باتیں کرنے والے جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں، پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا؟ جس دن وہ ہوگا، وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی اس سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے۔ بیشک متقی لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہونگے اُن کے رب نے اُن کو جو عطا کیا ہوگا، وہ اُس کو لے رہے ہونگے۔ وہ لوگ اس کے قبل نکوکار تھے۔ وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے۔ اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔ اور اُن کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔ اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی۔ تو کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا؟ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، سب آسمان میں ہے۔ تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی، وہ برحق ہے جیسا تم باتیں کر رہے ہو۔

ربط: اوپر کی سورت میں آخرت کا ذکر تھا۔ اس سورت کا بھی زیادہ حصہ یہی مضمون ہے، چنانچہ یہ شروع بھی اسی مضمون سے ہوئی ہے۔

آخرت کا اثبات اور انکار کرنے والوں کی مذمت اور دونوں فریقوں کی جزاء:

قسم ہے ان ہواؤں کی جو گرد وغبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں، پھر ان بادلوں کی جو بوجھ (یعنی بارش کو) اٹھاتے ہیں، پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو (حکم کے مطابق زمین والوں میں) چیزیں تقسیم کرتے ہیں (مثال کے طور پر جہاں جس قدر بارش کا حکم ہوتا ہے جو رزق کا مادہ ہے، وہاں بادلوں کے ذریعہ سے اسی قدر پہنچاتے ہیں، اسی طرح حکم کے مطابق رحم میں بچہ کی صورت اور نر و مادہ پوچھ کر بناتے ہیں، اور تسکین اور رعب ڈر وخوف بھی تقسیم کرتے ہیں۔

آگے قسموں کا جواب ہے کہ) تم سے جس (قیامت) کا وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بالکل سچ ہے اور (اعمال کی) جزا (وسزا) ضرور ہونے والی ہے (ان قسموں میں استدلال کی طرف اشارہ ہے یعنی ان سب عجیب تصرفات کا اللہ کی قدرت سے ہونا قدرت کی عظمت کی دلیل ہے پھر ایسی عظیم قدرت والے کو قیامت کا واقع کرنا کیا مشکل ہے اور جن کلمات کی قسم کھائی گئی ہے، ان کی تفسیر درمنثور میں مرفوع حدیث سے اسی طرح نقل کی ہے۔ اور ان کی خصوصیت شاید اس لئے ہو کہ اس میں مخلوق کی مختلف قسموں کی طرف اشارہ ہوگیا۔ چنانچہ فرشتے آسمانوں والی مخلوق میں سے ہیں۔ اور ہوائیں اور کشتیاں زمین والی مخلوق میں سے، اور بادل فضا یعنی آسمانوں اور زمین کے بیچ کی جگہ کی چیزوں میں سے ہیں اور زمین والی مخلوق میں سے دو چیزیں ایک دکھائی دینے والی اور ایک دکھائی نہ دینے والی شاید اس لئے آئی ہوں کہ زمین والی چیزوں سے انسان کا زیادہ تعلق رہتا ہے، اور مخلوق کی قسم کی توجیہ سورۃ الصافات کے شروع میں گذری ہے۔

آگے اسی قیامت سے متعلق ایک مضمون پر خود آسمان کی قسم ہے جیسے اوپر آسمان والی مخلوق کی قسم تھی، یعنی) قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے چلنے کے) رستے ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ﴾۔ آگے قسم کا جواب ہے) کہ تمہاری (یعنی تم سب لوگوں کی بات (قیامت کے بارے میں) ایک دوسرے سے مختلف ہے (کوئی تصدیق کرتا ہے کوئی جھٹلاتا ہے اور یہ اسی طرح جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴾ جس کی تفسیر قتادہ نے تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے سے کی ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اور شاید آسمانوں کی قسم سے اس طرف اشارہ ہو کہ جنت آسمان میں ہے اور آسمان میں راستہ بھی ہے۔ مگر جو حق کے معاملہ میں اختلاف کرے گا، اس کے لئے راستہ بند ہو جائے گا۔ اور ان اختلاف کرنے والوں میں) اس (قیامت اور جزا کے واقع ہونے کے اعتقاد) سے وہی پھرتا ہے جس کو (پوری طرح خبر اور سعادت ہی سے) پھرنا ہوتا ہے (جیسا کہ حدیث میں

ہے جس نے اس کو حرام کیا اس نے خیر کو پوری طرح حرام کرلیا، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور اختلاف والوں کے دوسرے فریق کا حال اسی کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ خیر اور سعادت سے پھرے ہوئے ہیں۔

اب آگے ان پھرنے والوں کی مذمت ہے کہ) غارت ہو جائیں بغیر ثبوت کے بات کرنے والے (یعنی جو لوگ اس کے بغیر کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہو، قیامت کا انکار کرتے ہیں) جو کہ جہالت میں بھولے ہوئے ہیں (بھولنے سے مراد اپنے اختیار سے غفلت میں پڑنا ہے۔ اور وہ لوگ مذاق اڑانے اور جلد بازی کے طور پر) پوچھتے ہیں کہ بدلے کا دن کب ہوگا؟ (آگے جواب ہے کہ وہ اس دن ہوگا) جس دن (کہ) وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے (اور کہا جائے گا کہ) اپنی اس سزا کا مزا چکھو۔ یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے (یہ جواب ﴿ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴾ اسی طرح کا ہے جیسے کسی مجرم کے لئے پھانسی کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود محض اس وجہ سے کہ اسے تاریخ نہیں بتائی گئی، جھٹلاتا ہی رہے اور کہے جائے کہ اچھا وہ دن کب آئے گا؟ چونکہ یہ سوال محض دوسروں پر عیب والزام لگانے کی غرض سے ہے، اس لئے جواب میں تاریخ بتانے کے بجائے یہ کہنا نہایت مناسب ہوگا کہ وہ دن اس وقت آئے گا جب تمہیں پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔

آگے دوسرے فریق یعنی نہ پھرنے والوں کے ثواب کا ذکر ہے کہ) بے شک تقوی والے لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے (اور) ان کے رب نے انہیں جو (ثواب) عطا کیا ہوگا، وہ اس کو (خوشی خوشی) لے رہے ہوں گے (اور کیوں نہ لیں) وہ لوگ اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) نیک کام کرنے والے تھے (چنانچہ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے کے وعدہ کے مطابق ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ آگے ان کے نیک کاموں کی تھوڑی سی تفصیل ہے کہ) وہ لوگ (فرض اور واجب کاموں سے ترقی کر کے نفل اور مستحب کاموں کی ایسی پابندی کرنے والے تھے کہ) رات کو بہت کم سوتے تھے (یعنی رات کا زیادہ حصہ عبادت میں صرف کرتے تھے) اور (پھر اس کے باوجود اپنی عبادت پر نظر نہ کرتے تھے بلکہ) رات کے آخری حصہ میں (خود کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر) استغفار کیا کرتے تھے (یہ تو ان کی حالت بدنی عبادت کی تھی) اور (مالی عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ) ان کے مال میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے (سب کا) حق تھا (یعنی ایسی پابندی سے دیتے تھے جیسے ان کے ذمہ ان کا کچھ قرض یا حق ہو، اس سے زکوۃ کے علاوہ مراد ہے، جیسا کہ الدر المنثور میں ابن عباسؓ، مجاہد، ابراہیم سے روایت ہے اور یہ مطلب نہیں ہے کہ ان نفلوں پر باغوں اور چشموں کا ملنا موقوف ہو۔ بلکہ یہاں اعلیٰ درجات والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے) اور (چونکہ کافر لوگوں کے لئے قیامت کے قدرت میں ہونے پر) زمین (میں موجود چیزوں) میں بہت سی نشانیاں (اور دلیلیں) ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی (یعنی تمہارے ظاہری اور باطنی طور پر مختلف حالوں میں بھی امکان کی دلیلیں ہیں، کیونکہ

آفاقی اور انفس میں پائے جانے والے امور یقینی طور پر قدرت کے تحت داخل ہیں، اور ذاتی قدرت کا تعلق تمام ممکن چیزوں کے ساتھ ایک ہی جیسا ہے اور منع کرنے والی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے قیامت بھی ممکن امور میں سے ہے، لہٰذا وہ بھی قدرت کے تحت ہے، اور چونکہ ان دلیلوں کی دلالت بہت واضح تھی، اس لئے ڈانٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب ایسی دلیلیں موجود ہیں) تو کیا تمہیں (مطلوب پھر بھی) دکھائی نہیں دیتا؟ اور (رہی واقع ہونے کے وقت کی تعیین جس کے نہ ہونے سے واقع نہ ہونے پر استدلال کرتے تھے، تو اس کے بارے میں معاملہ یہ ہے کہ) تمہارا رزق اور جو تم سے (قیامت سے متعلق) وعدہ کیا جاتا ہے (ان) سب (کا متعین وقت) آسمان میں (جو لوح محفوظ ہے، اس میں) درج ہے (زمین پر اس کا یقینی علم کسی مصلحت سے نازل نہیں کیا گیا، چنانچہ ﴿ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ﴾ میں بھی نہیں بتایا گیا ہے اور دیکھا بھی گیا ہے کہ یقینی تعیین کسی کو بھی نہیں معلوم، لیکن جب وقت کی تعیین کا علم نہ ہونے کے باوجود رزق کا وجود یقینی ہے پھر اس تعیین کے نہ ہونے سے قیامت کا نہ ہونا کیسے لازم آ گیا؟ اور اس استدلال کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ﴿ مَا تُوعَدُونَ ﴾ کے ساتھ جو کہ مقصود مقام ہے ﴿ رِزْقُكُمْ ﴾ بڑھا دیا جو کہ غیر مقصود ہے۔ آگے اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ جب نفی کی کوئی دلیل نہیں اور اثبات کی دلیل موجود ہے) تو قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی کہ وہ (جزا کا دن) حق ہے (اور ایسا یقینی) جیسے تم باتیں کر رہے ہو (اور کبھی اس میں شک نہیں ہوتا، اسی طرح اس کو یقینی سمجھو)

فائدہ: درمنثور میں مذکور بعض روایتوں میں ﴿ كَانُوا قَلِيلًا ﴾ الخ کی تفسیر یہ آئی ہے: لا ینامون حتی یصلوا العَتَمَة: وہ سوتے نہیں ہیں یہاں تک کہ عشا کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور کانوا لاینامون اللیل کلہ یعنی "ساری رات نہیں سوتے" لہٰذا تھوڑا، زیادہ کے مقابلہ میں نہیں ہوگا، بلکہ تمام کے مقابلہ میں بعض کے معنی میں ہوگا۔ یعنی ساری رات نہیں سوتے جیسا کہ اکثر کافر سوتے تھے۔ بلکہ عشا بھی پڑھتے ہیں، لہٰذا اس تفسیر پر تہجد مراد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اور قیامت کے واقع ہونے کو جو ﴿ أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ ﴾ یعنی "جیسے تم باتیں کر رہے ہو" سے تشبیہ دی گئی ہے، اس میں محاورہ کے علاوہ ایک نکتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں قیامت کی ایک نظیر کی طرف اشارہ ہے کہ زبان، زمین کے مشابہ ہے اس سے ایک حرف کا پیدا ہونا آدمی کے شروع میں پیدا ہونے کے مشابہ ہے اور اس حرف کا ادا ہونا انسان کی موت کے مشابہ ہے اور پھر اس حرف کا دوبارہ پیدا ہو جانا قیامت کے پھر سے آنے کے مشابہ ہے۔

﴿ هَلْ أَتٰكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ۝ فَرَاغَ إِلٰى أَهْلِهِ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ۝ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ۝ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝ قَالُوا

كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ
اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝
فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا
فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ۝ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝
وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝
وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ ع ۲

ترجمہ: کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے؟ جبکہ وہ اُن کے پاس آئے پھر اُن کو سلام کیا۔ ابراہیم نے بھی کہا سلام، انجان لوگ ہیں۔ پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لائے اور اُس کو اُن کے پاس لاکر رکھا، کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ تو اُن سے دل میں خوف زدہ ہوئے۔ انھوں نے کہا تم ڈرو مت۔ اور اُن کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں اُن کی بی بی بولتی پکارتی آئیں پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ! فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا جاننے والا ہے۔ ابراہیم کہنے لگے کہ اچھا تو تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے اے فرشتو! فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ہم اُن پر کھنگر کے پتھر برسائیں، جن پر آپ کے رب کے پاس سے خاص نشان بھی ہے۔ حد سے گزرنے والوں کے لئے تو ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے علاحدہ کردیا سو بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا، اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے اُن کو فرعون کے پاس ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر بھیجا۔ سو اُس نے مع اپنے ارکان سلطنت کے سرتابی کی اور کہنے لگے کہ یہ ساحر یا مجنون ہیں۔ سو ہم نے اُس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اُس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا۔ اور عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی، جس چیز پر گزرتی تھی اُس کو ایسا چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ اور ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جبکہ اُن سے کہا گیا: اور تھوڑے دنوں چین کرلو۔ سو اُن لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی سو اُن کو عذاب نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔ سو نہ تو کھڑے ہی ہوسکے اور نہ بدلہ لے سکے، اور ان سے پہلے قوم نوح کا یہی حال ہوچکا تھا۔ وہ بڑے

نافرمان لوگ تھے۔

ربط: اوپر کئی جگہ جھٹلانے والوں کی مذمت اور عذاب کی وعید فرمائی ہے: (۱) ﴿ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴾ (۲) ﴿ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴾ (۳) ﴿ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴾ (۴) ﴿ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴾۔ اب اس کی تاکید کے لئے جھٹلانے والوں کے دنیا میں عذاب وسزا کے کچھ قصے بیان کئے گئے ہیں: جیسے دوسرا قصہ لوط علیہ السلام کی قوم کا کہ موقع ومحل کے تقاضہ کے مذکورہ بیان کے مطابق کہا جائے گا کہ سب سے اعظم مقصود یہی ہے۔ اور اس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ جس میں کسی کے عذاب وسزا کا ذکر نہیں ہے، بعض خاص وجہوں سے آ گیا ہے، جن کا بیان سورۂ ہود آیت ۶۹ ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ الخ میں گذر گیا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اوپر جھٹلانے والوں کی مذمت کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے تصدیق کرنے والوں کی تعریف ہے۔ کہ یہ پہلا قصہ ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ تصدیق کرنے والوں کو آخرت کی فلاح کے ساتھ دنیاوی فلاح بھی عطا ہوتی ہے، چاہے حسی طور پر یا معنوی طور پر، جیسا کہ سورۂ حجر میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آیت ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ کے بعد اسی بنا پر آیا ہے اور پھر عذاب کی وضاحت کے متعلق تیسرا قصہ فرعون کا پھر چوتھا قصہ عاد کا پھر پانچواں قصہ ثمود کا پھر چھٹا قصہ نوح علیہ السلام کی قوم کا بیان ہوا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا قصہ جو تصدیق کرنے والوں کے ثواب کی خبر دینے والا

ہے اور دوسرے قصے جو جھٹلانے والوں کے عذاب کی خبر دینے والے ہیں:

(اے محمد ﷺ) کیا ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی بات آپ تک پہنچی ہے؟ (معزز یا تو اس لئے کہا کہ وہ فرشتے تھے جن کی شان میں دوسری جگہ فرمایا ﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ یعنی عزت والے بندے یا اس لئے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی عادت کے مطابق ان کی عزت کی تھی، اور مہمان کہنا ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے ہے کہ وہ انسان کی شکل میں آئے تھے اور یہ قصہ اسی وقت ہوا تھا) جب کہ وہ (مہمان) ان کے پاس آئے پھر انہیں سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی (جواب میں) کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) اجنبی لوگ (معلوم ہوتے ہیں) ظاہر تو یہی ہے کہ یہ بات دل میں فرمائی ہوگی۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ آگے فرشتوں کا جواب بیان نہیں کیا گیا ہے اور ایک دور کا احتمال یہ بھی ہے کہ خود ان کے پوچھنے پر انہی سے کہہ دیا ہو کہ آپ لوگوں کو پہچانا نہیں اور انھوں نے جواب نہ دیا ہو، اور ابراہیم علیہ السلام نے جواب کا انتظار نہ کیا ہو۔ غرض اس سلام وکلام کے بعد) پھر اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑا (تلا ہوا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴾) لائے اور اس کو ان کے پاس (یعنی سامنے) لا کر رکھا (چونکہ وہ فرشتے

تھے تو کھاتے کیسے، اس وقت ابراہیم علیہ السلام کو شبہ ہوا، اور) کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ (جب یہ کہنے کے بعد بھی نہ کھایا) تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے (کہیں یہ لوگ مخالفوں اور دشمنوں میں سے نہ ہوں، جیسا کہ سورۂ ہود میں گذر چکا) انھوں نے کہا کہ تم ڈرو مت (ہم آدمی نہیں ہیں، فرشتے ہیں) اور (یہ کہہ کر) انہیں ایک فرزند کی خوش خبری دی جو بڑا عالم (یعنی نبی) ہوگا (کیونکہ مخلوق میں سب سے زیادہ علم نبیوں کو ہوتا ہے اور اس سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں، یہ گفتگو ان سے ہو رہی تھی) اتنے میں ان کی بیوی (حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جنھوں نے کسی طرح کام وغیرہ کرتے ہوئے کہیں کھڑے ہوئے یہ بات سن لی تھی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَامۡرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ﴾ اولاد کی خبر سن کر) بولتی پکارتی آئیں پھر (جب فرشتوں نے انہیں بھی یہی خبر سنائی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ﴾ تو تعجب سے) ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (پہلے تو) بڑھیا (پھر) بانجھ (اس وقت بچہ پیدا ہونا بھی عجیب بات ہے) فرشتے کہنے لگے کہ (تعجب مت کرو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَتَعۡجَبِيۡنَ﴾ تمہارے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے (اور) کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے (یعنی اگر چہ اپنے آپ میں یہ بات تعجب کی ہے مگر تم تو نبوت والے خاندان میں رہتی ہو، اور اللہ کی طرف سے علم وفہم رکھتی ہو، یہ معلوم ہونے پر کہ اللہ کا ارشاد ہے اور اس کا علم وحکمت جو کہ بنانے کی قوت کے معنی میں ہے کہ اس میں قدرت بھی آگئی، مانی ہوئی بات ہے ہی تعجب کی گنجائش نہیں رہنی چاہئے۔ اور اس کے باوجود کہ ان کے فرشتے ہونے ہی سے یہ بات معلوم تھی کہ یہ اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں مگر تنبیہ کے نکتہ کے لئے عالم کو غیر عالم کے درجہ میں قرار دے کر پھر کہا جیسا کہ ﴿قَالَ رَبُّكِ﴾ سے ظاہر ہے اور اب) ابراہیم (علیہ السلام کو نبوت کی فراست سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خوش خبری دینے کے علاوہ ان کے آنے کا کچھ اور بھی مقصد ہے تو ان سے) کہنے لگے (کہ) اچھا تو (یہ بتاؤ کہ) اے فرشتو! تمہارے آنے کا بڑا مقصد کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم (یعنی لوط علیہ السلام کی) قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائیں جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) حد سے گذرنے والوں کے لئے خاص نشان بھی ہیں (جس کا بیان سورۂ ہود میں ہوا ہے۔

(آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت قریب آیا) تو ہم نے جتنے ایمان والے تھے سب کو وہاں سے الگ کر دیا، تو سوائے مسلمانوں کے ایک گھر کے (مسلمانوں کا) اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا (یہ اس بات کا کنایہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کا اور کوئی گھر تھا ہی نہیں، کیونکہ وجود کو وجدان یعنی موجود ہونے کے لئے اللہ کے علم میں ہونا لازم ہے اور جب اللہ کے علم میں نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں مسلمانوں کا کوئی اور گھر موجود ہی نہیں تھا) اور ہم نے اس واقعہ میں (ہمیشہ کے واسطے) ایسے لوگوں کے لئے ایک عبرت رہنے دی، جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں اور (آگے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سنو کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کے قصہ میں بھی ایک نشانی ہے جب کہ ہم نے

انہیں ایک کھلی دلیل (یعنی معجزہ) دے کر فرعون کے پاس بھیجا تو اس نے اپنی سلطنت کے ذمہ داروں (وزیروں، درباریوں اور حاکم افسروں وغیرہ) سمیت اکڑ دکھائی، اور کہنے لگا کہ یہ جادوگر یا مجنوں ہیں، تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا۔ اور (آگے عاد کا قصہ سنو کہ) عاد کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی کہ وہ جس چیز پر گذرتی تھی (یعنی ان چیزوں میں سے جن کے برباد وتباہ کرنے کا حکم تھا جس چیز پر بھی گذرتی تھی) اس کو ایسا کر کے چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اور (آگے ثمود کا قصہ سنو) ثمود کے قصہ میں بھی عبرت ہے جب کہ ان سے کہا گیا (یعنی صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ) تھوڑے دن اور چین کر لو (یعنی اگر کفر سے باز نہیں آؤ گے تو کچھ دن کے بعد ہلاک کر دیئے جاؤ گے) تو اس ڈرانے پر بھی) ان لوگوں نے اپنے رب سے بغاوت کی تو انہیں عذاب نے آلیا اور وہ (اس عذاب کے آثار کو) دیکھ رہے تھے (یعنی وہ عذاب کھلے عام ایسی حالت میں آیا کہ سب کو نظر آرہا تھا) تو نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (بلکہ اوندھے منہ گر کر مر گئے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ جٰثِمِیْنَ ﴾) اور نہ (ہم سے) بدلا لے سکے۔ اور ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم کا یہی حال ہو چکا تھا (اس سبب سے کہ) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے (انہیں بھی ہلاک کیا تھا)

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے متعلق بعض مضمون سورۂ ہود میں گذرے ہیں اور سورۂ ہود میں فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف آئے ہیں۔ حضرت سارہؓ سے بات چیت سے پہلے بیان ہوا ہے اور یہاں مذکورہ بات چیت کے بعد بیان ہوا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا سارہ سے بات چیت سے پہلے ہوا ہے۔ اور چونکہ یہاں کوئی حرف ترتیب کا نہیں ہے اس لئے ذکر کی ترتیب کو واقع ہونے کی ترتیب کی دلیل قرار نہیں دیا جائے گا۔ اب کوئی ٹکراؤ نہیں رہا۔ اور ثمود کے قصہ میں جو یہاں ﴿ تَمَتَّعُوْا ﴾ آیا ہے یہ وہ تمتع نہیں ہے جس کے لئے دوسری آیت میں تین دن کی قید لگائی ہے کیونکہ اس کے بعد ﴿ فَعَتَوْا ﴾ پر کلمہ فا آیا ہے۔ حالانکہ ان کا عتو اس تمتع سے یقینی طور پر پہلے تھا۔ یہاں جو مقصود ہے وہ ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہے۔

﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آسمان کو قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں۔ اور ہم نے زمین کو فرش بنایا سو ہم اچھے بچھانے

والے ہیں۔اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کا بنایا تا کہ تم سمجھو۔تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو، میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں، اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود مت قرار دو۔ میں تمہارے واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں اُن کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انھوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے؟ بلکہ یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں، سو آپ اُن کی طرف التفات نہ کیجئے، کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں قیامت کی تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کی جزا وسزا اسمیت ارشاد فرمائی تھی اور مطلق جھٹلانے کی مناسبت سے گذشتہ امتوں کا ذکر آ گیا تھا۔آگے توحید اور رسالت کا اثبات ہے اور رسالت کے ساتھ تسلی کا مضمون ہے۔

توحید ورسالت کا اثبات مع تسلی:

اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قدرت سے بنایا اور ہم بڑی قدرت والے ہیں اور ہم نے زمین کو فرش (کے طور پر) بنایا تو ہم (کیسے) اچھے بچھانے والے ہیں (یعنی اس میں کیسے کیسے نفعے رکھے ہیں) اور ہم نے ہر چیز کی دو دو قسمیں بنائیں (اس قسم سے ایک دوسرے کے مقابل مراد ہے، ظاہر ہے کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ذاتی یا عرضی صفت ایسی معتبر ہوتی ہے کہ جس سے دوسری چیز جس میں اس صفت کی ضد لحاظ واعتبار کے قابل ہو اس کے مقابلہ میں مانی جاتی ہے، جیسے آسمان وزمین، جو ہر وعرض، گرمی وسردی، میٹھی وکڑوی، چھوٹی وبڑی، خوشنما وبدنما، سفیدی وسیاہی، روشنی واندھیرا وغیرہ) تا کہ تم (ان بنی ہوئی چیزوں سے توحید کو) سمجھو (اور اے رسول ﷺ! ان سے فرمادیجئے کہ جب یہ بنی ہوئی چیزیں بنانے والے کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو تم (کو چاہئے کہ ان سے استدلال کر کے) اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو (اور اول تو مذکورہ دلیلوں کی وجہ سے خود عقل ہی توحید کے عقیدہ کو ضروری بتا رہی ہے، پھر اوپر سے) میں (بھی) تمہارے (سمجھانے کے) واسطے اللہ کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والا (ہو کر آیا) ہوں (کہ توحید کا انکار کرنے والے کو عذاب ہوگا، لہٰذا نقصان ہونے کے خوف کے اعتبار سے توحید کا عقیدہ اور بھی ضروری ہو گیا) اور (پھر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ کہتا ہوں کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو (اس میں زیادہ توضیح اس لئے ہوئی کہ ﴿فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ کی طرف دوڑو میں توحید اختیار کرنے کا حکم ہے جو شرک سے رکنے وبچنے کے لئے لازم ہے۔اور ﴿لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ بالکل شرک سے روکنا ہی ہے اور اصل کی دلالت کا جو اس سے لازم آئے، اس کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہونا ظاہر ہے۔

آگے توحید کے مضمون کے عنوان کی تبدیلی کی وجہ سے ڈرانے کی پھر تاکید ہے کہ) میں تمہارے (سمجھانے کے) واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا (ہو کر آیا) ہوں (آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ واقع میں بلاشبہ صاف صاف ڈرانے والے ہیں جیسا کہ (ابھی بیان ہوا، لیکن یہ آپ کے مخالف ایسے جاہل ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو کبھی جادوگر اور کبھی مجنون بتاتے ہیں، تو آپ صبر کیجئے، کیونکہ جس طرح یہ آپ کو کہہ رہے ہیں) اسی طرح جو (کافر) لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں، ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کو انھوں نے (یعنی سب نے یا بعض نے) جادوگر یا مجنون نہ کہا ہو۔

(آگے کافروں کے اس قول "جادوگر" اور "مجنون" پر متفق ہونے پر تعجب دلاتے ہیں کہ) کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے تھے (یعنی اس ایک بات پر تو سب کا اتفاق ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ جیسے ایک دوسرے سے کہتے چلے آئے ہوں کہ دیکھو جو بھی رسول آئے تم بھی ہماری طرح یہی بات کہنا۔ آگے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی تھی کیونکہ بعض قومیں تو بعض قوموں سے ملی بھی نہیں) بلکہ اس اتفاق اور اجماع کی وجہ یہ ہوئی کہ) یہ سب کے سب بغاوت کرنے والے لوگ ہیں (یعنی اس قول کا سبب بغاوت اور نافرمانی ہے اور) چونکہ یہ معاملہ ساری قوموں میں مشترک ہے، اس لئے قول بھی مشترک ہو گیا) تو (جب پہلے لوگ بھی ایسے گذرے ہیں اور اس کا سبب معلوم ہو گیا کہ ان کی بغاوت ہے تو) آپ ان کی طرف دھیان مت دیجئے (یعنی ان کے جھٹلانے کی پروا اور غم نہ کیجئے) کیونکہ آپ پر کسی طرح کا الزام نہیں (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴾) اور (اطمینان کے ساتھ اپنے منصب سے متعلق کام میں لگے رہئے، یعنی فقط) سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا (ان لوگوں پر حجت ہو گا جن کی قسمت میں ایمان نہیں ہے اور جن کی قسمت میں ایمان ہے، ان) ایمان (لانے) والوں کو (بھی اور جو پہلے سے مؤمن ہیں، ان کو بھی) نفع دے گا (بہر حال ذکر و نصیحت میں عام فائدے اور حکمتیں سب کے اعتبار سے ہیں، اس کو کرتے رہئے اور کسی کے ایمان نہ لانے کا غم نہ کیجئے)

فائدہ: آیت ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ الخ کے ظاہری ترجمہ پر دو اشکال ہیں: ایک یہ کہ بعض نبیوں اور رسولوں کو کسی نے بھی نہیں جھٹلایا جیسے آدم علیہ السلام یا جو رسول محض شریعتوں کی وضاحت کے لئے آئے تھے، جیسے یوشع علیہ السلام کہ جن بنی اسرائیل کے لئے وہ مقرر کئے گئے تھے، وہ پہلے ہی سے مؤمن تھے اور مؤمن ہی رہے۔ دوسرا اشکال یہ کہ لوگوں نے جن رسولوں کو جھٹلایا ہے بعض نے ان کی تصدیق بھی کی ہے پھر ﴿ قَالُوْا ﴾ میں "سب یا بعض" کے بارے میں، غور کرنے سے اشکال کا دور کرنا ظاہر ہو جائے گا، اور اس آیت میں ﴿ قَالُوْا ﴾ کے ترجمہ میں جو "سب اور بعض" کا عام ہونا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کے مطابق یمر النبی لیس معه احد الخ یعنی بعض نبی

ایسے گذرے کہ ان پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا، بلکہ سب نے جھٹلایا۔

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ۝ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور میں نے جنّ اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں اُن سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔ اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے قوت والا نہایت ہی قوت والا ہے۔ تو ان ظالموں کی بھی باری ہے جیسے ان کے ہم مشربوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔ غرض ان کافروں کے لئے اُس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے زیادہ تر حصہ میں تینوں اصولوں یعنی قیامت میں اٹھائے جانے اور توحید اور رسالت کا عقیدہ اور آیت ﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴾ سے ﴿ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴾ تک میں بعض فروع کا بیان تھا اور یہ سب عبادتیں ہیں: اعتقادی، اصولی یا عملی وفروعی۔ آگے خاتمہ میں جامع عنوان سے عبادت کا مطلوب ہونا، اور ترغیب وڈرانے سے اس کے مطلوب ہونے کی تاکید فرماتے ہیں، پھر عبادت فرض ہے اس کی تاکید تو ظاہر ہے اور جو نفل ہے، اس کی تاکید اعتقاد کے اعتبار سے ہے یعنی اس کے شرعی حکم ہونے کی تصدیق واجب ہے۔

عبادت کا مطلوب ہونا اور ترغیب وترہیب کے ذریعہ اس کی تاکید:

اور میں نے جن اور انسان کو (اصل میں) اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں (اور جنوں اور انسانوں کا عبادت کے لئے پیدا ہونے کے تابع اور تکمیل کے طور پر دوسرے نفعوں کا پایا جانا اس کے خلاف نہیں اور اسی طرح بعض جن وانس سے عبادت کا نہ ہونا بھی اس مضمون کے خلاف نہیں، کیونکہ اس ﴿ لِيَعْبُدُونِ ﴾ کا حاصل شرعی حکم کا ارادہ ہے نہ کہ تکوین کا ارادہ۔ اور جن وانسان کی تخصیص اس لئے کہ عبادت سے اپنے اختیار سے اور آزمائش کے طور پر عبادت کرنا مراد ہے اور فرشتوں میں آزمائش نہیں، اور دوسری مخلوقوں میں اختیار نہیں۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مجھے شرعی طور پر ان سے عبادت مطلوب ہے۔ باقی) میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلایا کریں، اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے (تو ہمیں اس کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ہم مخلوقوں کو روزی پہنچانے کا کام ان کے ذمہ کرتے۔ اور وہ) بڑی قوت والا، زبردست ہے (کہ اس میں کمزور اور مجبوری اور کسی قسم کی حاجت مندی وضرورت مندی کا عقلی احتمال بھی نہیں۔ تو خود کو کھانا کھلانے کی درخواست کا امکان ہی منفی ہے۔ حاصل یہ کہ جب اس

عبادت کو شریعت کا حکم قرار دینے سے ہماری کوئی غرض نہیں نہ کسی واسطہ سے جیسے اپنی مخلوق کو رزق پہنچانے سے اور نہ بلا واسطہ جیسے خود کو کھلانا بلکہ صرف بندوں ہی کا نفع ہے تو ان کو اس میں ہچکچانا نہیں چاہئے، یہ ترغیب ہوگئی۔

آگے ڈرایا ہے کہ جب عبادت کا واجب ہونا ثابت ہوگیا کہ اس کا سب سے عظیم اور اہم عمل ایمان ہے تو اگر یہ لوگ اب بھی شرک و کفر پر اصرار کرتے رہیں گے) تو (سن رکھیں کہ) ان ظالموں کی (سزا کی) بھی باری (اللہ کے علم میں مقرر) ہے، جیسے انہیں جیسے (پچھلے) لوگوں کی باری (مقرر) تھی (یعنی مقررہ وقت پر ان پر بھی عذاب وسزا آنے والی ہے۔ چاہے دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں) تو مجھ سے (عذاب کی) جلدی نہ مچائیں (جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ وعیدیں سن کر جھٹلانے کے انداز میں جلدی مچانے لگتے ہیں) غرض (جب وہ باری کے دن آئیں گے جن میں سب سے زیادہ سخت دن وہ ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی قیامت تو) ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (چنانچہ خود سورت بھی اسی وعدہ سے شروع ہوئی ہے ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ﴾ اور اس سے سورت کے شروع اور ختم کا حسن ظاہر ہے)

فائدہ: ﴿مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ پر اگر یہ شبہ ہو کہ اہل وعیال یعنی بیوی بچوں کو رزق پہنچانا تو واجب کیا گیا ہے پھر مخلوق کو رزق پہنچانے کے لئے نہ چاہنا کہنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ انفاق یعنی خرچ کرنا ہے، رزق پہنچانا نہیں، پھر اس کا اللہ کو کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی نعوذ باللہ اس سے اللہ کو سہارا نہیں لگتا کہ اس نے مخلوق کو رزق پہنچانا جو اپنے ذمہ رکھا ہے اس خرچ سے اس میں کچھ مدد مل گئی ہو، اس سے ذمہ داری کم ہوگئی ہو۔ ﴿مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ میں اللہ کی طرف اس نفع کے لوٹنے کی نفی ہے بلکہ اس کا نفع خود خرچ کرنے والے کو ہوتا ہے کہ اسے اجر ملتا ہے اور رزق دینے والا پھر بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ اگر کمانے سے رزق حاصل نہ ہو تو کیا کرسکتا ہے؟ یا اگر کوشش کرنے کے بعد بھی اسے نہ ملے تو کیا کرسکتا ہے۔ یا خود حاصل کرنے کے بعد پہنچانے پر قادر نہ ہو تو کیا کرسکتا ہے یا پہنچانے کے بعد غذا کا حلق سے اترنا پھر اس سے غذا حاصل ہونا کہ رزق دینے کی یہی اصل ہے، یہ کسی کی قدرت میں نہیں ہے، چنانچہ حقیقت میں بندہ کسی بھی طرح رزق پہنچانے والا نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور ﴿مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ﴾ کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ہم ان سے ایسا یا اس طرح رزق کموانا نہیں چاہتے جو عبادت میں رکاوٹ بنے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کے آخر میں ﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا﴾ کی بندہ نے یہی تفسیر کی ہے، تو اب کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

﴿الحمد للہ! سورۃ الذاریات کی تفسیر ختم ہوئی، آگے ان شاء اللہ سورۃ الطّور کی تفسیر آتی ہے وللہ الحمد!﴾

(۵۲) سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (۶۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
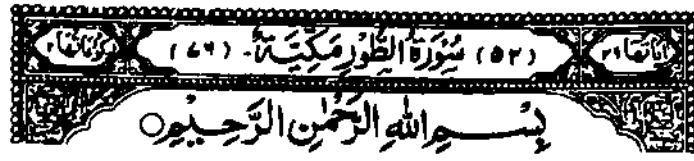
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾

ع ۱

ترجمہ: قسم ہے طور کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے، اور بیت المعمور کی اور اونچی چھت اور دریائے شور کی جو پُر ہے، کہ بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا، کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا، جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا، اور پہاڑ ہٹ جاویں گے۔ تو جو لوگ جھٹلانے والے ہیں جو مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں، اُن کی اُس روز بڑی کم بختی آوے گی۔ جس روز کہ اُن کو آتشِ دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر لاویں گے۔ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ تو کیا یہ سحر ہے یا یہ کہ تم کو نظر نہیں آتا۔ اس میں داخل ہو پھر خواہ سہار کرنا یا سہار نہ کرنا، تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں جیسا کہ تم کرتے تھے ویسا ہی بدلہ تم کو دیا جاوے گا۔ متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور سامان عیش میں ہونگے۔

اُن کو جو چیزیں اُن کے پروردگار نے دی ہونگی اُس سے خوش دل ہوں گے اور اُن کا پروردگار اُن کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ خوب کھاؤ اور پیؤ مزہ کے ساتھ اپنے عملوں کے بدلہ میں، تکیہ لگائے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں اور ہم اُن کو گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کردیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کا ساتھ دیا، ہم اُن کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ شامل کردیں گے، اور ہم اُن کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا۔ اور ہم اُن کو میوے اور گوشت جس قسم کا اُن کو مرغوب ہو، روز افزوں دیتے رہیں گے۔ وہاں آپس میں جام شراب میں چھینا چھپٹی بھی کریں گے کہ اس میں نہ بک بک لگے گی اور نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی اور اُن کے پاس ایسے لڑکے آویں جاویں گے جو خاص اُن ہی کے لئے ہوں گے گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات چیت کریں گے۔ یہ کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر بہت ڈرا کرتے تھے، سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچالیا۔ ہم اس سے پہلے اُس سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے۔

ربط: گذشتہ سورت اس دن کی وعید پر ختم ہوئی ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ سورت اسی یوم موعود یعنی جس دن کا وعدہ کیا گیا ہے، کی وعید سے شروع ہوئی ہے، پھر وعید کے بعد قرآن کی عادت کے مطابق مؤمنوں کے لئے وعدوں کا ذکر ہے۔

قیامت کے دن کی خبر اور عناد رکھنے والوں کے لئے وعید اور اطاعت کرنے والوں کے لئے وعدہ:

قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے (اس سے اعمال نامہ مراد ہے، جس کے بارے میں دوسری آیت میں آیا ہے ﴿ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴾ اور جس چیز میں وہ لکھا ہوا ہے اس کو تشبیہ کے طور پر کاغذ کہہ دیا) اور (قسم ہے) بیت المعمور کی (کہ ساتویں آسمان میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے جیسا کہ الدر المنثور میں مرفوع روایت ہے) اور (قسم ہے) اونچی چھت کی (اس سے آسمان مراد ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ﴾۔ اور ایک جگہ فرمایا ﴿ اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ ﴾ اور اس تفسیر کی تصریح کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے، جیسا کہ کنز العمال میں مستدرک الحاکم کے حوالہ سے ہے) اور (قسم ہے) بھرے ہوئے سمندر کی جو (پانی سے بھرا ہوا ہے۔ آگے قسم کا جواب ہے) کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہوکر رہے گا، کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا (اور یہ اس دن واقع ہوگا) جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا۔ اور پہاڑ اپنی جگہ سے) ہٹ جائیں گے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور تھرتھرانا یا تو ظاہر میں محسوس ہونے والے معنی کے اعتبار سے ہو یا اس سے پھٹنا مراد ہو۔ جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے ﴿ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ ﴾ جیسا کہ روح المعانی میں ابن عباسؓ

سے دونوں تفسیریں نقل کی ہیں، اور دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں کہ دونوں عمل ایک دوسرے کے بعد ہو سکتے ہیں اور یہاں پہاڑوں کے ہٹنے کا ذکر ہے اور دوسری آیتوں میں ریزہ ریزہ ہونا اور پھر اڑ جانا بیان ہوا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے ﴿ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴾ اور دوسری جگہ فرمایا ﴿ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴾

اور ان قسموں میں مطلوب کو قریب کرنا ہے اس طرح کہ قیامت کے واقع ہونے کی اصل وجہ جزا و سزا ہے، اور جزا و سزا میں اصل شرعی احکام ہیں، لہٰذا طور کی قسم کھانے میں اشارہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ صاحب کلام اور صاحب احکام ہیں، پھر ان احکام کی مخالفت یا موافقت جزا و سزا کی بنیاد ہے۔ اعمال نامہ کی قسم کھانے میں اس مخالفت یا موافقت کے محفوظ اور مضبوط ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا، لہٰذا جزا و سزا اس پر بھی موقوف ہے کہ عبادت اور ضروری احکام کی اطاعت ہو۔ بیت المعمور کی قسم کھانے میں اشارہ ہو گیا کہ عبادت ایسا ضروری امر ہے کہ فرشتوں کو بھی اس کے باوجود کہ ان کے لئے جزا و سزا نہیں پھر بھی اس سے نہیں چھوڑا گیا، پھر جزا و سزا کا نتیجہ دو چیزیں ہیں: جنت اور جہنم۔ آسمان کی قسم میں یہ اشارہ ہو گیا کہ جنت ایسی ہی بلندی کا مقام ہے جیسے آسمان، اور بھرے ہوئے سمندر کی قسم میں اشارہ ہو گیا کہ جہنم بھی ایسی ہی خوف ناک چیز ہے جیسے سمندر۔ یہ وجہ قسموں کی تخصیص کی ہو سکتی ہے اور خود قسم کی توجیہ سورۃ الحجر آیت ۷۲ ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ کے ذیل میں اور قسم کی غرض سورۃ الصفت کے شروع میں گذر چکی ہے۔

آگے اس دن کے بعض واقعات ارشاد فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ عذاب کے مستحق لوگوں کے لئے عذاب ضرور واقع ہوگا) تو جو لوگ (قیامت کے اور دوسرے حق امور توحید و رسالت کے) جھٹلانے والے ہیں (اور) جو (جھٹلانے کے) مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگ رہے ہیں (جس سے وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں) ان کی اس دن بڑی کم بختی آئے گی۔ جس دن کہ ان کو جہنم کی طرف دھکے دے دے کر لائیں گے (کیونکہ خوشی سے ایسی جگہ کون آتا ہے، پھر جب انہیں جہنم میں ڈالنے کا وقت ہوگا تو ایسی حالت میں ڈال دیئے جائیں گے ﴿ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴾ اور انہیں جہنم دکھا کر ڈانٹنے اور دھمکانے کے انداز میں کہا جائے گا کہ) یہ وہی جہنم ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (یعنی جن آیتوں میں اس کی خبر تھی ان کو جھٹلاتے تھے اور ان آیتوں کو جادو کہا کرتے تھے، خیر وہ تو تمہارے نزدیک جادو تھا) تو کیا یہ (بھی) جادو ہے؟ (دیکھ کر بتاؤ) یا یہ کہ تمہیں (اب بھی) نظر نہیں آتا؟ (جیسا کہ دنیا میں نظر نہ آنے کی وجہ سے منکر ہو گئے تھے۔ اچھا تو اب) اس میں داخل ہو جاؤ، پھر (چاہے) صبر کرنا یا نہ کرنا۔ تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (نہ یہی ہوگا کہ تمہاری ہائے واویلا سے نجات ہو جائے اور نہ یہی ہوگا کہ تمہارے مان لینے، اطاعت قبول کر لینے اور خاموشی اختیار کر لینے پر رحم کر کے نکال دیا جائے، بلکہ ہمیشہ اس میں رہنا ہوگا اور) جیسا تم کرتے تھے ویسا ہی بدلا تمہیں دیدیا جائے گا (چنانچہ کفر کیا کرتے تھے جو کہ انتہائی گناہ نافرمانی، اور اللہ کے کبھی ختم نہ ہونے والے کمالوں کا

انکار و ناشکری ہے، لہٰذا بدلہ میں جہنم کا ہمیشہ کا داخلہ نصیب ہوگا جو کہ شدید اور کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب ہے۔

آگے ان کی ضدوں کا بیان ہے یعنی) تقوی والے لوگ بلا شبہ (جنت کے) باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے (اور) جو چیزیں (عیش و آرام کی) ان کے پروردگار نے انہیں دی ہوں گی ان سے ان کے دل خوش ہوں گے اور ان کا رب انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا (اور جنت میں داخل کر کے فرمائے گا کہ) خوب کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اپنے (ان نیک) عملوں کے بدلے میں (جو دنیا میں کیا کرتے تھے) تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر جو برابر بچھائے ہوئے ہیں، اور ہم خوبصورت آنکھوں والی حوریں ان سے بیاہ دیں گے (یہ حال تو سبھی ایمان والوں کا ہوگا)

اور (آگے ان خاص مؤمنوں کا ذکر ہے جن کی اولاد بھی ایمان والی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا (یعنی وہ بھی ایمان لائے، چاہے ایمان میں وہ اپنے باپ دادا کے رتبہ کو نہیں پہنچے جیسا کہ اعمال کا ذکر نہ کرنا اس کا قرینہ ہے، اور حدیثوں میں تصریح ہے: (۱) وہ عمل میں کم تھے (۲) وہ تمہارے درجے اور عمل کو نہیں پہنچے (۳) اور ان کے باپ دادا کے درجے بلند تھے، جیسا درمنثور نے روایت کیا ہے تو ان کے عمل کی کمی کا تقاضا درجہ کی کمی کا تھا۔ لیکن ان مؤمن باپ دادا کی عزت اور خوشی کے لئے) ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے، اور (اس شامل کرنے کے لئے) ہم ان (جنت والوں میں سے جن کا اتباع کیا گیا، ان) کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے (یعنی یہ نہ کریں گے کہ ان کے باپ دادا کے بعض اعمال لے کر ان کی اولاد و ذریت کو دے کر دونوں کو برابر کر دیں، جیسے ایک شخص کے پاس چھ سو روپئے ہوں اور ایک کے پاس چار سو روپئے اور دونوں کے روپئے برابر برابر کرنا مقصود ہو تو اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ چھ سو والے سے ایک سو روپئے لے کر چار سو والے کو دیدیئے جائیں کہ دونوں کے پاس پانچ پانچ سو ہو جائیں، اور دوسری صورت جو کریموں کی شان کے لائق ہے، یہ ہے کہ چھ سو والے سے کچھ نہ لیا جائے بلکہ اس چار سو والے کو دو سو روپئے اپنے پاس سے دیدیں اور دونوں کو برابر کر دیں تو مطلب یہ ہے کہ وہاں پہلی صورت نہ ہوگی کہ اس کا اثر یہ ہوتا کہ جس کا اتباع کیا گیا، اس کے اعمال کم ہونے کی وجہ سے اس کو اس کے درجہ سے کچھ نیچے لاتے اور اتباع کرنے والے کو کچھ اوپر لے جاتے اور دونوں ایک بیچ کے درجے میں رکھتے، ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ دوسری صورت ہوگی، جس کا اتباع کیا گیا وہ اپنے ہی درجہ میں رہے گا، اور اتباع کرنے والے کو وہاں پہنچا دیا جائے گا۔

اور جس کا اتباع کیا گیا اور اس کی ذریت دونوں میں ایمان کی شرط اس لئے ہے کہ اگر وہ ذریت مؤمن یعنی ایمان والی نہیں تو وہ اپنے مؤمن یعنی ایمان والے باپ دادا کے ساتھ نہیں مل سکتی، کیونکہ کافروں میں سے) ہر شخص اپنے (کفر والے) اعمال میں رکا ہوا (جہنم میں پکڑا ہوا) رہے گا (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّآ أَصْحَٰبَ ٱلْيَمِينِ﴾ یہ تفسیر ابن عباسؓ نے بیان کی ہے جیسا درمنثور میں ہے، یعنی کفر سے نجات کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا

مؤمن باپ دادا سے ملنے کا بھی کوئی تصور نہیں، لہٰذا باپ دادا سے ملنے کے لئے ذریت میں ایمان کا ہونا شرط ہے)

اور (آگے پھر مطلق ایمان والوں اور جنت والوں کا بیان ہے کہ) ہم انہیں میوے اور گوشت جس قسم کا انہیں پسند ہو زیادہ سے زیادہ دیتے رہیں گے (اور) وہاں آپس میں (خوش طبعی اور دل لگی کے طور پر شراب کے) جاموں میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بے کار باتیں ہوں گی (کیونکہ نشہ نہ ہوگا) اور نہ کوئی بے ہودگی اور بد کرداری (یعنی عقل و سنجیدگی اور امانت کے خلاف) ہوگی اور ان کے پاس (پھل اور میوے وغیرہ لانے کے لئے) ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے (اور ان کی ماہیت کی تحقیق سورۃ واقعہ میں آئے گی) جو خاص انہی (کی خدمت) کے لئے ہوں گے (اور انتہائی حسن و جمال کے لحاظ سے ایسے ہوں گے کہ) جیسے وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں (کہ ان پر ذرا بھی گرد و غبار نہیں ہوتا اور آب و تاب چمک دمک اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے) اور (انہیں روحانی مسرت و خوشی بھی ہوگی چنانچہ اس میں سے ایک کا بیان یہ ہے کہ) وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے اور (گفتگو کے دوران) یہ بھی کہیں گے کہ (بھائی!) ہم تو (اس سے پہلے اپنے گھر (یعنی دنیا میں انجام سے) بہت ڈرا کرتے تھے تو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لیا (اور) ہم اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے (کہ ہمیں جہنم سے بچا کر جنت میں لے جایئے، تو اللہ نے دعا قبول کر لی) واقعی وہ بڑا احسان کرنے والا، رحم کرنے والا ہے (اور اس مضمون سے خوشی و مسرت کا ہونا ظاہر ہے اور چونکہ یہ امر دو حیثیت سے نعمت تھا، ایک اپنے آپ میں نقصان سے بچانا دوسرے ہم ناکارہ لوگوں کی ناچیز عرض قبول کر لینا۔ اس لئے دو عنوانوں سے تعبیر کیا گیا)

فائدہ: ذریت کے بارے میں جس عنوان سے فرمایا گیا ہے، ظاہر میں وہ بڑی اولاد کے بارے میں ہے، چنانچہ ﴿ بِإِيمَانٍ ﴾ کی قید خود اس کا قرینہ ہے اور چھوٹی اولاد کا حکم حدیثوں میں ہے جس کے بارے میں لمبی گفتگو کی ضرورت ہے۔ اور اس آیت میں ذریت کا بیان ہے اور حدیث میں اسی آیت کی تفسیر میں باپ دادا کا حکم بھی یہی آیا ہے جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ اور اُس حدیث میں ذریت پر لفظ ولد پر عطف ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے مراد مطلق توابع ہیں بیویاں، دوست واحباب، شاگرد اور مرید وغیرہ تو اس صورت میں آیت کا مفہوم بہت وسیع ہو جائے گا۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ جب مؤمن کے ساتھ اس کی اولاد اور باپ دادا بھی ملحق ہوں گے تو وہ باپ دادا اور اولاد بھی مؤمن ہیں، جبھی باپ دادا اور اولاد ان کے ساتھ ملحق ہوں گے اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہے گا تو لازم آتا ہے کہ سارے جنتی ایک ہی درجہ میں ہو جائیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ الحاق جس کا اتباع کیا گیا ہے اس کے اصل اعمال کی وجہ سے ہے ملحق تابع میں یہ اصالت نہیں ہے، لہٰذا ان کے ساتھ دوسروں کا ملحق ہونا لازم نہیں آتا۔

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ
بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ
بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا
صٰدِقِيْنَ ۝ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝
اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ
عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ
مَّرْكُوْمٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاصْبِرْ
لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ
النُّجُوْمِ ۝﴾ ع

ترجمہ: تو آپ سمجھاتے رہیئے کیونکہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں۔ ہاں! کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان کے بارے میں حادثہ موت کا انتظار کررہے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تم منتظر رہو سو میں تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ کیا ان کی عقلیں اُن کو ان باتوں کی تعلیم کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ شریر لوگ ہیں۔ ہاں! کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کو خود گڑھ لیا، بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے، تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام لے آئیں، اگر یہ سچے ہیں۔ کیا یہ لوگ بدوں کسی خالق کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟ یا خود اپنے خالق ہیں؟ یا انھوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ لوگ یقین نہیں لاتے۔ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں یا یہ لوگ حاکم ہیں؟ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اُس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں؟ تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے۔ کیا خدا کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ تاوان اُن لوگوں کو گراں معلوم ہوتا ہے۔ کیا ان کے پاس غیب ہے کہ یہ لکھ لیا کرتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے، کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک ہے۔ اور اگر وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آرہا ہے تو یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے۔ تو اُن کو رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان

کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو، جس میں اُن کے ہوش اڑ جائیں گے۔ جس دن اُن کی تدبیریں اُن کے کچھ کام نہ آویں گی اور نہ ان کو مدد ملے گی۔ اور ان ظالموں کے لئے قبل اس کے بھی عذاب ہونے والا ہے، لیکن اُن میں اکثر کو معلوم نہیں۔ اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجئے اور رات میں بھی اُس کی تسبیح کیا کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی۔

ربط: اوپر ﴿ فَوَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ الخ میں جھٹلانے کے عذاب کا ذکر تھا۔ اب ان کے جھٹلانے کا رد ہے اور جن امور کو وہ جھٹلاتے تھے، ان میں اصل چیزیں تین تھیں: (۱) توحید (۲) رسالت اور (۳) بعث۔ ان آیتوں میں تینوں بابوں میں ان کے خیالوں، قولوں اور زعم وگمانوں کا ملے جلے انداز میں رد ہے، اور شاید ملا جلا لانے میں یہ نکتہ ہو کہ تینوں عقیدوں کے ایک دوسرے کے لئے لازم ہونے کی طرف اشارہ ہو کہ ایک کا جھٹلانا دوسرے کو جھٹلانے کے درجہ میں ہے۔ اور سورت کے ختم میں ان جھٹلانے کے عملوں پر آپ کی تسلی اور رنج وملال کو دور کرنا ہے اور ان آیتوں میں لفظ ﴿ اَمْ ﴾ پندرہ جگہ ہے کہیں ملا ہوا ہے کہیں الگ ہے اور کہیں موقع ومحل کے لحاظ سے سوال کے لئے استعمال ہونے والے ہمزہ کے معنی میں، اور چونکہ اوپر جو کچھ ذکر ہوا وہ بھی قرآن کے دوسرے مضمونوں کی طرح ذکر ونصیحت کا سبب ہے، اس لئے ذکر ونصیحت کے اس امر پر کلمہ فا لگا کر ﴿ فَذَكِّرْ ﴾ فرمایا گیا۔ واللہ اعلم

توحید، رسالت اور بعث کو جھٹلانے والوں کے گمان کا رد

اور شروع میں ذکر ونصیحت کا حکم اور آخر میں تسلی:

(جب آپ پر وہ مضمون وحی کئے جاتے ہیں جن کی تبلیغ واجب ہے، جیسے اوپر ہی جنت اور جہنم کے مستحق لوگوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے) تو آپ (ان مضمونوں سے لوگوں کو) سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں (جیسا کہ یہ مشرک لوگ کہتے ہیں، چنانچہ والضحیٰ کی شان نزول میں یہ قول منقول ہے: قد ترکک شیطانک: یعنی تمہیں تمہارے شیطان نے چھوڑ دیا ہے، جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے، جس کا حاصل کاہن ہونے کی طرف نسبت کرنا ہے۔ اور ایک آیت میں ﴿ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴾ یعنی "وہ کہتے ہیں کہ آپ مجنون ہیں" مطلب یہ کہ آپ نبی ہیں اور نبی کا کام ہمیشہ ذکر ونصیحت کرتے رہنا ہے۔ چاہے لوگ کچھ بھی بکیں) ہاں کیا یہ لوگ (کاہن اور مجنون کہنے کے علاوہ آپ کے بارے میں) یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں (اور) ہم ان کے بارے میں موت کے حادثہ کا انتظار کررہے ہیں (جیسا کہ درمنثور میں ہے کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور آپ کے بارے میں طے پایا کہ جیسے دوسرے شاعر مرمرا گئے، آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں، تو اسی طرح آپ بھی ہلاک ہوجائیں

گے) آپ فرما دیجئے کہ (بہتر) تم انتظار کرتے رہو تو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (یعنی تم میرا انجام دیکھو، میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں۔ اس میں اشارہ کے طور پر پیشین گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام نقصان اور ناکامی ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ تم مرو گے، میں نہیں مروں گا، بلکہ ان لوگوں کا اس سے جو مقصود تھا کہ ان کا دین نہیں چلے گا یہ مر جائیں گے اور دین مٹ جائے گا۔ جواب میں اس کا رد کرنا مقصود ہے، چنانچہ یہی ہوا۔

اور یہ لوگ جو ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں تو) کیا ان کی عقلیں (جس کے یہ بڑے دعویدار ہیں) انہیں ایسی ہی باتیں کرنے کے لئے کہتی ہیں؟ یا یہ کہ یہ شرارت کرنے والے لوگ ہیں (ان کے عقل کے دعویدار ہونے پر ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ جیسا کہ اس کی تفسیر سورۃ الاحقاف آیت ۱۱ میں گذر چکی ہے۔ اور معالم کی نقل سے اور تائید ہوتی ہے کہ قریش کے بڑے بڑے لوگ احلام یعنی عقل والے، عقل مند اور عقول کے القاب اور خطابوں سے مشہور تھے، لہٰذا اس آیت میں ان کی عقل کی حالت دکھائی گئی ہے کہ کیوں صاحب! بس یہی عقل ہے؟ جو ایسی تعلیم دے رہی ہے اور اگر یہ عقل کی تعلیم نہیں ہے تو محض شرارت اور ضد ہے۔ یہ مضمون ﴿اَمْ تَاْمُرُهُمْ﴾ الخ ظاہر یہ ہے کہ ان کے تینوں قولوں یعنی کاہن اور مجنون اور شاعر کہنے سے متعلق ہے۔ لہٰذا ہر قول کا دو دو طریقوں سے رد ہو گیا۔ ایک الگ الگ اور ایک خاص خاص، مشترک) ہاں کیا وہ یہ (بھی) کہتے ہیں کہ انھوں نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ (تو اس کا تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ ایسی بات نہیں ہے) بلکہ (یہ بات یہ لوگ صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ) یہ لوگ (عناد کی وجہ سے اس کی) تصدیق نہیں کرتے (اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کی آدمی تصدیق نہیں کرتا، ہزار وہ حق ہو، ہمیشہ اس کی نفی ہی کیا کرتا ہے۔ اور دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ اچھا اگر یہ ان کا بنایا ہوا ہے) تو یہ لوگ (بھی عربی اور بڑی فصیح و بلیغ عربی میں کلام کرنے کی قدرت رکھنے والے ہیں، لہٰذا) اس طرح کا کوئی کلام (بنا کر) لے آئیں اگر یہ (اس گھڑنے کے دعوی میں) سچے ہوں (اور اس گھڑنے کے زعم میں بھی گذشتہ دعوؤں کے جوابوں کی طرح دو جواب ہو گئے ایک تحقیقی اور دوسرا الزامی۔ اور یہ سب مضمون رسالت سے متعلق ہیں۔

آگے توحید سے متعلق گفتگو ہے کہ یہ لوگ جو توحید کے منکر ہیں تو) کیا یہ لوگ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے پیدا کرنے والے ہیں؟ یا (یہ کہ نہ اپنے خالق یعنی پیدا کرنے والے ہیں اور نہ ہی بغیر خالق کے پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (اور اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص صفت خالق ہونے میں شریک ہیں؟ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا پیدا کرنے والا اور خود کو پیدا کرنے والے کا محتاج ہونے کا اعتقاد کرنے کے لئے لازم امور میں سے معبود کے اکیلا ہونے یعنی توحید کے اعتقاد کا واجب ہونا ہے۔ اور معبود کے ایک ہونے یعنی توحید کا انکار وہ شخص کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کے پیدا کرنے کی صفت میں اکیلا ہونے یا اپنے مخلوق ہونے کا منکر ہو، اور اس

میں تین صورتیں نکلتی ہیں: ایک یہ کہ اپنے آپ کو کسی خالق کا محتاج نہ جانے، اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ ﴾؟ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو پیدا کرنے والے کا محتاج سمجھے مگر پیدا کرنے والا خود اپنے آپ ہی کو مانے جس پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴾؟ تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو پیدا کرنے والے کا محتاج سمجھے مگر پیدا کرنے کی صفت اور عمل میں اللہ تعالیٰ کو اکیلا نہ سمجھے بلکہ پیدا کرنے کی صفت اور عمل میں کسی دوسرے کو بھی شریک جانے، چاہے اپنے آپ کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے ﴿ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ ﴾ یا کسی دوسرے کو جس کا ذکر دوسری آیتوں میں ہے ﴿ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ﴾ چونکہ دونوں کی نفی کی دلیل ایک ہی تھی۔ اس لئے ایک کا رد دوسرے کے رد پر دلالت کرتا ہے۔ اور شاید ان کی ذات سے خالق ہونے کی نفی کا ذکر کرنا خاص طور سے اس وجہ سے ہو کہ اس کے باطل ہونے کو وہ جلدی مان لیں گے۔ پھر آگے دلیل کے مشترک ہونے سے دوسرے شریکوں سے خالق ہونے کی نفی کو آگے بڑھا لیا جائے۔ غرض اصل تین شقیں ہوئیں، اور چونکہ تینوں کا باطل ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے رد میں صرف انکار کرنے والے سوال کو کافی قرار دیا، چنانچہ پہلی شق تو اس طرح باطل ہے کہ وجود کی ترجیح میں جو ممکن ہوگا اسے ترجیح دینے والے کی حاجت ضرور ہوگی۔ دوسری شق اس لئے کہ ایک ہی چیز ایک ہی لحاظ سے علت اور معلول دونوں نہیں ہوسکتی، تیسری شق اس لئے کہ عقلی دلیلوں سے عالم کو بنانے والے کا ایک سے زیادہ ہونے کا محال ہونا ثابت ہے، جیسا کہ اس کی طرف اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ ﴾ الخ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۴) اور ان دلیلوں کے علاوہ عرب والے لوگ خالق کے اکیلے ہونے یا مخلوق ہونے میں محتاج ہونے کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ اس لئے بھی تفصیل کے ساتھ باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ لیکن وہ اس عقیدہ کا توحید کے عقیدہ کے لئے لازم ہونا نہیں جانتے تھے کیونکہ وہ غور وفکر نہیں کرتے تھے۔ اس لئے آگے ان کی اس جہالت کی طرف اشارہ ہے کہ واقعی ایسا نہیں ہے کہ مذکورہ بات کو جس کے لئے لازم کیا گیا ہے، وہ لازم کیا ہوا نہ ہو۔ یا جس کے لئے لازم کیا گیا وہ واقع نہ ہو۔ تا کہ جس کو لازم کیا گیا ہے اس کے وجود سے لازم کے وجود پر استدلال کرنے میں شبہ کی گنجائش ہو) بلکہ (جس کو لازم کیا گیا وہ واقع بھی ہے اور لازم بھی کیا گیا ہے، لیکن) یہ لوگ (جہالت کی وجہ سے توحید کا) یقین نہیں رکھتے (وہ جہالت یہی ہے کہ ملزوم ہونے اور لازم ہونے میں غور نہیں کرتے، لہٰذا لازم ہونے کا تعلق ان کے ذہن سے پوشیدہ ہے، یہ گفتگو توحید سے متعلق ہوئی۔

آگے رسالت سے متعلق ان کے دوسرے زعموں کا رد ہے۔ چنانچہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر نبوت ملنی ہی تھی تو مکہ اور طائف کے فلاں فلاں رئیسوں کو ملتی، حق تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ) کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب (کی نعمتوں اور رحمتوں) کے خزانے ہیں؟ (جن میں نبوت بھی داخل ہے کہ جس کو چاہیں نبوت دیدیں؟ جیسا کہ ارشاد ہے

﴿ اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ﴾ یا یہ لوگ (نبوت کے اس محکمہ کے) حاکم ہیں (کہ جسے چاہیں نبوت دلا دیں یعنی دینے دلانے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مثال کے طور پر خزانے اپنے قبضہ میں ہوں دوسرے یہ کہ قبضہ میں نہ ہوں، مگر وہ خزانے جن کے قبضہ میں ہوں وہ اس کے محکوم ہوں کہ ان کے دستخط دیکھ کر دیدیتے ہوں، یہاں دونوں کی نفی فرمادی، اور اس نفی کا حاصل یہ ہے کہ محمد ﷺ کی رسالت کی نفی کے ان کے دعوی اور دوسرے رئیسوں کے مستحق ہونے پر کوئی عقلی دلیل تو ہے نہیں، بلکہ خود اس کے برعکس پر عقلی دلیلیں قائم ہیں، چنانچہ یہ بات ظاہر ہے۔ اور اسی لئے محض انکار والے سوال کو کافی قرار دیا۔

اب آگے نقلی دلیل کی نفی فرماتے ہیں یعنی) کیا ان لوگوں کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی) باتیں سن لیا کرتے ہیں (یعنی دلیل نقلی آسمانی وحی ہے، اور اس کے علم کے دو طریقے ہیں، یا تو وحی نیچے اترے یا خود وحی والا اوپر چڑھے اور ان لوگوں سے دونوں کی نفی ظاہر ہے۔ ان میں سے ایک کو تو یہاں بیان بھی فرمادیا۔ دوسرے کی نفی دوسری آیت میں ہے ﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ قَالَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ وَلَمۡ یُوۡحَ اِلَیۡهِ شَیۡءٌ وَّمَنۡ قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾ (سورۃ الانعام آیت ۹۳) اور شاید نازل ہونے کی نفی کا یہاں اس لئے ذکر نہ کیا ہو کہ نازل ہونے کے دعوی کی تو اس لئے گنجائش ہی نہیں کہ رسول پر نازل ہونے اور ان پر نازل ہونے میں کوئی ذکر کے قابل فرق نہیں۔ اور جس فرق پر ان کی نظر تھی اور جس کی بنیاد پر کہا کرتے تھے ﴿ لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ﴾ اس کا جواب انہی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے، جس کی وضاحت مذکورہ آیتوں کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ غرض جب وہ فرق اعتبار کے قابل نہیں تو رسول کے اوپر نازل ہونے کے انکار کے بعد نازل ہونے کا احتمال ہی نہ رہا۔ اس لئے اس کا ذکر کلام میں چھوڑ دیا گیا، اور صرف اوپر چڑھنے کی شق سے سوال کیا گیا کہ کیا وہاں سے وحی کا علم لایا کرتے ہیں، جو کہ نقلی دلیل ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ نعوذ باللہ آپ نبوت کے مستحق نہیں ہیں۔

آگے اس سے متعلق ایک عقلی احتمال کو باطل فرماتے ہیں کہ اگر فرض کرو یہ لوگ اس چڑھنے اور سننے کا دعوی کرنے والے ہوں) تو ان میں جو (وہاں کی) باتیں سن آتا ہو وہ (اس دعوے پر) کوئی صاف دلیل (یعنی جو استدلال کے جواب کو جامع ہو) لے آئے۔ جس سے ثابت ہو کہ اس شخص کو وحی سے نوازا گیا ہے، جیسا کہ ہمارے نبی اپنی وحی پر معجزہ والی یعنی ایسی دلیلیں رکھتے ہیں کہ ان جیسی کوئی بھی دلیل لانے سے دوسرے سب لوگ عاجز ہیں۔

آگے پھر توحید کے بارے میں ایک خاص مضمون سے متعلق کلام ہے یعنی یہ توحید کا انکار کرنے والے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر شرک کرتے ہیں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ) کیا اللہ کے لئے بیٹیاں (تجویز کی جائیں) اور تمہارے لئے بیٹے (تجویز ہوں، یعنی اپنے لئے تو وہ چیز پسند کرتے ہوں جس کو اعلیٰ درجہ کا سمجھتے ہوں اور اللہ کے لئے وہ

چیز تجویز کرتے ہوں جس کو ادنی درجہ کا سمجھتے ہوں۔ جس کا بیان سورۃ الصافات آیت ۱۵۳ سے ۱۵۸ تک میں تفصیل کے ساتھ مدلل گذر چکا ہے۔

آگے پھر رسالت سے متعلق کلام ہے کہ آپ کا حق ہونا ثابت ہو جانے کے باوجود انہیں جو آپ کا اتباع اس قدر ناگوار ہے تو) کیا آپ ان سے (احکام کی تبلیغ کا) کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ تاوان انہیں بھاری معلوم ہوتا ہے (اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾

آگے بعث اور جزا وسزا سے متعلق کلام ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت نہیں ہوگی۔ اور اگر فرض کرلو ہوگی تو ہم وہاں بھی اچھے رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قول نقل فرمایا ہے ﴿ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾ (سورۃ حم السجدہ آیت ۵۰) تو ہم ان سے متعلق پوچھتے ہیں کہ) کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ (اس کو محفوظ رکھنے کے واسطے سے) لکھ لیا کرتے ہیں؟ (یہ احقر کے نزدیک یحفظون سے کنایہ ہے کیونکہ لکھ لینا محفوظ کر لینے کا طریقہ ہے، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ جس امر پر مثبت یا منفی انداز میں کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو، وہ محض غیب ہے اور اس کا دعوی مثبت یا منفی انداز میں صرف وہ کرے جس کو کسی واسطہ سے اس غیب کی اطلاع دیدی جائے، اور پھر اس کی اطلاع ہو جانے کے بعد وہ اس کی حفاظت بھی کرے، اس لئے کہ اگر علم ہونے کے بعد حفاظت نہ ہو تب بھی حکم اور دعوی بغیر علم کے ہوگا۔ لہٰذا تم جو قیامت کی نفی کے اور اپنے لئے بھلائی کے قائل ہو تو کیا تمہیں کسی واسطہ سے غیب کی اطلاع دی گئی ہے، جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ کو قیامت کے اثبات کی اور تم سے بھلائی کی نفی کی غیبی خبر وحی کے واسطہ سے دی گئی ہے اور وہ اس کو محفوظ رکھ کر دوسروں کو پہنچا رہے ہیں۔

آگے رسالت سے متعلق ایک اور کلام ہے۔ وہ یہ کہ) کیا یہ لوگ (اس ذات کے ساتھ جس کو رسالت عطا کی گئی ہے) کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (جس کا بیان دوسری آیت میں ہے ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ﴾) تو یہ کافر خود ہی (اس) برائی (کے وبال) میں گرفتار ہوں گے (چنانچہ اس ارادے اور کوشش میں ناکام ہوئے اور بدر کی جنگ میں خود ہی قتل ہو گئے۔

آگے پھر توحید سے متعلق کلام ہے کہ) کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے، اور (آگے پھر رسالت سے متعلق ایک کلام ہے۔ وہ یہ کہ یہ لوگ رسالت کی نفی کے لئے ایک بات یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب ہمارے اوپر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۰ سے ۹۲ تک) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو کسی بھی دعوی پر چاہے وہ رسالت کا دعوی ہو یا کچھ اور مطلق دلیل کا قائم کر دینا کافی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ صحیح ہو، جو

کہ رسالت کے دعوی ہی کے وقت سے بغیر کسی عیب یا طعنہ اور جرح کے قائم ہو، اور کسی خاص دلیل کا قائم ہونا ضروری نہیں، اور نہ ہی اس سے نبوت کے دعوی میں کوئی عیب و جرح لازم آتا ہے اور اگر بھلائی کے طور پر کوئی فرمائشی دلیل قائم کی جائے تو یہ اس وقت ہے جب اس میں کوئی مصلحت ہو مثال کے طور پر درخواست کرنے والا حق کا طالب ہو تو یہی سمجھا جائے کہ اچھا ہے (اس ذریعہ سے اس کو ہدایت ہو جائے گی، یا کوئی اور ذکر کردہ توجیہ یا اعتبار کے قابل حجت ہو، اور یہاں یہ مصلحت بھی نہیں، کیونکہ ان کی یہ فرمائش حق کی طلب کے لئے نہیں، بلکہ یہ فرمائش محض عیب لگانے اور عناد و دشمنی کی غرض سے ہے، اور وہ ایسے ضدی ہیں کہ) اگر ان کا یہ فرمائشی معجزہ واقع بھی ہو جائے اور) وہ آسمان کے ٹکڑے کو دیکھ (بھی) لیں کہ گرتا ہوا آ رہا ہے تو (اس کو دیکھ کر بھی) یوں کہہ دیں کہ یہ تو تہہ پر تہہ جما ہوا بادل ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴾ (سورۃ الحجر آیت ۱۴) لہٰذا جب اس میں مصلحت بھی نہیں ہے اور ہمیں دوسری مصلحتوں کی نفی کا بھی علم ہے بلکہ یہ لوگ جن چیزوں کا سوال کر رہے ہیں ان کا واقع ہونا حکمت کے خلاف ہے، لہٰذا جب ضرورت نہیں تو مصلحت بھی نہیں، بلکہ مصلحت کے خلاف ہے، پھر کیوں واقع کیا جائے، جب کہ اس کے واقع نہ ہونے سے نبوت کی نفی بھی نہیں ہوتی ہے۔

آگے کفر میں ان کے غلو پر جو کہ اوپر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے اور عناد کی شدت پر جو کہ آخر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے، رد فرماتے ہوئے حضور ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ ایسے باغی، نافرمان اور غلو کرنے والے ہیں) تو (ان سے ایمان کی امید کر کے رنج میں نہ پڑیئے بلکہ) انہیں (انہی کی حالت پر) رہنے دیجئے یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پہنچ جائیں جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور اس ﴿ يُصْعَقُونَ ﴾ یعنی ہوش اڑ جانے کی تفصیل سورۃ الزمر کی آیت ۶۸ ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے، اور لفظ حتی کی تحقیق سورۃ الزخرف آیت ۸۳ ﴿ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ ﴾ الخ میں گذری ہے۔

آگے اس دن کا بیان ہے، یعنی) جس دن ان کی تدبیریں (جو وہ لوگ دنیا میں اسلام کے خلاف اور اپنی کامیابی کے سلسلہ میں کیا کرتے تھے) ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گی۔ اور نہ (کہیں سے) انہیں مدد ملے گی (نہ تو وہ مخلوق کی طرف سے، کہ اس کا امکان ہی نہیں ہے اور نہ ہی خالق یعنی اللہ کی طرف سے کہ وہ واقع نہیں ہوگی، یعنی اس دن انہیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ باقی یہ لوگ اس سے پہلے ایمان لانے والے نہیں ہیں) اور (آخرت میں تو ان پر یہ مصیبت آئے گی ہی لیکن) ان ظالموں کے لئے اس (عذاب) سے پہلے (جس پر ﴿ يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ ﴾ دلالت کرتا ہے، یعنی دنیا میں) بھی عذاب ہونے والا ہے (جیسے قحط اور بدر میں قتل) لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں (اکثر شاید اس لئے فرمایا ہو کہ ان میں سے بعض کے لئے ایمان مقدر تھا، اور ان کا عدم علم علم سے بدلنے والا تھا، اس لئے وہ عدم علم قرار نہیں دیا گیا) اور (جب آپ کو

معلوم ہوگیا کہ ہم ان کی سزا کے لئے ایک وقت معین کر چکے ہیں تو آپ اپنے رب کی (اس) تجویز پر صبر کے ساتھ بیٹھے رہئے اور ان لوگوں کے لئے اللہ کے انتقام کی جلدی نہ کیجئے جس کو آپ مسلمانوں کی مدد وغلبہ کی حیثیت سے چاہتے تھے اور نہ اس خیال سے انتقام کی جلدی کیجئے کہ یہ لوگ مہلت کی مدت میں آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکیں گے تو اس کا بھی اندیشہ نہ کیجئے، کیوں) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (پھر ڈر کیسا؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور (اگر ان کے کفر کا دل پر غم ورنج ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ دھیان اللہ کی طرف رکھا جائے، مثلاً یہ کہ) اٹھتے وقت (یعنی مجلس سے یا سونے سے اٹھتے وقت مثال کے طور پر تہجد میں) اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کیا کیجئے، اور رات (کے کسی حصہ) میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (مثال کے طور پر عشا کی نماز) اور ستاروں (کے چھپنے) کے بعد بھی (مثال کے طور پر صبح کی نماز، اور اس میں مطلق ذکر بھی آگیا اور ان وقتوں کی تخصیص خاص وجہوں کے اہتمام کے لئے ہے، حاصل یہ ہے کہ اپنے دل کو ادھر مشغول رکھئے، پھر فکر اور غم کا غلبہ نہ ہوگا)

فائدہ: اگر ﴿ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴾ میں مطلق کلام مراد ہے تو اس کی تفسیر ﴿ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ﴾ میں ہوگئی اور اگر ایک مضمون مراد ہے تو کہا جائے گا کہ جیسے دوسری آیتوں میں زیادہ سے چیلنج ہوا ہے یہاں کم سے ہوا ہے اور ﴿ فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُہُمۡ ﴾ الخ یعنی "ان میں سے سننے والوں پر سن لینے پر دلیل کا مطالبہ اس کے وحی کے طریقہ سے ہونے کی حیثیت سے ہے نہ کہ اوپر چڑھنے کے ساتھ سن لینے کی خصوصیت کے ساتھ، کیونکہ اس خصوصیت کو اصلی مقصود میں دخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم

﴿ بحمد للہ! سورۂ طور کی تفسیر ختم ہوئی، آگے ان شاء اللہ سورۃ النجم کی تفسیر آتی ہے ﴾
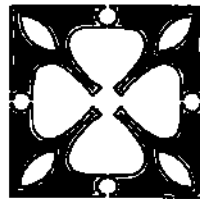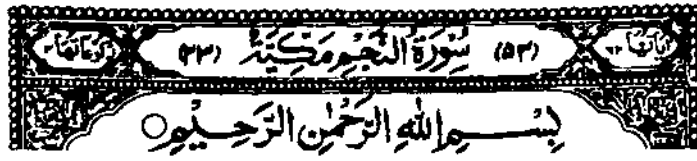
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ۝ أَفَتُمٰرُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ﴾

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے، یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے نہ راہ سے بھٹکے نہ غلط راستے ہولئے، اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے، ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے، پیدائشی طاقتور ہے۔ پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر تھا پھر وہ فرشتہ نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا، سو دونوں کمانوں کی برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر وحی نازل فرمائی۔ جو کچھ نازل فرمانا تھی قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔ کیا ان سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو، اور انھوں نے اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب اُس سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں، نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔ انھوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

ربط: اوپر کی سورت میں توحید، رسالت، بعث اور جزا وسزا کے مضمون تھے۔ اس سورت میں بھی یہی مضمون ہیں۔

نبوت کا اثبات:

قسم ہے ستاروں کی (یہاں کوئی خاص ستارہ مراد نہیں ہے، بلکہ مطلق کوئی بھی ستارہ ہو سکتا ہے) جب وہ غروب ہونے لگے (اس قسم میں ﴿مَا ضَلَّ﴾ ﴿مَا غَوٰى﴾ کی قسم کے جواب کے مضمون کی نظیر ہے، یعنی جس طرح ستارہ طلوع ہونے سے لے کر غروب تک اس تمام سفر میں اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر ادھر نہیں ہوا، اسی طرح آپ اپنی ساری عمر کے

لئے گمراہ ہونے، صحیح راستہ سے بھٹکنے اور غلط راستہ پر چلنے سے محفوظ ہیں۔ اور اس سے ﴿ إِذَا هَوٰى ﴾ یعنی ''جب غروب ہونے لگے'' کی قید لگانے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی اور اگرچہ غروب ہونے یعنی چھپنے سے طلوع ہونے یعنی نکلنے تک بھی ستارے کے لئے یہی حکم ثابت ہے، لیکن اس مدت میں وہ دکھائی نہیں دیتا، جب کہ طلوع سے غروب تک محسوس ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ستارے کو راتوں کو سمت کی رہنمائی ملتی ہے، اسی طرح آپ کو بھی راستہ سے نہ بھٹکنے اور غلط راستہ پر نہ چلنے کی رہنمائی ملتی ہے اور چونکہ آسمان کے بیچ میں یعنی سر کے اوپر ہونے کے وقت، سمت کا اندازہ نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے اس سے رہنمائی نہیں ملتی، اس لئے اس میں قرب من الأفق یعنی کنارہ سے قریب ہونے یعنی غروب ہونے لگنے کی قید لگائی اور اگرچہ کنارہ سے طلوع کے وقت بھی قرب ہوتا ہے، لیکن غروب ہونے کے وقت یہ بات زیادہ ہوتی ہے کہ اس وقت رہنمائی طلب کرنے والے اس کو اس خیال سے غنیمت سمجھتے ہیں کہ اگر رہنمائی حاصل کرنے میں ذرا دیر لگائی تو پھر وہ غائب ہو جائے گا برخلاف طلوع کے اس وقت بے فکری رہتی ہے، لہٰذا اس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ حضور ﷺ سے ہدایت حاصل کر لینے کو غنیمت سمجھو۔ اور شوق کے ساتھ دوڑو، جلدی کرو۔

آگے قسم کا جواب ہے کہ یہ تمہارے (ہر وقت) ساتھ (اور سامنے) رہنے والے (رسول جن کے تمام حالات اور کام تمہیں معلوم ہیں جن سے انصاف کی شرط کے ساتھ ان کی سچائی پر استدلال کر سکتے ہو، یہ رسول) نہ (سیدھے) راستہ سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ پر چلے (آیت میں ﴿ مَا ضَلَّ ﴾ آیا ہے اور ﴿ مَا غَوٰى ﴾ آیا ہے۔ ضل یا ضلال کا مطلب یہ ہے کہ بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جائے اور غوی یہ کہ غلط راستہ کو صحیح سمجھ کر چلتا رہے، جیسا کہ الخازن میں ہے، یعنی جس طرح تم انہیں نبوت کے دعوی اور اسلام کی طرف دعوت دینے میں بے راہ سمجھتے ہو، یہ بات نہیں ہے بلکہ آپ برحق نبی ہیں) اور نہ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں (جیسے تم لوگ کہتے ہو کہ افتراه بلكه) ان کا ارشاد صرف وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (چاہے الفاظ کی بھی وحی ہو جو قرآن کہلاتا ہے چاہے صرف معنی کی وحی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور چاہے وحی جزئی ہو یا کسی کلی قاعدہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس سے اجتہاد کی نفی نہیں ہوتی۔ اور اس موقع و محل کا اصل مقصود کافروں کے زعم کی نفی ہے، یعنی اللہ کی طرف غلط بات کی نسبت نہیں فرماتے۔

آگے وحی کے آنے کا واسطہ بتاتے ہیں کہ) انہیں ایک فرشتہ (اللہ کی جانب سے اس وحی کی) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے (اور اس کی یہ طاقت اپنی کوشش سے حاصل کی ہوئی نہیں ہے، بلکہ وہ) پیدائشی طور پر طاقت ور ہے (جیسا کہ ایک روایت میں خود جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طاقت کا بیان فرمایا کہ میں نے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر اور پھر اوپر آسمان کے قریب لے جا کر چھوڑ دیا۔ اس کو الدر المنثور نے سورۃ التکویر کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

مطلب یہ کہ یہ کلام آپ کے پاس کسی شیطان کے ذریعہ نہیں پہنچا کہ کاہن ہونے کا احتمال ہو، بلکہ فرشتہ کے ذریعہ

سے آیا ہے اور شاید اس کی صفت ﴿ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴾ یعنی بڑا طاقتور بیان فرمانے سے یہ مقصود ہو کہ اس کا گمان بھی نہ کیا جائے کہ شاید اصل میں فرشتہ ہی لے کر چلا ہو۔ مگر درمیان میں کوئی شیطانی تصرف ہو گیا ہو، لہٰذا اس میں جواب کی طرف اشارہ ہو گیا کہ وہ بڑے طاقتور ہیں، شیطان کی مجال نہیں کہ ان کے پاس پھٹک بھی سکے، پھر وحی کے ختم ہونے کے بعد خود حق تعالیٰ نے اس کے بالکل جوں کا توں ادا کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے ﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴾ (سورۃ القیامہ آیت ۱۷)

آگے اس شبہ کا جواب ہے کہ اس وحی لانے والے کا فرشتہ اور جبرئیل ہونا تو اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب آپ انہیں پہچانتے ہوں اور پوری صحیح پہچان اصلی صورت دیکھنے پر موقوف ہے تو کیا آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے؟ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہاں! یہ بھی ہوا ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ چند بار تو دوسری صورت میں دیکھا، اگر چہ یہ دوسری صورت بھی ایسی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں جو مشخصات اصلیہ یعنی شخصیت کو متعین کرنے والی باتیں اور جو مشخصاتِ عارضہ تھے ان میں آپ کو فرق و تمیز عطا فرما دیئے جس پر یہ عقلی دلیل دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مکلف لوگوں کو شک و شبہ اور دھوکہ سے محفوظ رکھتا ہے اور چونکہ یہ فرق و تمیز نہ ہونے پر پوری امت شک و شبہ اور دھوکہ میں رہتی، اس لئے یہ فرق و تمیز عطا فرما دیئے اگر چہ وہ صورت اصلی نہیں تھی) پھر (ایک بار ایسا ہوا کہ) وہ فرشتہ (اپنی اصلی صورت میں (آپ کے سامنے) ظاہر ہوا، ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارہ پر تھا (ایک روایت میں اس کی تفسیر افق شرقی یعنی مشرقی کنارہ سے آئی ہے جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اور افق یعنی اوپر والے کنارے دکھائی دینے کی حکمت غالباً یہ ہے کہ آسمان کے درمیان یعنی اپنے سر کے بالکل اوپر بھی چیز پوری طرح نظر نہیں آتی۔ اس لئے تھوڑا سا اوپر نظر آئے۔

اور اس دیکھنے کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک بار خود حضور ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے اپنی اصلی صورت دکھا دو، انھوں نے حراء کے پاس اور ترمذی کی روایت کے مطابق جیاد میں اپنی اصلی صورت دکھانے کا وعدہ کیا، آپ وہاں تشریف لے گئے تو انہیں مشرق کے افق میں دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو ہیں اور اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ غربی افق تک کو گھیر رکھا ہے۔ ان کی اصلی صورت دیکھ کر آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، اس وقت جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت اختیار کر کے آپ کی تسکین کے لئے اتر آئے، جس کا آگے ذکر ہے، جیسا کہ جلالین میں ہے۔

حاصل یہ کہ وہ فرشتہ پہلے اصلی صورت میں افق اعلیٰ پر نمودار ہوا) پھر جب آپ بے ہوش ہو گئے تو) وہ فرشتہ (آپ کے) نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا تو (قریب ہونے کی وجہ سے جس پر لفظ ﴿ دَنَا ﴾ سے دلالت ہوتی ہے) دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ (انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے کہ جس پر لفظ ﴿ فَتَدَلّٰى ﴾ سے دلالت ہوتی ہے) اور بھی (کم

فاصلہ رہ گیا، دو کمانوں کا مطلب یہ ہے کہ عربوں کی عادت تھی کہ جب دو آدمی آپس میں انتہائی اعلیٰ درجہ کا اتفاق واتحاد کرنا چاہتے تھے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں لے کر ان کے چلّے یعنی تانت کو آپس میں ملا دیتے تھے اور چونکہ ملا دینے میں بھی بعض اجزا کے اعتبار سے کچھ فاصلہ ضرور ہی رہ جاتا ہے، لہٰذا اس محاورہ کی وجہ سے یہ قرب اور اتحاد سے کنایہ ہو گیا اور چونکہ یہ صرف صورت میں اتفاق کی علامت تھی تو اگر روحانی اور دلی اتفاق بھی ہو تو وہاں ﴿ أَوْ أَدْنٰی ﴾ بھی صادق آسکتا ہے۔ چنانچہ ﴿ أَوْ أَدْنٰی ﴾ بڑھا دینے سے یہ اشارہ ہو گیا کہ صورت میں قریب ہونے کے علاوہ آپ میں اور جبرئیل علیہ السلام میں روحانی مناسبت بھی تھی جو پوری معرفت محسوس ہونے والی صورت کی حفاظت اور اصلی اور عارضی طور پر بنائی ہوئی صورتوں کے درمیان کئے ہوئے فرق اور امتیاز کا سب سے اعظم مدار ہے۔ غرض یہ کہ ان کی تسکین سے آپ کو تسکین ہوئی، اور افاقہ ہوا) پھر (افاقہ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے (اس فرشتہ کے ذریعہ سے) اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر وحی نازل فرمائی، جو کچھ نازل فرمائی (جس کی تعیین تخصیص کے ساتھ معلوم نہیں اور نہ ہی معلوم ہونے کی حاجت وضرورت ہے۔ اور اس میں بھی تعجب کی کوئی بات نہیں کہ جبرئیل کی معرفت و پہچان کے بارے ہی کچھ وحی ہو یا کچھ اور ہو اور شاید اس وقت بھی وحی کا نازل فرمانا، اس کے باوجود کہ اس وقت اصل مقصود معرفت کی زیادتی کے لئے جبرئیل کی اصلی صورت کا دکھانا ہے، اس لئے ہو کہ یہ معرفت میں اور زیادہ مددگار ہو، کیونکہ جب حضور اس وقت کی وحی کو جو کہ اصلی صورت میں ظاہر ہونے کی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ کو ختم کر کے ہے، اور دوسرے وقتوں کی وحی کو جو کہ انسانی صورت کے واسطہ سے ہے، ایک شان پر دیکھیں گے تو یقین اور بھی زیادہ سے زیادہ قوی ہو گا کہ دونوں حالتوں میں وحی کا واسطہ ایک ہی حقیقت ہے جیسا کہ اگر کسی شخص کی آواز اور بولنے کے طرز انداز سے اچھی طرح واقف ہوں تو اگر کبھی وہ آواز کو بدل کر بھی بولتا ہے تو صاف پہچان لیا جاتا ہے۔

آگے اس دیکھنے سے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے کہ وہ یہ کہ اصلی صورت میں دیکھنا جو کہ پوری معرفت و پہچان کا مدار ہے اور جس کا اوپر اثبات کیا گیا ہے، وہ مطلق دیکھنا نہیں، بلکہ صحیح طرح سے دیکھنا ہے اور اس کا مدار اصل ادراک واحساس کرنے والے یعنی دل کے احساس اور ادراک میں غلطی وخطا سے محفوظ ہونے پر ہے۔ ورنہ اگر اسی کے احساس وادراک میں خطا ہے تو حواس یعنی محسوس کرنے والی قوتیں جو کہ دل کی جاسوس ہیں، ان میں بھی خطا ہو گی۔ چنانچہ اس بنا پر احساسات یعنی غلطی وخطا ہوتے دیکھی جاتی ہے، چنانچہ مجنون، حس کی سلامتی کے باوجود بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے یا دوسرا شخص بتا دیتا ہے کیونکہ اس کے باوجود کہ اس کی حس صحیح ہے، لیکن ادراک کرنے والے یعنی دل پر جنون کا اثر ہو گیا ہوتا ہے، لہٰذا یہ دیکھنا صحیح دیکھنا نہیں تھا؟ آگے اس شبہ کا جواب ہے یعنی وہ دیکھنا صحیح تھا کہ اس دیکھنے کے وقت) دل نے دیکھی ہوئی چیز میں غلطی نہیں کی (رہا یہ سوال کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ دل نے غلطی نہیں کی تو

بات یہ ہے کہ اگر ایسے مطلق احتمال توجہ کے قابل ہوا کریں تو جس سے امان بالکل ہی دور ہو جائے۔ اور یہ باطل ہے۔ بلکہ ان احتمالوں کے لئے کوئی منشا توجہ کے قابل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ دل کی غلطی کا منشا یہ ہونا چاہئے کہ اس ادراک کرنے والے کی عقل میں خلل ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ کی عقل کا صحیح آپ کا ذہین، ہوشیار اور سمجھ دار ہونا سب کا دیکھا بھالا اور ظاہر تھا۔ چونکہ اس بھرپور طریقہ سے اثبات کے باوجود عناد رکھنے والے، مخالفت کرنے اور بحث ولڑائی کرنے سے باز نہیں آتے تھے، اس لئے آگے ڈانٹنے ڈرانے اور تعجب کے اظہار کے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم نے ایسے کافی اور اطمینان کے قابل بیان سے پہچاننے اور دیکھنے کا ثبوت سن لیا) تو کیا ان (رسول ﷺ) سے ان کی دیکھی (بھالی) ہوئی چیز (کے بارے) میں جھگڑا کرتے ہو؟ (یعنی ادراک سے متعلق امور میں خطاب سے سب سے زیادہ محفوظ حسی یعنی محسوس کئے جانے والے امور میں تو پھر کیسے غضب کی بات ہے کہ محسوس کئے جانے والے امور میں اختلاف کرتے ہو کہ جن میں خطا کے احتمال بھی دور ہو گئے، پھر یوں تو تمہارے محسوس امور میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں)

اور (اگر یہ بے کار و بے معنی خدشہ ہو کہ جس چیز کو ایک ہی بار دیکھا ہو تو اس کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟ البتہ بار بار دیکھنے میں جب ہر بار ایک ہی جیسی چیز دیکھی جائے تو شناخت ہو سکتی ہے کہ یہ وہی چیز ہے جو پہلی بار دیکھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ بات غلط ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی چیز کا ایسا پورا پتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دیکھتے ہی فوراً پہچان ہو جاتی ہے دوسرے (۱) پہلی بار میں اس معنی میں پہچاننا ضروری نہیں کہ کسی کے بتانے یا علامت کی حاجت نہ ہو جیسا دوسری اور تیسری بار میں ہوتا ہے بلکہ اس معنی میں معرفت حاصل ہو جاتی ہے کہ کسی سچے کے بتانے سے یا قرینوں اور علامتوں کے جمع ہونے سے اس کا علم ہو جائے اور پھر اس کی صورت محفوظ رہے کہ دوسری بار صرف صورت کے مطابق ہونے سے پہچان لیں، لہٰذا ممکن ہے کہ آپ کو ضروری یا استدلال والے علم کے طور پر جس سے متعلق دوسری باتوں و دلیلوں کی تعلیم ہم نہیں کر سکتے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کئی بار غیر اصلی صورت کا معائنہ ہو چکا تھا۔ اور اصلی پہچان آپ کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ چکی تھی۔

غرض کسی طرح جبرئیل علیہ السلام کا پورا پتہ معلوم ہو گیا اور اس کی پہچان ہو گئی ہو یا اس وقت اللہ تعالیٰ کے بتانے سے آپ کو یقین ہو گیا ہو۔ اس طرح دو وجہ سے یہ خدشہ باطل ہے، تیسرے اگر مان لیں کسی درجہ میں شناخت کے لئے دوبارہ یا اشارہ ہی کی ضرورت ہو تو) انھوں نے (یعنی رسول اللہ ﷺ نے) اس فرشتہ کو ایک دفعہ اور بھی (ان کی اصلی صورت

(۱) مطلب یہ ہے کہ ہم جو کہتے ہیں حضور نے پہلی ہی بار میں پہچان لیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کے اِعلام یعنی بتانے یا اَعلام یعنی علامتوں کی ضرورت نہ ہو، اور اگر یہ مراد ہوتی تو بے شک یہ شبہ صحیح تھا کہ ایسی شناخت تو دوسری تیسری بار میں ہوتی ہے پہلی بار میں نہیں ہوتی۔ الخ

میں) دیکھا ہے (لہٰذا اب تو وہ وہم بھی دور ہوگیا، کیونکہ دونوں صورتوں کی مطابقت سے پوری تعیین ہوگئی کہ ہاں جبرئیل یہی ہیں۔ آگے وہ جگہ بتاتے ہیں کہ کہاں دیکھا یعنی معراج کی رات میں دیکھا ہے) سدرۃ المنتہی کے پاس (سدرۃ بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہی کہتے ہیں انتہا کی جگہ، آخری سرا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ بیری کا ایک درخت ہے جو ساتویں آسمانوں پر عالم بالا یعنی اوپر کے عالم سے جو احکام اور رزق وغیرہ آتے ہیں، وہ پہلے سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے فرشتے زمین پر لاتے ہیں، اس طرح یہاں سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں وہ بھی پہلے سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے اوپر اٹھا لئے جاتے ہیں، دنیا میں اس کی مثال ڈاک خانہ جیسی سمجھئے کہ خطوں کا آنا جانا وہاں سے ہوتا ہے اور شاید اس قید کے لگانے میں دکھائی دینے والی صورت کے اصل ہونے کی تقویت کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ فرشتوں کے رہنے کی اصل جگہ آسمان ہے اور عام عادت یہی ہوتی ہے کہ اپنے رہنے کی اصل جگہ سے دور ہو کر تو کبھی اصلی صورت، وضع وغیرہ کی تبدیلی کی وجہ سے کسی قدر بدل بھی جاتی ہے، لیکن اپنے رہنے کی اصل جگہ میں بالکل اصلی حالت پر رہتی ہے۔ لہٰذا صورت کے اصل ہونے کی اور زیادہ تقویت ہوگئی۔

اور ﴿عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى﴾ میں تو دیکھنے کی جگہ بتائی ہے۔ آگے اس جگہ کا عزت وعظمت اور شرف ودرجہ والا ہونا بتاتے ہیں کہ) اس (سدرۃ المنتہی) کے قریب ﴿جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى﴾ ہے (ماوی کے معنی ہیں رہنے کی جگہ۔ چونکہ جنت نیک بندوں کے رہنے کی جگہ ہے، اس لئے اسے ﴿جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى﴾ کہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ وہ سدرۃ المنتہی ایسے ممتاز موقع پر ہے۔ اس میں اس امر کا اشارہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایسے بلند مقام پر پہنچنا آپ کے معزز ومکرم ہونے کی دلیل ہے۔

اور قاعدہ ہے کہ ایسے عزت والے اور پیارے مہمان سے عزت واکرام والے سامان کو چھپا کر نہیں رکھا جاتا اور جبرئیل علیہ السلام کا آپ کے ساتھ رہنا آپ کی عزت واکرام کے لئے تھا۔ لہٰذا ان کی اصلی صورت میں مطلقاً احتجاب کا احتمال نہیں تھا، لہٰذا اس سے بھی دکھائی دینے والے کے انکشاف یعنی پوری طرح کھل کر سامنے آنے اور ظاہر ہونے کی تاکید ہوگئی، جس سے دکھائی دینے کا تعلق زیادہ پورا ہوگا۔

اب دکھائی دینے کی جگہ کی تعیین کے بعد دکھائی دینے کا وقت بتاتے ہیں کہ کب دیکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ) جب اس سدرۃ المنتہی کو وہ چیزیں لپٹ رہی تھیں جو لپٹ رہی تھیں (ایک روایت میں ہے کہ وہ سونے کے پروانے تھے یعنی ان کی صورتیں ایسی تھیں جیسے سونے کے پروانے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تھے، یعنی ان کی حقیقت یہ تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتوں نے حق تعالیٰ سے اجازت لی تھی کہ ہم بھی حضور ﷺ کی زیارت کریں تو انہیں اجازت دیدی گئی، اور وہ اس سدرہ میں جمع ہوگئے تھے، یہ ساری روایتیں الدر المنثور میں ہیں۔ اس میں بھی حضور ﷺ کے معزز

ومکرم ہونے کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔اور باقی وہی وضاحت ہے جو گذشتہ قید میں بیان کی گئی۔
اب ایک احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہے۔ پورے ادراک واحساس پر قدرت نہیں رہتی۔تو ایسی حالت میں جبرئیل علیہ السلام کی صورت کا کیا ادراک ہوا ہوگا۔جب اس دوسرے ادراک کا اعتبار نہ ہوا تو پھر اس مذکورہ خدشہ کا جواب ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴾ سے دیا گیا ہے، وہ کافی نہ ہوا۔اس احتمال کو دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ ان عجیب چیزوں، نشانیوں وآیتوں کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں چکرائے۔اور ان سے آپ کو ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔چنانچہ جن چیزوں کو دیکھنے کا حکم تھا ان کی طرف دیکھنے سے آپ کی) نگاہ تو نہ ہٹی (بلکہ ان چیزوں کو خوب دیکھا) اور (جن چیزوں کو دیکھنے کا اس وقت تک حکم نہیں ہوا تھا) نہ (ان کی طرف دیکھنے کے لئے آپ کی نگاہ) بڑھی (یعنی اجازت سے پہلے نہیں دیکھا، جیسا کہ مدارک میں ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴾ کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے کہا ہے۔یہ آپ کی اپنی جگہ انتہائی مستقل رہنے کی دلیل ہے، کیونکہ عجیب چیزوں سے حیرت میں پڑ کر آدمی یہی دو حرکتیں کیا کرتا ہے کہ جن چیزوں کو دیکھنے کے لئے کہا جاتا ہے، انہیں تو دیکھتا نہیں اور جن کے لئے نہیں کہا جاتا انہیں دیکھتا ہے۔ اس طرح اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔

آگے آپ کے مستقل رہنے کی قوت بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ) انھوں نے (یعنی رسول ﷺ نے) اپنے رب کی بڑی عجیب عجیب نشانیاں دیکھیں (مگر ہر چیز کے دیکھنے میں آپ کی یہی شان رہی ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴾ یعنی نہ تو نگاہ ہٹی اور نہ بڑھی۔ان عجیب عجیب چیزوں کا ذکر معراج سے متعلق حدیثوں میں آیا ہے۔نبیوں علیہم السلام کو دیکھنا، روحوں کو دیکھنا، جنت وغیرہ کو دیکھنا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ہر موقع پر اور ہر وقت میں اپنے آپ میں انتہائی مستقل رہنے والے تھے، لہٰذا حیرت کا احتمال نہیں، چنانچہ خدشہ کا جو جواب ﴿ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴾ یعنی" آپ ﷺ نے فرشتہ کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے" دیا گیا تھا، وہ اپنی جگہ قائم رہا۔غرض پوری تقریر سے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے اور پہچاننے سے متعلق شبہ دور ہوگیا اور رسالت کا امر مقرر اور یقینی ہوگیا جو کہ اس مقام کا مقصود تھا۔

رہا یہ امر کہ یہ سب اس وقت کافی ہے جب کوئی شخص دیکھنے کے دعوی کو مان لے، لہٰذا اس کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کی عادت ومعمول کے خلاف کام اور معجزے ہیں کہ ان جیسے کام پیش کرنے سے دوسرے سب عاجز وبے بس ہیں، جن میں سب سے عظیم قرآن ہے جن سے آپ کا سچا ثابت ہونا یقینی ہے ورنہ ایسا خدشہ، شک وشبہ تو کسی بھی چیز کے دیکھنے کا دعوی کرنے والے پر ہوسکتا ہے۔

رہا یہ کہ جب جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت کی بجائے دوسری صورت میں آتے تھے آپ ﷺ اس وقت کیسے پہچان لیتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اصلی صورت میں دیکھنے سے پہلے بھی آپ کو خاص طریقہ سے اس کی

معرفت حاصل تھی، جس کی وضاحت ﴿ فَاسْتَوٰى ﴾ کی تفسیر سے پہلے گذر چکی ہے۔اور اصلی صورت دیکھنے کے بعد تو اور زیادہ معرفت و پہچان ہوگئی۔اور اس کا راز یہ ہے کہ فرشتے کا صورت بدل لینا ایسا ہے جیسے انسان لباس بدل لیتا ہے تو جو شخص حقیقت کا ادراک کر لیتا اور اس کو سمجھ لیتا ہے اس کے لئے لباس کا بدل لینا ادراک اور معرفت میں رکاوٹ نہیں ہوتا۔

رہا یہ کہ جب پہلی بار آپ بے ہوش ہو گئے تھے تو اس وقت تو حیرت ہوگئی۔اور جس شبہ کے جواب میں ﴿ مَا زَاغَ ﴾ یعنی نگاہ نہیں ہٹی، فرمایا ہے وہ شبہ اس بار دیکھنے میں ہو جائے گا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوب ہو جانا ادراک کے لئے رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ جو مغلوب ہونا ادراک سے پہلے ہو، وہ رکاوٹ ہے اور جو مغلوب ہونا ادراک کے بعد ہو، وہ رکاوٹ نہیں۔چنانچہ اگر کوئی قوی نظر والا سورج پر خوب نظر جما کر دیر تک دیکھے تو اگرچہ بعد میں اس کی آنکھیں کام نہ کریں گی کہ ان کے آگے سیاہی اور اندھیرا آجائے گا لیکن اس کام نہ کرنے سے پہلے وہ سورج کی ٹکیہ اور اس کی شعاعوں کا اچھی طرح ادراک کر چکا ہوگا۔لہٰذا ممکن ہے کہ آپ کی بے ہوشی وقت کے لحاظ سے ادراک سے بعد میں ہو۔چنانچہ ادراک واقع ہو جائے گا، بخلاف اللہ کی تجلی سے موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہو جانے کے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی سے موسیٰ علیہ السلام کی غشی صرف ذات کے اعتبار سے بعد میں تھی اور وقت و زمانہ کے اعتبار سے دونوں ملے ہوئے تھے، لہٰذا وہاں تجلی کا ادراک لازم نہیں آتا۔موسیٰ علیہ السلام سے متعلق تجلی کا یہ شبہ ایک فاضل نے کلمہ ﴿لما﴾ کی وجہ سے مجھ پر کیا تھا کہ وہ ترتب کے لئے وضع کیا گیا ہے جو تأخر یعنی بعد کے لئے لازم ہے۔اور بے ہوشی اور ہوش کا یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ انسان عالم ناسوت یعنی دنیا میں تحمل و برداشت کی قوت کم رکھتا ہے، اور ملکوت یعنی آسمان میں فرشتوں والی دنیا میں زیادہ رکھتا ہے)

فائدہ: اور بعض مفسروں نے ان آیتوں کی تفسیر اللہ کو دیکھنے سے کی ہے مگر مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے سے ان آیتوں کی تفسیر خود رسول اللہ ﷺ سے نقل کی گئی ہے: واذا جاء نهر الله بطل نهر معقل: اور بخاری میں شریک کی حدیث سے جو شبہ ہوتا ہے کہ یہ آیتیں حق تعالیٰ سے قرب اور نزدیکی پر محمول ہوں تو نووی نے نقل کیا ہے کہ شریک حافظ نہیں ہیں۔

﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ ﴾ ع ۵

ترجمہ: بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور ایک تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے۔ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لئے بیٹیاں۔ اس حالت میں یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی۔ یہ نرے نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھیرالیا ہے خدا تعالیٰ نے تو اُن کی کوئی دلیل بھیجی نہیں۔ یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس رب کی جانب سے ہدایت آ چکی ہے۔ کیا انسان کو اُس کی ہر تمنا مل جاتی ہے؟ سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا۔ اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں اُن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی، مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں اور راضی ہوں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹی کے نام سے نامزد کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں، اور یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔

ربط: اوپر رسالت کی تحقیق کا مضمون تھا۔ اب توحید کا مضمون ہے۔

توحید کا اثبات:

(اے مشرکو! اب جب کہ رسول اللہ ﷺ کا حق کے ساتھ بولنا اور وحی کا اتباع کرنے والا ہونا ثابت ہو گیا اور آپ اس وحی سے توحید کا حکم فرماتے ہیں کہ جو عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہے اور تم پھر بھی بتوں کی پرستش کرتے ہو تو) بھلا تم نے (کبھی ان بتوں میں مثال کے طور پر) لات اور عزیٰ اور ایک تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا ہے؟ تا کہ تمہیں معلوم ہوتا کہ وہ عبادت اور پوجا کے لائق ہیں یا نہیں؟ یہاں کلمہَ فا سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ کی تنبیہ کے بعد تو انہیں سمجھنا چاہئے تھا۔

اور توحید سے متعلق ایک بات اور توجہ کے قابل ہے کہ تم جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر معبود کہتے ہو تو) کیا تمہارے لئے تو بیٹے (تجویز) ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں (تجویز ہوں، یعنی جن لڑکیوں کو اپنے لئے ناپسند اور نفرت کے قابل سمجھتے ہو، ان کی نسبت تو اللہ کی طرف کی جائے) اس حالت میں تو یہ بہت بے ڈھنگی تقسیم ہوئی (کہ جس چیز کو اچھی سمجھو وہ تو تمہارے حصہ میں اور جس چیز کو بری سمجھو اسے اللہ تعالیٰ کے حصہ میں۔ نعوذ باللہ۔ یہ بات عرفِ عام کی بنیاد پر فرمائی ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے تجویز کرنا بھی بے ڈھنگی بات ہے) یہ (مذکورہ معبود مذکورہ عقیدہ کے مطابق بت اور فرشتے) صرف نام ہی نام ہیں (یعنی یہ چیزیں جن کے نام رکھے گئے ہیں، ان کے زعم کے اعتبار سے واقعی موجود چیزوں میں سے نہ ہونے میں ان ناموں کے درجہ میں ہیں جن کا کہیں مصداق نہ ہو) جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (آپ ہی) رکھ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی (عقلی یا نقلی) دلیل نہیں بھیجی (بلکہ) یہ لوگ (اللہ کے علاوہ کو معبود بنانے کے اس عقیدہ میں) صرف ایسے خیالوں پر جن کی کوئی اصل نہیں اور اپنے نفس کی خواہش پر چل

رہے ہیں (دونوں میں فرق یہ ہوا کہ ہر عمل سے پہلے ایک عقیدہ ہوتا ہے اور ایک تحریک پیدا کرنے والا عزم ہوتا ہے، لہٰذا دونوں باتوں سے دونوں کی طرف اشارہ ہے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے (رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے جو حق کے مطابق بولنے والے اور وحی کا اتباع کرنے والے ہیں۔ واقعی امر کی) ہدایت آچکی ہے (یعنی خود اپنے دعوی کی تو ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور اس دعوی کے خلاف رسول کے واسطہ سے دلیل سنتے ہیں، اور پھر بھی نہیں مانتے۔

یہ تو اللہ کے علاوہ کسی کے معبود ہونے کے باطل ہونے کے سلسلہ میں گفتگو تھی۔ آگے اس کے انتہائی باطل ہونے میں کلام ہے، یعنی یہ لوگ جو شفاعت کی امید میں ان کی عبادت کرتے ہیں تو) کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے؟ (کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر تمنا) اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، آخرت (کی بھی) اور دنیا کی بھی۔ چنانچہ وہ جس کو چاہیں پورا فرمادیں اور قطعی نص میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس باطل تمنا کو پورا کرنا نہیں چاہیں گے نہ دنیا میں کہ حاجتوں اور ضرورتوں میں شفاعت کریں۔ نہ آخرت میں کہ نجات کے لئے شفاعت کریں، لہٰذا یقینی بات یہ ہے کہ وہ پوری نہیں ہوگی) اور (بے چارے بت تو کیا شفاعت کرتے کہ ان میں شفاعت کی کوئی اہلیت ہی نہیں ہے، جبکہ اس دربار میں تو جو شفاعت کے اہل ہیں بغیر اجازت کے ان کی بھی نہیں چلتی، چنانچہ) بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (شاید اس میں ان کی شان کے عالی یعنی اونچی وبلند ہونے کی طرف اشارہ ہو، مگر اس شان کے عالی ہونے کے باوجود) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی (بلکہ خود شفاعت ہی نہیں پائی جاسکتی، لہٰذا مطلق کی نفی سے قید کی نفی ہوگئی) مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت دیدیں اور (اس کے لئے شفاعت کرنے سے) راضی ہوں (﴿ یَرْضٰی ﴾ اس لئے بڑھا دیا کہ مخلوق کی اجازت تو کبھی بغیر رضامندی کے بھی کسی مصلحت یا دباؤ کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔

آگے فرشتوں کے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کے عقیدہ کے کفر ہونے کی تصریح ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (بلکہ اس کے انکار کی وجہ سے کافر ہیں) وہ فرشتوں کے (اللہ کی بیٹی قرار دے کر) لڑکیوں والے نام رکھتے ہیں (ان کی کفر سے تعبیر میں اور آخرت کی تخصیص میں شاید اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سب گمراہیاں آخرت کی فکر نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ ورنہ آخرت کا عقیدہ رکھنے والے کو اپنی نجات کی فکر ضرور ہوتی ہے، اور یہاں ﴿ الْاُنْثٰی ﴾ بیٹی کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ﴾ اور جب فرشتوں کو اللہ کے ساتھ شریک قرار دینے کے کفر ہونے کی تصریح فرمادی تو بتوں کو شریک ٹھہرانے کا کفر ہونا اس سے بھی اونچے درجہ میں ثابت ہوگیا۔ اس لئے صرف اسی کو کافی قرار دیا گیا۔

آگے اس عقیدہ کا بغیر دلیل کے ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی وہ فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں ہونے کا دعوی کرتے ہیں)

حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، صرف ایسے خیالوں پر چل رہے ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں ہے، اور یقینی بات ہے کہ ایسے خیال جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی حق امر کے (اثبات) میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (علم کی نفی اور ظن وگمان کا اثبات پہلے اوپر بھی آچکا ہے، اور پھر یہاں بھی آیا ہے مگر دونوں جگہوں میں دو فرق ہیں۔ ایک یہ کہ اوپر نقلی دلیل کی نفی ہے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿مَّآ أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِن سُلْطٰنٍ﴾ اور یہاں یا تو عام ہے یا خاص کے مقابلہ کے قرینہ سے عقلی دلیل کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ وہاں بتوں اور فرشتوں دونوں کے بارے میں دلیل کی نفی تھی جیسا کہ اس ارشاد ﴿إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ﴾ الخ کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے اور یہاں خاص فرشتوں کے بارے میں ہے جیسا کہ ظاہر ہے، لہٰذا تکرار نہیں رہی۔ اور شاید فرشتوں کا ذکر کرنا عام کے ذکر کے بعد خاص کے ذکر کے طور پر اس لئے ہو کہ مقبول ہونے کی وجہ سے اللہ کے ساتھ شریک اور شفیع ہونے کا احتمال زیادہ گنجائش رکھتا ہے)

فائدہ: ﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي﴾ الخ کے ترجمہ کی جو وضاحت کی گئی ہے اس میں قیاس اور اجتہاد کو باطل قرار دینے والوں کے استدلال کا مطلق کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور عرب میں بت تو بہت تھے، مگر ان تین بتوں کا ذکر خاص طور سے ان کے سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ بڑے ہونے کی وجہ سے کیا گیا۔ اب جب کہ ان تینوں بڑے بتوں کا معبود ہونا باطل قرار دیدیا تو دوسروں کا معبود ہونا تو اور بھی زیادہ واضح طور پر باطل ہوگیا۔ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لات ایک ایسا پتھر تھا جس پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے اور اس پر ایک عمارت بنا رکھی تھی یہ طائف میں تھا۔ اور عزیٰ ایک درخت تھا اور اس پر بھی ایک عمارت بنا رکھی تھی یہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر تھا۔ اور منات کو در منثور میں حجر یعنی پتھر لکھا ہے اور اس کا مقام ابن کثیر نے مشلل لکھا ہے جو قدید کے پاس بتایا گیا ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور بعض نے بعض دوسرے مقام بھی بتائے ہیں، لیکن ممکن ہے کہ ہمارے ملک کی قوم ہندوؤں کی طرح کہ وہ ہر جگہ دیوی اور مہادیو کی شکلیں بنالیتے ہیں، انھوں نے بھی کئی کئی جگہ بنا رکھے ہوں۔ واللہ اعلم

﴿فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلّٰى عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَٰٓـُٔوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ۝ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوٰحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وٰسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهٰتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝﴾ ع ۲

ترجمہ: تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کریں اور بجز دنیوی زندگی کے اُس کو کوئی

مقصود نہ ہو۔ ان لوگوں کی فہم رسائی کی حد بس یہ ہی ہے۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اُس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہِ راست پر ہے۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ انجام کار یہ ہے کہ بُرا کام کرنے والوں کو اُن کے کام کے عوض میں جزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو اُن کے نیک کاموں کے عوض میں جزا دے گا۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں، مگر ہلکے ہلکے گناہ، بلاشبہ آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔ وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو۔ تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کا ذکر تھا جس میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ کافروں نے انہیں قبول نہیں کیا تھا۔ اب اس قبول نہ کرنے پر اور اس کے مقابلہ میں قبول پر سزا و جزا کا ذکر ہے اور چونکہ ان کے قبول نہ کرنے پر آپ کو رنج و ملال بھی ہوتا تھا، اس مضمون کو تسلی سے شروع فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور برے اور اچھے لوگوں کو سزا اور جزا:

(جب ﴿ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ﴾ یعنی ''وہ صرف ایسے خیالوں پر چل رہے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں'' اور ﴿جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴾ یعنی ''ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ گئی ہے'' سے ان کا عناد رکھنے والا معلوم ہو گیا کہ قرآن اور ہدایت کے آنے کے باوجود یہ اپنے گمان و خیال اور نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں اور عناد رکھنے والوں سے حق کے قبول کرنے کی امید نہیں ہوتی) تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اس کا کوئی (آخرت کا مطلب) مقصود نہ ہو (جس کی وجہ آخرت پر ایمان نہ لانا ہے۔ جو ﴿ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ سے اوپر بیان ہوا ہے اور ان لوگوں کی سمجھ داری کی حد بس یہی (دنیاوی زندگی) ہے (جب ان کی نا سمجھی بلکہ بدفہمی اور بے فکری کی نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے تو ان کی فکر نہ کیجئے ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجئے، بس) تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھے راستہ پر ہے (اس سے تو اس کا علم ثابت ہوا) اور (اس سے قدرت ثابت ہے کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (جب وہ علم اور قدرت دونوں میں کامل ہے اور اس کے سلسلے میں جو حکم دیئے گئے ہیں ان کے اعتبار سے مکلف لوگ دو قسم کے ہیں: (۱) گمراہ بھٹکے ہوئے اور (۲) ہدایت پانے والے اور سیدھے راستہ پر چلنے والے تو) آخر انجام یہ ہے کہ برا کام کرنے والوں کو ان کے (برے) کام کے بدلے میں (خاص قسم کی) جزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو ان کے نیک کاموں کے بدلہ میں (خاص قسم کی) جزا دے گا (لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے حوالہ کر دیجئے۔

آگے نیک کام کرنے والوں کی تفسیر ہے۔ یعنی) وہ لوگ ایسے ہیں کہ کبیرہ گناہوں سے اور (ان میں) بے حیائی کی

باتوں سے (خاص طور سے زیادہ) بچتے ہیں، سوائے ہلکے ہلکے گناہوں کے (کہ وہ کبھی کبھار ان سے ہو جاتے ہیں تو جن نیک کاموں کا یہاں مقام مدح میں جو ذکر ہے ان میں ان ہلکے ہلکے گناہوں سے خلل نہیں آتا۔ استثنا کا مطلب یہ ہے کہ ﴿ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا ﴾ کا نیکی کی جزا ہونا بڑے بڑے گناہوں سے بچنے پر تو موقوف ہے، لیکن صغائر کا کبھی کبھار صدور اس لئے شرط نہیں، البتہ عدم اصرار شرط ہے۔ اور استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے، اور نہ اشتراط کا یہ مطلب ہے کہ نیکوکاروں کا نیک بدلہ بڑے گناہوں سے بچنے پر موقوف ہے کیونکہ کبیرہ گناہ کا مرتکب بھی جو نیکی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾۔ لہٰذا شرط لگانا جزا دینے کے اعتبار سے نہیں بلکہ محسن یعنی احسان کرنے والے اور نیک کام کرنے والے کا لقب دینے اور خاص محبوب ہونے کے اعتبار سے ہے جس پر لفظ ﴿ اَحْسَنُوْا ﴾ دلالت ہے۔ خوب سمجھ لو۔

اور ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا ﴾ سے برے کام کرنے والوں کو مایوسی کا خیال ہو سکتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ ایمان اور توبہ سے ہمت ہار دیں اور ﴿ وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴾ سے نیک کام کرنے والوں کو گھمنڈ کا خیال ہو سکتا ہے۔ آگے دونوں خیالوں کو دور کیا گیا ہے یعنی) بے شک آپ کے رب کی مغفرت کا میدان بہت لمبا چوڑا ہے (برے کام کرنے والوں کو برے کاموں کو چھوڑنے اور ان کے بدلہ میں اچھے کام کرنے سے ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ اور اگر اللہ چاہے تو کفر اور شرک کے علاوہ دوسری برائیوں اور گناہوں کو محض فضل سے معاف کر دیتا ہے تو برائیوں کو چھوڑ دینے اور نیک کام کرنے سے تو کیوں نہ معاف کرے گا۔ اور اسی طرح نیک کام کرنے والوں کو گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ نیک کاموں میں بعض اوقات ایسی پوشیدہ ملاوٹیں ہو جاتی ہیں کہ وہ قبول کے قابل نہیں رہتے اور عمل کرنے والے کو اس طرف دھیان نہ ہونے کی وجہ سے ان کی خبر بھی نہیں ہوتی، جب کہ حق تعالیٰ کو تو علم ہوتا ہے جب وہ نیکی قبول نہیں ہوتی تو وہ محسن ہونے کا مدار قرار نہیں دی جا سکتی، پھر گھمنڈ کیسا؟ اور یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تمہیں خبر نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو علم ہو کوئی عجیب بات نہیں ہے، بلکہ شروع ہی سے ایسا ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ) وہ تمہیں (اور تمہارے احوال کو اس وقت سے) خوب جانتا ہے جب تمہیں (یعنی تمہارے بزرگ آدم علیہ السلام کو) زمین (کی مٹی) سے پیدا کیا تھا (جن کے واسطہ سے تم بھی مٹی سے پیدا ہوئے) اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے (اور ان دونوں حالتوں میں تمہیں اپنا علم بالکل نہیں تھا اور ہمیں تھا، لہٰذا اب بھی تمہیں علم ہونا اور ہمیں علم نہ ہونا تمہاری کسی حالت سے متعلق عجیب نہیں، جب یہ بات ہے) تو تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھا کرو (بس) تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے (کہ فلاں متقی ہے اور فلاں متقی نہیں۔ اگرچہ صورت کے اعتبار سے تقویٰ کے افعال دونوں سے صادر ہوتے ہیں)

فائدہ: اگر ﴿ هُوَ اَعْلَمُ ﴾ الخ کے مضمون پر یہ شبہ ہو کہ اس حالت پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ اس وقت تو ہم میں شعور نہیں تھا اور اب شعور ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض انکشاف کے لئے شعور کی قوت کافی نہیں، بلکہ اس کا معلومات

کے ساتھ تعلق، انکشاف کے لئے شرط ہے اور تعلق نہ ہونا ممکن ہے۔ چنانچہ بہت سے حالات میں ایسا دیکھا جاتا ہے، لہٰذا انکشاف کا نہ ہونا بھی ممکن ہے اور یہ قیاس مدار نہیں بلکہ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم اپنا ذاتی ہونے کی وجہ سے کامل اور تمام احوال میں برابر ہے۔ اور تمہارا علم حادث ہونے کی وجہ سے کہ پہلے بالکل موجود نہیں تھا۔ چنانچہ زمین سے پیدا ہونے اور ماں کے پیٹ میں ہونے کی حالت میں معدوم تھا، ناقص اور ایک حال میں ہونا اور دوسرے حال میں نہ ہونا تھا۔ چنانچہ پوشیدہ ملاوٹوں کا پوشیدہ رہ جانا تعجب کی بات نہیں، اور یہ وجہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ هُوَ اَعْلَمُ ﴾ الخ سے آگے پیچھے سے ربط سے ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن میں ڈالی ہوئی بات ہے۔ واللہ اعلم

اور موقع کی ایک وضاحت اور ہو سکتی ہے یعنی نیک کام کرنے والوں کو گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ محسن ہونے کا مدار خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال انہیں معلوم نہیں یہ صرف اللہ کو معلوم ہے، جس طرح اپنی ابتدا کی حالت تمہیں معلوم نہیں، اور اللہ کو معلوم ہے، پھر گھمنڈ کیوں کیا جائے، لباب میں ایک شان نزول نقل کیا ہے، اس سے اس بیان کی تائید بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت اور نیک بخت پیدا کر دیا ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ ﴾ الخ

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۙ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۙ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۙ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۠ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۠ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۙ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰى ۙ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۙ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۭ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۙ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝ ﴾

ترجمہ: تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا۔ کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ کیا اُس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے، اور نیز ابراہیم کے جنھوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی یہ کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا، اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی، اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جاوے گی۔ پھر اس کو پورا بدلہ دیا جاوے گا، اور یہ کہ آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے، اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے، اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے، اور یہ کہ وہی دونوں قسم یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے

بناتا ہے، جب ڈالا جاتا ہے، اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اُس کے ذمہ ہے، اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور سرمایہ باقی رکھتا ہے، اور یہ کہ وہی مالک ہے ستارہ شعریٰ کا بھی، اور یہ کہ اُس نے قدیم قوم عاد کو ہلاک کیا، اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا، اور ان سے پہلے قوم نوح کو۔ بیشک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شریر تھے، اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر اُن بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا، سو تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت میں شک کرتا رہے گا۔

ربط: اوپر ﴿الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا﴾ اور ﴿الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا﴾ میں مختصر انداز میں فرمایا تھا۔ پھر ﴿الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا﴾ سے احسان اور نیک کاموں کی کچھ وضاحت تھی۔ اب ﴿الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا﴾ کی برائی کی کچھ وضاحت ہے، اور وضاحت کے ساتھ اس طریقہ کی برائی اور اس برائی کی بنیاد کی تصریح بیان کی جارہی ہے۔ اور اس کا شان نزول ابن جریر کی روایت سے درمنثور میں ابن زید سے یہ نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا جس پر کسی نے اس کو ملامت کی تو اس نے کہا کہ میں عذاب سے ڈرتا ہوں، تو اس نے کہا کہ مجھے کچھ دیدے میں تیری طرف سے عذاب اپنے ذمہ لے لوں گا۔ چنانچہ اس نے کچھ دیا، اس نے اور مانگا۔ انتہائی بحث و مباحثہ کے بعد اس نے اور بھی کچھ دیدیا۔ اور باقی کی دستاویز مع گواہوں کی گواہی کے لکھ دی۔ اور روح المعانی وغیرہ میں اس شخص کی تعیین بھی کی ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ تھا کہ اس کا کچھ رجحان اسلام کی طرف ہو چلا تھا اور ظاہر ہے کہ آیت میں وہ سب لوگ شامل ہوں گے جن کو ایسی حالت ہو۔

برے اعمال کرنے والوں کی برائی:

(آپ نے نیک لوگوں کی صفت تو سن لی) تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے (دین حق سے) منہ پھیرا (یعنی اسلام سے ہٹ گیا) اور تھوڑا مال دیا اور (پھر) بند کر دیا (یعنی جس شخص سے مال دینے کا اپنے مطلب کے واسطہ وعدہ کیا تھا، وہ بھی پورا نہ دیا اور اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے کیا خرچ کرے گا۔ جبکہ وہ اپنے ہی مطلب کے لئے پورا خرچ نہ کرسکا۔ لہٰذا بخل و کنجوسی کی مذمت پر اس کی دلالت ہے) کیا اس شخص کے پاس (کسی صحیح ذریعہ سے) غیب کا علم ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جس کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ میری طرف سے فلاں شخص عذاب کی ذمہ داری لے لے گا) کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے (اور درمنثور کی روایت کے مطابق جو سورۂ اعلیٰ میں نقل کی گئی ہے، یہ توریت کے علاوہ دس صحیفے ہیں) اور ابراہیم (علیہ السلام) کے (صحیفوں میں ہے، جو سورۃ الاعلیٰ میں آرہا ہے) جنھوں نے احکام پر پوری طرح عمل کیا (اور وہ مضمون) یہ (ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر (اس طرح) نہیں لے سکتا (کہ اس کی وجہ سے خود گناہ کرنے والا اپنے گناہ کے عذاب سے بری ہوجائے، پھر یہ شخص کیسے سمجھ گیا کہ میرا سارا گناہ یہ ملامت کرنے والا اپنے سر لے لے گا) اور یہ (مضمون ہے) کہ انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (یعنی کسی دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا۔ پھر اگر

اس ملامت کرنے والے کے پاس ایمان ہوتا تب بھی اس شخص کے کام نہ آتا۔ کہاں یہ کہ وہاں بھی نہیں)

اور یہ (مضمون ہے) کہ انسان کی کوشش بہت جلد دیکھی جائے گی، پھر اس کو پورا بدلا دیا جائے گا (اس کے باوجود یہ شخص اپنی فلاح سے کیسے غافل ہو گیا) اور یہ (مضمون ہے) کہ (سب کو) آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے (پھر وہ شخص کیسے بے خوف ہو گیا؟) اور یہ (مضمون ہے) کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ وہی دونوں قسموں یعنی نر اور مادہ کو نطفہ سے بناتا ہے۔ جب (رحم میں) ڈالا جاتا ہے (یعنی تمام تصرفات کا مالک اللہ ہی ہے کوئی دوسرا نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے تصرفات میں کوئی اس کا شریک ہے، پھر اس شخص نے کیسے سمجھ لیا کہ قیامت کے دن یہ تصرف کہ مجھے عذاب سے بچالے کسی دوسرے کے قبضہ میں ہو جائے گا) اور یہ (مضمون ہے) کہ دوبارہ پیدا کرنا (وعدہ کے مطابق) اس کے ذمہ ہے (یعنی ایسا ضرور ہونے والا ہے جیسے کسی کے ذمہ ہو تو اس شخص کے بے خوف ہونے کی وجہ یہ بھی نہیں ہونی چاہئے کہ قیامت نہیں آئے گی) اور یہ (مضمون ہے) کہ وہی مالدار (غنی) کرتا ہے (یعنی سرمایہ دیتا ہے) اور سرمایہ (دے کر محفوظ اور) باقی رکھتا ہے اور یہ کہ وہی ستارہ شعری کا بھی مالک ہے (جس کی عبادت بعض لوگ جاہلیت کے زمانہ میں کرتے تھے ان تصرفات واشیاء کا مالک بھی وہی ہے جیسا کہ پہلے تصرفات کا مالک بھی وہی ہے اور اوپر جن تصرفات کا ذکر ہوا وہ خود انسان میں ہیں، اور بعد والے تصرفات انسان سے متعلق امور اور چیزوں میں ہیں۔ چنانچہ مال اور ستارہ دونوں انسان سے خارج والگ ہیں۔ اور شاید ان دو کے ذکر میں اس بات کا اشارہ ہو کہ جس کو اپنا مددگار سمجھتے ہو، چاہے وہ خرچ کے واسطہ سے ہو چاہے عبادت کے واسطہ سے، اس کے رب بھی ہم ہی ہیں، پھر اس شخص کے زعم کے مطابق قیامت میں کسی دوسرے کو کیا تصرف پہنچ سکتا ہے؟) اور یہ (مضمون ہے کہ) اس نے پہلی قوم عاد کو (اس کے کفر کی وجہ سے) ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ (ان میں سے) کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم کو (ہلاک کیا) بے شک وہ سب سے بڑھ کر ظالم اور شرارت کرنے والے تھے (کہ ساڑھے نو سو برس کی دعوت کے بعد بھی سیدھے راستہ پر نہ آئے) اور (لوط علیہ السلام کی قوم کی) الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا۔ پھر ان بستیوں کو گھیر لیا جس چیز نے کہ گھیر لیا (یعنی اوپر سے پتھر برسنا شروع ہوئے۔ لہٰذا اگر یہ شخص ان قصوں میں غور کرتا تو کفر کے برے نتیجہ سے ڈرتا۔ اور بے فکر نہ ہوتا۔ آگے ان سارے مضمونوں کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ اے انسان! جب ایسے ایسے مضمونوں سے تجھے خبردار کیا جاتا ہے جو ہدایت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ہر مضمون اپنے آپ میں اللہ کی ایک نعمت ہے) تو تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت میں شک (اور انکار) کرتا رہے گا؟ (اور ان مضمونوں کی تصدیق کر کے نفع نہ اٹھائے گا؟)

فائدہ: ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مضمون ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہیں چاہے ہر ایک میں یا ان کے مجموعہ میں خواہ تفصیل کے ساتھ اور ایک ایک جز کے طور پر چاہے مختصر اور کلی انداز میں۔ اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو جہاں سے مضمون صحیفوں سے خارج ہوگا، وہاں ﴿ أَنَّهُ ﴾ سے پہلے الأمر مان لیں گے، یعنی والأمر انه الخ اور مشرکوں پر ان

صحیفوں کا حجت ہونا اس معنی میں ہے کہ ان کا مضمون عقلی بھی ہے۔ اور ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کا ذکر خاص اس وجہ سے کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگوں میں ﴿ لَا تَزِرُ ﴾ الخ کے مضمون کے خلاف دستور جاری تھا جو کہ موقع ومحل کا اصل مقصود ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اس کو مٹانے کی کوشش کی اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کا اتباع کیا۔ اور گمراہ کرنے سے گناہ ہونا اور ثواب پہنچانے سے ثواب کا پہنچنا جو ظاہر میں آیت ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ترجمہ کی تقریر سے اس کا شک وشبہ دور ہو گیا۔ اور عاد کی تحقیق مع پہلے عاد کی تحقیق کے سورۃ الاعراف آیت ۶۵ سے ۷۲ کے درمیان میں گذر چکی ہے۔ اور عاد اولیٰ کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قدیم کے معنی میں حقیقت ہو۔ پس اس کے مقابلہ میں عاد اخری یعنی بعد والی قوم عاد کا ہونا ضروری نہ ہوگا، اور ﴿ فَمَآ اَبْقٰى ﴾ یا تو تمام ثمود کو عام ہے یا بڑے بڑے کافروں کے ساتھ خاص ہے۔

﴿ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ ﴾

ترجمہ: یہ بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں۔ وہ جلدی آنے والی چیز قریب آ پہنچی ہے، کوئی غیر اللہ اُس کا ہٹانے والا نہیں۔ سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے ہو، اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو، اور تم تکبر کرتے ہو۔ سو اللہ کی اطاعت کرو اور عبادت کرو۔

ربط: اوپر سورت میں توحید اور رسالت اور جزا وسزا کی تفصیل تھی۔ اب خاتمہ میں بھی تینوں مضمون مختصر انداز میں اور ملے جلے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

توحید ورسالت اور بعث تینوں مضمونوں کی تلخیص:

یہ (ڈرانے والے) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ایک ڈرانے والے ہیں (انہیں مان لو، کیونکہ) وہ جلدی آنے والی (گھڑی) قریب ہی آ پہنچی ہے (قیامت مراد ہے، اور جب وہ آئے گی تو) اللہ کے سوا کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں (لہٰذا جب کسی کے بھروسہ پر بےفکری کی گنجائش ہی نہیں) تو کیا (ایسی خوف کی باتیں سن کر بھی) تم لوگ (اللہ کے) اس کلام سے تعجب کرتے اور (مذاق اڑاتے ہوئے) ہنستے ہو اور (عذاب کے خوف سے) روتے نہیں ہو اور تم (اطاعت سے) تکبر کرتے ہو تو (اس گھمنڈ اور غفلت سے باز آؤ۔ اور ان رسول کی تعلیم کے مطابق) اللہ کی اطاعت کرو اور (کسی کو شریک کئے بغیر اس کی) عبادت کرو (تاکہ تمہیں نجات ہو)

فائدہ: ان آیتوں میں تینوں مضمونوں کا ہونا ترجمہ سے ظاہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
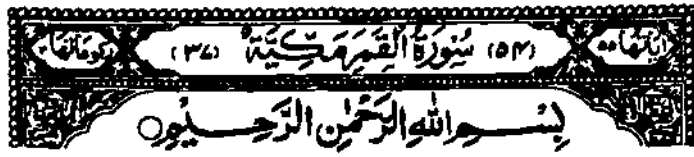
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَیْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِیْنَ اِلَى الدَّاعِ یَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند شق ہوگیا۔ اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے۔ اور ان لوگوں کے پاس خبریں اُتنی پہنچ چکی ہیں کہ اُن میں عبرت یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی ہے سو خوف لانے والی چیزیں اُن کو کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں تو آپ اُن کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجیے، جس روز ایک بلانے والا فرشتہ ایک ناگوار چیز کی طرف بلاوے گا اُن کی آنکھیں جھکی ہونگی قبروں سے اس طرح نکل رہے ہونگے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے، بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جارہے ہونگے۔ کافر کہتے ہونگے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔

ربط: گذشتہ سورت کے ختم پر ﴿ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴾ میں ڈرانے اور دھمکانے کے لئے قیامت کے قریب آجانے کا مضمون بیان کیا گیا تھا، اور اسی مضمون سے اسی غرض یعنی ڈرانے اور دھمکانے کے لئے یہ سورت شروع ہوئی ہے اور اس کے بعد شق القمر یعنی چاند کے پھٹنے کے واقعہ کا ذکر ہے جو کہ قیامت کے قریب ہونے کے ڈر اور دھمکی کو ثابت کرنے اور تاکید کرنے والا ہے۔ اور اس کے ساتھ جھٹلانے والوں کا نہ ڈرنا اور نہ ڈرنے پر آپ کی تسلی اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے کا ذکر ہے۔

ڈرنے کے بڑے بڑے اسباب سے بھی نہ ڈرنے والوں کے لئے وعید:

ان کافروں کے لئے ڈرانا اور دھمکانا تو اعلیٰ درجہ کا یقینی ہے چنانچہ) قیامت نزدیک آپہنچی (جس میں جھٹلانے کی وجہ

سے بڑی مصیبت آئے گی) اور (قیامت کے قریب ہونے کی خبر دینے کی تصدیق کرنے والا بھی واقع ہو گیا، چنانچہ) چاند پھٹ گیا، اور اس کا تصدیق کرنے والا ہونا اس طرح ہے کہ چاند کا پھٹنا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے اور نبی کا ہر قول سچا ہے لہٰذا آپ کا قیامت کے واقع ہونے کے قریب ہونے کی خبر دینا بھی سچ ہے، اس سے ڈرانے اور دھمکانے والے کا واقع ہونا یقینی ہو گیا) اور (اس کا تقاضا یہ تھا کہ) یہ لوگ (اس سے ڈرتے، لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے (یہ باطل سے کنایہ ہے کہ اس کا اثر اور باقی رہنا اعتبار کے قابل نہیں ہوتا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ (سورۂ سبا آیت ۴۹) اس کی تفسیر گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ مطلب یہ کہ قیامت سے ڈر جانا جس امر پر موقوف ہے یعنی محمد ﷺ کی نبوت کا عقیدہ۔ یہ لوگ خود اس کی دلیل ہی میں غور و فکر نہیں کرتے اور اس کو باطل سمجھتے ہیں، پھر کیا ڈرتے) اور (اس منہ پھیرنے اور معجزہ کے دعویٰ کو باطل قرار دینے میں خود) ان لوگوں نے (باطل پر اصرار کر کے حق کو) جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی (یعنی ان کا منہ پھیرنا، کسی صحیح دلیل کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس منہ پھیرنے کا سبب نفسانی خواہش کا اتباع اور عناد کے طور پر حق کا جھٹلانا ہے) اور (یہ جو معجزوں کو جادو اور ان کے اثر کے جلدی ہی جاتے رہنے کی بات کہتے ہیں تو قاعدہ ہے کہ ہر بات کو (کچھ دیر کے بعد) آخر ایک انجام پر پہنچ کر رہنا ہے (یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا عام طور پر اسباب و آثار سے متعین ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ واقع میں تو تعین اسی وقت ہے لیکن اگر کم سمجھ لوگوں کی سمجھ میں اب بھی نہیں آتا تو کچھ مدت کے بعد انہیں بھی ظاہر ہو سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ غور و فکر سے کام لیں، تو چند دن کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ فنا ہونے اور مٹنے والا جادو ہے یا ہمیشہ باقی رہنے والا حق ہے) اور (اس مذکورہ ڈرانے والے کے علاوہ جو دیر سے آنے والے عذاب و سزا کو بیان کرتا ہے) ان لوگوں کے پاس (تو گذشتہ امتوں کی بھی) خبریں (جو کہ جلدی ہی آنے والے عذاب و سزا کو بتانے والی ہیں) اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان سے (کافی) عبرت یعنی اعلیٰ درجہ کی سمجھ داری (حاصل ہو سکتی) ہے، تو (ان کی یہ حالت ہے کہ) خوف دلانے والی چیزیں انہیں کچھ فائدہ ہی نہیں دیتیں (اور جب یہ حال ہے) تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ تسلی ہے کہ جب وہ قیامت اور عذاب کا وقت آئے گا جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے تو خود معلوم ہو جائے گا۔ آگے اس دن کا بیان ہے، یعنی) جس دن (ایک بلانے والا فرشتہ (انہیں) ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔ ان کی آنکھیں (ذلت اور ہیبت کے مارے) جھکی ہوئی ہوں گی (اور) قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے، جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہیں (اور پھر نکل کر) بلانے والے کی طرف (یعنی حساب کے لئے ٹھہرنے کے مقام کی طرف جہاں جمع ہونے کے لئے بلانے والے نے پکارا ہے) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور وہاں کی سختیاں دیکھ کر) کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔

فائدہ: اور ایک آیت میں ﴿مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ (سورۂ ابراہیم آیت ۴۳) آیا ہے تو دونوں میں مطابقت یہ ہے کہ وہاں مختلف حالتیں ہوں گی، کبھی حیرت اور اس کے آثار کا غلبہ ہوگا اور کبھی ہیبت وذلت ہوگی، اور ان کے آثار کا غلبہ ہوگا۔

اور شق القمر یعنی چاند کے پھٹنے کے معجزہ کا ہونا اور واقع ہو چکنا صحیحین یعنی بخاری و مسلم اور حدیثوں کی دوسری کتابوں میں بہت سارے مختلف طریقوں سے علی، ابن مسعود، انس، ابن عباس، حذیفہ، جبیر بن مطعم اور ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایتوں سے آیا ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے تصریح کے ساتھ ان کا اس واقعہ کے وقت حاضر ہونا بھی بخاری میں ہے ہے: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى: یعنی ہم آپ کے ساتھ منیٰ میں تھے، اور بعض روایتوں میں جو مکہ میں ہونا آیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ واقعہ آپ کے مکہ کے زمانہ میں یعنی ہجرت سے پہلے واقع ہوا۔ اور صحیح روایتوں سے اس کا ایک ہی بار واقع ہونا ثابت ہے، اور بعض روایتوں میں مرتین یعنی دو مرتبہ واقع ہونا آیا ہے، اس کے معنی دو مرتبہ ٹکڑے ہیں یا وہ دیکھنے کے اعتبار سے ہے یعنی پہلی بار دیکھنے کے بعد نظر ہٹا کر پھر دیکھا تو اسی حالت میں پایا اور صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ ایک ٹکڑا پہاڑ پر تھا اور ایک ٹکڑا اس سے ہٹا ہوا تھا۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اشهدوا: یعنی گواہ رہو۔ اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ اس دن چاند پورا تھا، جس کو بدر کہتے ہیں، لیکن احقر کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ بدر کے قریب تھا، کیونکہ غالباً منیٰ میں حج کی وجہ سے اجتماع ہوا ہوگا۔ اور وہ وقت بدر یعنی چودھویں رات سے پہلے ہوتا ہے، اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ چاروں طرف سے آنے والوں سے پوچھا تو انھوں نے بھی بتایا کہ وہاں انھوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا، یہ ساری روایتیں روح المعانی میں ہیں۔ اور بعض نے بغیر کسی دلیل کے محض وہم کی وجہ سے سمجھ سے دور ہونے کی بات کہہ کر اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے تاویل کی ہے کہ یہ واقعہ قیامت میں ہوگا، لیکن سمجھ سے دور ہونا امکان کے خلاف نہیں ہے۔ اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا نہ ہونا اس لئے ہے کہ بعض جگہوں پر تو چاند کے نکلنے کے وقت کے مختلف ہونے کی وجہ سے نکلا ہی نہیں ہوگا، پھر یہ واقعہ تھوڑی دیر کے لئے ہی ہوا تھا۔ اور کوئی شخص چاند کو یا کسی بھی چیز کو ہر وقت تو تکتا نہیں رہتا، اور اس زمانہ میں تاریخ لکھنے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں تھا، پھر سمجھ سے دور ہونا تو قیامت میں بھی مشترک ہے، ایک کو ماننا اور دوسرے کو نہ ماننا زبردستی ہے۔ اور ماضی کا صیغہ اور ﴿اِنْ يَّرَوْا﴾ الخ واقع ہونے کی ترجیح دینے والا ہے، کیونکہ قیامت میں شق ہونے کے بعد اس کو کوئی جادو نہیں کہے گا، مگر اس تاویل کرنے والے کو بھی کافر نہیں کہنا چاہئے۔

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۝ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ۝ۖ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى

اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ۚ وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ۝ وَلَقَدۡ تَّرَکۡنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ۝ فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ۝﴾

ترجمہ: ان لوگوں سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندہ کی اور کہا کہ یہ مجنون ہے اور نوح کو دھمکی دی گئی تو نوح نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں، سو آپ انتقام لے لیجیے۔ پس ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کردیئے، پھر پانی اُس کام کے لئے مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا۔ اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں رواں تھی، سوار کیا یہ سب کچھ اُس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے رہنے دیا، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا؟ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِیۡهِ مُزۡدَجَرٌ ﴾ میں ڈرانے ودھمکانے والے کی خبر کا آنا بیان ہوا تھا۔ اب ڈرانے والوں کی بعض خبروں کا بیان ہے۔

نوح علیہ السلام کا قصہ:

ان لوگوں سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم نے جھٹلایا، یعنی ہمارے (خاص) بندہ (نوح علیہ السلام) کو جھٹلایا اور (ان کے بارے میں) کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (محض اس بے ہودہ قول پر ہی نہیں رکے بلکہ انھوں نے ایک بے ہودہ حرکت بھی کی، یعنی) نوح (علیہ السلام) کو (ان کی طرف سے) دھمکی (بھی) دی گئی (جس کا ذکر سورۃ الشعراء آیت ۱۱۶ میں ہے ﴿ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ یٰنُوۡحُ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ ﴾) تو نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں (بالکل) مغلوب ہو چکا ہوں (ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا) تو آپ (ان سے) انتقام لے لیجیے (یعنی انہیں ہلاک کردیجیے، جیسا کہ ان کا قول نقل فرمایا ہے ﴿ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴾ (سورۂ نوح آیت ۲۶) چنانچہ ہم نے کثرت سے برسنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کردیئے، پھر (آسمان اور زمین کا) پانی اس کام کے (پورا ہونے کے لئے) مل گیا جو (اللہ کے علم میں) تجویز ہو چکا تھا (اس کام سے مراد کافروں کی ہلاکت ہے، یعنی دونوں پانی مل کر طوفان بڑھا جس میں سب غرق ہوگئے) اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو (طوفان سے محفوظ رکھنے کے لئے) تختوں اور کیلوں والی کشتی پر جو کہ ہماری نگرانی میں (پانی کی سطح پر) چل

رہی تھی (مؤمنوں سمیت) سوار کیا، یہ سب کچھ اس شخص کا بدلا لینے کے لئے کیا جس کی بے قدری کی گئی تھی (اس سے نوح علیہ السلام مراد ہیں، اور چونکہ رسول اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، اس لئے اس میں اللہ کا کفر وانکار بھی آ گیا۔ لہٰذا یہ شبہ نہیں رہا کہ یہ لوگ اللہ کے کفر کے بدلہ میں غرق نہیں ہوئے تھے) اور ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے واسطے (حکایتوں اور تذکروں میں) رہنے دیا، تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترغیب مقصود ہے) پھر (دیکھو) میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا؟ یعنی جس چیز سے ڈرایا گیا تھا، وہ کیسا پورا ہو کر رہا۔ چنانچہ اس سے بھی عذاب ہی مراد ہے، لیکن یہ دو عنوانوں سے ہے ایک عذاب ہونا اور دوسرا اس کا مصداق وعدہ ہونا) اور ہم نے قرآن کو (جو کہ ایسے مذکورہ قصوں پر مشتمل ہے) (نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا (سب کے لئے عام طور پر بیان کے واضح ہونے کی وجہ سے اور عرب کے لئے خاص طور سے عربی زبان ہونے کی وجہ سے) تو کیا (اس قرآن میں نصیحت کے ایسے مضمون دیکھ کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ (یعنی مکہ کے کافروں کو خاص طور سے ان قصوں کے معلوم ہو جانے کے بعد ڈرنا چاہئے)

فائدہ: بعض لوگوں کو ﴿ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ ﴾ پر سرسری نظر ڈال لینے کے بعد مجتہد بننے کی ہوس پیدا ہوئی ہے، لیکن تیسیر للذکر یعنی نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کرنے سے تیسیر اللاستنباط یعنی استنباط یا اجتہاد کرنے کے لئے آسان کرنا لازم نہیں آتا۔ اس کا تو سیدھا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں ترغیب اور ڈرانے سے متعلق جو مضمون ہیں، وہ نہایت واضح ہیں اور استنباط کی وجہوں کا باریک اور مشکل ہونا تو خود ظاہر ہے۔

﴿ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِیْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾

ع ۲۲

ترجمہ: عاد نے تکذیب کی سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے اُن پر ایک ہوائے تُند بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں، وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

عاد کا قصہ:

عاد نے (بھی اپنے رسول کو) جھٹلایا تو (اس کا قصہ سنو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (اور وہ قصہ یہ ہے کہ) ہم نے ان پر ایک تیز ہوا بھیجی، ایک ہمیشہ کی نحوست کے دن میں (یعنی وہ زمانہ ان کے حق میں ہمیشہ کے لئے منحوس رہا کہ اس

دن جو عذاب آیا وہ برزخ کے عذاب سے مل گیا۔ پھر کافروں کے لئے عذاب کبھی ختم نہیں ہوگا، اور) وہ ہوا لوگوں کو اس طرح (ان کی جگہ سے) اکھاڑ اکھاڑ پھینکتی تھی کہ جیسے وہ اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہیں (اس تشبیہ میں اشارہ ان کے پھینکے جانے کے علاوہ ان کی لمبائی اور بھاری بھر کم ہونے کی طرف بھی ہے) تو (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا (ہولناک) ہوا اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے)

فائدہ: یوم سے مراد مطلق زمانہ ہے، لہٰذا سورۃ حم السجدہ آیت ۱۶ میں جو ﴿ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ ﴾ آیا ہے، اس سے ٹکراؤ نہیں ہے اور نحوست کی تحقیق سورۃ الصافات میں ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں گذری ہے۔ اور جملہ ﴿ فَکَیْفَ کَانَ ﴾ الخ اور ﴿ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا ﴾ الخ کئی قصوں میں آیا ہے جس میں تنبیہ ہے کہ ہر قصہ مستقل طور پر غور وفکر اور نصیحت حاصل کرنے کے قابل ہے اور عاد کے قصہ میں جو دو جگہ ﴿ فَکَیْفَ کَانَ ﴾ الخ آیا ہے ان میں سے پہلے سے قصہ کی تمہید اور سننے والوں کو متوجہ کرنا مقصود ہے۔ اور دوسرے سے عذاب کا ہولناکی بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے، لہٰذا تکرار نہیں رہی۔

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اور کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور جنون میں پڑ جاویں۔ کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ ان کو عنقریب معلوم ہو جاوے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا، ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں اُن کی آزمائش کے لئے سو اُن کو دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا، اور ان لوگوں کو یہ بتلاؤ کہ پانی بانٹ دیا گیا ہے، ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے۔ سو انھوں نے اپنے رفیق کو بُلایا سو اُس نے وار کیا اور مار ڈالا۔ سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے اُن پر ایک ہی نعرہ مسلط کیا سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے کا چورا۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

ثمود کا قصہ:

ثمود نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا (کیونکہ ایک نبی یا رسول کو جھٹلانے کا مطلب سارے رسولوں کو جھٹلانا ہے) اور کہنے

لگے: کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں جو ہم میں سے ہی ہے اور (طاقت و دبدبہ اور خادموں ولاؤلشکر کے لحاظ سے) اکیلا ہے (یعنی یا تو فرشتہ ہوتا تو ہم دین میں اتباع کرتے یا طاقت و دبدبہ اور خادموں اور لاؤلشکر والا ہوتا تو دنیاوی معاملوں میں اتباع کرتے۔ اب جب کہ انسان ہے اور اکیلا ہے تو نہ دنیا میں اتباع کا کوئی امر تقاضا کرتا ہے نہ دین میں اتباع کا۔ اور اگر ہم اس حالت میں اتباع کریں) تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور (بلکہ) جنون میں پڑ جائیں گے، کیا ہم سب میں سے (چن کر) اسی (شخص) پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (ہرگز ایسا نہیں) بلکہ یہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے (شیخی کے مارے ایسی بڑائی کی باتیں کرتا ہے کہ لوگ مجھے سردار قرار دے لیں، حق تعالیٰ نے صالح علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں بکنے دو، ان کی باتوں پر رنج مت کرو) انہیں جلدی ہی (مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شیخی باز کون تھا (یعنی یہی لوگ تھے کہ نبوت کے انکار میں جھوٹے تھے۔ اور نبی کا اتباع کرنے سے شیخی کی وجہ سے شرم و عار محسوس کرتے تھے۔ اور یہ لوگ جو اونٹنی کا معجزہ طلب کرتے تھے تو) ہم ان کی (ایمان) کی آزمائش کے لئے (ان کی درخواست کے مطابق پتھر میں سے) اونٹنی کو نکالنے والے ہیں تو ان (کی حرکتوں) کو دیکھتے رہو اور صبر کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اور ان لوگوں کو (جب اونٹنی پیدا ہو تو) یہ بتا دینا کہ (کنویں کا) پانی بانٹ دیا گیا ہے (یعنی تمہارے مویشیوں اور اونٹنی کی باری مقرر ہو گئی ہے) ہر ایک اپنی باری پر آیا کرے (یعنی اونٹنی اپنی باری میں پانی پیئے اور مویشی اپنی باری میں۔ چنانچہ اونٹنی پیدا ہوئی اور صالح علیہ السلام نے اسی طرح فرما دیا) (تو (اس باری سے وہ لوگ تنگ آ گئے اور) انھوں نے (اسے قتل کرنے کی غرض سے اپنے آدمی (قدار) کو بلایا تو اس نے (اونٹنی پر) وار کیا اور (اس کو) مار ڈالا (دیکھو) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (جس کا بیان آگے آتا ہے۔ وہ یہ کہ) ہم نے ان پر ایک ہی دھماکا چھوڑا تو وہ (اس سے) ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑھ لگانے والے (کی باڑھ) کا چورا (یعنی جیسے کھیت یا مویشیوں وغیرہ کی حفاظت کے لئے کانٹوں وغیرہ کی باڑھ لگا دیتے ہیں اور چند دن بعد سب چورا چورا ہو جاتا ہے، اس طرح وہ ہلاک و تباہ ہو گئے، یہاں جس باڑھے سے تشبیہ دی گئی ہے، عرب کے لوگ اس کو رات دن دیکھتے تھے اور اس تشبیہ کو خوب سمجھتے تھے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

فائدہ: سورۂ اعراف میں ثمود کے قصہ میں پورا قصہ گذر چکا ہے۔

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ ع ۹

ترجمہ: قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسایا۔ بجز متعلقین لوط کے کہ اُن کو اخیر شب میں بچالیا، اپنی جانب سے فضل کر کے۔ جو شکر کرتا ہے ہم اُس کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اور لوط نے اُن کو ہماری دارو گیر سے ڈرایا تھا سو انھوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے اور اُن لوگوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو بارادۂ بد لینا چاہا سو ہم نے اُن کی آنکھیں چوپٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور صبح سویرے ہی اُن پر عذاب دائمی آ پہنچا، کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ:

لوط کی قوم نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا (کیونکہ ایک نبی کو جھٹلانے سے سب کا جھٹلانا لازم آ گیا) ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی، سوائے لوط (علیہ السلام) کے گھر والوں کے (یعنی سوائے مؤمنوں کے) کہ انہیں اپنے فضل سے رات کے پچھلے پہر میں (بستی سے باہر کر کے عذاب سے) بچالیا جو شکر ادا کرتا ہے (یعنی ایمان لاتا ہے) ہم اس کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں (کہ قہر و عذاب سے بچالیتے ہیں) اور (عذاب کے آنے سے پہلے) لوط (علیہ السلام) نے انہیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تھا تو انھوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے (یعنی یقین نہ لائے) اور (جب لوط علیہ السلام کے پاس ہمارے فرشتے مہمانوں کی شکل میں آئے اور ان لوگوں کو خوبصورت لڑکوں کا آنا معلوم ہوا تو یہاں آ کر) ان لوگوں نے لوط (علیہ السلام) سے ان کے مہمانوں کو برے ارادے سے لینا چاہا (جس کی وجہ سے لوط علیہ السلام پہلے گھبرائے، مگر وہ فرشتے تھے) تو ہم نے (ان فرشتوں کو حکم دے کر) ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر اپنا پَر پھیر دیا جس سے وہ اندھے بھٹ ہو گئے، جیسا کہ الدر المنثور میں قتادہؒ سے روایت ہے اور حال یا قول کی زبان سے ان سے کہا گیا) کہ لو میرے عذاب کا اور ڈرانے کا مزا چکھو (یہ واقعہ تو اس وقت ہوا) اور (پھر) صبح سویرے ہی ان پر ہمیشہ کا عذاب آ پہنچا (اور ارشاد ہوا) کہ لو میرے عذاب کا اور ڈرانے کا مزہ چکھو (یہ پہلے چہرے بگاڑ دینے اور اندھے کر دینے پر کہا گیا تھا اور پھر یہاں ہلاکت کے عذاب پر، لہٰذا تکرار نہیں ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

﴿ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں۔ اُن لوگوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے اُن کو زبردست صاحب قدرت کا پکڑنا پکڑا۔

فرعون اور اس کی قوم کا قصہ:

اور (فرعون اور) فرعون والوں کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں پہنچیں (اس سے موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات اور معجزے مراد ہیں، کہ پہلے یعنی ارشاد شریعت کے طور پر ڈرانے والے ہیں اور پھر دوسرے یعنی معجزے تکوین کے طور پر ڈرانے والے ہیں، مگر) ان لوگوں نے ہماری (ان) تمام نشانیوں کو جھٹلایا (جو ان کے پاس آئی تھیں جو نو نشانیوں کے نام سے مشہور ہیں) اور جن پر ان سے دلالت ہوتی تھی اور جو ان کے تقاضے تھے، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو جھٹلایا، ورنہ جو واقعات ہوئے ان کو تو جھٹلایا نہیں جاسکتا) تو ہم نے انہیں زبردست پکڑنے والے کا پکڑنا پکڑا (یعنی جب ہم نے انہیں قہر اور غلبہ سے پکڑا تو اس پکڑ سے کوئی چھڑا نہیں سکا اور ہمارے عذاب کو کوئی دور نہیں کرسکا۔ چنانچہ ﴿عَزِیْزٍ﴾ یعنی زبردست اور ﴿مُّقْتَدِرٍ﴾ یعنی قدرت والے اور اقتدار والے سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔

﴿ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا تم میں جو کافر ہیں اُن میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی معافی ہے۔ یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے۔ عنقریب یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت اُن کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔ یہ مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں ہیں۔ جس روز یہ لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جاویں گے تو اُن سے کہا جاوے گا کہ دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز کو انداز سے پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا حکم بس ایسا ایک بارگی ہو جاوے گا جیسے آنکھ کا جھپکانا۔ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمال ناموں میں ہیں۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے۔ پرہیزگار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہونگے۔ ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

ربط: اوپر عقوبت یعنی عذاب وسزا میں گرفتار ہونے والوں کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ اب خاتمہ میں علت میں مشترک ہونے کی وجہ سے مکہ کے کافروں کا دنیا کی اور آخرت کی عقوبتوں کا مستحق ہونا اور اس مضمون سے متعلق پہلی چیزوں اور اس کو پورا کرنے والی چیزوں کو بیان فرمایا جارہا ہے۔ اور آخر میں مقابلہ کے طور پر متقیوں کو مختصر انداز میں خوش خبریاں بھی دی گئی ہیں۔

کافروں کو عذاب وسزا سے دھمکانا اور نیک لوگوں کو ثواب کی خوش خبری دینا:

کافروں کے یہ قصے اور کفر کے سبب سے ان کے عقوبت میں مبتلا ہونے کے قصے تو تم نے سن لئے اب جب کہ تم بھی یہی کفر کا جرم کررہے ہو تو تم پر عقوبت نہ ہونے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ کیا تم میں جو کافر ہیں (اور چونکہ مخاطب کافر ہیں تو سبھی کافر ہیں) وہ ان (مذکورہ) لوگوں سے بہتر ہیں (جس کی وجہ سے یہ جرم کرنے کے باوجود سزا نہ پائیں) یا تمہارے لئے (آسمانی) کتابوں میں کوئی معافی (لکھی) ہے (چاہے کوئی فضیلت نہ ہو) یا (ان میں کوئی عذاب کو دور کرنے والی قوت ہے، جیسا کہ) یہ لوگ (یقینی طور پر مغلوب ہونے کی دلیلوں کے جمع ہونے کے باوجود) کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہیں گے (اور مغلوب ہونے کی دلیلوں کے بعد ایسی بات کہنے کے لئے لازم ہے کہ ان کے پاس عذاب کو دور کرنے والی کوئی قوت ہے۔ لہٰذا ان تینوں امور میں سے کونسا امر واقع ہونے والا اور عذاب کو روکنے والا ہے، تو پہلے دو امور کا باطل ہونا تو ظاہر وباہر ہے۔ رہا تیسرا امر تو عام اسباب کے اعتبار سے خارجی دلیلوں کو الگ رکھتے ہوئے چاہے اپنے آپ میں ممکن ہے، مگر دلیلوں کی دلالت سے یہ واقع نہ ہوگا بلکہ اس کے برعکس واقع ہوگا۔ جس سے ان کا جھوٹ ظاہر ہوجائے گا۔ اور اس کے برعکس وہ اس طرح واقع ہوگا کہ جلدی ہی (ان کی) یہ جماعت شکست کھائے گی، اور (وہ لوگ) پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور (یہ پیشین گوئی بدر اور احزاب وغیرہ میں واقع ہوئی اور یہی نہیں کہ اس دنیاوی عقوبت پر بس ہوکر رہ جائے گا) بلکہ (عذاب اکبر یعنی بڑا عذاب) قیامت (میں ہوگا کہ) ان کا (اصل) وعدہ (وہی) ہے اور قیامت (کو کوئی ہلکی چیز نہ سمجھو، بلکہ وہ) بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے (اور یہ چیز جس کا وعدہ کیا گیا ہے سخت اور ناگوار چیز ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اور اس کے واقع ہونے کے انکار میں) یہ مجرم (یعنی کافر) لوگ بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے) ہیں (اور وہ غلطی انہیں جلدی ہی ظاہر ہوجائے گی، جب علم الیقین عین الیقین میں بدل جائے گا، اور وہ اس طرح ہوگا کہ) جس دن یہ لوگ اپنے منہ کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کے لگنے کا مزا چکھو (اور اگر انہیں اس بارے میں شبہ ہو کہ وہ ابھی کیوں نہیں واقع ہوتی؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہم نے ہر چیز کو (زمانہ وغیرہ کے اعتبار سے ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے (جو ہمارے علم میں ہے یعنی اس کا زمانہ وغیرہ اپنے علم میں معین ومقدر کیا ہے۔ اس طرح

قیامت کے واقع ہونے کے لئے بھی ایک وقت معین ہے، لہٰذا اس کا اس وقت واقع نہ ہونا، اس کا وقت نہ آنے کی وجہ سے ہے، اس سے مطلق واقع نہ ہونا لازم نہیں آتا) اور (جب اس کا وقت آجائے گا، تو اس وقت) ہمارا حکم (اس کے واقع ہونے سے متعلق) بس ایک ہی بار ہو جائے گا، جیسے آنکھ کا جھپکانا (غرض واقع ہونے کی نفی تو باطل ٹھہری) اور (اگر تمہیں یہ شبہ ہو کہ ہمارا طریقہ اللہ کو ناپسند نہیں ہے تو اگر قیامت واقع بھی ہو تب بھی ہمیں نقصان نہیں اور وہ واقع ہونا ہمارے اوپر واقع نہیں تو اس بارے میں سن رکھو کہ) ہم تمہارے جیسے طریقے والے لوگوں کو (اپنے عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں (جو اس طریقہ کے ناپسند ہونے کی دلیل ہے اور وہی تمہارا طریقہ ہے، لہٰذا یقینی طور پر ناپسند ہے، اور یہ دلیل نہایت واضح ہے) تو کیا (اس دلیل سے) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (یعنی اس دلیل سے کفر کے طریقہ کے ناپسند ہونے پر استدلال کرو) اور (یہ بھی نہیں ہے کہ ان کے اعمال اللہ کے علم سے غائب رہ جائیں تاکہ کفر کے طریقہ کو ناپسند ہونے کے باوجود پھر بھی سزا سے بچنے کا احتمال ہو۔ بلکہ) جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں، سب (حق تعالیٰ کو معلوم ہے اور حجت پوری کرنے کے لئے) اعمال ناموں میں (بھی لکھا ہوا) ہے اور (یہ نہیں کہ کچھ لکھ لیا گیا ہو، کچھ رہ گیا ہو، بلکہ) ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے (لہٰذا عذاب کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ یہ تو کافروں کا حال ہوا، اور جو) پرہیزگار لوگ (ہیں، وہ جنت کے) باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ ایک عمدہ مقام میں بڑے اقتدار و (قدرت) والے بادشاہ کے پاس (یعنی جنت کے ساتھ اللہ کا قرب بھی ہوگا)

﴿الحمدللہ! سورۂ قمر کی تفسیر پوری ہوئی، اب عروس القرآن (قرآن کی دلہن یعنی زینت) سورۂ رحمٰن کی تفسیر آتی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ﴾

(۵۵) سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ (۹۷) — اٰيَاتُهَا — رُكُوْعَاتُهَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
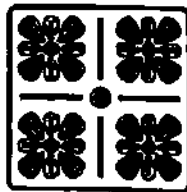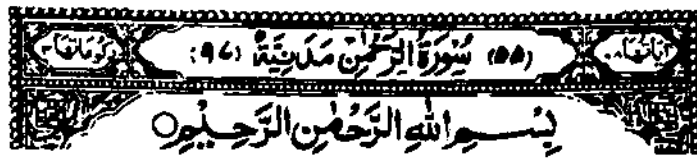
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں زیادہ مضمون عذاب وسزا کا تھا، اگر چہ ان کے ہدایت کے اسباب ہونے کی حیثیت سے وہ معنی اور حکم کے اعتبار سے نعمتیں بھی ہوں۔ اور شروع اور آخر میں کچھ مضمون نعمتوں کا بھی تھا۔ اور اس سورت میں زیادہ مضمون نعمتوں کا ہے کچھ دنیا کی نعمتوں کا اور کچھ آخرت کی نعمتوں کا اور درمیان میں کچھ مضمون عذاب وسزا کا بھی ہے، اگر چہ مذکورہ حیثیت سے وہ بھی نعمتیں ہیں۔ اور اسی بنا پر نعمتوں کی طرح ان عذاب وسزا کے بعد بھی ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ تو اے جنو! اور انسانو! تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کرتے رہو گے؟ کو مضمون کی وضاحت کے لئے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے اور چونکہ ہر جگہ ﴿ اٰلَآءِ ﴾ کا مصداق جدا ہے اس لئے یہ خالی تکرار نہیں ہے، محض الفاظ کی شرکت ہے اور ایسی تکرار کو جہاں دوسری بار آنے والے کا متعلق پہلے سے الگ اور غیر ہو، اتقان میں اصطلاح میں تردید بتایا ہے اور ظاہری تکرار کی وجہ سے اس میں تاکید کا بھی فائدہ ہے، اور اس قسم کی تکرار جو ہر بار نیا لطف ومزہ دیتی ہے، عربوں ہی کے نہیں غیر عربوں کے کلام میں بھی نثر میں بھی اور نظم میں بھی کثرت سے استعمال ہے، جس کو کوئی برا یا غلط نہیں کہتا۔ چنانچہ نمونہ کے لئے ایک نثر اور ایک نظم نقل کی جاتی ہے۔

نثر: ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے:

ألم أحسن إليک بأن خولتک في الأموال ، ألم أحسن إليک بأن فعلت بک كذا وكذا

عربی نظم: مہلہل شاعر کلیب کے مرثیہ میں کہتا ہے:

على أن ليس عدلا من كليب ❁ إذا ما ضيم جيران المجير

على أن ليس عدلا من كليب ❁ إذا رجف العضاه من الدبور

على أن ليس عدلا من كليب ❁ إذا خرجت مخبأة الخدور

على أن ليس عدلا من كليب ❁ إذا ما أعلنت نجوى الأمور

على أن ليس عدلا من كليب ❁ إذا خيف المخوف من الثغور

على أن ليس عدلا من كليب ❁ غداة تألل الأمر الكبير
على أن ليس عدلا من كليب ❁ إذا ما خار جاش المستجير

اور فارسی اور اردو کی نظموں میں اس کی کثرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، لہٰذا پہلے دنیا میں عطا کی جانے والی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں کہ ان میں کچھ ظاہری اور جسمانی اور کچھ باطنی اور روحانی نعمتیں ہیں، شروع میں یہی مضمون ہے۔ پھر آخرت کے عذاب وسزا کا ذکر کیا جائے گا کہ تمہید میں مذکور حیثیت سے معنی کے لحاظ سے وہ بھی نعمتیں ہیں، پھر آخرت کی نعمتوں کا ذکر ہوگا جو کہ صورت اور معنی دونوں حیثیتوں سے نعمتیں ہیں۔ اور سورت کے ختم تک یہی مضمون ہے۔

﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ﴾ ع ۱۱

ترجمہ: رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اُس نے انسانوں کو پیدا کیا، اُس کو گویائی سکھلائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ ہیں، اور بے تنہ کے درخت اور تنہ دار درخت دونوں مطیع ہیں۔ اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اُسی نے ترازو رکھ دی، تا کہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔ اور اُسی نے خلقت کے واسطے زمین کو رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے اور غلہ ہے جس میں بھوسہ ہوتا ہے اور غذا کی چیز ہے، سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُسی نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی پیدا کیا، اور جنات کو خالص آگ سے پیدا کیا، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں، اُن دونوں کے درمیان میں ایک حجاب ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن دونوں سے موتی اور

موتگا برآمد ہوتا ہے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اور اُسی کے ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

دنیا میں عطا کی جانے والی جسمانی اور روحانی نعمتیں:

رحمٰن (کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک روحانی نعمت یہ ہے کہ اسی) نے (اپنے بندوں کو) قرآن (کے احکام) کی تعلیم دی (یعنی قرآن نازل کیا تاکہ اس کے بندے اس پر ایمان لاکر اس کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل کرکے نفع حاصل کریں، اور اس کی ایک جسمانی نعمت کہ اس پر روحانی نعمت موقوف ہے، یہ ہے کہ) اسی نے انسان کو پیدا کیا (اور پھر) اسے بولنا سکھایا (جس پر ہزاروں نفعے ملتے ہیں، انہی میں سے ایک قرآن کا دوسرے کی زبان سے پہنچنا اور دوسروں کو پہنچانا ہے۔ اور ایک جسمانی و آفاقی نعمت یہ ہے کہ اس کے حکم سے) سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور بغیر تنے کے درخت اور تنے دار درخت دونوں (اللہ کی) اطاعت کرنے والے ہیں (سورج اور چاند کا چلنا تو اس لئے نعمت ہے کہ اس کے ذریعہ رات اور دن، اور گرمی اور سردی اور تاریخوں اور مہینوں کی گنتی ہوتی ہے۔ اور ان کے نفعے وفائدے ظاہر ہیں، اور نجم اور شجر بغیر تنے کے درخت اور تنے دار درخت اس لئے نعمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں نفعوں کی قدرت رکھتا ہے اور وہ تکوینی سجدہ یا تسخیری اطاعت سے ان نفعوں کی قدرت کو قبول کرتے ہیں، پھر وہ نفعے کام آتے ہیں) اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے آسمان کو اونچا کیا (جس سے آسمان سے متعلق دوسرے نفعے کے علاوہ بڑا فائدہ: بنانے والے پر دلالت ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ) اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے (دنیا میں) ترازو قائم کردی، تاکہ تم تولنے میں کمی زیادتی نہ کرو اور (جب یہ ایسے بڑے فائدہ کے لئے بنائی گئی اور قائم کی گئی ہے کہ وہ حقوق ادا کرنے اور حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جس سے ہزاروں ظاہری اور باطنی برائیاں اور بگاڑ دور ہوتے ہیں تو تم اس نعمت کا خاص طور سے شکر ادا کرو، اور اس شکریہ میں سے یہ بھی ہے کہ) انصاف (اور حق پہنچانے) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔ اور (ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے مخلوق کے (فائدہ کے) واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، جن (کے پھل) پر غلاف (چڑھا) ہوتا ہے اور (اس میں) غلہ ہے، جس میں بھوسا (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں) اور غذا کی چیز (بھی) ہے (جیسے بہت سی ترکاریاں وغیرہ) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود کہ جن میں سے مذکورہ نعمتیں بھی ہیں) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (یعنی انکار کرنا بڑی ہٹ دھرمی اور واضح وظاہر بلکہ محسوس چیزوں کا انکار ہے۔

اور ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے انسان (کی پہلی اصل یعنی آدم علیہ السلام) کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح (کھن کھن) بجتی تھی پیدا کیا (جس کا چند آیتوں سے اوپر مختصر انداز میں ذکر آچکا ہے) اور جنوں (کی پہلی اصل) کو خالص

آگ سے (جس میں دھواں نہیں تھا) پیدا کیا (اور پھر دونوں نوعوں میں اولاد کے پیدا ہونے کے ذریعہ سے نسل چلی، اس کی شرح سورۃ الحجر آیت ۲۷ میں آچکی ہے) تو اے جنو! اور انسانو! اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟ (اس کی مراد اوپر گذری ہے۔

اور) وہ دونوں مشرق اور دونوں مغرب کا (حقیقی) مالک ہے (اس سے سورج اور چاند کے نکلنے اور غروب ہونے کے کنارے مراد ہیں، اس میں نعمت ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ رات اور دن کے شروع اور ختم کے ساتھ بہت سی غرضیں متعلق ہیں) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور ایک نعمت یہ ہے کہ) اسی نے دو دریاؤں کو (صورت کے لحاظ سے) ملایا کہ (ظاہر میں آپس میں ملے ہوئے ہیں (اور حقیقت میں) ان دونوں کے درمیان میں ایک (قدرتی) حجاب ہے کہ (اس کی وجہ سے) دونوں (اپنے اپنے موقع سے) بڑھ نہیں سکتے (جس کی شرح سورۂ فرقان آیت ۵۳ میں گذری ہے اور نمکین یا کھاری اور میٹھے پانی کے نفعے بھی ظاہر ہیں اور دونوں کے ملنے میں استدلال کی نعمت بھی ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور دو دریاؤں سے متعلق ایک نعمت یہ ہے کہ) ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں (موتی اور مونگے کے نفعے اور نعمت کی وجہ ہونا ظاہر ہے اور جو لوگ ان کے نکلنے کو نمکین یا کھاری دریا کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک منهما کے معنی من مجموعهما دونوں کا مجموعہ ہوں گے اور اس کی نظیر وہ ہے جو النیسابوری میں ہے: قولک خرجت من البلاد ولم تخرج إلا من محلة بل من دار: یعنی تم کہتے ہو کہ میں شہر سے نکلا حالانکہ تم صرف ایک محلہ بلکہ ایک گھر ہی سے نکلے اور اس تعبیر میں یہ نکتہ ہوگا کہ ملنے کی وجہ سے دونوں ایک کی طرح ہوگئے، اور پھر بھی حصر مقصود نہ ہوگا، کیونکہ ﴿الْتَقَيَا﴾ یعنی ملنا نکلنے کی شرط نہیں ہے، بلکہ موتی اور مونگا کے نکلنے کی جگہوں میں سے ایک جگہ کا بتانا مقصود ہے جس میں ایک عجیب صفت ملنے کی بھی پائی جاتی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا﴾ اور جیسا کہ ارشاد ہے ﴿جَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا﴾) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

اور (ایک نعمت یہ ہے کہ یہ جہاز) اسی کے (اختیار اور ملکیت میں) ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے (نظر آتے) ہیں (ان کا نفع بھی ظاہر بلکہ پوری طرح اور اچھی طرح ظاہر ہے) تو اے جنو! اور انسانو! اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

فائدہ: ﴿تُكَذِّبَانِ﴾ میں جنوں اور انسانوں کو خطاب ہونا ان دلیلوں سے ہے ارشاد ہے ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ﴾

﴿ وَخَلَقَ الْجَآنَّ ﴾ اور دوسری جگہ ہے ﴿ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴾ اور آگے ہے ﴿ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴾ اور موجودہ زمانہ میں پائے جانے والے فلسفہ کا یہ دعویٰ ثابت ہو جائے کہ سورج کے اردگرد زمین گھوم رہی ہے اور زمین کے اردگرد چاند تو ﴿ بِحُسْبَانٍ ﴾ کی اس پر مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ سورج کا مدار ہونا اور چاند کا دائرہ ہونا حساب سے ہے۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۞ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ ﴾ ع ۱۲

ترجمہ: جتنے روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جاویں گے۔ اور آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جاوے گی، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُسی سے سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے جن وانس ہم عنقریب تمہارے لئے خالی ہوئے جاتے ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اے گروہ جن اور انسانوں کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ، تو نکلو، بدوں زور کے نہیں نکل سکتے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جاوے گا، پھر تم ہٹا نہ سکو گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ غرض جب آسمان پھٹ جاوے گا اور ایسا سرخ ہو جاوے گا جیسے سُرخ نری، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ تو اُس روز کسی انسان اور جن سے اُس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جاوے گا، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جاویں گے، سو سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جاویں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ یہ ہے وہ

جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہونگے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟

ربط: اوپر دنیاوی نعمتوں کی صورتوں کا ذکر تھا۔ اب صورت میں عذاب وسزا کا ذکر ہے کہ تمہید میں مذکورہ حیثیت کے مطابق آخرت کی معنوی نعمتیں ہیں۔ اور وہ سب قیامت کی ہولناکیاں ہیں۔ اور فنا کا مضمون شروع میں تمہید کے طور پر اور سوال اور شان کا مضمون جلال واکرام کے مضمون کے تابع تاکید کے طور پر ہے، اور اس کو اپنے پہلے والے مضمون سے خاص ربط یہ بھی ہے کہ اوپر دنیاوی نعمتوں کا ذکر تھا جس کا تقاضا شکر واطاعت اور ایمان کا واجب ہونا، اور کفر ومعصیت اور بغاوت کا حرام ہونا ہے، اور بعض اس تقاضے پر عمل کرنے والے ہیں اور بعض عمل نہ کرنے والے ہیں۔ اس لئے دونوں فریقوں کا انجام کہ جہنم اور جنت ہے بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ﴾ الخ تک عقوبتوں کا اور وہاں سے آخر تک ثوابوں کا ذکر ہے۔

قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانا:

جتنی نعمتیں تم لوگوں نے سنی ہیں تمہیں توحید اور اطاعت کو اختیار کر کے ان کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور کفر اور معصیت کی راہ اختیار کر کے ان کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد ایک دوسرا عالم ہے، جہاں ایمان اور کفر پر جزا وسزا واقع ہوگی، جن کا بیان اگلی آیتوں کے ضمن میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) زمین کے اوپر جتنے بھی (جن وانسان) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور (صرف) آپ کے رب کی ذات جو کہ (عظمت) بڑائی (والی) اور (بڑائی کے باوجود) احسان والی ہے باقی رہ جائے گی (چونکہ ﴿ الثَّقَلٰنِ ﴾ یعنی جنوں اور انسانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے اور وہ سب زمین والے ہیں، اس لئے فنا میں زمین والوں کا ذکر کیا گیا۔ ذکر میں ان کی تخصیص سے زمین والوں کے علاوہ کے فنا ہونے کی نفی لازم نہیں آتی، اور دو صفتیں اس لئے لائے کہ ایک صفت ذاتی اور دوسری اضافی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اکثر عظمت والے دوسروں کے حال پر توجہ نہیں کرتے، مگر حق تعالیٰ اس عظمت کے باوجود اپنے بندوں پر رحمت وفضل فرماتے ہیں، اور چونکہ اس مضمون کی خبر دینا ہدایت کا سبب ہے جو کہ آخرت کی نعمت ہے اس لئے اس پر بھی دوسری نعمتوں کی طرح احسان ظاہر فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کی کثیر نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کر دو گے؟

(آگے ایک خاص انداز میں اس کی عظمت اور اکرام سے متعلق مضمون ہے یعنی وہ ایسا عظمت والا ہے کہ) اسی سے سب آسمانوں اور زمین والے (اپنی اپنی) حاجتیں مانگتے ہیں (زمین والوں کی حاجتیں تو ظاہر ہیں اور آسمان والے چاہے کھانے پینے کے محتاج نہ ہوں، لیکن وہ عنایت کے تو محتاج ہیں، اور اس کا عظمت پر دلالت کرنا ظاہر ہے کیونکہ یہ اس کی

طرف محتاج ہونے کی دلیل ہے اور کسی کی طرف بھی محتاج ہونا اس کی عظمت پر موقوف ہے اور اکرام والا ہونا اس سے ظاہر ہے کہ) وہ ہر وقت نئی شان (یعنی کسی نہ کسی کام) میں رہتا ہے (اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ افعال کا صادر ہونا اس کی ذات کے لازمی امور سے ہے، ورنہ حادث کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا بھر میں جتنے بھی تصرفات واقع ہو رہے ہیں وہ سب اسی کے تصرفات ہیں، لہٰذا ان تصرفات میں وہ تصرفات بھی آگئے جو اکرام واحسان اور فضل پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے ایجاد اور باقی رکھنا کہ عام رحمت ہے اور رزق وعافیت اور اولاد عطا کرنا کہ سب دنیاوی رحمتیں ہیں اور ہدایت اور علم اور عمل کی توفیق عطا کرنا کہ دینی رحمتیں ہیں، لہٰذا عظمت کے باوجود ایسا اکرام واحسان فرمانا یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(خالق کی بقا سے متعلق جلال واکرام کا یہ مضمون بیان فرمانے کے بعد آگے پھر مخلوق کی فنا سے متعلق ارشاد ہے کہ تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ فنا ہوکر پھر وہ ہمیشہ فنا ہی رہے گا، اور عذاب وثواب نہ ہوگا، بلکہ ہم تمہیں دوبارہ زندہ کریں گے، اور جزا وسزا دیں گے۔ اسی کو اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے جنو! اور انسانو! ہم جلدی ہی تمہارے (حساب وکتاب کے) لئے خالی ہوئے جاتے ہیں (یعنی حساب وکتاب لینے والے ہیں، مجاز اور مبالغہ کے طور پر اس کو خالی ہونے سے تعبیر فرمادیا، اور مبالغہ اس طرح ہے کہ سب کاموں سے خالی ہوکر کسی طرف متوجہ ہونا یہ پوری توجہ ہے، لہٰذا یہ قصد وارادہ اور پوری توجہ سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ کا قصد ہمیشہ تمام وپورا ہی ہوتا ہے اور حقیقی معنی اس لئے نہیں ہوسکتے کہ اس کے لئے یہ لازم ہے کہ اس سے پہلے ایسی مشغولیت ہو جو دوسری طرف متوجہ ہونے سے رکاوٹ بن جائے، اور یہ امر اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے۔ اور پہلے کی طرح آگے ارشاد ہے کہ حساب کتاب کی خبر دینا بھی ایک عظیم نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

آگے حساب کے واقع ہونے کی تاکید کے لئے یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت یہ بھی احتمال نہیں کہ کوئی کہیں بچ کر نکل جائے، چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے جنوں اور انسانوں کے گروہو! اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدوں سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکل جاؤ (مگر) بغیر زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں تو نکلنے کا بھی احتمال نہیں اور بالکل یہی حالت قیامت میں ہوگی، بلکہ وہاں تو یہاں سے بھی زیادہ بے بسی ہوگی۔ غرض وہ احتمال ختم ہوگیا۔ اور یہ بات بتادینا بھی ہدایت اور عظیم نعمت کا سبب ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(آگے عذاب کے وقت کی بے بسی کا ذکر فرماتے ہیں جیسے اوپر حساب کے وقت کی بے بسی کا ذکر تھا یعنی جنوں اور انسانوں میں سے مجرمو!) تم دونوں پر (قیامت کے دن) آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا، پھر تم (اس کو) ہٹا نہ

سکو گے (یہ شعلہ اور دھواں غالباً وہ ہے جس کا ذکر سورۃ المرسلات آیت ۲۹ سے ۳۲ تک ہے ، الظل سے دھواں اور الشرر سے شعلہ مراد ہے۔ واللہ اعلم اور اس کا بتانا بھی ہدایت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے ایک عظیم نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

غرض (جب ہمارا حساب لینا اور تمہارا حساب اور عذاب وسزا کے وقت عاجز یعنی بے بس ہوجانا معلوم ہوگیا تو اس سے قیامت کے دن حساب اور عذاب کا واقع ہونا ثابت ہوگیا، جس کا بیان یہ ہے کہ) جب (قیامت آئے گی، جس میں) آسمان پھٹ جائے گا (کہ اس کی ذات میں تبدیلی ہوجائے گی) اور ایسا سرخ ہوجائے گا جیسے لال چمڑا (اور یہ اس کی صفت میں تبدیلی ہے، شاید یہ رنگ اس لئے ہو کہ غضب کی علامت ہے کہ غیظ وغضب یعنی غصہ میں چہرا سرخ ہوجاتا ہے، اور یہ وہ پھٹنا ہے جو سورۃ الفرقان آیت ۲۵ ﴿ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ﴾ میں آیا ہے جس کی تفسیر وہاں گذر چکی ہے۔ غرض اس وقت فرشتوں کا نازل ہونا اور بادل میں حق کی تجلی ہوگی، اور حساب کتاب شروع ہوجائے گا۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان کی آیت میں آیا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(یہ تو حساب کا واقع ہونا اور اس کا وقت بتایا گیا۔ آگے حساب کی کیفیت اور فیصلہ کا طریقہ بیان فرماتے ہیں، یعنی جس دن یہ واقعات شعلوں ودھوئیں کا بھیجنا اور آسمانوں کا پھٹنا وغیرہ ہوں گے) تو اس دن [1] (اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے کے لئے) کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے یعنی وہ حساب اس غرض سے نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوجائے، بلکہ خود انہیں معلوم کرانے اور جتانے کے لئے سوال اور حساب ہوگا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(یہ تو حساب کی تحقیق ہوئی کہ تحقیق کے طور پر نہیں ہوگا بلکہ ڈرانے اور دھمکانے کے لئے ہوگا۔ آگے یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو جرموں اور مجرموں کی تعیین معلوم ہے، اس لئے تحقیق کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن فرشتوں کو مجرموں کی تعیین کیسے ہوگی، لہٰذا ارشاد فرماتے ہیں کہ) مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (کہ منہ کالا اور آنکھیں نیلی ہوں گی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ یعنی "چہرے سیاہ یا منہ کالے ہوجائیں گے" اور فرمایا ﴿ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴾ یعنی "ہم مجرموں کو اس دن نیلی آنکھوں کے ساتھ جمع کریں گے" (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۰۲) تو (ان کے) سر کے بال

(۱) یعنی یہاں جو سوال کی نفی کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سوال اس غرض سے نہ ہوگا کہ جواب سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوجائے۔ باقی سوال ہونا ظاہر ہے جس کی وجہ مجرموں پر حجت قائم کرنا ہے۔

اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے (اور انہیں گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یعنی عذاب کی مختلف قسموں کو جمع کرنے کی غرض سے اعمال کے مطابق کسی کا سر پکڑ کر اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر یا کبھی سر پکڑ کر اور کبھی ٹانگ پکڑ کر۔ اور اگرچہ یہ پہچان ایسی نہیں کہ مجرموں کی تعیین اسی پر موقوف ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کسی حکمت کی وجہ سے اسی طرح واقع کردیں گے اور یہ خبر دینا بھی ایک نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کرو گے؟

(آگے اصلی عذاب کے بارے میں بتاتے ہیں، اگرچہ شعلوں کا بھیجنا بھی ایک عذاب تھا، یعنی مجرموں سے کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ (یعنی تم) جھٹلاتے تھے، وہ لوگ جہنم کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومتے ہوں گے (یعنی کبھی انہیں اس سے عذاب دیا جائے گا اور کبھی اس سے۔ جس کی تحقیق سورۂ مؤمن آیت ۶۹ سے ۷۲ تک گذر چکی ہے اور یہ خبر دینا بھی نعمت ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کرو گے؟

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَمِنْ دُوْنِهِمَا
جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ مُدْهَآمَّتٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ
فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ حُوْرٌ
مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۚ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو اُس کے لئے دو باغ ہونگے، سوائے جن

وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہونگے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن دونوں باغوں میں دو چشمے ہونگے کہ بہتے چلے جاویں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن دونوں باغوں میں ہر ہر میوے کی دو دو قسمیں ہونگی، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہونگے جن کے استر دبیز ریشم کے ہونگے، اور اُن دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن میں نیچی نگاہ والیاں ہونگی کہ ان لوگوں سے پہلے اُن پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز غایت عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اور اُن دونوں باغوں سے کم درجہ میں دو باغ اور ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ دونوں باغ گہرے سبز ہونگے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن دونوں باغوں میں دو چشمے ہونگے کہ جوش مارتے ہونگے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہونگے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ اُن میں خوب سیرت خوبصورت عورتیں ہونگی سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ عورتیں گوری رنگت کی ہونگی خیموں میں محفوظ ہونگی، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ ان لوگوں سے پہلے اُن پر نہ تو کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوبصورت کپڑوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے؟ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے۔

ربط: سورت کی تمہید اور آیت چھبیس کی تمہید میں لکھ چکا ہوں۔

مؤمنوں کو جنت کی نعمتوں کی خوش خبری:

(ان آیتوں میں دو باغوں کا ذکر ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ﴾ سے شروع ہوا ہے) اور دو باغوں کا ذکر ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴾ سے اور پہلے دو باغ خاص مقرب لوگوں کے لئے ہیں اور بعد والے دو باغ عام مؤمنوں کے لئے، اس تعیین و تقسیم کی آگے دلیلیں لکھ دی جائیں گی۔ اب صرف تفسیر لکھی جا رہی ہے، یعنی مذکورہ حال تو ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴾ سے شروع ہونے والے مضمونوں کے استثناء کے ساتھ مجرموں کا تھا) اور (جنت والوں کا حال یہ ہے کہ

ان کی دو قسمیں ہیں: خاص لوگ اور عام لوگ، لہٰذا) جو شخص (خواص میں سے ہو، اور) اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہو (اور ڈر کر نفسانی خواہشوں اور گناہوں و نافرمانیوں سے دور رہتا و پرہیز کرتا ہو۔ اور یہ شان خواص ہی کی ہے، کیونکہ عوام پر تو کبھی کبھی ہی خوف طاری ہوتا ہے اور ان سے گناہ و نافرمانی بھی ہو جاتے ہیں، چاہے توبہ کر لیں۔ غرض جو شخص متقی یعنی تقویٰ اختیار کرنے والا یعنی اللہ سے ڈر کر گناہوں اور نافرمانیوں سے پرہیز کرنے والا ہو) اس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے (یعنی ہر متقی کے لئے دو باغ، اور شاید اس طرح دو دو باغ دینے میں انہیں انعام دینے اور عزت و اکرام کرنے کی حکمت کا اظہار ہوگا۔ جس طرح دنیا میں نعمت والوں کے پاس اکثر نقل ہونے والی اور نقل نہ ہونے والی چیزوں میں سے کئی کئی ہوتی ہیں) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور وہ) دونوں باغ بہت ساری شاخوں والے ہوں گے (اس میں سایہ کے گھنے اور پھلوں کے بہت زیادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور) ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ (دور تک) بہتے چلے جائیں گے۔ تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور) ان دو باغوں میں ہر میوہ کی دو قسمیں ہوں گی (کہ اس میں زیادہ لذت اور مزا ہے، کبھی ایک قسم کا مزا لے لیا، کبھی دوسری قسم کا) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور) وہ لوگ تکئے لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر موٹی ریشم کے ہوں گے (اور قاعدہ ہے استر کے مقابلہ میں ابرا زیادہ نفیس ہوتا ہے تو جب استبراق یعنی موٹے ریشمی کپڑے کا ہوگا تو ابرا کیسا ہوگا؟ اور ان دونوں باغوں کے پھل بہت نزدیک ہوں گے (کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر طرح بغیر کسی پریشانی کے ہاتھ آسکتے ہیں) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور) ان (باغوں کے مکانوں اور محلوں) میں نیچی نگاہوں والیاں (یعنی حوریں) ہوں گی، کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے نہ انہیں کسی انسان نے چھوا ہوگا نہ جن نے (یعنی بالکل محفوظ و پاک دامن ہوں گی، اور کسی نے بھی ان سے صحبت نہیں کی ہوگی) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اوران کے رنگ اتنے صاف وشفاف ہوں گے کہ) جیسے وہ یاقوت اور مرجان ہیں (اور کئی تشبیوں کا ذکر غالباً اہتمام کے لئے ہے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(آگے مذکورہ مضمون کی وضاحت اور تاکید ہے کہ) بھلا انتہائی اطاعت اور اہم نیکی کا بدلہ انتہائی اہم عنایت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے (انھوں نے انتہائی اطاعت کی تو بدلہ میں انتہائی عنایت کے مستحق ہوئے، اور اس کو بدلہ فرمانا اور سوال کے انداز میں اس کے واجب ہونے کی طرف اشارہ کرنا یہ سب فضیلت کے طور پر ہے نہ کہ عقل کے حکم کے تقاضہ کے مطابق) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(یہ تو خاص لوگوں کے باغوں کی صفت کا ذکر ہوا) اور (آگے عام مؤمنوں کے باغوں کا ذکر ہے یعنی) ان (مذکورہ) دونوں باغوں سے کم درجہ کے دو باغ اور ہیں (جو عام مؤمنوں کے لئے ہیں اور ہر ایک کو دو دو ملیں گے) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور آگے ان باغوں کی صفت ہے کہ) وہ دونوں باغ گھنے اور بھرے ہوئے ہوں گے تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور یہاں ﴿ذَوَاتَآ اَفۡنَانٍ﴾ کی تصریح نہ فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ دونوع اس صفت میں ان مذکورہ باغوں سے کم ہیں، یعنی ان کا سایا اور ان کے پھل اتنے نہ ہوں گے اور وہاں ﴿مُدۡهَآمَّتٰنِ﴾ کی صفت کا ذکر نہ ہونے سے اس کے برعکس کا وہم نہیں ہونا چاہئے کہ وہ صفت مشترک مقام کے قرینہ سے ہے اور وہاں جن کے لئے جنت ہوگی ان کا ذکر ﴿لِمَنۡ خَافَ﴾ کے عنوان سے فرمانا اور یہاں جن کے لئے جنت ہوگی ان کا ذکر نہ فرمانا بھی قرینہ ہے کہ یہ عام مؤمنوں کے لئے ہے، اس لئے کسی خاص صفت کی قید کی ضرورت نہیں۔ اور وہاں خوف کامل تقوی کی قید ہے اور وہاں اس کا احسان کی جزا اخلاص کے معنی میں فرمانا اور یہاں نہ فرمانا بھی اس کا قرینہ ہے اور) ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ جوش مارتے ہوں گے۔ تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(جوش مارنا اس وجہ سے کہ چشمہ کے لئے یہ لازم ہے۔ اوپر کے چشموں میں بھی یہ صفت مشترک ہے اور وہاں ﴿تَجۡرِيٰنِ﴾ یعنی "بہتے ہوں گے" بھی ہے اور یہاں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ قرینہ ہے کہ یہ چشمے صرف بہنے میں پہلے والوں سے کم ہیں اور یہ باغ ان باتوں سے کم ہیں اور) ان دونوں باغوں میں میوے، کھجور اور انار ہوں گے۔ تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر

نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(یہاں پہلے سے مطلق ﴿فَاكِهَةٌ﴾ یعنی میوے کہنا اور پھر تفصیل میں کھجور اور انار کے ذکر کو کافی قرار دینا اور وہاں لفظ کل کے ذریعہ عام پھلوں اور میووں کی تصریح فرمانا اور پھر لفظ ﴿زَوْجٰنِ﴾ یعنی ہر میوے کی دو دو قسموں سے کئی کئی کی تصریح فرمانا کثرت پر اور زیادہ پر دلالت کرنے والا ہے اور اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی دونوں جنتیں بعد والی دونوں جنتوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں اور) ان (باغوں میں رہنے والوں) میں اچھی عادتوں والی، خوبصورت بیویاں ہوں گی (یعنی حوریں) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

خیموں میں ٹھہری ہوئی حوریں، تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(اور) ان (جنتی) لوگوں سے پہلے نہ انہیں کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے (یعنی ان سے کسی نے صحبت نہیں کی ہوگی) تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟

(وہاں یاقوت و مرجان سے تشبیہ دینا جو کہ مبالغہ کے لئے مفید ہے اور یہاں صرف حسان پر اکتفا کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلے والے پچھلے والوں سے افضل ہیں اور یہاں کی ساری صفتیں وہاں صراحت کے ساتھ یا اشاروں میں بیان کی گئی ہیں مثلاً: خوش سیرت ہونا ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ سے مفہوم ہوتا ہے، حور ہونا قرینۂ مقام سے معلوم ہے مقصورات سے زیادہ حفاظت اور پاک دامنی پر ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ دلالت کرتا ہے کہ جو ایسی ہوگی وہ لازمی طور پر گھر ہی میں رہے گی، اور) وہ لوگ سبز قالینوں اور نفیس خوشنما فرشوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تو اے جنو! اور انسانو! (اتنی عظیم اور کثیر نعمتوں کے باوجود) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کا انکار کردو گے؟ (یہ بھی غور و فکر کرنے سے پہلے والوں کے فرش سے فضیلت میں کم تر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہاں ریشمی ہونے اور پھر موٹے ہونے کی تصریح ہے اور یہاں نہیں ہے۔

آگے خاتمہ میں حق تعالیٰ کی ثنا و صفت ہے جس میں سورت کی فضیلت والے ان تمام مضمونوں کی وضاحت ہے یا استدلال کے طور پر کہا گیا ہے کہ اے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم یہ بے شمار نعمتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ) آپ کے رب کا نام بڑا برکت والا ہے جو بڑی عظمت والا اور احسان والا ہے (نام سے مراد وہ صفتیں ہیں جو کہ ذات کی غیر نہیں ہیں، لہٰذا جملہ کا حاصل ذات و صفات کے کمال کے ساتھ ثنا ہوئی۔ اور شاید لفظ اسم بڑھانے سے مبالغہ مقصود ہو کہ جب نام ایسا ہے تو جس

کا نام ہے وہ خود کیسا کامل اور برکت والا ہوگا؟ اس کا تو نام بھی مبارک اور کامل ہے۔

فائدہ(۱): ظاہر میں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اور انسان دونوں جنتی ہیں اور حوریں بھی دونوں کو ملیں گی، اور مجموعہ کے اعتبار سے ﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ ﴾ کی وضاحت یہ ہوگی کہ جو حوریں انسانوں کے لئے خاص ہیں، انہیں کسی انسان نے ان سے پہلے نہیں چھویا۔ اور جنوں کے چھونے کا تو انسان کی خصوصیت کی وجہ سے احتمال ہی نہیں، اور جو حوریں جنوں کے لئے خاص ہیں، انہیں ان سے پہلے کسی اور جن نے نہیں چھویا اور اسی طرح انسان کے چھونے کا خصوصیت کی وجہ سے احتمال نہیں۔

فائدہ(۲): پہلی جنتوں کے افضل ہونے کے قرینے تو ترجمہ کی وضاحت کے دوران ساتھ ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اب وعدہ کے مطابق دلیلیں لکھتا ہوں۔ درمنثور میں ﴿ وَلِمَنْ خَافَ ﴾ اور ﴿ وَمِنْ دُوْنِهِمَا ﴾ کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی دو جنتیں مقرب لوگوں کے لئے ہوں گی اور دو جنتیں چاندی کی اصحاب یمین کے لئے ہوں گی۔ اور براء بن عازب سے موقوف روایت ہے: دو چشمے جو بہتے ہوں گے ان دو چشموں سے بہتر ہوں گے جو جوش مارتے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں کا سونے یا چاندی کا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تعمیروں میں یا ان کے برتنوں میں سونا یا چاندی غالب ہوگا۔ واللہ اعلم

﴿ الحمد للہ! سورۃ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۃ الواقعہ کی تفسیر آتی ہے ﴾
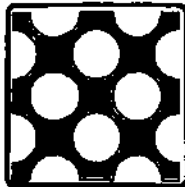
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: یہ سورت مضمونوں کے اعتبار سے گذشتہ سورت سے تقریباً بالکل ملتی جلتی ہے، اور ترتیب کے اعتبار سے تقریباً اس کے مقابل ہے چنانچہ وہاں قرآن کا ذکر شروع میں آیا ہے اور یہاں آخر کے قریب آیا ہے۔ وہاں دنیاوی نعمتوں کا ذکر جو قدرت کی دلیلیں بھی ہیں، قرآن کے بعد آیا ہے، یہاں ایسے امور کا ذکر قرآن سے پہلے آیا ہے، وہاں دنیاوی نعمتوں کے بعد قیامت جہنم اور جنت کا ذکر آیا ہے یہاں دنیاوی نعمتوں سے پہلے ان امور کا ذکر آیا ہے اور بالکل ختم کے قریب آخرت کی تفصیل کو مختصر انداز میں لایا گیا ہے تو تفصیل اور مختصر انداز ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اس میں ربط کی الگ سے وضاحت کی ضرورت نہیں۔

﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۭ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۭ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۭ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۚ اُولٰۗىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ عَلٰي سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ مُّتَّكِـــِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ڏ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُـؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۭ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ وَّمَاۗءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۭ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۭ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ

ع ۱۴

يَحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

ترجمہ: جب قیامت واقع ہوگی، جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں، تو وہ پست کردے گی بلند کردے گی، جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آوے گا، اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجاویں گے، پھر وہ پراگندہ غبار ہوجاویں گے، اور تم تین قسم ہوجاؤ گے۔ سو جو داھنے والے ہیں، وہ داھنے والے کیسے اچھے ہیں۔ اور جو بائیں والے ہیں، وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں۔ اور جو اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں، وہ اعلیٰ درجہ کے ہیں، وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ لوگ آرام کے باغوں میں ہونگے۔ اُن کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہونگے۔ وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔ اُن کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر آمد ورفت کیا کریں گے، آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا۔ نہ اُس سے اُن کو دردِ سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آوے گا، اور میوے جن کو وہ پسند کریں، اور پرندوں کا گوشت جو اُن کو مرغوب ہو، اور اُن کے لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہونگی جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی، یہ اُن کے اعمال کے صلہ میں ملے گا۔ وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ اور کوئی بیہودہ بات، بس سلام ہی سلام کی آواز آوے گی۔ اور جو داھنے والے ہیں، وہ داھنے والے کیسے اچھے ہیں، وہ اُن باغوں میں ہونگے جہاں بے خار بیریاں ہونگی، اور تہ بہ تہ کیلے ہونگے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا، اور چلتا ہوا پانی ہوگا، اور کثرت سے میوے ہونگے، جو نہ ختم ہونگے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہوگی، اور اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے اُن عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، یعنی ہم نے اُن کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں، محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داھنے والوں کے لئے ہیں۔ اُن کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور جو بائیں والے ہیں، وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں۔ وہ لوگ آگ میں ہونگے اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا۔ وہ لوگ اس کے قبل بڑی خوشحالی میں رہتے تھے، اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے، اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرگئے اور مٹی

اور ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جاویں گے، ایک معین تاریخ کے وقت پر۔ پھر تم کو اے گمراہو! جھٹلانے والو! درخت زقوم سے کھانا ہوگا، پھر اُس سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اُس کو کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا، پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کا سا۔ ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

قیامت اور ثواب وعذاب کی تفصیل:

جب قیامت واقع ہوگی جس کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (بلکہ اس کا واقع ہونا بالکل صحیح اور حق ہے) تو وہ (بعض کو) پست کردے گی اور (بعض کو) اونچا کردے گی (یعنی اس دن کافروں کی ذلت اور مؤمنوں کی عزت ظاہر ہوں گی) جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، پھر وہ بکھرے ہوئے غبار (کی طرح) ہو جائیں گے اور تم (یعنی تمام مکلف لوگوں کا مجموعہ پہلے والے موجود اور آئندہ والے) تین گروہوں میں تقسیم ہوجاؤ گے (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، خواص مؤمن، عوام مؤمن اور کافر۔ کہ سورۂ رحمٰن میں بھی انہی تین قسموں کا ذکر ہے اور اگلی آیتوں میں خواص کو مقربین اور سابقین کہا ہے اور عوام مؤمنوں کو اصحاب الیمین اور کافروں کو اصحاب الشمال کہا ہے اور ﴿إِذَا وَقَعَتِ﴾ سے ﴿وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً﴾ تک یعنی سات آیتوں میں نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور کے پھونکے جانے کے وقت کے بعض واقعات بیان فرمائے ہیں، جیسے ﴿إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا﴾ جیسا کہ سورۂ حجر کے شروع میں آیا ہے اور ﴿وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا﴾ اور بعض واقعات دوسری بار صور پھونکے جانے کے وقت کے جیسے ﴿خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ﴾ اور ﴿وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا﴾ اور بعض واقعات مشترک جیسے ﴿إِذَا وَقَعَتِ﴾ اور ﴿لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا﴾ تو چونکہ نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کے وقت سے نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے تک کا سارا لمبا وقت ایک وقت کے حکم میں ہے اس لئے ہر وقت کے جز کو ہر واقعہ کا وقت کہا جاسکتا ہے۔

آگے تقسیم کے بعد ان تینوں قسم کے احکام کا فرق بیان کیا گیا ہے پہلے مختصر انداز میں اور پھر تفصیل کے ساتھ کہ تین قسمیں جو مذکور ہوئیں) تو (ان میں ایک قسم یعنی) جو داہنے والے ہیں، وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے اعمال نامے داہنے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور اگرچہ یہ مفہوم مقربین میں بھی مشترک ہے لیکن صرف اسی صفت کو کافی قرار دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان میں اصحاب الیمین یعنی داہنے والوں سے زیادہ خاص قرب کی کوئی اور صفت نہیں پائی جاتی، اس طرح اس سے عام مؤمن مراد ہوں گے، اور اس میں مختصر انداز میں ان کی حالت کا اچھا ہونا بتادیا۔ آگے ﴿فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ﴾ الخ سے) اس مختصر انداز کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور (دوسری قسم یعنی) جو بائیں والے ہیں، وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں

دیئے جائیں گے یعنی کافر لوگ۔ اور اس میں مختصر انداز میں ان کی حالت کا برا ہونا بتا دیا۔ آگے ﴿ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴾ الخ سے اس مختصر انداز کی تفصیل بیان کی گئی ہے) اور (تیسری قسم یعنی) جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے ہی ہیں (اور) وہ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں (اس میں اعلیٰ درجہ کے تمام بندے یعنی نبی، ولی، صدیق اور کامل متقی داخل ہیں) اور اس میں مختصر انداز میں ان کی حالت کا اعلیٰ ہونا بتا دیا۔ آگے ﴿ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴾ الخ سے اس مختصر انداز کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے) یہ (مقرب) لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے (جس کی مزید تفصیل ﴿ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴾ الخ سے آئے گی، اور درمیان میں اس مفہوم کے مصداق کا کئی ہونا بتا رہے ہیں کہ) ان (مقرب لوگوں) کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا، اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (اگلے لوگوں سے آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ سے پہلے تک کے اور پچھلے لوگوں سے رسولِ اکرم ﷺ سے قیامت تک کے لوگ مراد ہیں، جیسا کہ الدر المنثور میں جابرؓ سے مرفوع روایت ہے اور اگلے لوگوں میں سابقین کی کثرت اور پچھلے لوگوں میں اس سابقین کی کمی کی وجہ یہ ہے کہ خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں اور اگلے لوگوں کا زمانہ محمد ﷺ کے زمانہ کی بہ نسبت کہ قیامت کے زمانہ کے قریب پیدا ہوئے ہیں زیادہ لمبا ہے پس اس لمبے زمانہ میں جتنے خواص ہوئے ہیں جن میں لاکھ دو لاکھ یا کچھ کم وزیادہ نبی بھی ہیں، عادت ومعمول کے تقاضہ کے مطابق تھوڑے زمانہ میں ان سے کم ہی ہوں گے۔

آگے ان نعمتوں کی تفصیل ہے کہ) وہ (مقرب) لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکئے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (جیسا کہ ﴿ مَّوْضُوْنَةٍ ﴾ کی تفسیر میں در منثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے، اور) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، یہ چیزیں لے کر آمد ورفت کرتے ہوں گے، آبخورے، صراحی اور جام جو بہتے ہوئے چشموں کی شراب سے بھرے ہوں گے۔ اس کی تحقیق سورۃ الصافات آیت ۴۵ میں گذر چکی ہے، نہ اس سے ان کے سر میں درد ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا (اس کی تحقیق سورۃ الصفت کی آیت ۴۷ میں گذر چکی ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو انہیں پسند ہو، اور ان کے لئے خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (جن کے رنگ ایسے صاف شفاف ہوں گے) جیسے (حفاظت سے) چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ ان کے اعمال کے بدلے کے طور پر ملے گا (اور) وہاں وہ نہ کوئی لغو بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات سنیں گے یعنی شراب پی کر یا ویسے بھی عیش وخوشی میں گڑبڑ پیدا کرنے والے یہ امور نہیں پائے جائیں گے) بس (ہر طرف سے) سلام ہی سلام کی آوازیں آئیں گی) جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ (سورۃ الرعد آیت ۲۳، ۲۴) اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴾ جو کہ عزت واکرام کی دلیل ہے۔ غرض روحانی وجسمانی ہر طرح کی لذت ومسرت اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ یہ پہلے والوں کی جزا کا بیان کیا گیا)

اور (آگے داھنے والوں کی جزاء کی تفصیل ہے،یعنی) جوداھنے والے ہیں، وہ داھنے والے کیسے اچھے ہیں (اس مختصر بیان کو تفصیل سے پہلے اس لئے دہرایا گیا کہ فصل ہو گیا تھا۔ آگے ان کے اچھا ہونے کا بیان ہے کہ) وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بغیر کانٹوں کے بیریاں ہوں گی۔ اور تہ بہ تہ چڑھے ہوئے کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے (جیسے دنیا کے میوے کہ موسم اور فصل کے ختم ہو جانے سے ختم ہو جاتے ہیں) اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی (جیسے دنیا میں باغ والے اس کی روک تھام کرتے ہیں) اور اونچے اونچے فرش ہوں گے (کیونکہ جن درجوں میں وہ بچھے ہوئے ہوں گے وہ اونچے واعلیٰ درجے ہوں گے، اور چونکہ موقع اچھے عیش وآرام کے ذکر کا ہے اور عیش وآرام عورتوں کے بغیر پورے نہیں ہوتے، اس طرح عیش وآرام کے سامان واسباب کے ذکر سے عورتوں کے ہونے پر بھی دلالت ہوگئی، لہٰذا آگے جنتی عورتوں کی طرف ﴿اَنْشَأْنٰهُنَّ﴾ کی ضمیر لوٹا کر ان کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ) غرض ہم نے (وہاں کی) ان عورتوں کو (اس میں حور اور دنیا کی عورتیں سب شامل ہیں، جیسا کہ روح المعانی میں ترمذی وغیرہ سے مرفوع روایت ہے: انّ المنشآت اللاتی کن فی الدنیا عجائز عمشا رمصاً: یعنی وہ عورتیں جو دنیا میں بوڑھی تھیں چندھی تھیں جنہیں کم دکھائی دیتا تھا جن کی آنکھوں میں کیچڑ بھری رہتی تھی" ہم نے ان عورتوں کو) خاص طور پر بنایا ہے (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) یعنی ہم نے انہیں ایسا بنایا کہ وہ کنواری ہیں (یعنی صحبت کے بعد پھر کنواری ہو جائیں گی۔ جیسا کہ درمنثور میں ابوسعید سے مرفوع روایت ہے) محبوبہ ہیں (یعنی حرکتوں، عادتوں اور ناز وانداز اور حسن وجمال، ان کی سب چیزیں دلوں کو اچھی لگنے والی ہیں، اور جنت والوں کی) برابر کی عمر کی ہیں (اس کی تحقیق سورۂ صٓ آیت ۵۲ میں گذر چکی ہے) یہ سب چیزیں داھنے والوں کے لئے ہیں (آگے اس مفہوم کے مصداق کا کئی ہونا بتاتے ہیں یعنی) ان (داھنے والوں کا) ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا (بلکہ بعد والوں میں اصحاب الیمین تعداد میں پہلے والوں سے زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ حدیثوں میں تصریح ہے کہ اس امت کے مؤمنوں کی مجموعی تعداد گذشتہ امتوں کے مؤمنوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہوگی۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ داھنے والے زیادہ ہوں، کیونکہ مقرب لوگوں کے خواص کی اکثریت خود اوپر کی آیت سے ثابت ہے، اور جب داھنے والے مرتبہ میں مقرب لوگوں سے کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی، تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ مقرب لوگوں کی جزا میں عیش وآرام کے اس سامان کا زیادہ ذکر ہے، جو شہر والوں کو زیادہ پسند ہے اور داھنے والوں کی جزا میں عیش وآرام کے اس سامان کا زیادہ ذکر ہے جو گاؤں والوں کو زیادہ پسند ہے، لہٰذا اشارہ اس طرف ہو گیا کہ ان میں ایسا فرق ہوگا جیسا شہر والوں اور گاؤں والوں میں ہوتا ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے)

اور (آگے کافروں کا اور ان کے عذاب کا ذکر ہے یعنی جو بائیں والے ہیں، وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (اور اس

مختصر انداز کی تفصیل یہ ہے کہ) وہ لوگ آگ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور کالے دھوئیں کے سایہ میں، جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دینے والا ہوگا (یعنی سایہ سے ایک تو جسم کو نفع ہوتا ہے یعنی آرام اور ٹھنڈک اور ایک روحانی فائدہ ہوتا ہے، لذت اور آرام اور وہاں دونوں کی نفی ہوگی، یہ وہی دھواں ہے جس کا ذکر اوپر سورۂ رحمٰن میں ﴿ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴾ میں آیا ہے۔

آگے اس عذاب کی وجہ ارشاد ہے کہ) وہ لوگ اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) بڑی خوش حالی میں رہتے تھے اور (اس خوش حالی کے گھمنڈ میں) بڑے بھاری گناہ (یعنی شرک اور کفر) پر اصرار کیا کرتے تھے (مطلب یہ کہ ایمان نہیں لائے تھے) اور (آگے ان کے کفر کا بیان ہے جس کو حق طلب نہ کرنے میں زیادہ دخل ہے یعنی وہ) یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں (ہی) رہ گئیں تو کیا (اس کے بعد) ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ ہوں گے، چونکہ قیامت کا انکار کرنے والوں میں بعض کافر رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی تھے، اس لئے اس بارے میں ارشاد ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے، ایک معین تاریخ کے وقت پر پھر (جمع ہونے کے بعد) تمہیں اے گمراہو! جھٹلانے والو! زقوم کے رخت سے کھانا ہوگا، پھر اس سے پیٹ بھرنا ہوگا، پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا، پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں جیسا (غرض) ان لوگوں کی قیامت کے دن یہ دعوت ہوگی۔

فائدہ: ﴿ وِلْدَانٌ ﴾ یا ﴿ غِلْمَانٌ ﴾ یعنی لڑکوں کے بارے میں ترجیح والا قول یہ ہے جس کو خازن نے صحیح اور حق کو اس میں بطور گمان منحصر کہا ہے کہ وہ حوروں کی طرح ایک مستقل مخلوق ہیں۔ اور ولدان میں ولادت کے معنی نہیں لئے گئے ہیں۔ اور ان کے خادم بنانے میں حکمت محض فرحت و آرام ہے، بغیر شہوت کے اور مقربین یعنی مقرب لوگوں اور داہنے والوں کے بارے میں جو اولین و آخرین یعنی پہلے والے اور آخر والے آیا ہے، اس کی بہتر تفسیر وہی ہے جو ترجمہ کی وضاحت میں دلیل سمیت اختیار کی گئی ہے۔ اور بعض روایتوں میں جو هما جميعا من هذه الأمة آیا ہے یعنی ”وہ دونوں قسم کے لوگ سارے کے سارے اسی امت میں سے ہوں گے“ تو اس کی تاویل اس طرح ہے کہ آیت کی تفسیر مقصود نہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہو کہ جس طرح قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اولین یعنی پہلے والوں میں مقرب لوگ زیادہ ہیں اور آخرین یعنی بعد والوں میں کم، اسی طرح خود اس امت میں بھی یہی نسبت ہوگی کہ پہلے زمانوں میں مقرب لوگ زیادہ ہوں گے اور بعد والوں میں کم۔ چاہے اس پر قرآن سے دلالت نہ ہوتی ہو۔ خوب سمجھ لو۔

اور اسی طرح ﴿ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ یعنی ”بعد والوں میں سے کم ہونا اور ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ یعنی ”بعد والوں میں سے ایک گروہ کا ہونا صاف مدلول قرآنی ہے پس بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ جب آیت ﴿ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ کو افسوس ہوا کہ محمد ﷺ کی امت میں سے تھوڑے ہی ہوں گے۔ اس پر ﴿ ثُلَّةٌ

مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴾ نازل ہوئی۔ اور اس روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ قلیل اور ثلۃ کا مصداق ایک ہی ہے، تو اس کی بھی اسی طرح تاویل کی جائے گی کہ صحابہ نے پہلی بار مقربین کے بارے میں جو ﴿ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴾ سنا تو انہیں یہ خیال ہوا کہ شاید یہی نسبت گذشتہ امتوں اور اس امت کے عام مؤمنوں میں بھی ہو کہ ان میں سے زیادہ ہوں، اور اس امت میں سے کم، اس لئے دوسری آیت میں بتادیا گیا کہ وہ نسبت مقربین میں ہے اور دائیں والوں میں دوسری نسبت ہے، اور اس روایت میں جو آیا ہے کہ ﴿ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴾ منسوخ ہوگئی تو جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۴ ﴿ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ الخ میں گذرا ہے۔ لفظ نسخ سلف یعنی پہلے والوں کی اصطلاح میں بعد والوں کی اصطلاح کے مقابلہ میں زیادہ عام معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ یعنی وہ لوگ مراد کی وضاحت اور شبہ کو دور کرنے کو بھی نسخ کہتے تھے۔ اور حمیم اور جحیم سے متعلق ایک تحقیق سورۂ مؤمن آیت ۷۸ کے بعد فائدہ کے ضمن میں گذری ہے اور اکواب کی تحقیق سورۂ ص آیت ۵۲ میں گذری ہے۔

﴿ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝ عَلٰۤی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ۝ ﴾ ع ۱۵

ترجمہ: ہم نے تم کو پیدا کیا تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو منی پہنچاتے ہو؟ اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے درمیان میں موت کو ٹھیرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ اور تم جیسے پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنادیں جن کو تم جانتے بھی نہیں۔ اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ بوتے ہو؟ اُس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو اُس کو چورا چورا کردیں پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ، کہ ہم پر تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔ اُس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں اُس کو کڑوا کرڈالیں،

سو تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو سلگاتے ہو۔ اُس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے اُس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے، سواپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

ربط: اوپر عذاب کی علت میں کافروں کا شرک وکفر اور بعث کا انکار نقل فرمایا ہے۔ اب نعمت کی بعض صورتیں ذکر کرکے پوچھتے ہیں کہ پھر تم کفر وشرک کیوں کرتے ہو؟ جبکہ قدرت کے یہ تصرفات بھی ہیں۔ پھر بعث کے امکان کا کیسے انکار کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کے بعض تصرفات کے بیان کے ذریعہ بعث اور توحید کے انکار کا باطل ہونا:

ہم نے تمہیں (پہلی بار) پیدا کیا ہے (جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) تو پھر تم (اس کے نعمت ہونے کے اعتبار سے توحید کی اور اس کے لوٹانے کی قدرت ہونے کے اعتبار سے بعث کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ (آگے اس پیدا کرنے کی اور پھر باقی رہنے کے اسباب کی تفصیل اور یاددہانی ہے) اچھا پھر یہ بتاؤ، تم جو (عورتوں کے رحم میں) نطفہ ڈالتے ہو، اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟ (ظاہر ہے کہ ہم ہی بناتے ہیں اور) ہم نے ہی تمہارے درمیان میں موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے (مطلب یہ کہ بنانا اور اس بنائے ہوئے کو ایک خاص وقت تک باقی رکھنا یہ سب ہمارا ہی کام ہے۔ آگے یہ بتاتے ہیں کہ جیسا ذات کو بنانا اور باقی رکھنا ہمارا فعل ہے، اسی طرح تمہاری صورت کا باقی رکھنا بھی جو کہ اپنی ذات سے تمہیں نفع پہنچانے کا مدار ہے، یہ بھی ہمارا ہی فعل ہے، اور) ہم اس سے بے بس نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور (آدمی) پیدا کردیں، اور تمہیں ایسی صورت میں بنادیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی مثال کے طور پر آدمی سے جانور کی صورت میں مسخ کردیں، جس کا خیال بھی نہ ہو) اور (آگے مذکورہ امر سے استدلال پر تنبیہ ہے) اور تمہیں پہلی پیدائش کا علم حاصل ہے (کہ وہ ہماری ہی قدرت سے ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ (کہ سمجھ کر اس نعمت کا شکر بجالاؤ یعنی توحید کے عقیدہ کو اپنالو اور بعث پر بھی استدلال کرو۔

آگے ایک دوسری تنبیہ ہے یعنی) اچھا پھر یہ بتاؤ تم جو کچھ (بیج وغیرہ) بوتے ہو، اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟ (یعنی زمین میں ڈالنے میں تو تمہیں کچھ دخل ہے بھی لیکن اسے زمین سے اُگانا کس کا فعل ہے؟ آگے اس ایجاد کے قدرت پر موقوف ہونے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے کا قدرت پر موقوف ہونا بتاتے ہیں، جیسا کہ اوپر بھی فرمایا تھا) اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کردیں (یعنی پودے کے کھڑے ہونے کے بعد کوئی دانہ نہ پڑے اور پتے خشک ہوکر ریزہ ریزہ ہوجائیں) پھر تم تعجب میں پڑے رہ جاؤ کہ (اب کی بار تو ہم پر) مصیبت ہی آگئی، یعنی سرمایہ میں نقصان ہوگیا، اور نقصان کیا) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (یعنی سارا ہی سرمایہ برباد ہوگیا۔ آگے تیسری تنبیہ ہے یعنی) اچھا

پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو، یا ہم برسانے والے ہیں؟ (آگے پھر اسی فائدہ اٹھانے کا قدرت پر موقوف ہونا ارشاد فرماتے ہیں کہ) اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ (جس کا سب سے عظیم کام توحید کو اختیار کرنا اور کفر کو چھوڑنا ہے۔ آگے چوتھی تنبیہ ہے، یعنی) اچھا پھر یہ بتاؤ جس آگ کو تم سلگاتے ہو، اس کے درخت کو (جس میں سے یہ جھڑتی ہے، جس کا بیان سورۂ یٰسین آیت ۸۰ میں آچکا ہے اور اسی طرح جن ذریعوں سے یہ پیدا ہوتی ہے ان ذریعوں کو) تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو (جہنم کی آگ کی یا اپنی عجیب قدرت کی) یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے لئے فائدہ کی چیز بنایا ہے (پہلا دینی فائدہ اور دوسرا دنیاوی۔ اور مسافر کی تخصیص حصر کے لئے نہیں ہے، بلکہ سفر میں آگ کم ملنے کی وجہ سے ایک عجیب چیز ہوتی ہے اور متاع یعنی "فائدہ کی چیز" کہنے میں اسی نفع اٹھانے کی قدرت پر موقوف ہونے کی طرف اشارہ ہوگیا) تو (جس کی ایسی قدرت ہے) اپنے (اس) عظیم شان والے رب کے نام کی تسبیح (اور حمد بیان) کیجئے (کہ ذات اور صفتوں کا کمال حمد و ثنا کے مستحق ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور نام کی تسبیح وغیرہ کی تحقیق سورۃ الرحمٰن آیت ۷۸ میں گذر چکی ہے)

فائدہ: یہ سب امور توحید کا سبب قرار پانے والی نعمتیں بھی ہیں اور بعث پر قدرت کے اعتقاد کے لئے سبب کی دلیل بھی ہیں۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝﴾ ع

ترجمہ: سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے، کہ یہ ایک مکرم قرآن ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے، کہ اُس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگانے پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ سو کیا تم لوگ اس کلام کو سرسری بات سمجھتے ہو، اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی

ہے، اور تم اُس وقت تکا کرتے ہو۔ اور ہم اُس شخص کے تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔ تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے، تو تم اُس روح کو پھر کیوں نہیں لوٹالاتے ہو، اگر تم سچے ہو۔ پھر جو شخص مقربین میں سے ہوگا۔ اُس کے لئے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے۔ اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا، تو اُس سے کہا جاوے گا کہ تیرے لئے امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔ اور جو شخص جھٹلانے والوں، گمراہوں میں سے ہوگا، تو کھولتے ہوئے پانی سے اُس کی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بیشک یہ تحقیقی یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

ربط: اوپر توحید اور بعث پر عقلی دلیلیں بیان کی گئیں، جن سے توحید کا واجب ہونا اور بعث کا امکان ثابت ہوگیا، چونکہ امکان کے بعد اصل مطلوب بعث کا واقع ہونا ہے، اور اس میں عقلی دلیل کے ساتھ ایسی نقلی دلیل کو ملانے کی ضرورت ہے جو واقع ہونے پر دلالت کرتی ہو۔ اور جن مضمونوں میں اس کے عقلی امکان پر تنبیہ کی گئی ہے جس طرح قرآن ان پر مشتمل ہے اسی طرح واقع ہونے کی نص پر بھی مشتمل ہے کہ ان کے واقع ہونے پر دلالت کو ملانے کے لئے کافی ہے۔ مگر انہیں قرآن کے بارے میں بھی اعتراض تھا، اس لئے آگے قرآن کے حق ہونے اور پھر بعث اور جزا و سزا کے واقع ہونے اور کسی قدر مختصر انداز میں تفصیل ارشاد فرماتے ہیں جس پر یہ لمبی سورت مشتمل تھی، اور یہ مضمون بعث پر دلالت کے ساتھ توحید پر بھی دلالت کرتا ہے۔

قرآنِ کریم کا حق ہونا اور قیامت کے دن کے واقع ہونے کا اثبات:

(اور عقلی دلیلوں سے بعث کے امکان کے ثابت ہونے کے بعد قرآن سے جو اس کا واقع ہونا ثابت ہے اور تم اس قرآن کو نہیں مانتے) تو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے (اور قسم اس بات پر کھاتا ہوں) کہ یہ (قرآن جو رسولِ اکرم ﷺ پر نازل ہوتا ہے تو یہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی وجہ سے) ایک عزت والا قرآن ہے، جو ایک محفوظ کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں (پہلے سے) لکھا ہوا ہے (اور وہ لوحِ محفوظ ایسی ہے) کہ اس کو پاک فرشتوں کے سوا (جو کہ گناہوں سے پوری طرح پاک ہیں) کوئی (شیطان وغیرہ) ہاتھ نہیں لگانے پاتا (اس کے مضمونوں کی خبر ہونا تو دور کی بات ہے۔ لہٰذا وہاں سے یہاں خاص طور سے فرشتے ہی کے ذریعہ آتا ہے، اور یہی نبوت ہے اور شیطان اس کو نہیں لاسکتے تاکہ کہانت وغیرہ کا احتمال نبوت کے معاملہ میں بگاڑ پیدا نہ کرسکے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ﴾ اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴾ اس سے ثابت ہوا کہ) یہ عالموں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے (جس پر کہ اشارہ کے طور پر صفتِ کریم کے ذریعہ دلالت کی گئی تھی۔ یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم مفہوم اور توجیہ کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے سورۃ النجم کی پہلی آیت ﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴾ میں

ہے جس کا وہاں بیان ہو چکا ہے، جس میں غروب کے اعتبار سے ستاروں کا رسول اکرم ﷺ کی نبوت کی صفت ہونے اور ہدایت کا مینارہ ہونا بھی بیان ہوا ہے جو کہ موقع ومحل کا مقصود ہے اور قرآن میں جتنی بھی قسم ہیں، مطلوب پر دلالت ہونے کی وجہ سے سبھی عظیم ہیں، لیکن کہیں کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور اس پر زیادہ متنبہ کرنے کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی ہے، جیسا کہ یہاں اور سورالفجر میں ہے۔

اس مقام کا حاصل مختصر انداز میں وہ ہے جو تفصیل کے ساتھ سورۃ الشعراء کی آیت ۱۹۱ کے بعد بیان ہوا ہے) تو (جب اس کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ثابت ہے تو) کیا تم لوگ اس کلام کو معمولی بات سمجھتے ہو؟ (یعنی اس کو ایسی چیز نہیں سمجھتے جس کی تصدیق کرنا واجب ہے؟) اور (اس کو معمولی سمجھنے سے بھی بڑھ کر یہ کہ) جھٹلانے کو اپنا کاروبار، روزگار بنار ہے ہو (اور اس لئے توحید اور قیامت کے واقع ہونے کا بھی انکار کرتے ہو) تو (اگر یہ انکار حق ہے تو) جس وقت (کسی شخص کے مرنے کے وقت اس کی) روح حلق تک آپہنچتی ہے اور تم اس وقت (بیٹھے ہوئے حسرت بھری نظر سے) تکا کرتے ہو اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے) شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (یعنی اس شخص کے حال سے ہم تم سے بھی زیادہ واقف ہوتے ہیں، کیونکہ) تم تو صرف ظاہری حالت کو دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت کی بھی خبر رکھتے ہیں) لیکن (ہمارے اس علمی طور پر قریب ہونے کو جہالت اور کفر کی ملاوٹ کی وجہ سے) تم سمجھتے نہیں ہو تو (واقع میں) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے (جیسا تمہارا خیال ہے) تو تم پھر اس روح کو (بدن کی طرف) لوٹا کیوں نہیں لاتے؟ (جس کی اس وقت تمہیں تمنا بھی ہوا کرتی ہے) اگر (بعث اور حساب کی اس نفی میں) تم سچے ہو (مطلب یہ کہ قرآن سچا ہے اور بعث کے واقع ہونے کو بیان کرتا ہے، لہٰذا واقع ہونے کا تقاضا یقینی ہوا۔ اور کوئی امر رکاوٹ ہے نہیں تو واقع ہونا ثابت ہو گیا۔ اور اس پر بھی تمہارا انکار کرتے رہنا حال کی دلالت سے اس کے لئے لازم ہے کہ جیسے تم روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو۔ کہ جسے قیامت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ روح ڈالنا چاہے جیسا کہ قرآن کا تقاضا ہے مگر ہم نہیں ڈالنے دیں گے اور بعث نہیں ہونے دیں گے، اس لئے تو اتنے زور سے انکار کرتے ہو۔ ورنہ جو شخص اپنے آپ کو بے بس سمجھے وہ واقع ہونے کی دلیلوں کے بعد اتنے زور سے ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے، تو اگر تم اپنے بس میں سمجھتے ہو تو ذرا اپنا زور اسی وقت دکھا دو جب موت کے وقت کے قریب زندگی کے باقی رہنے کی تمنا بھی کرتے ہو۔ اور دیکھ دیکھ کر رحم بھی آتا ہے، دل بھی دکھتا ہے اور وہ زور دکھانا یہ ہے کہ اس روح کو نہ نکلنے دو، اس روح کو بدن میں لوٹا دو جب یہ تمہارے بس میں نہیں تو بعث کا منع کرنا بھی تمہارے بس میں نہیں ہوگا، کیونکہ حق تعالیٰ کے دونوں تصرف میں ایک ہی امر یعنی روح کا نقل کرنا مشترک ہے، ایک میں داخل سے خارج کی طرف اور دوسرے میں خارج سے داخل کی طرف۔ لہٰذا تمہارا ایک میں بے بس ہونا بالکل اسی طرح دوسرے میں بے بس ہونا ہے، پھر ایسے لمبے چوڑے دعوے کیوں کرتے ہو؟ اور چونکہ موقع قدرت کی نفی کا ہے اور علم کی نفی

کے لئے قدرت کے تعلق کی نفی لازم ہے، اس لئے ﴿ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ ﴾ میں جو کہ جملہ معترضہ ہے ان کے پورے علم کی نفی فرمادی اور چونکہ یہ کافی دلیل ان کے لئے شافی نہیں ہوئی، اس لئے ﴿ تُبْصِرُوْنَ ﴾ میں ملامت بھی فرمادی۔ اور چونکہ اس وضاحت سے قدرت کا اثبات بھی ہوا، اس لئے یہ بعث کے ساتھ توحید پر بھی دلالت کرتی ہے۔

آگے جزا وسزا کی کیفیت ارشاد ہے، یعنی یہ تو ثابت ہو چکا کہ قیامت اپنے وقت پر ضرور آئے گی) پھر (جب قیامت واقع ہوگی تو) جو شخص مقرب لوگوں میں سے ہوگا، جن کا ذکر اوپر ﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ ﴾ الخ میں آیا ہے) اس کے لئے تو راحت ہے اور (فراغت کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا (جن کا ذکر اوپر ﴿ وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴾ الخ میں آیا ہے) تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے (ہر آفت اور خطرہ سے) امن وامان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے (اور یہ کہنا چاہے شروع ہی میں ہو، اگر فضل یا توبہ کے سبب سے شروع میں مغفرت ہو جائے یا آخر میں ہو، اگر سزا کے بعد مغفرت ہو۔ اور یہاں روح اور ریحان کا ذکر نہ فرمانے کی وجہ نفی نہیں ہے، بلکہ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ پہلے والوں سے ان امور میں کم ہوگا) اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہوگی۔ اور جہنم میں داخل ہونا ہوگا، بے شک یہ (جس کا ذکر ہوا) تحقیقی یقینی بات ہے تو (جس کے یہ تصرفات ہیں) اپنے (اس) عظیم شان والے رب کے نام کی تسبیح (اور حمد بیان) کیجئے جیسا کہ ابھی گذرا ہے)

فائدہ: ﴿ لَا يَمَسُّهٗٓ ﴾ کی وضاحت میں ''خاص طور پر'' کی قید اس لئے ہے کہ کشف یا فرشتہ کے خبر دینے کے واسطہ سے لوح محفوظ کی باتوں کی مطلق اطلاع کے لئے نبوت لازم نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ غیر نبی کے لئے ایسا ہو سکتا ہے، ورنہ اس قید ہی کی ضرورت نہیں۔

﴿ الحمد للہ! سورۃ الواقعہ کی تفسیر ختم ہوئی، آگے ان شاء اللہ سورۃ الحدید کی تفسیر آتی ہے ﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کا ختم اور اس سورت کا شروع دونوں تسبیح پر مشتمل ہیں، وہاں تسبیح یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کا حکم تھا، یہاں خبر ہے اور اس خبر سے اور دوسرے افعال وصفتوں سے مقصود توحید کا اثبات ہے۔

﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے۔ اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اُس میں چڑھتی ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور وہ تمہارے سب اعمال کو بھی دیکھتا ہے، اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ ہی کی طرف سب اُمور لوٹ جاویں گے۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے۔

توحید کا اثبات:

سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں (مخلوق) ہیں (چاہے وہ تسبیح قول کے اعتبار سے ہو یا

حال کے اعتبار سے) اور وہ بڑا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک وہی ہے (وہی) زندگی دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہی (ساری مخلوق سے) پہلے ہے اور وہی (سب کے فنائے ذاتی یا صفاتی سے) پیچھے (بھی رہے گا، یعنی نہ پچھلے زمانہ میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ وہ نہ رہا ہو جیسا کہ ساری مخلوقوں پر واقع ہوا ہے کہ اپنے پیدا ہونے سے پہلے وہ موجود نہیں تھیں، اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا ہوگا کہ وہ موجود نہ رہے، چاہے واقع ہونے کے لحاظ سے جس طرح سارے عالم کے فنا ہونے کے وقت ساری مخلوقوں پر ہوگا چاہے، اس کی ذات کے درجہ میں کہ جو جنت والوں اور جہنم والوں کے ہمیشہ کے لئے داخلہ کے باوجود بھی سب پر ہوگا، کیونکہ ہمیشہ کی مخلوق بھی ممکن ہی ہے اور ممکن ذات کے درجہ میں وجود سے خالی ہے، اور اس خالی ہونے کے وقت بھی حق تعالیٰ کے لئے واجب ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا اس معنی میں سب سے آخر وہی ہے۔ اور اس سے متعلق بعض باتیں ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ میں گذر چکی ہیں) اور وہی (مطلق وجود کے اعتبار سے دلیلوں سے نہایت) ظاہر ہے اور وہی (ذات کی کنہ کے اعتبار سے نہایت) پوشیدہ ہے (یعنی کوئی اس کی ذات کا ادراک نہیں کرسکتا) اور (اگرچہ وہ خود تو ایسا ہے کہ مخلوق کو ایک لحاظ سے معلوم ہے، اور ایک لحاظ سے معلوم نہیں، لیکن اسے ساری مخلوقات سب لحاظ سے معلوم ہیں، اور) وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے (اور) وہ ایسا (قدرت والا) ہے کہ اس نے آسمان اور زمین کو چھ دن کی (مدت کی مقدار) میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر (جو کہ سلطنت کے تخت کی طرح ہے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، اور) وہ سب کچھ جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثال کے طور پر بارش) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے پیڑ پودے) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے فرشتے اوپر چڑھتے اور اترتے ہیں، اور جیسے احکام جو نازل ہوتے ہیں اور اعمال جو اوپر چڑھتے ہیں) اور (جس طرح اسے ان چیزوں کا علم ہے، اسی طرح اسے تمہارے سارے احوال کا بھی علم ہے، چنانچہ) وہ (علم اور اطلاع کے اعتبار سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے، چاہے تم لوگ کہیں بھی ہو (یعنی تم کسی بھی جگہ اس سے چھپے ہوئے نہیں رہ سکتے) اور وہ تمہارے سارے اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک وہی ہے اور سارے امور (جوہری وعرضی) اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے (یعنی قیامت میں سب پیش ہوجائیں گے اس میں توحید کے ساتھ ضمنی طور پر بعث کا بھی اثبات ہوگیا۔ اور اوپر ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ فرمانا زندہ کرنے اور مارنے کی وضاحت کے لئے ہے اور یہاں بعث اور لوٹنے کی وضاحت کے لئے۔ لہٰذا تکرار نہیں ہے) وہی رات (کے حصوں کو) دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا ہوتا ہے۔ اور وہی دن (کے حصوں) کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی ہوجاتی ہے) اور (اس قدرت کے ساتھ اس کا علم ایسا ہے کہ) وہ دل کی باتوں تک کو جانتا ہے۔

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ ع ۱

ترجمہ: تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور جس مال میں تم کو اُس نے دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو۔ سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آویں اور خرچ کریں اُن کو بڑا ثواب ہوگا۔ اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تم کو اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور خود خدا نے تم سے عہد لیا تھا اگر تم کو ایمان لانا ہو۔ وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تا کہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاوے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق مہربان ہے۔ اور تمہارے لئے اس کا کون سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ سب آسمان اور زمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جاوے گا؟ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں اُن لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے، پھر خدا تعالیٰ اس کو اُس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جاوے اور اُس کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔

ربط: اوپر توحید کا اثبات تھا۔ اب ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ میں اس توحید کو قبول کرنے کا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا امر ہے کہ اس کے بغیر رسول کی خبر سننے والوں کے لئے توحید نجات دینے والی نہیں ہے اور اس اصلی حکم کے ساتھ ایک فرعی یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم کہ اللہ اور رسول پر پوری طرح ایمان لانے کی علامت ہے اور اسلام کو پھیلانے میں مددگار ہے جو جہاد کے معنی میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا سب سے عظیم مقصود ہے جیسا کہ ﴿اَنْفَقَ﴾ کے ساتھ ﴿قٰتَلَ﴾ کا لانا اس کا قرینہ ہے جس سے موقع و محل کا حاصل یہ ہوگا کہ خود بھی ایمان لاؤ اور دوسروں کے ایمان لانے کے واسطے بھی کوشش کرو، اور ان حکموں کے ساتھ ان کے فعل پر اجر و کرامت اور چھوڑنے پر ملامت کا بیان ہے۔

اللہ اور رسول پر ایمان لانے اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا واجب ہونا:

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور (ایمان لا کر) جس مال پر اس نے تمہیں دوسروں کی جگہ مقرر کیا ہے، اس میں سے (اس کے راستہ میں) خرچ کرو، (خلیفہ بنانے یا دوسروں کی جگہ مقرر کرنے کے اس عنوان میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کے پاس تھا اور اسی طرح تمہارے بعد کسی اور کے ہاتھ میں چلا جائے گا، اس طرح جب یہ ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں تو اس کو اس طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا کہ ضروری مصرف یعنی خرچ کرنے کی ضروری جگہ یا ضروری کام میں بھی خرچ نہ کیا جائے تو بالکل حماقت ہے، سو (اس حکم کے موافق) جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں، اور (ایمان لا کر اللہ کی راہ میں) خرچ کریں، انہیں بڑا ثواب ہوگا، اور جو لوگ ایمان نہ لائیں ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ) تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ (اسی میں رسول پر ایمان بھی آ گیا) حالانکہ (ایمان لانے کے قوی تقاضے موجود ہیں، وہ یہ کہ) رسول (ﷺ جن کی رسالت دلیلوں سے ثابت ہے) تمہیں اس بات کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر (اس رب کی تعلیم کے مطابق) ایمان لاؤ (ایک تقاضا تو یہ ہوا) اور (دوسرا تقاضا یہ کہ) خود اللہ نے تم سے (﴿ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ﴾ میں ایمان لانے کے اقرار کے وقت) عہد لے لیا تھا (جس کا مختصر انداز کا اثر تمہاری فطرت میں بھی موجود ہے اور ان رسولوں نے جن کی تائید دلیلوں سے ہوتی ہے، اس کی یاد دہانی کی تو) اگر تمہیں ایمان لانا ہو تو یہ تقاضے کافی ہیں، ورنہ پھر ایمان لانے کے لئے کس داعی کا انتظار ہے؟ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾۔

آگے ﴿ وَالرَّسُوۡلُ ﴾ الخ والے مضمون کی اور شرح ہے، کہ) وہ ایسا (رحم کرنے والا) ہے کہ اپنے (خاص) بندہ (محمد ﷺ) پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے (جو مقصود پر دلالت کرنے میں عبارت کی خوبی اور حق ہونے کی صفت کی وجہ سے اور اعجاز کی وجہ سے نہایت واضح ہیں) تا کہ وہ (خاص بندہ) تمہیں (کفر اور جہالت کے) اندھیروں سے (ایمان اور حقائق کے علم کی) روشنی کی طرف لائے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۙ۬ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ﴾) اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق، مہربان ہے (کہ اس نے اندھیروں سے نکالنے والا ایسا رسول تمہاری طرف بھیجا)

اور (اس مضمون میں تو ایمان نہ لانے پر سوال تھا۔ اب خرچ نہ کرنے پر ہم پوچھتے ہیں کہ) تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے؟ حالانکہ (اس کا بھی ایک قوی تقاضہ یقینی ہے وہ یہ کہ) سارے آسمان اور زمین آخر میں اللہ ہی کے رہ جائیں گے (جب سارے مالک مر جائیں گے اور اکیلا وہی رہ جائے گا، لہٰذا جب ایک دن سارا مال چھوڑنا ہے تو خوشی سے کیوں نہ دیا جائے کہ ثواب بھی ہو، اور آسمان کا ذکر، باوجودیکہ کوئی مخلوق اس کی مالک نہیں،

شاید اس نکتہ کے لئے کیا ہو کہ جس طرح آسمان بغیر کسی کی شرکت کے اسی کی ملکیت ہے، اسی طرح زمین بھی حقیقت میں تو اس وقت بھی اور آخرت میں انجام کے طور پر ظاہر میں بھی، اسی کی ملکیت ہوگی۔ یہ مضمون ﴿ مُّسْتَخْلَفِيْنَ ﴾ کی شرح کے طور پر ہو گیا۔

آگے خرچ کرنے والوں کے درجوں کی فضیلت بتاتے ہیں کہ اگرچہ خرچ کرنا اس وجہ سے کہ اس کا حکم دیا گیا ہے، ہر ایک کے لئے جو ایمان لا کر خرچ کرے اجر کا سبب ہے، لیکن پھر بھی فرق ہے۔ وہ یہ کہ) تم میں سے جو لوگ مکہ کے فتح ہونے سے پہلے (اللہ کے راستہ میں) خرچ کر چکے اور (اللہ کے راستہ میں) لڑ چکے (اور جو کہ مکہ کے فتح کے بعد لڑے اور خرچ کیا، دونوں) برابر نہیں ہیں (بلکہ) وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے (مکہ کے فتح ہونے کے بعد) بعد میں خرچ کیا، اور لڑے۔ اور (یوں) اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ کر رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے عملوں کی پوری خبر ہے (اس لئے ثواب دونوں وقت کے عمل پر دیں گے، اس لئے جن لوگوں کو فتح سے پہلے خرچ کا موقع نہیں ملا، ہم انہیں ترغیب کے طور پر کہتے ہیں کہ) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے۔ اچھا قرض (یعنی خلوص کے ساتھ) پھر اللہ تعالیٰ اس (دیئے ہوئے ثواب) کو اس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے (اور بڑھانے کے ساتھ) اس کے لئے اچھا اجر (تجویز کیا گیا) ہے (مضاعفۃ یعنی بڑھانے کے لفظ کے ذریعہ مقدار میں اور لفظ کریم یعنی "اچھا" کے ذریعہ کیفیت کی طرف اشارہ ہے)

فائدہ: اور فتح سے پہلے اور فتح کے بعد اس فرق کی وجہ روح المعانی میں یہ لکھی ہے کہ فتح سے پہلے جان اور مال کی ضرورت زیادہ تھی، کیونکہ مسلمان کم تھے اور دشمن زیادہ تھے اور غنیموں وغیرہ کی بھی امید نہیں تھی، اس لئے خرچ کرنا اور لڑنا نفس پر بڑا مشکل اور زیادہ نفع والا تھا۔ اور بعد میں ان امور میں فرق آگیا۔

﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ

اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞

ع ۱۸

ترجمہ: جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں اُن کو جواب دیا جاوے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی تلاش کرو۔ پھر اُن کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جاوے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اُس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا۔ یہ اُن کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور تم شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا، اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے سامنے جھک جاویں؟ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو اُن کے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر اُن کے دل سخت ہو گئے؟ اور بہت سے آدمی اُن میں کے کافر ہیں۔ یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اُس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے، ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں تا کہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور یہ اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں، وہ صدقہ اُن کے لئے بڑھا دیا جاوے گا اور اُن کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں، اُن کے لئے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔

ربط: اوپر ایمان اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا امر تھا۔ اب دو باتیں بتاتے ہیں کہ جو ایمان مطلوب ہے اور جس

کا حکم دیا گیا ہے وہ، وہ ہے جو کامل ہو، یعنی اس میں اقرار کے ساتھ تصدیق بھی ہو اور نیک اعمال بھی ہوں۔ اس لئے مؤمنوں کے ذکر کے بعد منافقوں کا محروم ہونا جنہیں تصدیق حاصل نہیں تھی اور اس کے بعد خشوع کو ترک کرنے پر جو کہ اعمال کے ضائع کرنے کا سبب ہے ملامت اور ڈرانے وخوف دلانے کی باتیں ارشاد ہیں۔ اور اسی کامل ایمان کا دوسرا امر اور موقع ومحل کے تقاضے کے مطابق اس ایمان کے فروع میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور اس پر خوش خبری کا بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ اگلی آیتوں کے شروع اور آخر میں یہی مضمون ہے اور اس کے باوجود کہ اوپر بھی مختصر انداز میں اس کی فضیلت کا ذکر ہے، لیکن وہاں امر کی تقویت کے طور پر اور یہاں مقصود کے طور پر اور مستقل طور پر ہے پھر عنوان بھی مختلف ہے، لہٰذا تکرار بھی نہیں رہی اور مقابلہ کی بات پوری کرنے کے لئے درمیان میں منافقوں کے ساتھ اور آخر میں مؤمنوں کے بعد اقرار نہ کرنے والوں اور تصدیق نہ کرنے والے کافروں کی مذمت اور عذاب وسزا کا بیان ہے۔

مؤمنوں اور تصدیق کرنے والوں کے لئے خوش خبری اور منافقوں اور کافروں اور خشوع سے کام نہ لینے والوں کے گھاٹے اور مذمت کا بیان:

(وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی طرف داھنی دوڑتا ہوگا (یہ نور پل صراط پر سے گذرنے کے لئے ان کے ہمراہ ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی ہوگا جیسا کہ الدرالمنثور میں ہے تو داھنی طرف کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ اس طرف نور زیادہ قوی ہو، اور اس تخصیص میں شاید یہ نکتہ ہو کہ ان کے اعمال نامے داھنے ہاتھ میں دیئے جانے کا شعار اور پہچان ہو اور ایسے موقع پر سامنے نور ہونا عام عادت ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں ایسے باغوں کی خوش خبری ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے (یا تو یہ بات بھی اسی وقت کہی جائے گی یا خبر دینے کے وقت کہی جارہی ہے اور ﴿ بُشۡرٰىكُمُ ﴾ کہنے والے غالباً فرشتے ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا ﴾ الخ یا اس خطاب سے حق تعالیٰ شرف فرمائیں۔

اور یہ وہ دن ہوگا) جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے (پل صراط پر) کہیں گے کہ (ذرا) ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں (یہ اس وقت ہوگا جب کہ مسلمان اپنے اعمال وایمان کی برکت سے بہت آگے بڑھ جائیں گے، اور منافق جو کہ پل صراط پر مسلمانوں کے ساتھ چڑھائے جائیں گے، پیچھے اندھیرے میں رہ جائیں گے، چاہے ان کے پاس پہلے ہی سے نور نہ ہو یا جیسا کہ درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ ان کے پاس بھی تھوڑا سا نور ہو اور پھر وہ گل ہوجائے، اور نور عطا کرنے میں حکمت یہ ہو کہ وہ دنیا میں ظاہر میں اعمال کے اعتبار سے مسلمانوں کے

ساتھ رہا کرتے تھے، مگر اعتقاد کے اعتبار سے دل سے جدا تھے، اس لئے انہیں شروع میں ظاہری اعمال کے تقاضے کے مطابق نور مل جائے۔ مگر دل سے تصدیق نہ ہونے کے تقاضے کے تحت پھر وہ ختم ہو جائے۔ اور یہ ان کے دھوکے کا بدلا بھی ہے کہ شروع میں انہیں نور مل گیا، پھر خیال وگمان کے خلاف ختم ہو گیا۔ غرض وہ مسلمانوں سے ٹھہرنے کے لئے کہیں گے) انہیں جواب دیا جائے گا (یہ جواب دینے والے چاہے فرشتے ہوں یا مؤمن ہوں) کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہاں سے) روشنی تلاش کرو (درمنثور کی روایت کے مطابق اس پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سخت اندھیرے کے بعد پل صراط پر چڑھنے کے وقت نور تقسیم ہوا تھا۔ یعنی نور تقسیم ہونے کی جگہ وہ ہے وہاں جا کر لے لو۔ چنانچہ وہ ادھر جائیں گے جب وہاں بھی کچھ نہ ملے گا، تو پھر (ادھر ہی آئیں گے) پھر (مسلمانوں کے پاس نہیں پہنچ سکیں گے، بلکہ) ان (فریقوں) کے درمیان میں ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) اس کے اندر کی جانب رحمت ہوگی۔ اور باہر کی جانب عذاب ہوگا (درمنثور کی روایت کے مطابق یہ دیوار اعراف ہے، اور اندر کی جانب سے مراد مؤمنوں کی طرف والی اور باہر کی جانب سے مراد کافروں کی طرف والی جانب مراد ہے اور رحمت سے مراد جنت اور عذاب سے مراد جہنم ہے، اور شاید یہ دروازہ بات چیت کے لئے ہو یا اس دروازہ میں سے جنت میں جانے کا راستہ ہو، اور اعراف کی زیادہ تحقیق سورۃ الاعراف آیت ۴۸ و ۴۹ میں گذر چکی ہے۔

غرض جب ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی اور یہ خود اندھیرے میں رہ جائیں گے تو اس (وقت) یہ (منافق) ان (مسلمانوں) کو پکاریں گے کہ کیا (دنیا میں) ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ (یعنی اعمال اور طاعتوں میں تمہارے ساتھ شریک رہا کرتے تھے تو آج بھی ساتھ دینا چاہئے) وہ (مسلمان) کہیں گے کہ (ہاں) تھے تو سہی، لیکن (ایسا ہونا کس کام کا؟ کیونکہ محض ظاہر میں ساتھ تھے اور تمہاری باطنی حالت یہ تھی کہ) تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا۔ اور (وہ گمراہی یہ تھی کہ) تم رسول سے اور مؤمنوں سے دشمنی رکھتے تھے اور حادثوں اور مصیبتوں کے واقع ہونے کا) انتظار (اور تمنا) کیا کرتے تھے اور (اسلام کے حق ہونے میں) تم شک کیا کرتے تھے اور تمہیں تمہاری بے ہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم آپہنچا (بے ہودہ تمناؤں سے مراد یہ ہے کہ اسلام مٹ جائے گا اور یہ کہ ہمارا دین حق اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ کے حکم سے مراد موت ہے یعنی عمر بھر انہی کفر کی باتوں پر اصرار کرتے رہے توبہ بھی نہیں کی) اور تمہیں دھوکہ دینے والے (یعنی شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا (وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہماری پکڑ نہیں کرے گا، ان ساری باتوں کا حاصل یہ ہے کہ کفر کی ان باتوں کی وجہ سے تمہارا ظاہری طور پر ساتھ ہونا نجات کے لئے کافی نہیں) غرض نہ آج تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے (یعنی اول تو معاوضہ دینے کے واسطے تمہارے پاس کوئی چیز ہے ہی نہیں، لیکن فرض کرو اگر ہوتی بھی تو بھی قبول نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ

بدلہ کی جگہ ہے عمل کی جگہ نہیں، اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے، وہی تمہارا (ہمیشہ کے لئے) ساتھی ہے اور وہ (واقعی برا ٹھکانا ہے (یہ قول یعنی ﴿ فَالْیَوْمَ ﴾ الخ یا تو مؤمنوں کا ہوگا یا حق تعالیٰ کا۔ اس پورے بیان سے ثابت ہوگیا کہ جس ایمان میں دل سے تصدیق نہ ہو، وہ ایمان ہی نہیں ہے۔

آگے بتاتے ہیں کہ جس ایمان میں ضروری طاعتوں کی کمی ہے وہ اگرچہ بالکل نہ ہونے کے برابر نہیں، لیکن کامل بھی نہیں، لہٰذا اس تکمیل کے لئے ملامت کی صورت میں مسلمانوں کو حکم فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) کیا ایمان والوں (میں سے جو لوگ ضروری طاعتوں میں خلل پیدا کرتے ہیں جیسے نافرمان اور گنہ گار مؤمنوں کی حالت ہوتی ہے، تو کیا ان) کے لئے (ابھی) اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے اللہ کی نصیحت کے لئے اور جو دین حق (اللہ کی جانب سے) نازل ہوا ہے (کہ اللہ کی نصیحت وہی ہے) اس کے سامنے جھک جائیں (یعنی ضروری طاعتوں کی پابندی اور نافرمانیوں وگناہوں کو چھوڑنے کا دل سے عزم کرلیں، اور اس کو خشوع بمعنی سکون اس لئے کہا ہے کہ دل کا مطلوبہ حالت پر رہنا سکون ہے جو کہ اصلی حالت کے مشابہ ہے اور معصیت کی طرف جانا حرکت کے مشابہ ہے) اور (مذکورہ معنی میں خشوع میں دیر کرنے سے جس کا حاصل توبہ میں دیر کرنا ہے وہ) ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جنہیں ان سے پہلے (آسمانی) کتاب ملی تھی (یعنی یہود ونصاریٰ یعنی عیسائی کہ انھوں نے اپنی کتابوں کے تقاضوں کے برخلاف نفسانی خواہشوں اور معاصی ونافرمانیوں میں لگا رہنا شروع کیا، پھر (اسی حالت میں) ان پر ایک لمبا زمانہ گذر گیا (اور توبہ نہ کی) پھر (اس توبہ نہ کرنے سے) ان کے دل (خوب) سخت ہوگئے (کہ مجبوری کی حالت میں بھی ندامت وملامت نہیں ہوتی تھی) اور اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی سختی کی بدولت) ان میں سے بہت سے لوگ (آج) کافر ہیں (کیونکہ کبھی کبھی معصیت عادت اور اصرار کی وجہ سے اور گناہ کو اچھا سمجھنے کی وجہ سے، اور حق کو قبول کرنے میں عار کی وجہ سے اور نصیحت کرنے والے نبی کی دشمنی کی وجہ سے کفر کی طرف لے جانے والی ہوجاتی ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمان کو توبہ جلدی ہی کرلینی چاہئے، کیونکہ بعض اوقات پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی، اور بعض اوقات نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگوں کے دلوں میں گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے کم یا زیادہ کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہو، تو اسے اس وہم کی وجہ سے توبہ کے لئے رکاوٹ نہ سمجھو کہ اب توبہ سے کیا اصلاح ہوگی، بلکہ) یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ (کی ایسی شان ہے کہ وہ) زمین کے خشک ہوجانے کے بعد اسے زندہ کردیتا ہے (بس اسی طرح توبہ کرنے پر اپنی رحمت سے مردہ دل کو زندہ اور درست کردیتا ہے، لہٰذا مایوس نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ) ہم نے تمہارے لئے (اس کی) نشانیاں بیان کردی ہیں تاکہ تم سمجھو (نمونہ سے جیسا کہ مدارک میں ہے زمین کا زندہ کرنا مراد ہے اور جمع لانا شاید تکرار واقع کی وجہ سے ہو یا اسم جنس میں جمع کا لحاظ نہ کیا گیا ہو۔

آ گے مذکورہ بالا خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، یعنی) بے شک جو صدقہ دینے والے مرد ہیں اور جو صدقہ دینے والی عورتیں ہیں، اور یہ (صدقہ دینے والے) اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں، وہ صدقہ (ثواب کے اعتبار سے) ان کے لئے بڑھادیا جائے گا (اور بڑھانے کے ساتھ) ان کے لئے اچھا اجر (تجویز کیا گیا) ہے تفسیر اس کی بھی بیان ہوچکی ہے)

اور (آگے مذکورہ بالا ایمان کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ) جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر (پورا) ایمان رکھتے ہیں (جس کا مطلوب ہونا اور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں تصدیق اور طاعتوں کی پابندی کمال کے درجہ میں ہو) ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں (جس کا بیان سورۃ النساء آیت ۶۹ میں گذر چکا ہے، یعنی کمال کے درجے ایمان ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں اور شہید کا حاصل اللہ کے راستہ میں نفس کو خرچ کرنا ہے، اگر چہ قتل ہونا اپنے اختیار سے باہر ہے) ان کے لئے (جنت میں) ان کا (خاص) اجر اور (پل صراط پر) ان کا (خاص) نور ہوگا، اور (آگے مقابلہ کے طور پر کافروں کا ذکر فرماتے ہیں کہ) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ جہنمی ہیں۔

فائدہ: پل صراط پر کافروں کا حال اس وجہ سے بیان نہیں کیا کہ وہ آیت ﴿ادْخُلُوٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ الخ کے ظاہری مطلب کے مطابق پل صراط پر نہیں چڑھیں گے، بلکہ دروازوں سے داخل ہوں گے اس کی تصریح شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ نے کی ہے اور اس کی تائید در منثور کی بعض باتوں سے ہوتی ہے۔

﴿اِعْلَمُوٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۞ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۞﴾

ترجمہ: تم خوب جان لو کہ دنیوی حیات محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے جیسے مینہ ہے کہ اُس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے۔ سو اُس کو تو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے۔ اور دنیوی زندگانی محض دھوکہ کا اسباب ہے۔ تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور

ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی برابر ہے وہ اُن لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ربط: اوپر آخرت کے ثوابوں اور عذاب وسزا کا بیان تھا۔ اب آخرت کا واجب الاحترام اور باقی ہونا اور دنیا کا کہ جس میں مشغولیت، آخرت کے اہتمام میں رکاوٹ بنتی ہے توجہ کے قابل نہ ہونے اور فانی ہونے کا ذکر ہے۔ اس غرض پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿سَابِقُوٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ الخ

دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی رغبت کا بیان:

تم اچھی طرح جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیاوی زندگی (ہرگز مشغولیت کے قابل اور مقصود نہیں ہے، کیونکہ وہ) بس کھیل تفریح اور (ایک ظاہری) سجاوٹ ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر (قوت وجمال اور دنیاوی ہنر وکمال میں) فخر کرنا اور مالوں اور اولادمیں ایک دوسرے سے زیادہ بتانا ہے (یعنی دنیا کے مقاصد یہ ہیں کہ بچپن میں کھیل اور تفریح کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں سجاوٹ اور فخر کا، اور بڑھاپے میں مال ودولت اور اولاد کی گنتی کرانا اور یہ سب مقصود فنا ہونے والے اور محض خواب وخیال ہیں، جس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش (برستی ہے) کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کسانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ (کھیتی) خشک ہوجاتی ہے تو اس کو تم پیلی دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے (اسی طرح دنیا چند دن کی بہار ہے، پھر زوال اور کمزوری، یہ تو دنیا کی حالت ہوئی) اور آخرت (کی حالت یہ ہے کہ اس) میں (دو چیزیں ہیں: ایک تو کافروں کے لئے) سخت عذاب ہے اور (دوسرے ایمان والوں کے لئے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے (اور یہ دونوں باقی رہنے والی ہیں، لہٰذا آخرت تو باقی ہے) اور دنیاوی زندگی محض (فنا ہونے والی ہے، جیسے فرض کرو کہ ایک) دھوکے کا سامان ہے (اور اس کی تفسیر سورۂ آلِ عمران آیت ۱۹۷ میں گذر چکی ہے، لہٰذا جب دنیا کا سامان فنا ہونے والا اور آخرت کی دولت باقی رہنے والی ہے جو ایمان کی بدولت نصیب ہوتی ہے تو تمہیں چاہئے کہ) تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس میں گنجائش آسمان اور زمین کی گنجائش کے برابر ہے (یعنی اس سے کم کی نفی ہے زیادہ کی نفی نہیں ہے اور) وہ ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور) یہ (مغفرت اور رضامندی) اللہ کا فضل ہے، وہ اپنا فضل جس کو چاہیں عنایت کریں، اور اللہ بڑے فضل والا ہے (اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر کوئی گھمنڈ نہ کرے اور اپنے اعمال پر جنت کے مستحق ہونے کا دعویٰ نہ کرے، یہ محض فضل ہے جس کا مدار مشیت پر ہے، مگر ہم نے اپنی رحمت سے ان عملوں کے کرنے والوں کے ساتھ اپنی مشیت متعلق کرلی۔ اگر ہم چاہتے تو اپنی مشیت ان سے متعلق نہ کرتے کہ قدرت کا تعلق دونوں ضدوں سے ہوتا ہے)

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝﴾

ترجمہ: کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم اُن جانوں کو پیدا کردیں۔ یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے، تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اُس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اُس پر اتراؤ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا، جو ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں۔ اور جو شخص اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں سزاوارِ حمد ہیں۔

ربط: دنیا کی دو حالتیں ہیں: خوشی اور نقصان۔ اور یہ دونوں حالتیں مختلف حیثیتوں سے آخرت کی طرف متوجہ اور اس سے متعلق اعمال میں مشغول ہونے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اوپر خوشی اور نعمت کا ذکر تھا کہ اس کے فنا ہونے کو سامنے رکھ کر رکاوٹ نہ بننے دیا جائے، اب نقصان اور مصیبت کا ذکر ہے کہ اس کے مقدر ہونے کو سامنے رکھ کر رکاوٹ نہ بننے دیا جائے اور چونکہ خوشی و مسرت اکثر رکاوٹ بنتی ہے، اس لئے مقدر ہونے کی صفت میں اس کو بھی شریک کر کے آخرت کے معاملہ میں اس کے رکاوٹ نہ بننے کو دوبارہ فرمادیا۔ اور چونکہ نعمت سے فخر و بخل وغیرہ بری صفتیں پیدا ہوجاتی ہیں اور وہ کبھی کبھی حق سے منہ پھیرنے کا سبب ہوجاتی ہیں، اس لئے ان برائیوں پر وعید فرماتے ہیں۔

تنگی و پریشانی پر بے صبری اور نعمتوں پر خوشی کی مذمت اور آخرت سے روکنے والی دوسری بری باتیں:

کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا خاص تمہاری جانوں میں آتی ہو، مگر یہ کہ (ان سب کو) ہم نے ان جانوں کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھ لیا ہے (یعنی تمام مصیبتیں اندرونی ہوں یا باہری، وہ سب مقدر ہیں اور) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (کہ واقع ہونے سے پہلے لکھ دیا، کیونکہ اسے علم غیب حاصل ہے اور ہم نے یہ بات اس لئے بتادی ہے) تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے (عافیت یا اولاد یا مال) تم اس پر (اتنا) رنج نہ کرو (کہ آخرت سے متعلق کاموں میں مشغول ہونے اور حق کی رضا حاصل کرنے کی کوشش میں رکاوٹ بن جائے، اور طبعی رنج میں کوئی حرج نہیں) اور تاکہ جو چیز تمہیں عطا فرمائی ہے (اس کے بارے میں بھی یہی سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے ہمارے لئے عطا فرمانا تجویز کردیا تھا، اور اسی نے یہ ہمیں دی ہے) اس پر پھول نہ جاؤ (کیونکہ پھولے اور اترائے تو وہ جو ذاتی طور پر اس کا مستحق ہو، اور جب ایک چیز دوسرے کی مشیت اور حکم سے ملی ہے تو اس پر پھولنے اور اترانے کا کیا حق ہے؟)

اور (آگے اس اترانے پر وعید ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا ﴿ مُخْتَالٍ ﴾ اور ﴿ فَخُوْرٍ ﴾ دونوں کے معنی ملتے جلتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مختال اکثر داخلی فضیلتوں پر اترانے میں اور فخر اکثر خارجی چیزوں مال اور عزت و مرتبہ پر اترانے میں استعمال ہوتا ہے۔ آگے بخل کی مذمت ہے کہ) جو ایسے ہیں کہ (دنیا کی محبت کی وجہ سے) خود بھی اللہ کے نزدیک پسندیدہ حقوق اور کاموں میں خرچ کرنے سے) بخل کرتے ہیں (چاہے اپنی نفسانی خواہشوں اور معاصی میں کتنی ہی فضول خرچی کریں) اور (لازمی معصیت کے ساتھ دوسروں تک پہنچنے والی معصیت، گناہ بھی کرتے ہیں کہ) دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں (﴿ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ﴾ الخ سے جو کہ ترتیب میں بدل ہے یہ مقصود نہیں کہ وعید افعال کے مجموعہ کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر برائی پر وعید ہے، بلکہ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی محبت ایسی چیز ہے جس سے اکثر بری صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اترانا اور شیخی بازی بھی اور بخل وغیرہ بھی) اور (یہی دنیا کی محبت کبھی حق سے پھرنے کا سبب بن جاتی ہے جس کے حق میں یہ وعید ہے کہ) جو شخص (دین حق سے جس کا ایک امر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ہے) منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ (کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ سب کی عبادتوں اور مالوں سے) بے نیاز ہیں (اور اپنی ذات و صفات میں کامل اور) تعریف کے لائق ہیں (اس لئے وہاں کسی غیر کے ذریعہ کمال حاصل کرنے کا خیال محال ہے)

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ ع ۱۹

ترجمہ: ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ بے دیکھے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہیں۔

ربط: اوپر ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ سے ﴿ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ تک دنیا کا مہتم بالشان نہ ہونا اور اس کے درمیان میں ﴿ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴾ سے آخرت کا مہتم بالشان ہونا بیان ہوا ہے۔ آگے بھی اسی کی شان کے اہتمام کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اصل میں ہم نے اسی آخرت کو ٹھیک کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا اور احکام مقرر کئے اور دین کی مدد کے لئے خاص طور سے لوہا کیا پیدا اور اس کے تابع کرتے ہوئے ان چیزوں میں تمہارے دنیاوی

نفعے بھی رکھ دیئے، لہٰذا دنیا عرض کے طور پر اور آخرت ذاتی طور پر مقصود ہوئی۔

آخرت کی اصلاح کا ذاتی طور پر اور دنیا کی اصلاح کا عرضی طور پر مقصود ہونا:

ہم نے (آخرت کی اس اصلاح کے لئے) اپنے رسولوں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور (اس کتاب میں خاص طور سے) انصاف کرنے (کے حکم) کو جس کا تعلق حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق سے ہے) نازل کیا تا کہ لوگ (اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق میں) انصاف پر قائم رہیں (اس میں ساری شریعت آگئی جو افراط یعنی زیادتی اور تفریط یعنی کمی کے درمیان ہے) اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے (تا کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کا انتظام چلتا رہے کہ ڈر کی وجہ سے بہت سی بے انتظامیاں بند ہو جاتی ہیں) اور (اس کے علاوہ) لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں (چنانچہ اکثر آلات میں لوہے کا استعمال ہے) اور (اس لئے لوہا پیدا کیا) تا کہ اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر) جان لے کہ بغیر (اس کے کہ اللہ کو) دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین کی) کون مدد کرتا ہے (کیونکہ لوہا جہاد میں بھی کام آتا ہے تو یہ بھی آخرت کا نفع ہوا اور جہاد کا حکم اللہ تعالیٰ کی محتاجی کی وجہ سے نہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (خود) قوی اور زبردست ہے (بلکہ تمہارے ثواب کے لئے ہے)

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۞ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے اُن کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی۔ سو اُن لوگوں میں بعضے تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان میں نافرمان تھے۔ پھر ان کے بعد اور رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور اُن کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے اُن کو انجیل دی، اور جن لوگوں نے اُن کا اتباع کیا تھا ہم نے اُن کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کیا۔ اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا ہم نے اُن پر اس کو واجب نہ کیا تھا لیکن انھوں

نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا، سو انھوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی، سو اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے، ہم نے ان کو اُن کا اجر دیا اور زیادہ اُن میں نافرمان ہیں۔ اے ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اُس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہو گے اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے تاکہ اہل کتاب کو یہ بات معلوم ہو جاوے کہ اُن لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہے دیدے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ربط: اوپر مخلوق کی اصلاح کی غرض سے رسولوں کے بھیجنے کا مختصر انداز میں ذکر تھا۔ اب بعض خاص رسولوں کا امتوں کی اصلاح کی غرض سے بھیجنا اور ان امتوں میں سے بعض کا اصلاح کو قبول کرنا اور بعض کا قبول نہ کرنا اور موجودہ لوگوں کو اصلاح قبول کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

بعض گذشتہ رسولوں اور امتوں کے احوال اور بعد والوں پر ایمان کا واجب ہونا:

اور ہم نے (مخلوق کی آخرت کی اسی اصلاح کے لئے) نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو رسول بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب جاری رکھی (یعنی ان کی اولاد میں بھی بعض نبی اور ان میں بعض کتاب والے بنائے) تو (جن جن لوگوں کے پاس یہ نبی آئے) ان لوگوں میں بعض تو ہدایت والے ہوئے اور ان میں بہت سے نافرمان تھے (اور یہ مذکورہ رسول تو مستقل شریعت والے تھے کہ ان میں بعض چاہے صاحب کتاب ہوں، جیسے موسیٰ علیہ السلام جو حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام دونوں کی اولاد میں تھے، چاہے صاحب کتاب نہ ہوں جیسے ہود اور صالح علیہما السلام کہ ان کی شریعت مستقل تھی مگر ان کا صاحب کتاب ہونا منقول نہیں اور اگر ہوں تب بھی آیت کے خلاف نہیں، بہرحال بہت سے نبی تو مستقل شریعت والے بھیجے) پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ مستقل شریعت والے نہیں تھے) ایک کے بعد ایک بھیجتے رہے (جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت کے تابع بہت سے نبی آئے) اور ان کے بعد (پھر ایک مستقل شریعت والے کو یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھیجا اور ہم نے انہیں انجیل دی اور (ان کی امت میں دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک ان کا اتباع کرنے والے یعنی ان پر ایمان لانے والے اور دوسرے انکار کرنے والے) اور جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا (یعنی پہلی قسم) ہم نے ان کے دلوں میں (ایک دوسرے کے لئے) شفقت ومحبت اور رحم پیدا کر دیئے (جو کہ تعریف کے قابل اخلاق میں سے ہیں، جیسا کہ صحابہ کے بارے میں ارشاد ہے ﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾۔ اور شاید اس وجہ سے کہ ان کی شریعت میں جہاد نہیں تھا، اس کے مقابلہ میں آنے والی صفت ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ کا ذکر نہیں فرمایا۔ غرض ان پر رحم غالب تھا) اور (ہماری طرف سے تو ان لوگوں کو صرف احکام میں اتباع کا حکم ہوا تھا لیکن ان اتباع کرنے والوں میں بعض وہ ہوئے کہ) انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا (رہبانیت کا حاصل ملنا جلنا چھوڑنا اور نکاح کا

چھوڑنا اور لذتوں کا چھوڑنا ہے اور اس ایجاد کا سبب یہ ہوا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب لوگوں نے احکام کو چھوڑنا شروع کیا تو بعض اہل حق بھی تھے کہ وہ حق کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے، یہ بات نفسانی خواہشوں پر چلنے والوں کو ناگوار گذری اور انھوں نے اپنے بادشاہوں سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ ہمارے طریقہ پر چلنے والے بن کر رہیں، جب انہیں مجبور کیا گیا تو انھوں نے درخواست کی کہ ہمیں اجازت دے دی جائے کہ ہم تم لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھیں اور آزادانہ زندگی بسر کریں، چاہے گوشہ میں بیٹھ کر یا سفر اور سیاحت میں گھوم پھر کر عمر گذار کر۔ چنانچہ انہیں اسی پر چھوڑ دیا گیا جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اس موقع پر انہی کا ذکر ہے کہ انھوں نے اس کو ایجاد کر لیا) ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا، لیکن انھوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے (تاکہ اپنے دین کو محفوظ رکھیں) اس کو اختیار کر لیا تھا، تو (ان راہبوں میں زیادہ تر ایسے ہوئے کہ) انھوں نے اس (رہبانیت) کی پوری رعایت نہیں کی (یعنی جس غرض سے اس کو اختیار کیا تھا، وہ غرض حق تعالیٰ کی رضا طلب کرنا تھی، اس کا اہتمام نہیں کیا یعنی احکام کو انجام نہیں دیا، چاہے دیکھنے میں راہبوں کی صورت بنائے رہے اور بعض احکام کو انجام دینے میں لگن کے ساتھ لگے رہے، اس طرح ان راہبوں میں دو قسم کے لوگ ہوئے: (۱) رعایت کرنے والے اور (۲) رعایت نہ کرنے والے اور ان میں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لوگ تھے، ان کے لئے حق تعالیٰ کی رعایت کی شرط یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لائیں تو رعایت کے اس خاص معاملہ کے اعتبار سے رعایت کرنے والے وہ لوگ ہوئے جو رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور رعایت نہ کرنے والے وہ ہوئے جو آپ پر ایمان نہیں لائے) تو ان میں سے جو لوگ (رسولِ اکرم ﷺ پر) ایمان لائے ہم نے انہیں ان کا اجر دیا (جس کا وعدہ کیا گیا تھا، مگر ایسے لوگ کم تھے) اور ان میں زیادہ تر نافرمان ہیں (کہ آپ پر ایمان نہیں لائے، اور للاکثر حکم الکل اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے کے اصول کے مطابق اکثر کے رعایت نہ کرنے کی ﴿فَمَا رَعَوْهَا﴾ سے تعبیر فرمادی بعض کی رعایت پر دلالت کرتا ہے، اس لئے ﴿فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ﴾ الخ سے ان دونوں قسموں کی تفصیل صحیح ہوگئی۔

اور مذکورہ معنی میں رہبانیت اگر چہ لغت کے لحاظ سے بدعت تھی، مگر شرعی بدعت نہیں تھی، کیونکہ کسی بھی شریعت کے اہل حق، اہل بدعت نہیں ہوئے، پھر آیت میں اس بدعت کو اختیار کرنے پر ملامت نہ کیا جانا بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر ملامت فرمانا خود اس کی دلیل ہے۔ اور ایسی رہبانیت سے موجودہ واضح شریعت میں بھی منع نہیں ہے، جیسا کہ سورۃ المائدۃ آیت ۸۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا﴾ کی تفسیر میں بعض بزرگوں کے لذت والی چیزوں کو چھوڑنے کی توجیہ میں گذر چکا ہے اور جس رہبانیت سے منع کیا گیا ہے، اس کی حقیقت بھی اسی آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے یعنی قرب حاصل کرنے کے اعتقاد کے ساتھ حلال چیزوں کو چھوڑنا۔ اور اکثر

رہبانیت کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے، اور اسی اصطلاح پر بعض روایتوں سے مطلق رہبانیت کا منع ہونا معلوم ہوتا ہے، اور بعض روایتوں سے جو رہبانیت کی نفی خاص اسلام میں معلوم ہوتی ہے تو وہ اس معنی میں نہیں کہ وہ پہلی شریعتوں میں جائز تھی اور اس میں منع کردی گئی بلکہ وہ اس معنی میں ہے کہ اسلامی ملت والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں میں وہ زیادہ پائی جاتی تھی، خوب سمجھ لیا جائے۔

چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں پہلے دو قسمیں ہوئیں: (۱) اتباع کرنے والے یعنی مؤمن اور (۲) اتباع نہ کرنے والے۔ اور اتباع کرنے والوں میں دو قسم ہوئیں: (۱) رہبانیت اختیار کرنے والے اور (۲) رہبانیت اختیار نہ کرنے والے۔ اور رہبانیت اختیار کرنے والوں میں دو قسمیں ہوئیں: (۱) رعایت کرنے والے یعنی رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے والے اور (۲) رعایت نہ کرنے والے۔ آیت میں اتباع کرنے والوں کا اور ان میں سے رہبانیت اختیار کرنے والوں کا اور ان میں سے رعایت کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور دوسری قسموں کا حکم انہی مذکورہ قسموں کے احکام کی علتوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اتباع نہ کرنے والوں کا کافر ہونا اور اسی طرح مذکورہ معنی میں رعایت نہ کرنے والوں کا کافر ہونا چاہے رہبانیت اختیار کرنے والے ہوں یا رہبانیت اختیار نہ کرنے والے، اسی طرح رعایت کرنے والوں کا چاہے وہ رہبانیت اختیار کرنے والے نہ ہوں مؤمن ہونا معلوم ہے۔

یہاں تک تو ان عیسائیوں میں سے آپ پر ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں کی خبر دی گئی ہے۔ آگے ایمان لانے کا حکم ہے کہ) اے (عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان رکھنے والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس ڈر کے تقاضے پر عمل کرو، یعنی) اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے (ثواب سے) دوگنا حصہ عطا فرمائے گا (جیسا کہ سورۃ القصص آیت ۵۴ میں ہے ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ الخ) اور تمہیں ایسا نور عنایت کرے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے (یعنی ایسا ایمان دے گا جو ہر وقت ساتھ دے گا، یہاں سے یعنی دنیا سے آخرت میں پل صراط تک ساتھ دے گا) اور تمہیں بخش دے گا (اس لئے کہ اسلام اپنے سے پہلے والی تمام برائیوں کو ختم کردیتا ہے) اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (اور تمہیں یہ دولتیں اس لئے عنایت کرے گا) تاکہ (جس وقت یہ عطا کی جانے والی چیزیں ظاہر ہوں یعنی قیامت کے دن، اس وقت) کتاب والوں کو (یعنی جو ان میں سے ایمان نہیں لائے، انہیں) یہ بات معلوم ہوجائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی حصہ پر بھی (ایمان نہ ہونے کی موجودہ حالت میں) قابو نہیں (اور یہ بھی معلوم ہوجائے) کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہے دیدے (چنانچہ اس کی مشیت اس فضل کے ساتھ مسلمانوں سے متعلق ہوئی تو فضل انہی کو عنایت فرمادیا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے (مطلب یہ کہ ان کا گھمنڈ اور زعم ٹوٹ جائے کہ وہ موجودہ حالت میں اپنے آپ کو فضل کا مستحق اور مغفرت کا حقدار سمجھتے ہیں)

فائدہ: اہل کتاب کے لئے ایمان لانے پر دو گنے اجر کے وعدہ پر بعض صورتوں کے اعتبار سے اشکال ہے، وہ صورت یہ ہے کہ آپ کی خبر سن کر اس نے انکار کیا ہو، اور پھر ایمان لے آیا ہو۔ اور اشکال یہ ہے کہ انکار کرنے پر وہ کافر ہو گیا، اور کفر کی حالت کے اعمال ایمان کی شرط کی وجہ سے ثواب کے قابل نہیں۔ جواب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷ میں جملہ ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ جب کوئی کافر، مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی پچھلی نیکیوں پر ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کے انکار کی حالت میں وہ شخص اپنے پہلے نبی پر جو ایمان رکھتا تھا، اس وقت تو وہ مقبول نہیں تھا، لیکن اسلام کے بعد وہ مقبول ہو گیا۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس میں اہل کتاب کی کیا تخصیص ہے جب غیر اہل کتاب بھی ایمان لاتا ہے تو آپ کے ساتھ پہلے نبیوں پر بھی ایمان لاتا ہے تو اس کو بھی بڑھا ہوا ثواب ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ نبیوں پر اس طرح کے ایمان میں تو وہ اہل کتاب بھی شریک ہیں، لیکن اس ایمان لانے سے پہلے دونوں میں جو فرق ہے کہ غیر اہل کتاب تو کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اور اہل کتاب پہلے نبی پر ایمان رکھتا تھا، اس فرق کے اعتبار سے اس اہل کتاب کا ثواب بڑھا ہوا رہے گا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی غیر اہل کتاب کا ایک اجر اہل کتاب کے دوہرے اجر سے کیفیت کے اعتبار سے زیادہ فرمائے اور اس آیت میں اہل کتاب کو جو ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے تعبیر فرمایا ہے، اس کے باوجود کہ قرآن میں اس لفظ سے صرف مسلمانوں کو خطاب کیا جاتا ہے، غالباً اس میں یہ نکتہ ہے کہ چونکہ ان کا یہ ایمان رسول پر ایمان کے بعد قبول ہو جائے گا، اس لئے اس کو ایسے ایمان سے تعبیر فرمادیا جو ذکر کے قابل ہے اور ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ میں چونکہ یہ لوگ ایمان نہیں لائے، اس لئے اہل کتاب سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ صرف اہل کتاب ہیں، ان کا ایمان ذکر کے قابل نہیں۔ واللہ اعلم

﴿الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۷ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۲۵ھ کو سورۃ الحدید کی تفسیر پوری ہوئی، اب آگے ان شاء اللہ سورۃ المجادلۃ کی تفسیر آتی ہے﴾
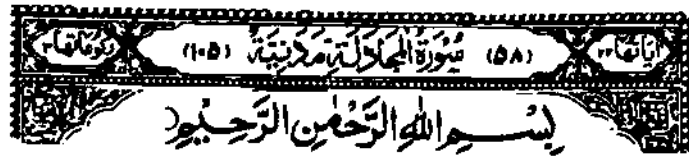
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کا آخری حصہ رسالت کے مضمون پر اور اس سورت کا شروع حصہ اللہ تعالیٰ کے پوری طرح سننے پر مشتمل ہے، جو کہ توحید کے مسائل ہیں۔ اور دونوں میں مناسبت ظاہر ہے، اور مذکورہ خاتمہ میں اہل ایمان پر آخرت کے فضل کا بیان تھا، اور اس کے شروع میں ایمان والوں پر دنیاوی فضل کا بیان ہے کہ ظہار کے مسئلہ میں گذشتہ سختی کو دور کر دیا۔ لہذا فضل کی توجہ دونوں میں مشترک ہے، اور ابتدائی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایک بار اوس بن الصامت نے غصہ میں اپنی بیوی خولہ سے یوں کہہ دیا کہ: أنت علي كظهر أمي: یعنی "تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ" یعنی مجھ پر حرام ہے۔ اور نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے ان لفظوں کے کہنے کا مطلب طلاق سے بھی بڑھ کر ہمیشہ کے لئے حرمت سمجھ لی جاتی تھی، خولہ اس حکم کی تحقیق کے لئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے اس بنیاد پر کہ اس مشہور قول کے خلاف وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس مشہور قول کو عمل کے قابل خیال کر کے فرما دیا: ما أراک إلا قد حرمت عليه: میری رائے میں تو حرام ہوگئی وہ یہ سن کر افسوس کرنے لگیں کہ پھر میرے بچوں کی گذر بسر کیسے ہوگی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے لفظ طلاق تو کہا نہیں، پھر طلاق کیسے ہوگئی؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے کہا: اللّٰهم إنى أشكو إليک اے اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ما أمرت فى شانک بشيء حتى الآن: یعنی "اس بارے میں ابھی تک مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا" اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جیسا کہ حدیثوں میں ہے۔ اس طرح ان آیتوں میں ظہار کے حکم کا ذکر ہے اور اس کے بعد مطلق اللہ کے احکام کی تصدیق اور ان پر عمل کا واجب ہونا اور (عدم) تصدیق پر خاص طور سے سخت وعید کا ہونا ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۚ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ع ۲

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں، وہ اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے۔ اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے، بخش دینے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو اُن کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے، پھر جس کو میسر نہ ہو تو اُس کے ذمہ پیاپے دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اُس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ حکم اس لئے تاکہ اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور کافروں کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ایسے ذلیل ہونگے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔ اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اُن کا سب کیا ہوا ان کو بتلادے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اُس کو بھول گئے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

ظہار کا حکم اور منکروں کو جہنم کے عذاب کی وعید:

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے سلسلہ میں جھگڑ رہی تھی (مثال کے طور پر یہ کہہ رہی تھی کہ ما ذکر طلاقا یعنی "اس نے طلاق کا لفظ تو کہا نہیں، پھر حرام کا حکم کیسے ہو گیا؟" اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (مثال کے طور پر یہ کہا تھا اللّٰھم إنی أشکوا إلیک) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے (تو اس کی بات کو کیسے نہ سنتا، اور جملہ ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ سے مقصود سننے کا اثبات نہیں بلکہ مقصود تنگی و پریشانی کو دور کرنا اور رونے وگڑگڑانے کو قبول کرنا ہے اور جملہ ﴿ يَسْمَعُ

﴿تَحَاوُرَكُمَا﴾ سے مقصود گذشتہ حکم یعنی تنگی و پریشانی کو دور کرنے کی علت بیان کرنا ہے۔آگے ظہار کے حکم کا بیان ہے۔ جس میں شکایت کرنے والی کے رونے وگڑگڑانے کو قبول کرنے کی تحقیق ہے،یعنی) تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیتے ہیں (مثال کے طور پر یوں کہہ دیتے ہیں: انت علی کظھر امی) وہ (بیویاں) ان کی مائیں نہیں ہوجاتیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے (اور ان عورتوں کا ان کو جنم نہ دینا ظاہر ہے، لہٰذا یہ ان کی مائیں نہیں ہوئیں کہ جس سے ماں کی طرح ہمیشہ کے لئے حرام ہونا ثابت ہوجائے۔ اور ہمیشہ کے لئے حرام کرنے والے اسباب میں سے کوئی دوسرا سبب بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں، جیسے رشتوں کا یا دودھ پلانے کا یا سسرالی رشتوں وغیرہ کا حرام ہونا، لہٰذا ہمیشہ کے لئے حرام ہونے کی نفی ہوگئی) اور وہ لوگ (جو کہ بیویوں کو ماں کہتے ہیں) یقیناً ایک سخت ناپسند اور جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور (اگر اس گناہ کی تلافی کردی جائے تو وہ گناہ معاف بھی ہوجائے گا، کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے، بخش دینے والے ہیں۔

اور (آگے بعض صورتوں کے اعتبار سے اس تلافی کا بیان ہے کہ) جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات (کے تقاضے یعنی بیوی کے حرام ہونے) کی تلافی کرنا چاہتے ہیں (یعنی بیویوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا کنیز کا آزاد کرنا ہے، اس سے پہلے کہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں (چاہے صحبت کے طور پر یا صحبت سے متعلق دوسری باتوں کے ذریعہ) اس (کفارہ کے حکم کے ذریعہ) تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (یعنی کفارہ سے برائیوں کو دور کرنے کے علاوہ یہ بھی نفع ہے کہ وہ تمہارے حق میں آئندہ کے لئے منع کرنے والا بن جائے) تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری خبر ہے (کہ کفارہ سے متعلق احکام کو پورا کرتے ہو یا نہیں؟ اس طرح کفارہ میں دو حکمتیں ہوگئیں۔ ایک برائیوں کا کفارہ، جس کی طرف ﴿لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ﴾ میں اشارہ ہے۔ دوسری ملامت اور ڈانٹنا دھمکانا، جس کا ﴿تُوْعَظُوْنَ﴾ میں بیان ہے اور یہ دوسری حکمت بھی مطلق کفارہ میں ہے، لیکن غلام یا کنیز کا آزاد کرنا چونکہ کفارہ کی قسموں میں ذکر کے اعتبار سے پہلے ہے، اس لئے اس کے ساتھ ذکر کردیا گیا ہے) پھر جس کو (غلام یا کنیز) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں، اس سے پہلے کہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پھر جس سے یہ بھی نہ ہوسکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے

(آگے دوسرے احکام کی طرح اس حکم کی تصدیق کا واجب ہونا، اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ اس حکم میں جاہلیت کے حکم اور پرانی رسم کو توڑا گیا ہے۔ اس لئے اہتمام مناسب ہوا (چنانچہ ارشاد ہے کہ) یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا) ہے تا کہ (عمل سے متعلق مصلحتوں کو حاصل کرنے کے علاوہ) اللہ اور رسول پر ایمان (بھی) لے آؤ (یعنی ان احکام میں ان کی تصدیق کرو کہ ایمان سے متعلق مصلحتیں بھی حاصل ہوں) اور (آگے مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) یہ اللہ کی (باندھی

ہوئی) حدیں ہیں (یعنی اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے ہیں) اور کافروں کے لئے (جو ان حکموں کی تصدیق نہیں کرتے، خاص طور سے) سخت دردناک عذاب ہوگا (اور مطلق عذاب عمل میں خلل پیدا کرنے والے کو بھی ہوسکتا ہے۔ اور کچھ اس حکم کی تخصیص نہیں، بلکہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں (چاہے کسی بھی حکم میں کریں جیسے مکہ کے کافر) وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے (چنانچہ کئی غزووں میں ایسا ہوا) اور (سزا کیسے نہ ہو، کہ) ہم نے کھلے کھلے احکام (جن کی صحت آیتوں کے معجز ہونے سے ثابت ہے) نازل کئے ہیں (تو ان کا انکار لازمی طور پر سزا کا سبب ہوگا اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی) اور کافروں کو (آخرت میں بھی) ذلت کا عذاب ہوگا (اور آگے اس عذاب کا وقت بتاتے ہیں کہ یہ اس دن ہوگا) جس دن اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ زندہ کرے گا، پھر ان کا سب کیا ہوا انہیں بتادے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے وہ محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں (چاہے حقیقت میں یا بے فکری اور بے توجہی کے اعتبار سے) اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے (چاہے ان کے اعمال ہوں یا اور کچھ)

مسائل: مسئلہ (۱): ظہار کے معنی ہیں اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کے ساتھ جو اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو، جیسے ماں بہنیں بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف بلاضرورت نظر کرنا حرام ہے، جیسے پیٹھ اور پیٹ اور ران وغیرہ۔ اور اس کو ظہار اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ اکثر انت علی کظهر امی کہنے کی عادت تھی، اور شاید یہ کہنے کی زیادہ عادت اس لئے ہوگئی ہوگی کہ عورت اکثر صحبت کے وقت پیٹھ کے بل لیٹی ہوئی ہوتی ہے، لہٰذا اس تشبیہ کا حاصل یہ ہوا کہ جس طرح محرم عورت کو صحبت کی غرض سے پیٹھ کے بل لٹانا حرام ہے، اسی طرح تجھے بھی حرام سمجھتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال کہے گئے ہیں۔

مسئلہ (۲): لفظ ﴿مِنكُمْ﴾ میں اہل ایمان بالغ لوگوں کو خطاب ہے، چاہے وہ آزاد ہوں یا غیر آزاد۔ لہٰذا کافر کا ظہار معتبر نہیں، اور اسی طرح نابالغ کا ظہار بھی معتبر نہیں۔

مسئلہ (۳): ﴿نِّسَآئِهِمْ﴾ سے وہ بیویاں مراد ہیں جن سے نکاح کر لیا ہو، لہٰذا اپنی کنیز سے ظہار معتبر نہیں۔

مسئلہ (۴): ظہار کرنے سے اس کا کرنے والا گنہ گار ہوگا، بلکہ بعض نے ظہار کرنے کو گناہ کبیرہ کہا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا﴾۔

مسئلہ (۵): کفارہ ادا کئے بغیر صحبت اور صحبت کے دواعی حرام ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ الخ اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہار کرنے والے سے فرمایا: فلا تقربها حتی تفعل ما امرک اللہ، (یعنی تو اس کے قریب مت جا یہاں تک کہ وہ کام روزے رکھنا یا کھانا کھلانا یا کفارہ ادا کرنا پورا کرو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے) اس کو ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ (٦): اگر کسی وجہ سے صحبت کا یا صحبت کے دواعی کا ارادہ نہ ہوا اور ظہار کے بعد اس بیوی کو طلاق دیدی یا وہ مرگئی تو اس گناہ کی معافی کے لئے صرف توبہ کافی ہے۔ اس لئے کہ کفارہ کا وجوب لوٹنے کی شرط کے ساتھ ہے۔

مسئلہ (٧): اگر صحبت کے ارادہ کے بغیر کفارہ ادا کردیا تو صحبت حلال ہوجائے گی، کیونکہ کفارہ کے واجب ہونے کا اصل سبب ظہار ہے، اور صحبت کا ارادہ جو لوٹنے کا حاصل ہے، وہ کفارہ کی ادائیگی کے واجب ہونے کا سبب ہے، لہٰذا سبب کے پائے جانے کے بعد کفارہ ادا ہوجائے گا۔ البتہ واجب بغیر لوٹنے کے ارادے کے نہ ہوگا، بلکہ اس کے لئے صرف توبہ بھی کافی ہوجائے گی۔ جیسا کہ اس سے اوپر والے مسئلہ میں لکھا گیا۔ چنانچہ قرآن میں تلاقی کی قید کے معنی یہ ہیں کہ کفارہ کے بغیر صحبت جائز نہیں، نہ یہ کہ صحبت کے ارادہ کے بغیر کفارہ جائز نہیں اور احقر نے ﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ کے ترجمہ کے شروع میں جو کہا ہے کہ بعض صورتوں کے اعتبار سے وہ اس طرف اشارہ ہے کہ تلاقی کے وقت تو یہ تدارک ہے اور تلاقی کے بغیر توبہ تدارک ہے۔

مسئلہ (٨): اگر غلام یا کنیز کو آزاد کرنے یا روزوں کے درمیان صحبت کرلی تو پھر سے کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ یعنی "ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے" اور اگر کھانا کھلانے کے درمیان صحبت کرلی تو صرف گناہ ہوگا، نئے سرے سے کفارہ دینا نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ کھانا کھلانے سے پہلے ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾ کی قید نہیں ہے، اور آزاد کرنے کے درمیان صحبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدھے کو پہلے آزاد کیا پھر صحبت کرلی پھر باقی آدھے کو بعد میں آزاد کیا۔ یہ سب مسائل درمختار اور ہدایہ اور کفایہ اور روح المعانی سے نقل کئے گئے ہیں، اور آزاد کرنے اور روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے سے متعلق کچھ ضروری مسائل سورۃ النساء آیت ۹۲ و ۹۳ میں قتل کے کفارہ میں اور سورۂ مائدہ آیت ۸۹ میں قسم کے کفارہ میں گذرے ہیں۔ اور ﴿مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ﴾ کے مضمون کی کچھ وضاحت سورۂ احزاب آیت ۴ ﴿مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ﴾ الخ کی تفسیر میں گذری ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ

تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ
اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ
صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ
يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ع ۲

ترجمہ: کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں، پھر اُن کو قیامت کے روز اُن کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کر دیا گیا تھا پھر وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے اُن کو منع کر دیا گیا تھا اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں، اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا۔ اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے اس کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا؟ اُن کے لئے جہنم کافی ہے، اُس میں یہ لوگ داخل ہوں گے، سو وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ ایسی سرگوشی محض شیطان کی طرف سے ہے تاکہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ بدوں خدا کے ارادے کے اُن کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دے گا۔ اور جب یہ کہا جاوے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور اُن لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے، درجے بلند کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ پھر اگر تم کو مقدور نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے۔ سو جب تم نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو تم نماز کے

پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو۔ اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

ربط: اوپر ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ ﴾ الخ میں اس کے آگے پیچھے کے ساتھ اللہ اور رسول کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وعید ہے اور یہ مخالفت کرنے والے دو قسم کے ہیں: کھلے عام مخالفت کرنے والے اور منافق۔ اوپر کافروں کے عنوان کے قرینہ سے کھلے عام مخالفت کرنے والوں کا بیان تھا۔ اب منافقوں اور کھلے عام مخالفت کرنے والوں میں سے خاص طور سے یہود کی برائیوں کا ذکر ہے کہ منافق بھی انہی میں سے تھے۔ پہلے ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ سے ﴿ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ تک مجلس سے متعلق برائیوں کا ذکر ہے جن میں زیادہ مضمون سرگوشی و کانا پھوسی کا ہے اور تھوڑا مضمون دوسرے مسئلہ سے متعلق ہے اور پھر ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ﴾ سے سورت کے ختم تک ان کی دوسری برائیوں کا بیان ہے۔

سرگوشی و کانا پھوسی کے احکام اور مجلسوں سے متعلق بعض دوسرے

احکام جن میں یہود اور منافقوں کی مذمت اور وعید شامل ہے:

ان آیتوں کے نازل ہونے کے اسباب یہ واقعات ہیں:

اول: پہلے یہود اور مسلمانوں کے درمیان صلح تھی، لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اس کے خیالوں کو پریشان کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی کرنے لگتے، وہ مسلمان سمجھتے کہ مجھے نقصان پہنچانے کے لئے یہ سرگوشی ہو رہی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یہود کو اس سے منع فرمایا۔ مگر وہ باز نہیں آئے، اس پر آیت ﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُہُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ﴾ الخ نازل ہوئی۔

دوسرے: اسی طرح منافق بھی آپس میں سرگوشی کیا کرتے تھے، اس پر آیت ﴿ اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ ﴾ الخ اور آیت ﴿ اِنَّمَا النَّجۡوٰی ﴾ الخ نازل ہوئی۔

تیسرے: یہود آپ کے پاس آتے تو شرارت کی غرض سے السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے جس کے معنی موت کے تھے۔

چوتھے: منافق بھی اسی طرح کہتے تھے، ان دونوں واقعوں پر جملہ ﴿ وَاِذَا جَآءُوۡکَ حَیَّوۡکَ ﴾ الخ نازل ہوا۔ اور ابن کثیر نے امام احمد رحمہ اللہ کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود سلام کی بجائے یہ الفاظ کہنے کے بعد خفیہ طور پر کہتے تھے ﴿ لَوۡلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوۡلُ ﴾ یعنی ''ہم جو الفاظ کہتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا؟''

پانچوے: ایک بار آپ صفہ یعنی اپنی مسجد کے پاس والے چبوترہ پر تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا، کچھ

بدروالے لوگ آئے تو انہیں کہیں جگہ نہیں ملی، اور جو لوگ پہلے سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی مل کر اور ایک دوسرے سے قریب ہو کر نہ بیٹھے کہ آنے والوں کے لئے بیٹھنے کی جگہ مل جاتی۔ آپ نے یہ حالت دیکھی تو بعض لوگوں سے مجلس سے اٹھ جانے کے لئے فرما دیا۔ اس پر منافقوں نے طعنہ دیا کہ یہ کونسی انصاف کی بات ہے۔ اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے بیٹھنے کے لئے جگہ دیدے۔ تو لوگ قریب قریب ہو کر مل کر بیٹھ گئے، اس پر یہ آیت ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا ﴾ الخ نازل ہوئی، اس کو ابن کثیر نے ابو حاتم سے روایت کیا ہے۔ روایت کے اجزا کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے ایک دوسرے سے قریب ہو کر اور مل کر بیٹھنے کے لئے کہہ کر جگہ دینے کے لئے فرمایا ہوگا تو بعض نے اسی طرح جگہ دیدی جو کافی نہیں ہوئی ہوگی، اور بعض نے جگہ نہیں دی، تب آپ نے ادب سکھانے کی غرض سے یا علم حاصل کرنے میں باری لگانے کے قاعدہ کے تحت جیسا کہ مدرسوں کے طلبہ میں ہوتا ہے، انہیں کھڑے ہو جانے کے لئے فرمایا جو منافقوں کو ناگوار ہوا۔

چھٹا واقعہ: بعض مالدار لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیادہ دیر تک آپ کے ساتھ سرگوشی کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے فقیروں اور غریبوں کو آپ سے سیکھنے کا وقت کم ملتا تھا۔ آپ کو ان لوگوں کا دیر تک بیٹھنا اور دیر تک سرگوشی کرنا ناگوار گذرتا تھا، اس پر آیت ﴿ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ فتح البیان میں زید بن اسلم سے بغیر سند کے نقل کیا ہے کہ یہود اور منافق بلاضرورت آپ سے سرگوشیاں کرتے تھے تو مسلمانوں کو اس خیال سے کہ شاید کسی تکلیف ونقصان دینے والی بات کی سرگوشی ہو ناگوار گذرتا۔ اس پر انہیں اس سے منع کیا گیا، جس کا ذکر آیت ﴿ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ﴾ میں ہے، مگر جب وہ باز نہیں آئے تو یہ حکم نازل ہوا۔ ﴿ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ ﴾ الخ اس کی وجہ سے اہل باطل مال کی محبت ہونے اور دین کی محبت نہ ہونے کی وجہ سے اس سے رک گئے، فقیر کہتا ہے کہ یا تو وہ مالدار بھی منافق ہوں گے جیسا کہ ان کے دیر تک بیٹھنے کی ناگواری کی وجہ سے ظاہر میں یہی معلوم ہوتا ہے اور یا مسلمان بھی خالی ذہن ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں اور یہود اور منافق مؤمنوں کو رنج وغم پہنچانے اور اپنے آپ کو اونچا بڑا ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتے ہوں۔

ساتواں واقعہ: جب پہلے صدقہ دینے کا یہ حکم ہوا تو بہت سے لوگ ضروری بات کرنے سے بھی رکنے لگے، اس پر آیت ﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ فقیر کہتا ہے کہ اس کے باوجود کہ پہلے صدقہ دینے کے حکم کے ساتھ ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا ﴾ میں غریبوں کے لئے رخصت تھی، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ نہ تو بالکل غریب اور نہ ہی پورے خوشحال و مالدار، چاہے صاحب نصاب ہوں، غالباً ایسے لوگوں کو تنگی و پریشانی پیش آئی ہوگی کہ خوشحالی کم ہونے کی وجہ سے تو خرچ کرنا دشوار ہوا اور اپنی غریبی کے بارے میں بھی شک وشبہ ہوا، اس لئے نہ تو صدقہ دے سکے نہ خود کو رخصت کے لائق سمجھا، اور سرگوشی و کانا پھوسی کوئی ایسی عادت نہیں تھی کہ اس کا چھوڑنا ملامت کا سبب ہو سکے، یہ تمام روایتیں الدر المنثور میں

ہیں، سوائے اس کے جس کے بارے میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ فلاں کتاب سے نقل کی گئی ہے۔

نازل ہونے کے ان اسباب سے تفسیر کو سمجھنے میں مدد اور سہولت ہوگی۔ اب تفسیر لکھی جاتی ہے۔ ارشاد ہے کہ) کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (مقصد رسولِ اکرم ﷺ کو خطاب کر کے دوسرے لوگوں کو سنانا ہے، جو اس سرگوشی اور کانا پھوسی سے باز نہیں آتے تھے جس سے منع کیا گیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے (اور اس میں ان کی سرگوشی بھی داخل ہے، چنانچہ) کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) نہ ہو اور نہ پانچ کی (سرگوشی ایسی) ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور نہ اس (تعداد) سے کم (میں ہوتی ہے، جیسے دو یا چار آدمیوں میں) اور نہ اس سے زیادہ (میں ہوتی ہے، جیسے چھ یا سات آدمیوں میں) مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے (چاہے وہ لوگ کہیں بھی ہوں پھر ان (سب) کو قیامت کے دن ان کے کئے ہوئے کام بتادے گا، بے شک اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے

(اس آیت کا مضمون کلی عنوان سے اگلے جزئی مضمونوں کی تمہید ہے یعنی یہ باطل سرگوشی کرنے والے لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں کہ اللہ کو سب خبر ہے اور انہیں سزا دے گا، آگے وہ جزئی مضامین ہیں، یعنی) کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جن کو سرگوشی سے منع کردیا گیا تھا (مگر) پھر (بھی) وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے انہیں منع کردیا تھا، اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی ایسی سرگوشی کرتے ہیں جس میں اس وجہ سے کہ اس سے منع کیا گیا ہے، گناہ لازمی بھی ہے اور مسلمانوں کو رنج و ملال پہنچانے کی وجہ سے دشمنی یعنی دوسروں تک پہنچنے والا نقصان بھی ہے، اور اس وجہ سے کہ رسولِ اکرم ﷺ منع فرما چکے تھے، رسول ﷺ کی نافرمانی بھی ہے جیسا کہ پہلے اور دوسرے واقعہ میں بیان ہوا ہے) اور وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں، جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ کے الفاظ تو یہ ہیں ﴿سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ﴿سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ ﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اور وہ کہتے ہیں: السام علیک: یعنی "تم مرجاؤ") اور اپنے جی میں (یا آپس میں) کہتے ہیں کہ (اگر یہ رسول ہیں تو) اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے کہنے پر (جس میں سراسر آپ کی شان میں گستاخی اور آپ کے ساتھ بے ادبی ہے) سزا (فوراً) کیوں نہیں دیتا (جیسا کہ تیسرے اور چوتھے واقعہ میں گذرا، آگے ان کے اس فعل پر وعید اور اس قول کا جواب ہے کہ بعض حکمتوں کے سبب عذاب جلدی نہ آنے کی وجہ سے مطلق عذاب کا نہ ہونا لازم نہیں آتا) ان (کی سزا) کے لئے جہنم کافی ہے، اس میں یہ لوگ (ضرور) داخل ہوں گے۔ تو وہ برا ٹھکانا ہے۔

(آگے ایمان والوں کو خطاب ہے جس میں منافقوں کا طریقہ اختیار کرنے سے انہیں بھی منع کیا گیا ہے۔ اور

منافقوں کو بھی سنانا مقصود ہے کہ تم تو ایمان کا دعوی کرتے ہو تو ایمان کے تقاضہ پر عمل کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! جب تم (کسی ضرورت سے) سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو (ان الفاظ کی تفسیر ابھی گذری ہے) اور فائدہ پہنچانے اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو۔ بِرّ سے مراد دوسروں کو نفع پہنچانا، عدوان (ظلم وزیادتی) کی ضد اور تقویٰ: گناہ معصیت کا مقابل رسول کی نافرمانی ہے) اور اللہ سے ڈرو، جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے، ایسی سرگوشی صرف شیطان کی طرف سے (یعنی اس کے بہکانے سے) ہے تاکہ ایمان والوں کو رنج میں ڈالے (جیسا کہ پہلے واقعہ میں بیان ہوا) اور (آگے ان مسلمانوں کی تسلی ہے کہ رنجیدہ نہ ہوا کریں، کیونکہ) وہ (شیطان) اللہ کے ارادہ کے بغیر ان (مسلمانوں) کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا (مطلب یہ کہ اگر فرض کرو، وہ لوگ شیطان کے بہکانے ہی سے تمہارے نقصان کی تدبیریں کر رہے ہوں تب بھی اللہ کی ازلی مشیت کے بغیر وہ نقصان تمہیں نہیں پہنچ سکتا، پھر فکر میں کیوں پڑتے ہو؟) اور مسلمانوں کو (ہر معاملہ میں) اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

(آگے پانچویں واقعہ سے متعلق حکم ہے اور آگے و پیچھے منافقوں کے اعمال کی مذمت اور مؤمنوں کو ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے میں جو امر مشترک ہے یا پہلے خلوت کا ادب تھا اور یہ جلوت کا ادب ہے جس طرح مذکورہ سرگوشی تکلیف کا سبب ہے، اسی طرح پاس پاس مل کر بیٹھتے ہوئے دوسروں کے لئے جگہ خالی نہ کرنا، اور کھڑا نہ ہونا بھی تکلیف دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ (یعنی رسول اکرم ﷺ فرمائیں یا اُولی الأمر یعنی ملت کے امور کے ذمہ دار یا جن لوگوں کی اطاعت واجب ہے، ان میں سے کوئی کہے) کہ مجلس میں جگہ کھول دو (جس سے آنے والوں کو بھی جگہ مل جائے) تو تم جگہ کھول دیا کرو (اور آنے والے کو جگہ دیدیا کرو) اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ جاؤ (چاہے اٹھنے کے لئے اس غرض سے کہا جائے کہ آنے والے کے لئے گنجائش ہو جائے، پھر چاہے بالکل اٹھ جانے کے لئے کہا جائے یا ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھنے کے لئے کہا جائے اور چاہے اس وجہ سے کہا جائے کہ مجلس کے صدر یعنی ذمہ دار کو اس وقت کسی مصلحت، خاص مشورہ یا آرام یا عبادت وغیرہ کی کسی ضرورت سے تنہائی اور تخلیہ کی ضرورت ہو جو خلوت و تنہائی کے بغیر بالکل حاصل نہ ہو سکیں یا پورے نہ ہو سکیں، لہٰذا مجلس کے صدر کے کھڑے ہونے کے لئے کہہ دینے سے اٹھ جانا چاہئے۔ اور یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی عام ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے اور اس پر لفظ قِیل دلالت کرتا ہے، لہٰذا صاحب مجلس کو ضرورت کے وقت ایسی بات کہنے کی اجازت ہے) البتہ آنے والے کو اس کی اجازت نہیں کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھے، اس کو شیخین یعنی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ غرض صدر کے کہنے سے بھی کھڑے ہو جایا کرو) اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جنہیں (دین کا اور زیادہ)

علم عطا ہوا ہے (آخرت میں) درجے بلند کردے گا (یعنی اس حکم پر عمل کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو ایمان والے نہیں، لیکن کسی دنیاوی مصلحت سے اس حکم کو مان لیں، جیسے منافق وہ تو ﴿ مِنۡكُمۡ ﴾ کی قید کی وجہ سے اس وعدہ سے خارج ہیں۔ دوسرے ایمان والے جن کے پاس علم نہیں ہے، ان کے لئے درجے بلند کرنے والا ہے۔ تیسرے ایمان والے اہل علم۔ چونکہ علم و معرفت کی وجہ سے ان کے عمل کرنے کا مقصد خلوص اور خشیت کی زیادتی ہے، جس سے ثواب کا عمل بڑھ جاتا ہے۔ ان کے لئے درجات کا اور بلند کرنا ہے، جیسا کہ اس پر عام کے بعد خاص کا امر دلالت کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (کہ کسی کے عمل کے ساتھ ایمان ملا ہوا ہے اور کس کے عمل کے ساتھ ایمان ملا ہوا نہیں ہے، پھر اس میں کس عمل میں کم خلوص ہے اور کس کے عمل میں زیادہ خلوص ہے، اس لئے ہر ایک کی جزا اور ثمرہ میں فرق رکھا۔

آگے چھٹے واقعہ سے متعلق حکم ہے جس کا پہلے اور دوسرے واقعہ سے ربط ہے یعنی) ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے سرگوشی (کرنے کا ارادہ) کیا کرو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے (مسکینوں کو) کچھ خیرات دیدیا کرو (جس کی مقدار آیت میں بیان نہیں کی گئی اور روایتوں میں مختلف مقدار آئی ہیں۔ ظاہر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، لیکن ذکر کے قابل ہونا ضروری ہے) یہ تمہارے لئے (ثواب حاصل کرنے کے واسطے) بہتر ہے، اور (گناہوں سے) پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (کیونکہ طاعتوں سے برائیوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ یہ مصلحت تو مالدار مؤمنوں کے اعتبار سے ہے، فقیر محتاج مؤمنوں کے اعتبار سے یہ ہے کہ انہیں مالی نفع پہنچے گا۔ جیسا کہ صدقہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے مصرف و مستحق وہی ہیں، اور رسول ﷺ کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس میں آپ کی شان کی بزرگی کا اظہار ہے اور منافقوں اور خود کو بڑا و معزز سمجھنے والوں کی سرگوشی سے جو آپ کو اذیت ہوتی تھی اس سے نجات، بچاؤ اور سکون ہے، کیونکہ انہیں سرگوشی کی ضرورت تو تھی نہیں، اور بغیر ضرورت کے محض محبت میں خرچ کرنا انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا تھا، اور غالباً یہ صدقہ علانیہ ہوگا، ورنہ ہر شخص پہلے صدقہ دے دینے کا دعویٰ کرسکتا تھا۔

آگے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو قدرت ہونے کی صورت میں ہے) پھر اگر تمہیں (صدقہ دینے کی) قدرت نہ ہو (اور سرگوشی کی ضرورت ہو) تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (اس صورت میں اس نے تمہیں معاف کردیا، اس سے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا یہ حکم واجب تھا، اور غریبی کی حالت میں واجب نہ ہونے کے باوجود مغفرت فرمانا جس میں گناہ کا وہم ہوتا ہے، غالباً اس وجہ سے کہ مال کا نہ ملنا، اکثر ضرورتوں کے پوری نہ ہونے کے معنی میں اجتہادی امر ہے، اس کا اندازہ کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا مغفرت کے ذریعہ تسلی کردی، اور اس کے باوجود یہ حکم عام تھا، لیکن خطاب میں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ﴾ اس لئے فرمایا کہ منافق بھی ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔

آگے ساتویں واقعہ سے متعلق جس کا چھٹے واقعہ سے ربط ہے، ارشاد ہے کہ) کیا تم (یعنی تم میں سے بعض جن کا بیان ساتویں واقعہ کے ذیل میں ہوا ہے) اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات دینے سے ڈر گئے تو (خیر) جب تم ایسا نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے (تمہارے حال پر عنایت فرمائی کہ اس کو بالکل منسوخ کر کے) تمہیں معاف کر دیا (جس کی حکمت ظاہر ہے کہ جس مصلحت کے واسطے یہ حکم واجب ہوا تھا، وہ مصلحت حاصل ہوگئی کیونکہ مصلحت راستہ بند کرنا تھی، جو حکم منسوخ ہونے کے بعد بھی باقی رہے گی، کیونکہ پھر سرگوشی کا سلسلہ شروع کرنے میں منافقوں اور خود کو بڑے معزز سمجھنے والوں پر سرگوشی لمبی کرنے کا صریح شبہ و اعتراض لازم آتا ہے۔ غرض ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرما دیا) تو تم (دوسری عبادتوں کے جن کا حکم دیا گیا ہے پابند رہو، یعنی) نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور رسول کا کہنا مانا کرو (مطلب یہ ہے کہ اس کو منسوخ کرنے کے بعد تمہارا قرب حاصل کرنا اعمال کی قبولیت اور نجات کے لئے باقی احکام پر قائم رہنا اور ان کی پابندی کرنا کافی ہے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی (اور ان کی ظاہری و باطنی حالت کی) پوری خبر ہے۔

فائدہ: یہ جو ارشاد فرمایا کہ ﴿اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ﴾ الخ اگر اس پر یہ شبہ ہو کہ منافق بھی دعوی کر سکتے تھے کہ ہم بھی نیکی اور تقوی کی سرگوشی کیا کرتے ہیں، کیونکہ سرگوشی کی دونوں صورتوں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی اور تقوی سے متعلق سرگوشی اور خفیہ طور سے بات کرنے کے مضمون بہت کم ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی سرگوشی بہت ہی کم ہوگی۔ برخلاف نقصان پہنچانے کے کہ اس میں سرگوشی کثرت سے ہوتی ہے، لہٰذا یہی ایک فرق و امتیاز کافی ہے، اس لئے وہ مذکورہ دعوی نہیں کر سکتے، اور دوسرے خارجی قرینے بھی فرق و امتیاز کرنے والے ہوتے ہیں، جیسے سرگوشی کرنے والوں کے احوال کی خصوصیات وغیرہ۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۚ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ

اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ۧ

ع ۳

ترجمہ: کیا آپ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے۔ یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ اُن ہی میں ہیں اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ بیشک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے، پھر خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں، سو اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے۔ اُن کے اموال اور اولاد اللہ سے اُن کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں، وہ لوگ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا سو یہ اُس کے روبرو بھی قسمیں کھا جاویں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور یوں خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں، خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے سو اُس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہے، خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں، آپ اُن کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔ اُن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اُن کو اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ اور اُن کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

ربط: اس کی وضاحت اس سے اوپر والی آیتوں کی تمہید میں گذر چکی ہے۔

منافقوں کی وعید اور مذمت کا تتمہ اور اس کا مؤمنوں کی تعریف اور وعدہ پر پورا ہونا

کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب کیا ہے؟ پہلے لوگوں سے منافق مراد ہیں، اور دوسرے لوگوں سے یہود مراد ہیں، اور تمام کھلے کافر اور منافقین چونکہ یہودی تھے اس لئے ان کی دوستی یہود سے، اور اسی طرح اور کفار سے مشہور اور معلوم ہے) یہ (منافق) لوگ نہ تو (پورے پورے) تم میں ہیں اور نہ (پورے پورے) انہی میں ہیں (بلکہ ظاہر میں تو تم سے ملے ہوئے ہیں اور باطن میں اور عقیدہ کے اعتبار سے کافروں کے ساتھ ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں (وہ جھوٹی بات یہی ہے کہ ہم مسلمانوں میں شامل ہیں جیسا کہ ارشاد ہے

﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾)اور وہ (خود بھی) جانتے ہیں (کہ ہم جھوٹے ہیں۔
آگے ان کے لئے وعید ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (کیونکہ) بے شک وہ برے برے کام کیا کرتے تھے (چنانچہ کفر اور نفاق سے بدتر کام کونسا ہوگا؟ اور انہی برے کاموں میں سے ایک برا کام یہ ہے کہ) انھوں نے اپنی (ان جھوٹی) قسموں کو (اپنے بچاؤ کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے (تا کہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھ کر ان کی جان و مال سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں) پھر (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستہ (یعنی دین) سے روکتے رہتے ہیں (یعنی بہکاتے رہتے ہیں) تو اس وجہ سے) ان کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے (یعنی وہ عذاب جتنا سخت ہوگا جیسا کہ اوپر گذرا، ایسا ہی ذلت والا بھی ہوگا۔ اور جب وہ عذاب ہونے لگے گا تو) ان کے مال اور اولاد اللہ (کے عذاب) سے ذرا بھی نہیں بچا سکیں گے (اور) یہ لوگ جہنمی ہیں (اس میں اس سخت اور ذلت والے عذاب کی تعیین فرمادی جو جہنم میں ہوگا، اور) وہ لوگ اس (جہنم میں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔
(آگے عذاب کا وقت بتاتے ہیں کہ وہ عذاب اس دن ہوگا (جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو دوسری مخلوق سمیت) دوبارہ زندہ کرے گا تو اس کے سامنے بھی (جھوٹی) قسمیں کھا جائیں گے، جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں (قیامت کے دن مشرکوں کے جھوٹی قسمیں کھانے کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے﴿ وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾) اور یوں خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں (کہ اس جھوٹی قسم کی بدولت بچ جائیں گے) خوب سمجھ لو، یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں (کہ اللہ کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے نہیں چوکیں گے۔ اور ان کی جن حرکتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) ان پر شیطان نے پوری طرح قابو کرلیا ہے (کہ اس کے گمراہ کرنے پر عمل کر رہے ہیں) تو اس نے انہیں اللہ کی یاد بھلا دی (یعنی اس کے احکام کو چھوڑ بیٹھے۔ واقعی یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سمجھ لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے (آخرت میں تو ضرور ہی برباد ہوگا اور کبھی دنیا میں بھی برباد ہوسکتا ہے۔ اور ان کی یہ حالت کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ اور رسول کے مخالف ہیں، اور کلی قاعدہ ہے کہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، یہ لوگ (اللہ کے نزدیک) سخت ذلیل لوگوں میں ہیں (اور جب اللہ کے نزدیک ذلیل ہیں تو مذکورہ آثار کا واقع ہونا کونسی بڑی بات ہے؟) اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت تجویز کر رکھی ہے۔ اسی طرح اطاعت کرنے والوں کے لئے عزت تجویز کر رکھی ہے، کیونکہ وہ لوگ اللہ اور رسول کا اتباع کرنے والے ہیں اور) اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے ازلی حکم میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے (جو کہ عزت کی حقیقت ہے۔ یہاں نبیوں کا غلبہ بیان کرنا مقصود ہے اپنا نام نبیوں کی عزت بڑھانے کے لئے فرمادیا۔ لہٰذا جب رسول عزت والے ہیں تو ان کا اتباع کرنے والے بھی عزت والے ہیں، اور غلبہ کے معنی سورۂ مائدہ کی آیت ۵۶ ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ اور سورۃ

المومن آیت ۵۱ ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ﴾ الخ کے ذیل میں گذر چکے ہیں) بے شک اللہ تعالیٰ قدرت والا، غلبہ والا ہے (اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کردے۔

آگے کافروں کی دوستی کے معاملہ میں منافقوں کے حال کے خلاف ایمان والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں نہیں دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہیں، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان بٹھادیا ہے اور ان (کے دلوں) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے، یعنی ہدایت کے تقاضے پر ظاہر میں عمل اور باطل میں سکون۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ چونکہ یہ معنوی زندگی کی زیادتی کا سبب ہے، اس لئے اس کو روح سے تعبیر فرمایا۔ یہ دولت تو انہیں دنیا میں ملی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾) اور آخرت میں انہیں یہ نعمت ملے گی کہ) انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے (جیسا کہ ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ کے بعد ارشاد ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾)

فائدہ: کافروں سے دوستی رکھنے کی تحقیق سورۃ آلِ عمران آیت ۲۸ ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

﴿ الحمد للہ! سورۃ المجادلہ کی تفسیر پوری ہوئی، آگے ان شاء اللہ سورۃ الحشر کی تفسیر آتی ہے ﴾
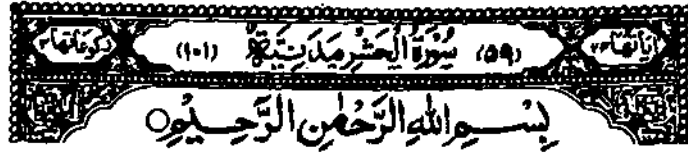
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت کے آخر کے اکثر حصہ میں منافقوں کی مذمت اور ان کے یہود سے دوستی رکھنے کا ذکر تھا۔ اس سورت کے شروع کے اکثر حصہ میں یہود کی بعض سزاؤں اور منافقوں کی دوستی ان کے کام نہ آنے کا ذکر ہے، اور مذکورہ سزاؤں میں سے ایک جلاوطن کرنا یعنی گھروں اور بستیوں سے نکال دینا بھی ہے، درمیان میں فئے کے بعض احکام بیان کردیئے گئے اور آخر کے حصہ میں مسلمانوں کو مذکورہ کافروں کے افعال اور ان جیسے دوسرے کاموں سے نفرت اور بچنے کی ترغیب دینے کی غرض سے آخرت کی تیاری اور اللہ کے احکام کی مخالفت سے بچنے کا امر ہے اور اس امر کی تقویت اور تاکید کے لئے اپنے جلال اور جمال کی صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس طرح آخر کے حصہ میں جو مختصر انداز میں ﴿ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾ فرمایا ہے، اس کی تفصیل بھی ہوگئی اور ان یہودیوں کا قصہ اس طرح ہوا کہ جب رسول اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود سے صلح کا معاہدہ ہوگیا۔ ان کا ایک قبیلہ بنونضیر تھا ان سے بھی صلح ہوگئی، یہ لوگ مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ انہیں ایک دیت یعنی خون بہا یا کسی شخص کے قتل پر اس کے خون کی قیمت ادا کرنے کی اعانت و مدد میں شریک کرنے کے لئے وہاں تشریف لے گئے، کیونکہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو آدمی قتل ہوگئے تھے۔ ان کا خون بہا ادا کرنا تھا چونکہ بنونضیر بھی معاہدہ میں شریک تھے، اس لئے آپ اس غرض سے ان کے پاس تشریف لے گئے کہ اگر یہ لوگ بھی اس خون بہا کی ادائیگی میں حصہ لینا چاہیں گے تو لے لیں۔ انھوں نے یہ کہہ کر آپ کو ایک مکان کی دیوار کے پاس بٹھا دیا کہ ہم اس کا انتظام کئے دیتے ہیں اور خفیہ طور پر آپس میں مشورہ کیا کہ ایک شخص اوپر چھت پر چڑھ کر ایک بڑا پتھر آپ کے سر پر دے مارے جس سے آپ کا کام تمام ہوجائے، ان کی اس سازش کے بارے میں فوراً آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوگیا، تو آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، اور کہلا بھیجا کہ تم نے عہد توڑ دیا ہے، اس لئے اب تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ دس دن کے اندر اندر اپنے گھر بار اور بستی کو چھوڑ کر جہاں چاہو چلے جاؤ، ورنہ اس مدت کے بعد جو شخص بھی نظر آئے گا اس کی گردن کاٹ دی جائے گی، انھوں نے چلے جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی منافق نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ تم کہیں مت جاؤ، میرے ساتھ دو ہزار آدمی موجود ہیں، وہ اپنی جان

دیدیں گے لیکن تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اور روح المعانی میں ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے عبداللہ کے ساتھ ودیعہ بن مالک اور سوید اور داعس کا نام بھی نقل کیا ہے۔ بنو نضیر ان لوگوں کے کہنے میں آگئے، اور آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے، آپ سے جو کچھ ہو سکے کرلیں۔ آپ ﷺ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ساتھ لے کر ان کی بستی کی طرف چلے تو وہ اپنے قلعہ کے اندر بند ہو گئے، جب کہ منافق اپنے منہ چھپا کر اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہ گئے۔ آپ نے ان کا محاصرہ کرلیا اور ان کے باغوں کے درخت جلوا دیئے اور کٹوا دیئے۔ آخر انھوں نے تنگ آکر نکل جانا منظور کرلیا، آپ نے فرمایا کہ ہتھیاروں کے سوا جتنا سامان واسباب لے جاسکو، وہ لے جانے کی اجازت ہے۔ غرض وہ لوگ کچھ شام کی طرف اور کچھ خیبر کی طرف نکل گئے۔ اور حسد وحرص کے مارے اپنے گھروں کی چوکھٹ، بازو، کڑیاں اور تختے تک لادلاد کر لے گئے۔ یہ قصہ بدر کے غزوہ کے بعد سنہ ۴ ہجری میں ہوا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں دوسرے یہودیوں سمیت ملک شام کی طرف نکال دیا، ان دونوں بار کے نکالنے کو اسلامی تاریخ میں حشر اول اور حشر ثانی کہتے ہیں۔ جیسا کہ زاد المعاد وغیرہ میں ہے۔ اور تسبیح سے تمہید کے طور پر مضمون شروع کیا گیا۔

﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، وہ زبردست حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور انھوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ سے بچالیں گے، سو اُن پر خدا ایسی جگہ سے پہنچا کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا اور اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اُجاڑ رہے تھے، سواے دانشمندو! عبرت حاصل کرو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکتا تو اُن کو دنیا ہی میں سزا دیتا۔ اور اُن کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اُس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے

یا اُن کو اُن کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم کے موافق ہیں اور تا کہ کافروں کو ذلیل کرے۔

اللہ کی تسبیح سے شروع اور بنو نضیر کے نکالے جانے کا قصہ: ۱

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ (مخلوق) آسمانوں اور زمین میں ہیں (چاہے قول کے طور پر چاہے حال کے طور پر) اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے (چنانچہ اس کی شان کے اعلیٰ ہونے اور قدرت اور حکمت کا ایک اثر یہ ہے کہ) وہی ہے جس نے (ان) اہل کتاب کافروں (یعنی بنو نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکھاڑ کر نکال دیا (زہری کے مطابق اس سے پہلے ان پر یہ مصیبت واقع نہیں ہوئی تھی، یہ مصیبت ان پر پہلی ہی بار آئی ہے جو ان کی بری حرکتوں کا نتیجہ ہے۔ اور اس میں ایک پیشین گوئی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ انہیں آئندہ بھی نکالا جائے گا۔ چنانچہ انہیں دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام یہود کو عرب کے جزیرہ سے نکال دیا، جیسا کہ خازن میں ہے۔ اور اشارہ کو لطیف اس لئے کہا گیا کہ لفظ اول ہمیشہ دوبارہ واقع ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں عورت کے پہلی ہی بار بچہ پیدا ہوا ہے، اس کا تقاضا یہ نہیں ہوتا کہ اگلی بار بھی ضرور ہی پیدا ہوگا۔ آگے اس نکالے جانے کے قدرت اور غلبہ کا اثر ہونے کی وضاحت ہے کہ اے مسلمانو! ان کا سامان اور شوکت دیکھ کر) تمہیں خیال بھی نہیں تھا کہ وہ (کبھی اپنے گھروں سے) نکلیں گے، اور (خود) انھوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے انتقام) سے بچالیں گے (یعنی اپنے قلعوں کے مضبوط ہونے پر ایسے مطمئن تھے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے غیبی انتقام کا خیال بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ان کی حالت اس شخص کے مشابہ تھی جس کا یہ گمان ہو کہ ان کے قلعے اللہ سے بچالیں گے اور اگر بنو نضیر کے قلعے کئی نہ ہوں تو ﴿حُصُوْنُهُمْ﴾ میں جمع کی ضمیر سے مراد مطلق یہود ہوں گے۔ اور ﴿اَنَّهُمْ﴾ کی ضمیر سے بھی، اور صرف ﴿ظَنُّوْٓا﴾ کی ضمیر بنو نضیر کی طرف ہو جائے گی، یعنی بنو نضیر کا یہ خیال تھا کہ ان کے قلعے سارے یہود کو مصیبتوں سے بچالیں گے۔ ان سارے یہود میں یہ بھی آگئے کہ اپنے قلعہ کو اپنا محافظ سمجھتے تھے) تو اللہ (کا عذاب) ان پر اس طرح پہنچا کہ انہیں خیال (اور گمان) بھی نہیں تھا (اس طرح سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکالے گئے، جن کے پاس موجود تھوڑے اور معمولی سامان کو دیکھتے ہوئے یہ احتمال بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ لوگ جن کے پاس معمولی اور تھوڑا سا سامان ہے اتنے زیادہ سامانوں والوں پر غالب آجائیں گے) اور ان کے دلوں میں (اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا کہ (اس رعب کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے اور اس وقت یہ حالت تھی کہ) اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے (یعنی خود بھی کڑی، تختے اور دروازے وغیرہ لے جانے کے واسطے اپنے مکانوں کو منہدم کرتے تھے اور مسلمان بھی ان کے دلوں کو رنج و صدمہ پہنچانے کے لئے منہدم کر رہے تھے اور مسلمانوں کے منہدم کرنے کو بھی انہی کی طرف منسوب کیا کہ اس منہدم کرنے کا اصل سبب عہد کا توڑنا ہے اور وہ فعل یہود کا تھا، لہٰذا سبب کی طرف نسبت ہوگئی، اور

مسلمانوں کا ہاتھ آلہ کے درجہ میں ہوگیا) تو اے سمجھ دار لوگو! (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو (کہ اللہ اور رسول کی مخالفت کا انجام بعض اوقات دنیا میں بھی نہایت برا ہوتا ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھ چکا ہوتا تو انہیں دنیا میں ہی (قتل کی) سزا دیتا (جیسے ان کے بعد بنو قریظہ کے ساتھ کیا گیا) اور (اگرچہ وہ دنیا میں قتل کے عذاب سے بچ گئے، لیکن) ان کے لئے آخرت میں جہنم کا عذاب (تیار) ہے (اور) یہ (جلاوطنی کی سزا دنیا میں اور جہنم کی آگ کی سزا آخرت میں) اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے (کہ وہی رسول کی بھی مخالفت ہے) تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے (یہ مخالفت دو طرح ہوئی: ایک عہد توڑنے سے جس سے کہ یہ جلاوطنی کی سزا ہوئی اور دوسرے ایمان نہ لانے سے، جو جہنم کے عذاب کا سبب ہے۔

آگے یہود کے اس طعن کا جواب ہے جو انھوں نے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کے بارے میں کیا تھا کہ یہ فساد ہے اور فساد کی مذمت کی گئی ہے، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ اور بعض مسلمانوں نے بھی اجازت کے باوجود یہ سمجھ کر کہ جائز کام کا نہ کرنا بھی جائز ہے اور آخر میں یہود کے جلاوطن ہوجانے کے بعد یہ درخت مسلمانوں ہی کو ملیں گے، اس لئے ان کو کاٹنے اور جلانے کے بجائے ان کا باقی رہنا ہی بہتر ہے، نہیں کاٹے۔ اور بعض نے یہ سوچ کر کہ انہیں کاٹتے اور جلاتے دیکھ کر یہود کا دل دکھے گا اور انہیں رنج ہوگا۔ ان درختوں کو کاٹ دیا۔ جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ اس بارے میں یہود کو جواب دینے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے بھی دونوں فریقوں کے فعل کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) تم لوگوں نے جو کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے (اسی طرح جو جلا دیئے) یا جن کو ان کی جڑوں پر (ان کے حال پر) کھڑا رہنے دیا تو یہ (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم (اور رضامندی) کے مطابق ہیں (تا کہ مسلمانوں کو عزت دے) اور تا کہ کافروں کو ذلیل کرے (یعنی دونوں فعلوں میں مصلحت ہے۔ چنانچہ انہیں ان کے حال پر کھڑے رہنے دینے میں بھی مسلمانوں کی ایک کامیابی اور کافروں کو رنج وغم اور غیظ وغضب میں ڈالنا ہے کہ اب انہیں مسلمان برتیں گے اور کاٹنے اور جلانے میں بھی مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی غلبہ کے آثار کا ظاہر ہونا اور کافروں کو غیظ میں ڈالنا ہے کہ مسلمان ہماری چیزوں کو کس طرح برباد کر رہے ہیں، لہٰذا دونوں امر جائز ہیں اور حکمت کے تحت ہونے کی وجہ سے کوئی برائی نہیں)

مسئلہ (۱): اہل حرب یعنی جن لوگوں سے اہل اسلام کی جنگ ہو، ان کے مال وسامان کا جلانا برباد کرنا اور درختوں کو کاٹنا وغیرہ جب کسی مصلحت سے ہو، جائز ہے جیسا کہ ہدایہ اور روح المعانی وغیرہ میں ہے۔

مسئلہ (۲): کافروں کے جلاوطن کر دینے کو روح المعانی میں اسلام کے شروع میں جائز اور اب منسوخ قرار دیا ہے جب کہ ہدایہ میں فئے کی بحث میں لکھا ہے: الاراضی التی اجلوا عنھا اھلھا: یعنی ”وہ زمین جن سے انہیں نکالا گیا“ جس سے اس حکم کا باقی رہنا معلوم ہوتا ہے۔ احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کو ”من“ کے تحت سمجھا ہے، انھوں

نے منسوخ کہا ہے اور جنھوں نے جائز کہا ہے، انھوں نے غالباً اس طرح سمجھا ہے کہ کافر مقابلہ کے وقت بھاگنے لگیں اور کسی مصلحت سے ان کا پیچھا نہ کیا جائے کہ صلح کی طرح یہ جائز ہے۔ فقط

﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڲ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ع ۲

ترجمہ: اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے دلوایا سو تم نے اُس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوادے، وہ اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا، تا کہ وہ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آ جاوے۔ اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رُک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، اُن حاجت مند مہاجرین کا حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں، اور اُن لوگوں کا جو دار الاسلام میں اور ایمان میں اُن کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو اُن کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اُس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے، اُس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگر چہ اُن پر فاقہ ہی ہو۔ اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور اُن لوگوں کا جو اُن کے بعد آئے جو دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور

ہمارے دلوں میں ایمان رکھنے والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

ربط: سورت کی تمہید میں گذر چکا۔ البتہ فیٔ سے متعلق کچھ مضمون مقدمہ کے طور پر تفسیر سے پہلے لکھ دینا تفسیر کو سمجھنے میں مددگار ہونے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو مال اہل حرب سے بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فیٔ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ بنونضیر کے مال اسی قسم کے تھے اور فدک اور آدھا خیبر بھی اسی قسم کے تھے، جس میں کتیبہ، وطیح اور سلالہ اور وجدہ بھی شامل تھا اور باقی آدھا خیبر یعنی شق اور نطاہ فیٔ نہ تھا بلکہ زور زبردستی سے فتح ہوا تھا، جیسا کہ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے جیسا کہ الدرالمنثور میں ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک فیٔ کے مال میں خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور جو زور وزبردستی سے فتح ہوا اس میں سے تقسیم کے وقت خمس نکالا جاتا ہے جس کے مصارف سورۃ الانفال میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور ان مالوں کا حکم یہ ہے جیسا کہ روایتوں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ اس کے مالک تھے اور اس میں آپ ﷺ کو جو مصارف بتائے گئے وہ واجب کے طور پر یا مستحب کے طور پر ایسا ہے جیسے مال والوں پر زکوٰۃ اور صدقہ ہے، البتہ یہ مال جو آپ کی ملکیت تھے، آپ کے بعد وراثت کے طور پر تقسیم ہونے والے نہیں تھے، بلکہ وقف تھے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی، اس کو شیخان یعنی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے بنونضیر کا اکثر حصہ مہاجروں کو اور انصار میں بعض کو تقسیم فرمادیا۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور باقی میں سے اپنے اہل وعیال کو سال بھر کا خرچ دے کر جو بچتا، وہ جہاد کے سامان اور سواری وغیرہ میں خرچ فرمادیا جاتا۔ اس کو شیخان وغیرہ نے روایت کیا ہے اور خیبر کی آمدنی سے غریب مہاجروں کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے۔ اس کو ابوداؤد اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ الخ میں اس تخصیص کا ذکر ہے جو اس سبب سے نازل ہوئی کہ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ یہ زمین تقسیم کیوں نہیں کی گئی؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس کو ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، اور آپ کی وفات کے بعد اس کے مصارف صرف عوامی مصلحتیں ہیں جیسے سرحدوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنا، پل بنانا اور قاضی اور عامل، مسلم علماء کی ضرورتیں پوری کرنا اور جنگ کرنے والوں کے اور ان کے اہل وعیال کے کھانے پینے کا انتظام کرنا جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور ان مصلحتوں میں خمس اور غنیمت کے مصارف یتیم، مسکین اور مسافر بھی داخل ہیں۔ جیسا کہ ردالمختار کی عبارت **عد المرضیٰ والزمنی واللقیط من المصالح العامة** سے معلوم ہوتا ہے، اور اس وقت مہاجروں اور انصار کے فقیر وغریب بھی شامل تھے اور ان کی بعد کی نسلیں بھی داخل ہیں۔ کیونکہ مذکورہ عام مصلحتوں سے جو نفع پہنچتا ہے وہ غیر موجود لوگوں کو بھی پہنچتا ہے۔ غرض اس کے مصارف نہایت عام ہیں، البتہ ایسی زمینوں کا امام کو کسی کی ملکیت میں دیدینے کے اختیار ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے جیسا کہ الدرالمختار اور ردالمختار کی **فصل الجزیة** سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ دوسری، چوتھی اور پانچویں آیت میں یہ سب

بیان کئے گئے ہیں، اس سلسلہ کی تمام روایتیں بیہقی وغیرہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں اور ان مصارف کی حد اور مقدار امام کی رائے سے طے ہوتی ہیں، لیکن امام کو حاکمانہ اختیار ہیں مالکانہ نہیں، جب کہ حضور کو بیع وغیرہ کی طرح مالکانہ اختیار تھے، اور درمنثور کی روایت کے مطابق قتادہ کا قول یہ ہے کہ خمس کے مصارف پہلے فئے کے مصارف تھے، پھر سورۂ انفال کی آیت سے سورۂ حشر کی یہ آیت منسوخ ہوگئی، اور ان کے لئے خمس مقرر ہوگیا، لیکن چونکہ جیسا کہ ظاہر ہے سورۂ انفال کی آیت بدر کی جنگ کے وقت نازل ہوئی اور بدر کی جنگ بنونضیر کی مہم سے پہلے ہوئی، لہٰذا یہ قول ظاہر کے خلاف ہے۔ اور یہ مذکورہ وضاحت حنفیہ کے مسلک پر ہے جب کہ شافعی کے نزدیک فئے میں خمس ہے اور چار خمس مذکورہ مصارف میں صرف ہوں گے، جیسا کہ صحاح یعنی صحیح حدیثوں کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **ما لی مما أفاء الله تعالیٰ علیکم إلا الخمس والخمس مردود علیکم**: یعنی "اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے لئے فئے قرار دیا ہے، اس میں سے میرے لئے خمس کے سوا کچھ نہیں ہے اور خمس تمہاری طرف ہی لوٹا دیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ خمس یعنی خمس الخمس یا پانچواں حصہ کا پانچویں حصہ پانچ سے ضرب کا تقاضا کرتا ہے، تو فئے میں بھی خمس ہوا۔ اور یہاں جن مصارف کا ذکر ہے وہ اس خمس کے مصارف ہیں، لیکن ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ﴾ کی خبر میں ﴿فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ الخ کا واقع ہونا ظاہر میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تمام ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ﴾ کا مصرف ہے، نہ کہ اس کے خمس کا، اور حدیث میں أفاء کے غنیمت کے معنی میں استعمال ہونے میں احتمال ہے۔ واللہ اعلم

یہ مقام سورۂ براءت کی طرح احقر کو بہت دشوار معلوم ہوا۔ تفسیروں، حدیثوں اور فقہ کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد انتہائی جدوجہد سے جو سمجھ میں آیا وہ لکھا گیا۔ سورۂ براءت کی طرح یہاں بھی عرض ہے کہ اگر اس سے بہتر اور یقینی تفسیر ممکن ہو تو اس کو ترجیح دی جائے، اور یہ ساری روایتیں الخازن اور الدرالمنثور سے لی گئی ہیں۔

فئے کے احکام:

(اوپر جو بیان ہوا وہ معاملہ تو بنونضیر کی جانوں کے ساتھ ہوا) اور (ان کے مالوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کا بیان یہ ہے کہ) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رسول کو دلایا (اس میں تمہیں کوئی محنت ومشقت اٹھانی نہیں پڑی، چنانچہ) ان پر (یعنی انہیں حاصل کرنے کے لئے) نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ (مطلب یہ کہ نہ تو سفر کی مشقت اٹھانی پڑی، کیونکہ یہ جگہ مدینہ سے صرف دو میل کے فاصلہ پر ہے، اور نہ ہی جنگ کرنی پڑی، اور برائے نام جو مقابلہ کیا گیا، وہ ذکر کے قابل نہیں، جیسا کہ الروح میں ہے۔ اس لئے اس میں تمہارا تقسیم اور ملکیت کا حق نہیں، جس طرح غنیمت کے چار خمس میں ہوتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے کہ) اپنے رسولوں کو (اپنے دشمنوں میں سے) جس پر (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے (یعنی ان پر محض رعب سے غلبہ عطا کر دیتا ہے جس میں کسی کو کچھ مشقت اٹھانی نہیں پڑتی، چنانچہ ان رسولوں

میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو اس طرح مسلط فرمادیا، اس لئے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، بلکہ اس میں مالکانہ تصرف کرنا آپ کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے) اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے (لہٰذا وہ جس طرح چاہے دشمنوں پر غلبہ عطا کردے، اور جس طرح چاہے، اپنے رسول کو اختیار اور تصرف دیدے۔ اور جیسا بنونضیر کے مالوں کے سلسلہ میں یہ حکم ہے اسی طرح) جو کچھ اللہ تعالیٰ (اس طریقہ سے) اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلادے (جیسا کہ فدک اور خیبر کا ایک حصہ اس طرح ہاتھ آیا) تو (اس میں بھی تمہارا ملکیت کا کوئی حق نہیں، بلکہ) وہ (بھی) اللہ کا حق ہے (یعنی وہ جس طرح چاہے اس میں حکم دے جیسا کہ دوسری سب چیزوں میں اس کا اسی طرح کا حق ہے اور تخصیص حصر کے لئے نہیں) اور رسول کا (حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ان کی رائے پر مالکانہ تصرف عطا کردیا ہے) اور (آپ کے) رشتہ داروں (کا حق ہے) اور یتیموں (کا حق ہے) اور مسکینوں (کا حق ہے) اور مسافروں کا حق ہے (یعنی یہ سب رسول اللہ ﷺ کے اپنی رائے اور اختیار کے مطابق خرچ کرنے کے لئے اس کے مصرف ہیں، جیسا کہ اس کے اور بھی مصرف ہیں لہٰذا تخصیص کا ذکر شبہ دور کرنے کی بنیاد پر ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ جہاد میں شرکت کے بغیر اعلیٰ درجہ کے مستحق نہ ہوں گے۔ اس شبہ کو دور کردیا گیا کہ ان کا مصرف ہونا خاص اوصاف کے اعتبار سے ہے نہ کہ جہاد میں شرکت کی وجہ سے، لہٰذا وہ صفت جس میں ہوگی وہ مصرف ہوگا اور ان مصرفوں میں سے یتیم، مسکین اور مسافر میں تو حکم مطلق باقی ہے اور رسول (ﷺ) کا اور آپ کے رشتہ داروں کا حصہ جو رسول کی مدد کی وجہ سے تھا وہ دونوں آپ کی وفات کے بعد ختم ہوگئے جیسا کہ سورۃ الانفال میں گذر چکا۔ اور یہ مذکورہ حکم اس لئے مقرر کردیا) تاکہ (فئے کا) وہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے قبضے میں نہ رہ جائے (جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ساری غنیمتیں اور جنگ سے حاصل ہونے والے مال و نفعے وہی لوگ کھاجاتے تھے جن کے ہاتھوں میں اختیار ہوتے تھے۔ اور فقیر غریب لوگ بالکل محروم رہ جاتے تھے، اس لئے فئے کا خرچ اللہ تعالیٰ نے رسول کی رائے پر رکھا، اور مصارف بھی بتادیئے کہ آپ مالک ہونے کے باوجود پھر بھی ضرورت مندوں اور عوام کی مصلحتوں کے موقعوں پر صرف فرمادیں گے) اور (جب یہ معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے پر موقوف ہونے میں حکمت ہے تو) رسول تمہیں جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تمہیں روک دیں (اس سے) رک جایا کرو (اور الفاظ عام ہیں اس لئے افعال اور احکام میں بھی یہی حکم ہے) اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے (اور ویسے تو فئے میں مطلق مسکینوں کا حق ہے، لیکن) ان غریب مہاجروں کا (خاص طور سے) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے (زبردستی اور ظلم کے طور پر) الگ کردیئے گئے (یعنی کافروں نے انہیں اس قدر تنگ کیا کہ وہ گھربار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے اور اس ہجرت سے) وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طلب کرنے والے ہیں (انھوں نے کسی دنیاوی غرض سے ہجرت نہیں کی)

اور وہ (لوگ) اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان کے معاملہ میں سچے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو (دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں (جو کہ ان کا وطن ہے) اور ایمان میں ان (مہاجروں) کے (آنے کے) پہلے سے قرار پکڑے ہوئے ہیں (اگر چہ اس سے [1] تمام انصار کے ایمان کا مقدم ہونا تمام مہاجرین کے ایمان سے لازم نہیں۔ اور ﴿ تَبَوَّؤُ الدَّارَ ﴾ کی صفت کو فضل میں یہ دخل ہے کہ اپنے وطن میں کمال حاصل کرنا خاص طور سے اطاعت اور فرماں برداری اختیار کرنا کمال کی بات ہے، کیونکہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے ان امور میں بہت سی رکاوٹیں پیش آتی ہیں، نیز اپنی ریاست اور وجاہت کی وجہ سے عار و شرم بھی آتی ہے اور) جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجروں کو (غنیمتوں وغیرہ کے مال میں سے) جو کچھ ملتا ہے، اس سے یہ (انصار محبت کی وجہ سے) اپنے دلوں میں کوئی رشک محسوس نہیں کرتے اور (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ہیں کہ کھانا کھلانے وغیرہ میں انہیں) اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، چاہے خود فاقہ سے ہوں (یعنی بہت دفعہ خود فاقہ سے بیٹھے رہ جاتے ہیں اور مہاجروں کو کھلا دیتے ہیں، اور ''بہت دفعہ'' اس لئے کہا گیا کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا) اور (واقعی) جس شخص کو اس کی طبیعت کے بخل سے بچالیا جائے (جیسے یہ لوگ ہیں کہ حرص اور اس کے تقاضے پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بری اور محفوظ رکھا ہے) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا (بھی اس فئے میں حق ہے) جو اسلام میں یا ہجرت میں یا دنیا میں) ان (مہاجروں یا مذکورہ انصار کے) بعد آئے (یا آئیں گے) جو (ان مذکورہ لوگوں کے حق میں اپنے ساتھ اس طرح) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں (چاہے نفس ایمان یا کامل ایمان کہ جو ہجرت پر موقوف تھا) اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ پیدا نہ ہونے دیجئے (اس دعا میں اس زمانہ کے مؤمن بھی شامل ہیں، مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ اپنے سے پہلے والوں کے افضل ہونے کا اعتقاد رکھیں اور محبت اپنے زمانہ کے مؤمنوں کے لئے عام ہو) اے ہمارے رب! آپ بڑے مہربان، رحم کرنے والے ہیں (ہماری دعا قبول فرمالیجئے، اس قید سے یہ مقصود نہیں کہ جس میں یہ صفت نہ ہو، وہ فئے کا مصرف نہیں ہے، بلکہ قید لگانے سے مقصود ترغیب ہے کہ بعد کے لوگوں کو ایسا ہونا چاہئے، اور اس کے بغیر مصرف کامل و پسندیدہ نہیں، چاہے نفس مصرف ہو۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: استوعبت هذه المسلمين عامة وليس أحد إلا له في هذا المال حق: میں نے ایک سال تک غور وفکر کیا تو پایا کہ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کا اس مال میں حق نہ ہو'' اس کو الدر المنثور نے روایت کیا ہے۔ اور عام مصلحتوں کے دیگر مصارف آیت کی تفسیر کے مقدمہ میں بیان کردیئے گئے ہیں لما روی فكانت حبسا لنوائبه یعنی روایت کیا گیا کہ وہ مال فئ مسلمانوں کی جوائج کے لئے روکا ہوا ہے جیسا کہ

(۱) یعنی مہاجروں کے ایمان سے تقدم نہیں البتہ مہاجروں کے آنے سے تقدم ہے، اسی کو ﴿ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ فرمایا ہے۔

درمنثور میں ہے، لہٰذا آیتوں اور روایتوں کے مجموعہ سے ان مصارف کا مصارف ہونا اور نبی ﷺ کی رائے کے حوالہ ہونا معلوم ہوا۔ چونکہ رائے کے حوالہ کرنا وفات کے بعد ممکن نہیں، لہٰذا وفات کے بعد حوالہ کرنے کا معاملہ ختم ہوگیا۔ اور ان کا مصارف ہونا باقی رہ گیا جس کا اہتمام کرنا مسلمانوں کے امام یعنی حاکم پر واجب ہوگا، اور مذکورہ معنی میں حوالہ ہوگا یعنی مالکانہ تصرف نہ ہوگا۔ اگرچہ شرعی قانون کی پابندی کے ساتھ حاکمانہ تصرف کے معنی میں حوالہ کیا جانا، اس کے لئے بھی حاصل ہے، واللہ اعلم)

فائدہ: طبعی وفطری طور پر جو حرص پیدا ہو جائے اس پر ملامت نہیں ہے، البتہ اس کے غیر شرعی تقاضوں پر عمل کرنا مذمت کے لائق ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۞ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۞ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۞﴾ ع ۵

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جاویں گے اور تمہارے معاملہ میں کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے، اور اگر اُن کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہ ہوگی۔ بیشک تم لوگوں کا خوف اُن کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں۔ اُن کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے۔ اے مخاطب! تو اُن کو متفق خیال کرتا ہے حالانکہ اُن کے قلوب غیر متفق ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ اُن لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو اپنے کردار کا مزہ چکھ

چکے ہیں، اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے، شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ظالموں کی یہ ہی سزا ہے۔

ربط: تمہید میں گذر چکا ہے۔

منافقوں کا یہودیوں کی مدد کے لئے وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اور مؤمنوں کی ہمت بڑھانا:

کیا آپ نے ان منافقوں (یعنی عبداللہ بن ابی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی جو اپنے ان بھائیوں سے جو اہل کتاب کافر ہیں (یعنی بنونضیر سے) کہتے ہیں (یعنی کہتے تھے، اس لئے کہ یہ سورت جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہے اور جیسا کہ روح المعانی نے حدیث اور سیرت کی کتابوں سے نقل کیا ہے، واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے) کہ (ہم ہر حال میں تمہارے ساتھ ہیں، لہٰذا) اگر تمہیں (اپنے وطن سے زبردستی) نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ (اپنے وطن سے) نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے (یعنی ہمیں چاہے کوئی کتنا ہی اور کیسا بھی سمجھائے کہ وطن سے نکلنے اور جنگ کرنے میں، جس کا ذکر آگے آرہا ہے، تمہارا ساتھ نہ دیں، لیکن ہم ہرگز نہیں مانیں گے پس جملہ ﴿ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ﴾ آگے پیچھے دونوں سے متعلق ہے) اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (یہ تو ان کے جھوٹے ہونے کا مختصر انداز میں بیان ہوا۔ آگے تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ) اگر وہ نکالے گئے تو یہ (منافق) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (فرض کرو) ان کی مدد بھی کی (اور لڑائی میں شریک ہوئے) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر (ان کے بھاگ جانے کے بعد) ان (اہل کتاب) کی کوئی مدد نہ ہوگی (یعنی جو مدد کرنے والے تھے، وہ تو بھاگ گئے، دوسرا بھی کوئی مددگار نہ ہوگا، لہٰذا لازمی بات ہے کہ مغلوب ومقہور ہوں گے۔ غرض منافقوں کی جو غرض ہے کہ اپنے ان بھائیوں پر کوئی آفت نہ آنے دیں، اس میں وہ ہر طرح ناکام رہیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب آخر میں بنونضیر نکالے گئے تو منافق ان کے ساتھ نکلے نہیں، اور جب شروع میں ان کا محاصرہ کیا گیا جس میں لڑائی کا احتمال تھا تو اس میں انھوں نے مدد نہیں کی، اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دیدی کہ وہ مدد نہیں کریں گے تو پھر ان کے مدد کرنے کا تو کوئی احتمال ہی نہیں تھا، محض فرضِ محال کے طور پر فرمادیا کہ اگر مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے تاکہ واقعی اور فرضی ساری صورتوں پر مقصود مرتب ہو جائے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ الخ اور واقعہ ہونے کے بعد یہ فرمانا ﴿ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ﴾ الخ یا تو ماضی کے واقعہ کی صورت ذہنوں میں بٹھانے کے لئے ہے تاکہ ان کی وعدہ خلافی اور ان کا ذلیل ہونا اچھی طرح دل ودماغ میں بیٹھ جائے۔ یا پھر آئندہ ساتھ دینے کا جو خیال واحتمال تھا، اس کی نفی کردی۔ اور اگر واقعہ سے پہلے اس کا نازل

ہونا ثابت ہو جائے تو توجیہ ظاہر ہے۔

آگے اس ساتھ نہ دینے کا سبب بیان فرماتے ہیں کہ) بے شک ان (منافقوں) کے دلوں میں تم لوگوں کا خوف اللہ سے بھی زیادہ ہے (یعنی یہ جو ایمان کے دعوی سے اپنا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا بیان کرتے ہیں وہ تو واقعہ کے خلاف ہے، ورنہ کفر کو کیوں نہ چھوڑ دیتے اور تمہارا واقعی خوف ہے، لہٰذا اس خوف کی وجہ سے یہ لوگ ان بنونضیر کا ساتھ نہیں دے سکتے، لہٰذا اللہ کا خوف نہ ہونے کا حاصل ایمان کا نہ ہونا ہے، ورنہ طبعی طور پر مخلوق کا خوف خالق سے زیادہ ہونا گناہ نہیں اور) یہ (ان کا تم سے ڈرنا اور اللہ سے نہ ڈرنا) اس لئے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو) سمجھتے نہیں (اور یہ یہود چاہے بنونضیر ہوں یا غیر بنونضیر اور منافق الگ الگ تو تمہارے مقابلہ کی کیا ہمت کرتے، یہ لوگ (تو) سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑیں گے، سوائے حفاظت والی بستیوں یا (قلعہ وشہر پناہ کی) دیوار کی آڑ میں (حفاظت سے مراد عام ہے چاہے خندق وغیرہ سے ہو یا قلعہ وغیرہ سے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ منافقوں نے کبھی حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار کے پیچھے سے اہل اسلام کا مقابلہ کیا ہو، کیونکہ مقصود یہ ہے کہ یہود یا منافق اگر کبھی تنہا یا اجتماعی طور پر تمہارے مقابلہ میں آئے بھی تو وہ مقابلہ حفاظت والی بستیوں یا دیوار کے پیچھے سے ہوگا۔ چنانچہ بنوقریظہ اور اہل خیبر کے یہود اسی طرح مقابلہ میں آئے، اگرچہ منافق ان کے ساتھ جمع نہیں تھے اور منافقوں کا اتنا حوصلہ کبھی ہوا بھی نہیں، لہٰذا اس میں مسلمانوں کی ہمت بڑھانا یہی ہے کہ ان سے کچھ اندیشہ نہ رکھیں، اور ان کے بعض قبائل جیسے اوس وخزرج کے جنگ کے واقعوں کو دیکھ کر یہ اندیشہ نہ کیا جائے کہ شاید وہ اسی طرح اہل اسلام کے مقابلہ میں نمایاں کام کرسکیں۔ بات یہ ہے کہ) ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے (مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہیں اور اسی طرح یہ احتمال نہ کیا جائے کہ چاہے یہ اہل اسلام کے مقابلہ میں ضعیف ہوں، مگر بہت سے ضعیف مل کر قوی ہو جاتے ہیں۔ شاید یہ اس طرح مسلمانوں سے نمٹ سکیں تو اس کی نسبت یہ ہے کہ) تم انہیں (ظاہر میں) اکٹھا سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں (یعنی اگرچہ اہل حق کی دشمنی ان سب میں مشترک ہے مگر ان میں خود بھی تو عقیدوں کے اختلاف کی وجہ سے پھٹاؤ اور دشمنی ہے، جیسا کہ سورۃ المائدہ آیت ۶۴ میں ﴿وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ میں ہے اور اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔ لہٰذا اس سے سب کے جمع ہونے کی تقویت کا احتمال بھی جاتا رہا۔ اور یہ احتمال کا دور ہونا زیادہ تاکید اور مقصود کی تقویت کے لئے ہے، ورنہ حق تعالیٰ کی مشیت ان کے مغلوب ومقہور ہونے کے ساتھ متعلق ہو چکی ہے، تو اگر اتفاق بھی ہوتا تو کیا کام آتا؟ آگے نااتفاقی کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) یہ (دلوں کا پھٹنا) اس لئے ہے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں، جو (دین کی) عقل نہیں رکھتے (اس لئے خواہشوں کے بکھراؤ کا اتباع کرنے والے ہیں اور خواہشوں کے بکھراؤ کے لئے دلوں کا اختلاف لازم ہے، اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کبھی کبھی بے دینوں میں بھی دلوں کا

متفق ہونا دیکھا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حرف با سبب ہونے پر دلالت کرتا ہے چاہے فی الجملہ بعض کے اعتبار سے ہو، یہاں کلی قاعدہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان میں جو نا اتفاقی تھی، اس کا بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کے لئے یہی امر سبب ہوگیا تھا جو کہ ظاہر ہے۔

آگے خاص طور سے بنونضیر اور ان منافقوں کی حالت کا ذکر ہے، جنھوں نے مدد کا وعدہ کر کے انہیں دھوکہ میں ڈالا اور عین وقت پر دغا دیا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان کے مجموعہ کی دو مثالیں ہیں: ایک مثال خاص بنونضیر مثال اور دوسری منافقوں کی۔ چنانچہ بنونضیر کی مثال تو) انہی لوگوں جیسی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں، جو (دنیا میں بھی) اپنے کردار کا مزا چکھ چکے ہیں، اور (آخرت میں بھی) ان کے لئے دردناک عذاب (ہونے والا) ہے (ان سے بنوقینقاع کے یہود مراد ہیں، جن کا قصہ یہ ہوا کہ بدر کی جنگ کے بعد انھوں نے آپ سے سنہ ۲ ہجری میں عہد توڑ کر لڑائی لڑی پھر مغلوب اور مقہور ہوئے، اور آپ کے فیصلہ پر قلعہ سے باہر نکلے اور سب کی مشکیں باندھی گئیں، پھر عبداللہ بن ابی کی خوشامد سے اس شرط پر ان کی جان بخشی گئی کہ مدینہ سے چلے جائیں، چنانچہ وہ ملک شام کی طرف نکل گئے اور ان کے مالوں کے سلسلہ میں غنیمت کی طرح عمل ہوا جیسا کہ زادالمعاد میں ہے۔ اور ان منافقوں کی) شیطان کی سی مثال ہے (پہلے تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے (اور کفر کے وبال میں گرفتار ہو جاتا ہے، چاہے دنیا میں چاہے آخرت میں) تو (اس وقت صاف جواب دیدیتا ہے اور) کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے عالموں کا رب ہے (جیسا کہ دنیا میں اسی طرح تعلق و واسطہ نہ رکھنے کے اعلان کا قصہ سورۂ انفال آیت ۴۸ ﴿وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ الخ میں گذر چکا ہے اور آخرت میں گمراہ لوگوں سے گمراہ کرنے والوں کا تعلق و واسطہ نہ رکھنے کا اعلان کئی آیتوں میں بیان ہوا ہے) تو دونوں کا آخری انجام یہ ہوا کہ دونوں جہنم میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے (ایک گمراہ کرنے کی وجہ سے دوسرا گمراہ ہونے کی وجہ سے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے (تو جس طرح اس شیطان نے اس انسان کو پہلے بہکایا، پھر وقت پر ساتھ نہ دیا اور دونوں نے نقصان اٹھایا، اسی طرح ان منافقوں نے پہلے بنونضیر کو غلط رائے دی کہ تم اپنی بستی سے مت نکلو پھر عین وقت پر انہیں دغا دیا، اور دونوں بلا میں پھنسے، بنونضیر تو نکالے جانے کی بلا میں اور منافق ناکامی میں۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ

لَرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ع

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اُس نے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، اور تم اُن لوگوں کی طرح مت ہو جنھوں نے اللہ سے بے پروائی کی۔ سو اللہ تعالیٰ نے خود اُن کی جان سے اُن کو بے پروا بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں۔ جو اہل جنت ہیں وہ کامیاب لوگ ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اُس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔ اور ان مضامین عجیبہ کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔ وہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا، وہی بڑا مہربان رحم والا ہے۔ وہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے، امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے۔ بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے۔ اُس کے اچھے اچھے نام ہیں، سب چیزیں اُس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

ربط: تمہید میں گذر چکا۔

جنت حاصل کرنے کی ترغیب اور جہنم کے اسباب سے ڈرانا اور قرآن کی شان اعلیٰ ہونے اور اللہ کی صفتوں کے کمال کے ذکر سے اس کی تاکید:

اے ایمان والو! (تم نے نافرمانوں کا انجام سن لیا، تو تم) اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص یہ دیکھ لے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے؟ (یعنی نیک اعمال میں کوشش کرو جو کہ آخرت کا ذخیرہ ہیں) اور (جس طرح طاعتوں کے حاصل کرنے اور اعمالِ صالحہ یعنی نیک اعمال میں تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے، اسی طرح پرہیزگاری یعنی برائیوں، نافرمانیوں گناہوں سے بچنے کے بارے میں بھی تمہیں حکم ہے کہ) اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ

کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے (چنانچہ گناہوں اور نافرمانیوں کے کرنے سے عذاب و سزا کا اندیشہ ہے، اس لئے پہلا ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ طاعتوں سے متعلق ہے جس کا قرینہ ﴿قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ ہے۔ اور دوسرا معاصی یعنی نافرمانیوں اور گناہوں سے متعلق ہے جس کا قرینہ ﴿خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ہے) اور (آگے ان احکام کی مزید تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ، جنھوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی (یعنی احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کہ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا انہیں نہیں کیا اور جن کاموں سے منع کیا انہیں کیا) تو (اس کا اثر یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے انہیں خود ان کی جان سے بے پرواہ بنا دیا (یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ خود اپنے اصلی اور حقیقی نفع کو نہیں سمجھا، اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں (اور نافرمانی کی سزا بھگتیں گے اور اوپر جن دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا یعنی ایک وہ جو تقوی والے ہوں اور دوسرے وہ جو احکام پر عمل نہ کرنے والے ہوں۔ ان میں ایک اہل جنت ہیں اور دوسرے اہل جہنم اور) اہل جہنم اور اہل جنت برابر نہیں ہیں (بلکہ) جو جنت میں جانے والے ہیں، اصل میں وہ کامیاب ہیں (اور جہنم میں جانے والے ناکام ہیں، جیسا کہ اوپر ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ سے معلوم ہوا، لہٰذا انہیں اہل جنت میں سے ہونا چاہئے۔ اہل جہنم میں سے نہیں ہونا چاہئے۔

اور یہ مفید نصیحتیں جس قرآن کے ذریعہ تمہیں سنائی جاتی ہیں، وہ ایسا ہے کہ) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے (اور اس میں سمجھ داری کا مادہ رکھ دیتے اور خواہشوں کا مادہ نہ رکھتے تو (اے مخاطب!) تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا (یعنی قرآن کریم اپنے آپ میں ایسا اثر ڈالنے والا اور قوی و مضبوط فاعل ہے مگر انسان میں خواہشوں کے غلبہ کی وجہ سے اس کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت فاسد ہو گئی جس کی وجہ سے اثر نہیں ہوتا، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ طاعتوں کو حاصل کرے اور معاصی کو ترک کر کے اپنی خواہش پر غلبہ پائے تاکہ قرآن کی نصیحتوں سے اس پر اثر ہو، اور وہ خود احکام پر عمل کرنے میں قائم اور ان کی پابندی کرنے والا اور ذکر و فکر نصیب ہو، جس کا اوپر حکم ہوا ہے) اور ہم ان عجیب مضمونوں کو لوگوں کے (نفع کے) لئے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سوچیں (اور فائدہ اٹھائیں اسی لئے یہ مضمون ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ الخ یہاں بیان کیا گیا۔

آگے حق تعالیٰ کی صفتوں کا کمال بیان کیا جاتا ہے جس سے حق تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ کر احکام پر عمل کرنے میں مددگار ہو، چنانچہ ارشاد ہے کہ) اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں، وہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے اور وہ بڑا مہربان، رحم والا ہے (اور چونکہ توحید نہایت اعلیٰ شان والی چیز ہے، اس لئے اس کو تاکید کے لئے فرمایا کہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود (بننے کے لائق) نہیں، وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک ہے

(سارے عیبوں سے) سالم (ومحفوظ) ہے، یعنی نہ ماضی میں اس میں کوئی عیب ہوا جو کہ قدوس ہونے کا حاصل ہے اور نہ آئندہ اس کا احتمال ہے کہ سلام کا حاصل ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے، اپنے بندوں کو خوف کی جگہوں سے) امن دینے والا ہے (اپنے بندوں کی خوف کی جگہوں سے) نگہبانی کرنے والا ہے (یعنی کسی آفت کو آنے بھی نہیں دیتا اور آئی ہوئی کو بھی دور کردیتا ہے) زبردست ہے، خرابی کا درست کردینے والا ہے۔ بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ (جس کی یہ شان ہو جو اوپر بیان کی گئی) لوگوں کے شرک سے پاک ہے، وہ معبود (برحق) ہے، پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، یعنی ہر چیز کو حکمت کے مطابق بناتا ہے) صورت (شکل) بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (جو اچھی اچھی صفتوں پر دلالت کرنے والے ہیں) سب چیزیں اس کی تسبیح (پاکی) بیان کرتی ہیں (حال کے لحاظ سے یا قول کے اعتبار سے) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست، حکمت والا ہے (لہٰذا ایسے عظمت والے کے احکام پر عمل ضروری اور نہایت ضروری ہے)

﴿الحمد للہ! سورۂ حشر کی تفسیر ختم ہوئی، اب ان شاء اللہ سورۂ ممتحنہ کی تفسیر آتی ہے﴾
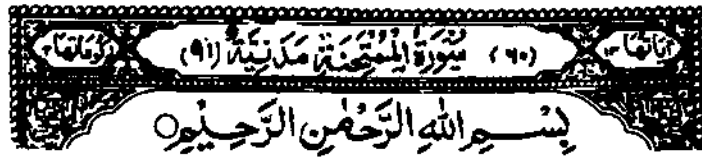
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں منافقوں کی یہود سے دوستی کرنے کی مذمت تھی، اس سورت کے شروع اور آخر میں مسلمانوں کو کافروں سے تعلقات، دوستی اور خاص طور سے مشرک عورتوں سے نکاح کا تعلق رکھنے سے منع کیا ہے، اور مشرک و مؤمن عورتوں میں فرق وامتیاز کے لئے صرف ایمان کے اظہار کو کافی قرار دینے کا ارشاد ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ۭ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ڔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ڔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ۧ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

ع ۲

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ اُن سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے، وہ اُس کے منکر ہیں، رسول کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے، شہر بدر کر چکے ہیں۔ اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض سے نکلے ہو۔ تم اُن سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو، حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے۔ تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو۔ اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بہک گیا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں، اور وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن کام نہ آویں گے، خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ابراہیم میں اُن لوگوں میں جو کہ اُن کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے، جبکہ اُن سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو اُن سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ، لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کرونگا اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف کر دیجئے، بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔ بیشک اُن لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو، اور جو شخص روگردانی کرے گا سو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ تم میں اور اُن لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے۔ اور اللہ کو بڑی قدرت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ لوگ گنہ گار ہوں گے۔

کافروں سے دوستی رکھنے کی ممانعت:

ان آیتوں کا ایک خاص قصہ سے تعلق ہے، وہ قصہ یہ ہے کہ جب آپ نے مکہ فتح کرنے کے لئے جہاد کا ارادہ کیا تو

حاطب بن ابی بلتعہ نے جو کہ بدر کی جنگ میں شریک ہونے والوں میں سے ہیں اور پرانے یمن کے رہنے والے تھے، جو بعد میں مکہ میں آ کر رہنے لگے تھے اور ان کے بھائی اور والدہ اور اولاد و اہل وعیال اور مال وسامان اب بھی مکہ میں تھے، مکہ والوں کے نام ایک خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور یہ خط ایک عورت کو دیدیا کہ وہ اسے مکہ والوں کو پہنچا دے، آپ کو وحی کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوگئی۔ آپ نے حضرت علی اور چند صحابیوں کو حکم دیا کہ فلاں جگہ وہ عورت ملے گی، اس سے وہ خط لے آؤ، ان کے جانے پر وہ عورت مل گئی اور اس نے ان کے دھمکانے پر وہ خط دیدیا، اس خط کو لے کر یہ حضرات آئے تو آپ نے حاطب سے پوچھا: انھوں نے کہا کہ واقعی خط میرا ہی لکھا ہوا ہے، لیکن میں نے یہ خط اسلام کی مخالفت کے سبب نہیں لکھا، بلکہ مجھے یقین تھا کہ اس کی وجہ سے اسلام کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور غالب کرنے والا ہے اور آپ کو ضرور فتح ہوگی، البتہ میرا خیال تھا کہ اس خط کی وجہ سے مجھے یہ فائدہ ہو جائے گا کہ مکہ والے میرا احسان مان کر میرے اہل وعیال وسامان کی حفاظت کریں گے، اور انہیں اذیت ونقصان نہیں پہنچائیں گے کیونکہ میری ان سے اور کوئی رشتہ داری نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ میری رعایت کریں، بلکہ میں محض اجنبی، پردیسی آدمی تھا، یہ بات سامنے آجانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا، آپ نے ان کی گردن کاٹ دینے کی اجازت چاہی، مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اہل بدر میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جیسا کہ حدیث کی کتابوں کے حوالہ سے الدر المنثور میں نقل کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو (یعنی چاہے دل سے دوستی نہ ہو، مگر ایسا دوستانہ برتاؤ بھی مت کرو) حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے، وہ اس کا انکار کر چکے ہیں (یہ ﴿عَدُوِّیْ﴾ یعنی میرے دشمن سے متعلق بیان ہے اور) رسول اللہ (ﷺ) کو اور تمہیں بھی اس بنا پر شہر سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو (یہ ﴿عَدُوِّیْ﴾ کے ساتھ ﴿عَدُوَّکُمْ﴾ یعنی تمہارے دشمن سے متعلق بیان ہے۔ غرض ایسے لوگوں سے دوستی مت کرو) اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضا حاصل کرنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو (کیونکہ کافروں کی دوستی جس کا حاصل کافروں کی رضامندی کی فکر ہے حق کی رضا کی طلب اور حق کی رضا کا سبب بننے والے اعمال کے خلاف ہے) تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو (یعنی اول تو ان سے دوستی کرنا ہی بری چیز ہے پھر خفیہ پیغام بھیجنا، اس وجہ سے کہ یہ مزید اور خصوصی دوستی پیدا کرنے کا سبب ہے اور بھی زیادہ برا ہے) حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو، اور جو ظاہر کر کے کرتے ہو (یعنی دوسری مذکورہ رکاوٹوں کی طرح یہ امر بھی دوستی میں رکاوٹ بننا چاہئے) اور (آگے اس پر وعید ہے کہ) تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا، وہ یقینی طور پر سیدھے راستہ سے بھٹک گیا (اور گمراہ لوگوں کا انجام معلوم ہی ہے۔

آگے ان کی دشمنی کا بیان ہے کہ وہ تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ) اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو فوراً) دشمنی کرنے لگیں اور (وہ دشمنی کا اظہار یہ ہے کہ) تم پر ہاتھوں اور زبانوں سے برائی کرنے لگیں (یہ تو دنیاوی نقصان پہنچانا ہے) اور (دینی نقصان پہنچانا یہ ہے کہ) وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کافر (ہی) ہو جاؤ (پھر ایسے لوگ دوستی کے قابل کہاں ہیں؟ اور اگر تمہیں دوستی کے بارے میں اپنے وعیال کا خیال ہو تو خوب سمجھ لو کہ) تمہارے رشتہ دار اور اولاد قیامت کے دن تمہارے (کچھ) کام نہ آئیں گے، اللہ (ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہے (لہٰذا ہر عمل کا فیصلہ ٹھیک کرے گا تو اگر تمہارے اعمال عذاب وسزا کے لائق ہوں گے تو اس عذاب وسزا سے تمہارے رشتہ دار اور اہل وعیال بچا نہ سکیں گے۔ پھر ان کی رعایت میں اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنا بہت ہی مذمت کے لائق امر ہے۔ اور اس سے مالوں کا رعایت کے قابل نہ ہونا اور بھی زیادہ ظاہر ہے۔

آگے مذکورہ حکم پر رغبت دلانے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ) تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان لوگوں میں جو کہ (ایمان اور طاعت کے معاملہ میں ان کے حال میں شریک تھے، ایک عمدہ نمونہ ہے (یعنی اس بارے میں کافروں سے ایسا برتاؤ رکھنا چاہئے جیسا ابراہیم علیہ السلام نے اور ان کا اتباع کرنے والوں نے کیا) جب ان سب نے (مختلف اوقات میں) اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو، ان سے (بھی) بیزار ہیں (مختلف وقتوں میں اس لئے کہا گیا کہ جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی بار اپنی قوم سے یہ بات کہی تھی، اس وقت وہ بالکل تنہا تھے، پھر جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے گئے وہ کافروں سے قول اور فعل کے اعتبار سے تعلق ختم کرتے گئے۔

آگے اس بیزاری کا بیان ہے کہ) ہم تمہارا (یعنی کافروں اور ان کے معبودوں کا) انکار کرتے ہیں (یعنی تمہارے عقیدوں اور تمہارے معبودوں کی عبادت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ تو عقیدہ کے اعتبار سے تعلق ختم کرنا ہے) اور (معاملہ اور برتاؤ کے اعتبار سے تعلق ختم کرنا یہ ہے کہ) ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا (کیونکہ دشمنی کی بنیاد، عقیدوں کا اختلاف ہے اور اب اس کا زیادہ اعلان ہو گیا تو دشمنی کا بھی زیادہ اظہار ہو گیا، دشمنی اور بغض ایک دوسرے کے قریب ہیں، اور دونوں کا جمع کرنا تاکید کے لئے ہے، اور ہمیں تم سے یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی) جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ (غرض ابراہیم علیہ السلام نے اور ان کا اتباع کرنے والوں نے کافروں سے صاف طور سے تعلق ختم کر دیا) لیکن ابراہیم (علیہ السلام) کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی (جس سے ظاہر میں تعلق کے باقی رکھنے کا خیال ہوتا ہے) کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا، اور تمہارے لئے استغفار سے زیادہ) مجھے اللہ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں (کہ دعا کو قبول ہی کرا لوں، یا ایمان نہ لانے کے باوجود تمہیں عذاب سے بچا لوں۔ مطلب یہ کہ اتنی بات تو

البتہ ابراہیم علیہ السلام نے کہی تھی جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ مطلق استغفار سمجھ گئے، حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں یعنی ہدایت کی دعا کرنا، جس کی سب کو اجازت ہے۔ اور واقعی شکل میں وہ تعلق ختم کرنے کے خلاف بھی نہیں، مگر تعلق کی ظاہری صورت اور استغفار کی ظاہری صورت کے اعتبار سے اس کو الگ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے باوجود کہ لفظوں میں الگ کرنا ﴿ لَاَسْتَغْفِرَنَّ ﴾ اور ﴿ مَآ اَمْلِكُ ﴾ الخ کا مجموعہ ہے لیکن مجموعہ کا الگ کرنا پہلے جز کے اعتبار سے ہے اور دوسرا اس کے تابع کے طور پر آ گیا ہے اور اس استغفار کی تحقیق سورۃ البراءت آیت ۱۱۴ میں گذر چکی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو تو ان کی اپنی قوم سے ہوئی، آگے ان کی دعا کا مضمون ہے، یعنی انھوں نے کافروں سے تعلق ختم کر کے اس بارے میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم (کافروں کے ساتھ اس دشمنی کے اظہار میں) آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور دونوں جہانوں کی مہموں میں کافی ہونے کے لئے اور آفتوں اور شر سے حفاظت میں اور ایمان لانے میں) آپ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور (اعتقاد رکھتے ہیں کہ سب کو) آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (چنانچہ اس اعتقاد کی وجہ سے ہم نے تعلق ختم کرنے کا جو کچھ اعلان وغیرہ کیا ہے اس میں کوئی دنیاوی غرض چھپی ہوئی نہیں ہے اور اس سے فخر و گھمنڈ مقصود نہیں ہے، بلکہ سوال کی غرض سے حال کا عرض کرنا ہے اور) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کے لئے آزمائش کا ذریعہ مت بنا (یعنی ہمارے تعلق ختم کرنے کی وجہ سے یہ کافر ہم پر ظلم نہ کر پائیں) اور اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف کر دیجئے، بے شک آپ زبردست، حکمت والے ہیں (اور آپ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے، یہ دونوں دعائیں غرض و غایت کے طور پر ہیں، پہلی دعاؤں کے لئے ایک غرض دنیا کے اعتبار سے اور ایک آخرت کے اعتبار سے ہے، چنانچہ ﴿ لَا تَجْعَلْنَا ﴾ کو ﴿ تَوَكَّلْنَا ﴾ سے زیادہ تعلق ہے اور ﴿ اغْفِرْ لَنَا ﴾ کو ﴿ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ سے ہے۔ اور ﴿ وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا ﴾ مشترک مثال کے طور پر ہے۔

آگے اس کے اہتمام کے لئے دوسرے عنوان سے مذکورہ ترغیب کی تاکید ہے کہ) بے شک ان لوگوں میں (یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کا اتباع کرنے والوں میں) تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ (کے سامنے جانے) کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو (یعنی یہ اعتقاد اس بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا تقاضا کرتا ہے، اور اس سے پہلے یہ مضمون جس کا اتباع کیا جائے اس کے حال کے لحاظ سے ہے اور یہاں اقتداء کے تقاضے کے اعتبار سے ہے، لہٰذا تکرار نہیں ہوئی)

اور (آگے دوسرے طرز پر وعید ہے جیسے اس سے پہلے ﴿ مَنْ يَّفْعَلْهُ ﴾ میں وعید آ چکی ہے، یعنی) جو شخص (اس حکم سے) منہ پھیرے گا تو (اس کا نقصان ہوگا، کیونکہ) اللہ تعالیٰ (تو) بالکل بے نیاز اور (سارے کمالوں کے جامع ہونے کی وجہ سے) تعریف کے لائق ہیں (اس لئے وہاں غیر سے کمال حاصل کرنے اور مخلوق کے عبادت کرنے سے کوئی نفع و فائدہ

اٹھانے کا احتمال ہی نہیں۔

اور چونکہ ان کی دشمنی کی باتیں سن کر مسلمانوں کو کچھ فکر ہو سکتی تھی، رشتہ داریوں کا تعلق ختم ہونے سے طبعی طور پر رنج ہو سکتا تھا، اس لئے خوش خبری کے طور پر آگے پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری دشمنی ہے دوستی کرا دے (چاہے بعض ہی سے سہی، یعنی انہیں مسلمان کر دے جس کی وجہ سے دشمنی دوستی سے بدل جائے اور (اس کو کچھ مشکل نہ سمجھو، کیونکہ) اللہ بڑی قدرت والا ہے (چنانچہ مکہ فتح ہونے کے دن بہت سارے آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے، مطلب یہ کہ اول تو اگر تعلق ہمیشہ کے لئے ختم ہوتا تب بھی چونکہ اس کا حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل کرنا واجب تھا پھر خاص طور سے جب کہ تھوڑی ہی مدت کے لئے کرنا پڑے اور پھر ایمان میں شریک ہونے کی وجہ سے دوستی اور تعلق پھر سے قائم ہو جائے۔ غرض ہر طرح سے تعلق کا ختم کرنا ضروری ہوا) اور (اب تک جو کسی سے اس حکم کی خلاف ورزی ہو گئی ہے جس سے وہ اب توبہ کر چکا تو) اللہ تعالیٰ (اس کے لئے) بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

(اور یہاں تک تو دوستانہ تعلقات کے بارے میں حکم فرمایا تھا کہ ان تعلقات کو ختم کرنا واجب ہے۔ آگے احسان و بھلائی والے واقعات کے حکم کی تفصیل بیان فرماتے ہیں، وہ یہ کہ) اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور جنھوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (اس سے وہ کافر مراد ہیں جو ذمی یعنی جزیہ دے کر اسلامی حکومت کے تابع اور اس کی رعایا بن کر رہنا قبول کر چکے ہوں یا جو اسلامی حکومت سے سمجھوتہ کر چکے ہوں۔ ان سے احسان و بھلائی کا سلوک کرنا جائز ہے اور اسی کو انصاف والا برتاؤ فرمادیا۔ چنانچہ انصاف سے مراد خاص انصاف ہے یعنی خاص ان کے ذمی ہونے یا صلح کر لینے کے اعتبار سے انصاف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کے ساتھ احسان کرنے میں پیچھے نہ رہا جائے، ورنہ مطلق انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔

آگے اس برتاؤ کی ترغیب ہے کہ) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں (البتہ) اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی (یعنی بھلائی اور احسان) کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے معاملہ میں لڑے ہوں (چاہے اس وقت لڑ لئے ہوں یا اس کا ارادہ رکھتے ہوں) اور جنھوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور (اگر نکالا بھی نہ ہو، لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی مدد کی ہو، یعنی ان کے ساتھ شریک ہوں، چاہے اس وقت یا اس کا ارادہ رکھتے ہوں، اس میں سارے حربی جن سے سمجھوتہ نہ ہوا آ گئے۔

اور پہلی آیت کے قرینہ سے دوستی سے مراد احسان اور انصاف ہے، اس کو نفرت دوستی کے نکتہ سے اس معنی میں کہا گیا

ہے کہ یہ دشمنی نہیں، پس دوستی کے ایک معنی تو وجودی ہیں، وہ تو ہر کافر سے ممنوع ہے دوسرے معنی غیر وجودی یعنی عدمی کے ہیں یعنی عداوت نہ رکھنا وہ حرب والوں کے علاوہ سے جائز اور حرب یعنی لڑنے والوں سے ناجائز ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کا برتاؤ مذکورہ معنی میں) کرے گا تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

فائدہ: کافروں کے ساتھ دوستی اور احسان کے برتاؤ کی تفصیل سورۃ آلِ عمران کی آیت ۲۸ ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آویں تو تم اُن کا امتحان کرلیا کرو اُن کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، پس اگر اُن کو مسلمان سمجھو تو اُن کو کفار کی طرف واپس مت کرو، نہ تو وہ عورتیں اُن کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ اور اُن کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ اُن کو ادا کردو۔ اور تم کو اُن عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جبکہ تم اُن کے مہر اُن کو دیدو۔ اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو مانگ لو اور جو کچھ اُن کافروں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیبیوں میں سے کوئی بی بی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آوے پھر تمہاری نوبت آوے تو جن کی بیبیاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا اُنھوں نے خرچ کیا تھا اُس کے برابر تم اُن کو دیدو اور اللہ سے کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئ کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان

بنالے ویں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ اُن کو بیعت کرلیا کیجئے۔ اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

ربط: تمہید میں گذر چکا۔

مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان نکاح کا تعلق ختم کرنا اور ایمان کا امتحان کرنا:

(یہ آیتیں ایک خاص موقع سے متعلق ہیں اور وہ حدیبیہ کی صلح کا موقع ہے، جس کا بیان سورۂ فتح کے شروع میں ہوا ہے۔ اس صلح نامہ میں جو شرطیں لکھی گئی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جائے وہ واپس نہ دیا جائے اور جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جائے وہ واپس کر دیا جائے، چنانچہ بعض مسلمان مرد آئے اور وہ واپس کر دیئے گئے پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، ان کے قریبی خاندان والوں اور رشتہ داروں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس پر یہ آیتیں حدیبیہ ہی میں نازل ہوئیں، جن میں عورتوں کو واپس کرنے سے منع کر دیا گیا، اس طرح صلح نامہ کے مضمون کا عام ہونا ان آیتوں کے ذریعہ مخصوص اور منسوخ ہو گیا۔ اور ایسی عورتوں کے بارے میں کچھ خاص احکام مقرر کئے گئے اور ان کے ساتھ ہی کچھ احکام ایسی عورتوں کے بارے میں بھی مقرر ہوئے جو پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں، مگر انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور مکہ میں رہ گئیں اور چونکہ ان احکام کا مدار ان عورتوں کا مسلمان ہونا ہے، اس لئے امتحان و آزمائش کا طریقہ بھی بتا دیا گیا اور ان احکام کا خلاصہ یہ ہے:

پہلا حکم: جو عورت دارالحرب سے مسلمان ہو کر آجائے اس کا نکاح کافر شوہر سے فوراً ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح جس حربی عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے اس کا نکاح بھی فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

دوسرا حکم: پہلی عورت کا نکاح مسلمان مرد سے کرنا جائز ہے، اگر وہ حاملہ ہے تو سب کا اجماع ہے کہ وضع حمل کے بعد نکاح جائز ہے، اور اگر حاملہ نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر عدت کے اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عدت کے بعد۔ اور دوسری عورت پر کسی کے نزدیک عدت لازم نہیں، اور یہ دونوں حکم اب بھی باقی ہیں۔

تیسرا حکم: پہلی عورت کو پہلے شوہر نے جو کچھ بھی مہر دیا ہو، مسلمان وہ مہر اس شوہر کو فوراً واپس کر دیں اگر کوئی خاص شخص نکاح کرے تو وہ واپس کرے ورنہ بیت المال سے دیدیا جائے۔ یہ حکم صلح کے لحاظ سے اس واقعہ کے ساتھ خاص تھا کہ صلح والوں کو کوئی نقصان نہ ہو، اور وہ بھڑکیں نہیں کہ جس کی وجہ سے صلح ٹوٹ جائے، اب یہ حکم باقی نہیں۔

چوتھا حکم: اسی طرح کافر لوگ عورت کا مہر مسلمان شوہر کو ادا کریں، یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص تھا۔

پانچواں حکم: اگر کافر ایسی عورت کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں تو کافروں کا جو مہر مسلمانوں کے ذمہ ادا کرنا واجب ہے، وہ ان کافروں کی بجائے ان مسلمان شوہروں کو دیدیا جائے۔ اگر دونوں مہر برابر ہوں تو کچھ تکلف ہی نہیں، البتہ کمی وزیادتی میں یہ حکم تھا کہ جو مہر کافروں کا بچے وہ کافروں کو دیدیا جائے، اور جو اپنا رہے اس کا ان سے مطالبہ کیا جائے، اور یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص تھا، اور ان بعض احکام کے مخصوص ہونے کی دلیل اجماع ہے، اور یہ کہ خود رسول اللہ ﷺ نے دوسری کسی جگہ یہ برتاؤ نہیں کیا، اور باقی احکام ہدایہ وغیرہ سے اور روایتیں درمنثور سے نقل کی گئی ہیں، البتہ تیسرے حکم میں جو بیت المال سے دلانے کے لئے لکھا ہے، یہ ایک اور تفسیر سے نقل کیا گیا ہے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ اس تخصیص و نسخ سے عام عہد ٹوٹ گیا اور عہد کا توڑنا جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عہد کو اس طرح توڑنا جائز نہیں جس میں غدر اور دھوکہ ہو اور بغیر دھوکہ وغدر کے خود صلح ہی کا ختم کرنا جائز تھا، اور کسی خاص جز کا ختم کرنا تو اس سے بھی زیادہ ہلکا اور آسان ہے، اور اس میں دوسرے فریق کو مجبور نہیں کیا گیا، اگر وہ نہ مانتے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ صلح ختم ہو جاتی، پھر اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، لیکن جب دوسرے فریق نے بھی مان لیا، چاہے اپنی کچھ مصلحت سمجھ کر چاہے اس خیال سے کہ مردوں کے جمع ہونے سے ان کے لڑائی میں حصہ لینے کا اندیشہ ہے، لیکن اگر عورتیں واپس نہ کی گئیں تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں ہے، اس طرح مان لینے کے بعد صلح پر اتفاق ہو گیا۔

پھر حدیبیہ سے واپسی کے بعد بھی بعض عورتیں آئی تھیں وہ بھی اس حکم میں شامل رہیں، جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔

لہٰذا عام خطاب کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (حرب والوں میں سے) ہجرت کر کے آئیں (چاہے مدینہ میں کہ دارالاسلام ہے، چاہے حدیبیہ میں کہ جہاں اسلامی لشکر ٹھہرا ہوا ہو، وہ دارالاسلام کے حکم میں ہے جیسا کہ ہدایہ کی کتاب الحدود میں ہے) تو تم ان (کے مسلمان ہونے) کا امتحان کر لیا کرو (جس کا طریقہ آگے خاص خطاب ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ الخ میں آرہا ہے اور اس امتحان میں ظاہری ایمان کو کافی قرار دیا کرو، کیونکہ) ان کے (حقیقی) ایمان کو (تو) اللہ ہی خوب جانتا ہے (تم اس کی تحقیق نہیں کر سکتے) لہٰذا اگر انہیں (اس امتحان کے لحاظ سے) مسلمان سمجھو تو انہیں کافروں کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لئے حلال ہیں (کیونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے مطلق نہیں رہتا پہلے حکم کے مطابق) اور تمہیں ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہوگا، جب کہ تم ان کے مہر انہیں دیدو (چاہے ادائیگی کی شکل میں یا لازم ہونے کی شکل میں، اور یہ قید شرط کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہے، کیونکہ نکاح کا جائز ہونا مہر کی ادائیگی یا لازم ہونے کی شکل میں موقوف نہیں ہے، بلکہ یہ بیان محض لازم قرار دینے کے لئے ہے، یعنی مہر نکاح سے متعلق لازم امور

میں سے ہے، چاہے وہ مقرر کیا جائے یا نہ کیا جائے اور چاہے ایسے معنی میں ہو جو سمجھ میں آجائے یا کپڑوں کا جوڑا ہو۔ اور اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۶)

اور (اے مسلمانو!) تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو (یعنی تمہاری جو بیویاں دار الحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں تم سے ان کا نکاح ختم ہوگیا۔ ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو، یہاں تک کہ ایسے مرد کو فوراً ایسی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے جن سے اس چھوڑی ہوئی عورت کی عدت کے دوران جائز نہ ہوتا کیونکہ عدت بھی واجب نہیں ہے۔ دوسرے حکم کے بعد والے جز کے مطابق اور بعض صحابہ کا طلاق دینا جب کہ طلاق دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، اور اس پر رسول اللہ ﷺ کا انکار نہ فرمانا، بشرطیکہ آپ کو اطلاع ہو تو شاید اس لئے ہو کہ طلاق لغوی معنی میں ہو، جس کا حاصل صلح کا اظہار ہے) اور (اس صورت میں) جو کچھ تم نے (ان عورتوں کے مہر میں) خرچ کیا ہو (ان کافروں سے) مانگ لو (چوتھے حکم کے مطابق) اور (اسی طرح) جو کچھ ان کافروں نے (مہر کے بارے میں) خرچ کیا ہو وہ (تم سے) مانگ لیں (جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا ہے ﴿ آتُوهُمْ مَّا أَنفَقُوا ﴾ شاید عنوان کے اختلاف کے ساتھ مضمون کا دہرانا اس لئے ہو کہ تمہارے ذمہ جو دوسروں کا حق ہو، اس کی زیادہ تاکید سمجھو) یہ (جو کچھ کہا گیا) اللہ کا حکم ہے (اس کا اتباع کرو) وہ تمہارے درمیان (ایسا ہی مناسب) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے (علم اور حکمت کے ساتھ مناسب احکام مقرر فرماتا ہے)

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے کی وجہ سے (بالکل ہی) تمہارے ہاتھ نہ آئے (یعنی نہ وہ ملے اور نہ ہی اس کا بدل یعنی مہر جو چوتھے حکم کا تقاضا تھا اور) پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت آئے (یعنی تیسرے حکم کے مطابق تمہارے ذمہ کسی کافر عورت کا حق مہر ادا کرنا واجب ہو) تو (تم وہ مہر ان کافروں کو نہ دو بلکہ) جن (مسلمانوں) کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں (جن کا ابھی ﴿ فَعَاقَبْتُمْ ﴾ میں ذکر ہوا) جتنا (مہر) انھوں نے (ان بیویوں پر) خرچ کیا تھا، اس کے برابر (اس قسم میں سے جس کا ادا کرنا واجب ہو) تم انہیں دیدو (پانچویں حکم کے مطابق) اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھتے ہو (اور واجب احکام میں خلل مت ڈالو۔

آگے خاص خطاب میں ایمان کے امتحان کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ) اے نبی! (ﷺ) جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان

گھڑ کر (شوہر کے نطفہ سے جنی ہوئی ہونے کا دعوی کر کے کوئی اولاد لائیں گی جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بعض عورتیں ایسا کر لیتی تھیں کہ کسی غیر کا بچہ اٹھا لائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے، یا کسی کے ساتھ بدکاری کی اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کو اپنے خاوند کا بتا دیا، کہ اس میں زنا کے گناہ کے علاوہ بچہ کی اس شخص کی طرف نسبت کرنا ہے جس کا وہ بچہ نہیں ہے، جس پر حدیث میں بھی وعید آئی ہے، جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور جائز (صحیح باتوں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی (اس میں سارے شرعی احکام آگئے، چنانچہ اگر وہ عورتیں ان شرطوں کو قبول کر لیں جن کا اعتقاد رکھنا ایمان کے لئے شرط ہے، اور ان پر عمل کی پابندی کرنا ایمان کے کمال کی شرط ہے تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے) اور ان کے لئے اللہ سے (پچھلے گناہوں کی) مغفرت طلب کیا کیجئے، بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (مطلب یہ کہ جب یہ عورتیں ان احکام کو حق اور ان پر عمل کو واجب سمجھنے کا اظہار کریں تو انہیں مسلمان سمجھئے اور اس کے باوجود کہ خود اسلام ہی سے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے مگر استغفار یعنی مغفرت طلب کرنے کا حکم یا تو مغفرت کے آثار کے کمال کے لئے ہے یا اس کا حاصل ایمان کے قبول ہونے کی دعا ہے جو کہ مغفرت کے لئے لازم ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اُن لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے، وہ آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار جو قبروں میں ناامید ہونگے۔

ربط: اوپر اور یہاں تک مطلق کافروں سے تعلقات رکھنے کا بیان تھا جن میں زیادہ مضمون مشرکوں سے متعلق تھے۔ اب یہود کافروں کے ساتھ تعلق رکھنے کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ مدینہ میں کثرت سے تھے۔

خاتمہ مناسب فاتحہ: یہود کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو، جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے (اس سے یہود مراد ہیں جیسا کہ سورۃ المائدہ کی آیت ۶۰ ہے ﴿مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ﴾) یعنی وہ آخرت کے خیر اور ثواب سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے قبروں میں پڑے ہوئے کافر (آخرت کے خیر اور ثواب سے) مایوس ہیں (جو کافر مر جاتا ہے چونکہ اسے آخرت کا معائنہ ہو جاتا ہے، اس معاملہ کی حقیقت پر یقین کے ساتھ اطلاع ہو جاتی ہے کہ اب میری بخشش ہرگز نہیں ہوگی چونکہ وہ آیت ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ یعنی

'وہ آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے خود اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' (سورۃ البقرہ آیت ۱۴۶) کے مطابق آپ کی نبوت کو اور اسی طرح نبی کے مخالف کے کافر ہونے اور نجات نہ پانے والا ہونے کو خوب جانتے ہیں اگرچہ غیرت وحمیت اور حسد کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے، اس لئے انہیں دل سے یقین تھا کہ ہم نجات پانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ شیخی کے مارے ظاہر میں اس کے خلاف کرتے ہوں۔ لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مانی ہوئی ہے کہ وہ خود بھی اسے دل سے مانتے ہیں، ایسے گمراہوں کے ساتھ تعلق رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ جو شخص شدید درجہ کا گمراہ نہ ہو اس سے دوستی رکھنا جائز ہے، دوستی کے جائز ہونے کے لئے تو مطلق کفر روکتا ہے مگر اس صفت کی وجہ سے وہ جائز نہ ہونا اور بھی زیادہ شدید ہو جائے گا، اور شاید اس جگہ یہود کی تخصیص اس لئے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور پھر وہ لوگ شریر اور فساد پھیلانے والے بھی بہت تھے)

﴿الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۲/ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۲۵ھ بروز جمعرات بوقت چاشت سورۂ ممتحنہ کی تفسیر ختم ہونے سے مکمل بیان القرآن کی گیارہویں جلد ختم ہوئی، آگے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بارہویں جلد پوری فرماوے۔ اب ان شاء اللہ سورۂ الصف کی تفسیر آتی ہے۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله والصلاة والسلام على رسول الله وإخوانه من الأنبياء هداة سبل الله﴾
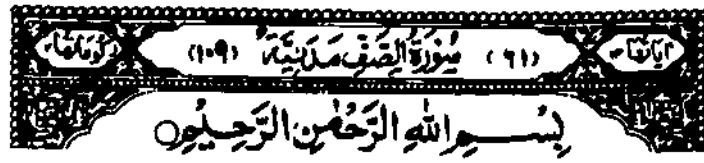
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر والی سورت میں کافروں کے ساتھ دوستی نہ رکھنے کا حکم تھا، اس سورت میں کافروں سے جنگ کرنے کا ذکر ہے۔ اور کچھ مضمون اس کے تابع کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ۖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۖ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۖ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ خدا کے نزدیک یہ بات ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اُس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔ اور جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور جبکہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے تورات ہے میں اُس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا اُن کی بشارت دینے والا ہوں۔ پھر جب وہ اُن لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔ اور اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو۔ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں۔ وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔ اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچا لے۔ تم لوگ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو، اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہونگے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور بھی ہے کہ تم اُس کو پسند کرتے ہو۔ اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی فتح یابی۔ اور آپ مؤمنین کو بشارت دیدیجئے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار رہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ وہ حواری بولے: ہم اللہ کے مددگار ہیں، سو بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے، اور کچھ لوگ منکر رہے، سو ہم نے ایمان والوں کی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے۔

کافروں کے ساتھ جنگ کی ترغیب اور توحید و رسالت کے اثبات سے اس کی تاکید اور کافروں کے خاص طور پر جنگ کے مستحق ہونے کی طرف اشارہ:

سب چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (چاہے قول کی شکل میں یا حال کے طور پر) جو کچھ آسمانوں میں ہیں۔ اور جو

کچھ زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے (لہٰذا جو ایسی عظمت اور شان والا ہو، اس کی اطاعت ہر حکم میں ضروری ہے، جن میں سے ایک جہاد کا حکم ہے جس کا اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے جس کے نازل ہونے کا سبب درمنثور کی روایتوں کے مطابق یہ ہے کہ ایک بار بعض مسلمانوں نے آپس میں ذکر کیا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا عمل معلوم ہو جو حق تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو تو ہم اس پر عمل کریں۔ اور اس سے پہلے بعض لوگ احد کی جنگ میں بھاگ چکے تھے جس کا قصہ سورۂ آل عمران میں ہے اور جہاد کے حکم کے نازل ہونے کے وقت بعض لوگوں کو وہ گراں و مشکل معلوم ہوا تھا جس کا قصہ سورۃ النساء میں ہے ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ﴾ الخ جس سے سورۃ الصف کا سورۂ آل عمران اور سورۃ النساء سے بعد میں نازل ہونا ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ تفسیر الاتقان میں ہے۔ اس پر ارشاد ہے کہ) اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں، اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور سے) پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (دیوار مضبوط ہوتی ہے جس کا زوال دیر سے ہوتا ہے، اسی طرح وہ مجاہد لوگ دشمن کے مقابلہ سے ہٹتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمیں سب سے محبوب عمل معلوم ہوتا تو سب سے محبوب عمل تو جہاد ہے، پھر اس کے حکم کے نازل ہونے کے وقت گرانی اور مشکل کیوں محسوس ہوئی تھی، اور احد میں کیوں بھاگ گئے تھے؟ ان تمام امور کے پیش نظر ہونے کے باوجود ایسے دعویٰ کی باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جس کی خلاف ورزی کرنا سامنے بھی آچکا، لہٰذا یہاں شیخی اور گپ بازی پر ملامت اور ڈانٹنا ہے، اور بغیر عمل کے وعظ و نصیحت اس کے مفہوم سے خارج ہے) اور آگے کافروں کے قتل و قتال کے مستحق ہونے کی علت ایذاء کہ جھٹلانا اور مخالفت رسول ہے بیان کرنا مقصود ہے اور اس کی مناسبت سے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے قصے بیان فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے ایذا کیوں پہنچاتے ہو؟ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (وہ ایذائیں مختلف قسم کی تھیں جن میں سے بعض قرآن میں بھی خاص طور سے سورۂ بقرہ میں بیان کی گئی ہیں اور ان سب کا حاصل نافرمانی اور مخالفت ہے) پھر جب وہ لوگ (اس خواہش کے اظہار پر بھی) ٹیڑھے راستہ پر ہی چلتے رہے (اور سیدھے راستہ پر نہ آئے) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور (زیادہ) ٹیڑھا کر دیا (یعنی مخالفت اور نافرمانی کا مادہ اور زیادہ بڑھا دیا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ نافرمانی کرتے رہنے کی وجہ سے توبہ، دعا اور اطاعت سے روزانہ دور ہی ہوتے چلے جاتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ (کا معمول ہے کہ وہ) ایسے نافرمانوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا (اسی طرح یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقوں سے ایذائیں پہنچاتے ہیں، اس لئے ان کا ٹیڑھا پن اور فاسق ہونا بڑھتا جاتا ہے کہ اصلاح کی امید نہیں رہی، لہٰذا ان کے فساد اور بگاڑ کو مٹانے کے لئے جنگ و قتال کا

حکم دینا ضروری اور مصلحت کے مطابق ہوا)

اور (اسی طرح وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے) جب کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے (ارشاد) فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ اس توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے (آچکی) ہے اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی خوش خبری دینے والا ہوں (احقر کے نزدیک اس سے مقصود اپنی شریعت کے احکام اور شریعت کے باقی رہنے کی غرض بتانا ہے یعنی میری شریعت تو توریت ہی کے احکام ہیں سوائے بعض احکام کے جن پر ارشاد ﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ ﴾ دلالت کرتا ہے، توریت کی تصدیق سے بھی یہی مراد ہے یعنی عمل کے ساتھ تصدیق، ورنہ نفس تصدیق میں تو توریت کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ سبھی پچھلے نبیوں اور صحیفوں و کتابوں کی تصدیق واجب ہے، اور ﴿ مُبَشِّرًا ﴾ سے اپنی شریعت کے باقی رہنے کی غرض بتادی کہ جو رسول میرے بعد آئیں گے ان کے آنے تک میری شریعت رہے گی، اور چونکہ وہ رسول مستقل ہوں گے جیسا کہ اس رسول کی جو صفتیں اس خوش خبری میں عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمائی ہیں جو مختصر انداز میں آگے آرہی ہیں، ان سے اس رسول کا مستقل ہونا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس کا گذشتہ شریعتوں کا ختم کرنا ضروری ہے، اور اس غرض کے بتانے سے مقصود اپنی امت کی ہدایت کا سامان کرنا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وقت مجھ پر ایمان لے آئیں اور پھر اُس رسول کا انکار کر کے کافر ہو جائیں اور اس خوش خبری کا عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہونا خود اہل کتاب کے بیان سے حدیثوں میں ثابت ہے، چنانچہ خازن میں ابوداؤد کی روایت سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا جو کہ نصاریٰ کے عالم بھی تھے یہ قول آیا ہے کہ واقعی آپ ہی ہیں جن کی خوش خبری عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور خازن ہی میں ترمذی کی روایت سے عبداللہ بن سلام کا قول آیا ہے جو کہ یہود کے علماء میں سے تھے کہ توریت میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف لکھی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پاس دفن ہوں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام توریت کی تبلیغ کرنے والے تھے اس لئے توریت میں اس خوش خبری کا ہونا بھی عیسیٰ علیہ السلام سے نقل کیا ہوا قرار دیا جائے گا۔ اور مولانا رحمۃ اللہ صاحب نے اظہار الحق میں خود توریت کے موجودہ نسخوں سے کئی بشارتیں نقل کی ہیں دیکھیں جلد دوم ص ۱۶۴ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اور ان مضمونوں کے اس وقت کی انجیلوں میں نہ ہونے سے اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تحقیق کرنے والے علماء کی تحقیق کے مطابق انجیلوں کے نسخے محفوظ نہیں رہے، پھر بھی جو کچھ موجود ہیں ان میں بھی اس قسم کے مضمون موجود ہیں۔ چنانچہ یوحنا کی انجیل ترجمہ عربی مطبوعہ لندن ۱۸۳۱ و ۱۸۴۴ کے چودھویں باب میں ہے کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ جب تک میں نہیں جاؤں گا فارقلیط تمہارے پاس نہیں آئیں گے، لہٰذا میں جاؤں گا تو انہیں تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ فارقلیط کا ترجمہ احمد ہے، اہل کتاب کی عادت ہے کہ وہ ناموں کا بھی ترجمہ کرتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں احمد فرمایا تھا جب انجیل کا ترجمہ یونانی زبان میں ہوا تو پیرا کلوطوس لکھ دیا جس کے معنی احمد ہیں، یعنی جس کی بہت تعریف کی گئی، یا بہت حمد و تعریف کرنے والا، پھر

جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کا ترجمہ فارقلیط کر دیا اور بعض عربی نسخوں میں اب تک نام مبارک احمد موجود ہے، دیکھو پادری پا کہرست کی یہ عبارت (وہا حمد دخل بکویم۔ از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء ص:۱۴۴۱ ۸ ترجمہ اپالوجی گاڈفری ہیگنس مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء۔ اور یوحنا کی اس انجیل میں اس فارقلیط کی نسبت یہ الفاظ ہیں **قولہ:** وہ تمہیں سب چیزیں دکھادے گا۔ **قولہ:** اس دنیا کا سردار آتا ہے۔ **قولہ:** وہ آ کر دنیا کو گناہ پر اور سچائی پر اور عداوت پر سزا و جزا دے گا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو مستقل نبی ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اور اس موقع کی پوری بحث تفسیر حقانی میں ہے، اس میں سے تھوڑا سا حصہ نقل کیا گیا ہے۔

غرض عیسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا) پھر جب (یہ سارے مضمون ارشاد فرما کر اپنی نبوت کے اثبات کے لئے) وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ (ان دلیلوں یعنی معجزوں کے بارے میں) کہنے لگے کہ یہ کھلا جادو ہے (اور جادو بتا کر نبوت کو جھٹلایا جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے: ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ الخ۔ اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے دور میں موجود کافروں نے آپ کو جھٹلایا اور مخالفت کی اور یہ عظیم ظلم ہے، لہٰذا اس ظلم کو آگے بڑھنے سے مٹانے کے لئے جنگ و قتال کا حکم دینا مصلحت ہوا) اور (واقعی) اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ اسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو۔ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیا کرتا (اللہ پر جھوٹ باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کو جھٹلایا، کیونکہ منفی کا اثبات اور مثبت کی نفی دونوں اللہ پر جھوٹ باندھنا ہیں، اور ﴿وَهُوَ یُدْعٰٓى﴾ اس لئے بڑھایا کہ اس کے ذریعہ اس کا اور زیادہ برا ہونا ظاہر ہو گیا۔ یعنی خود تو متنبہ ہوا ہی نہیں دوسرے کے تنبیہ کرنے سے بھی متنبہ نہیں ہوا۔ اور ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی﴾ اس لئے بڑھایا کہ ان کی موجودہ حالت اصلاح اور سدھار سے دور ہو گئی، اس لئے جنگ و قتال کی سزا ہی تجویز کیا جانا مصلحت ہوا۔ چنانچہ جس کو اب بھی اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو، پہلے اسے اسلام کی دعوت دینی چاہئے، جب اس سے انکار کرے جو کہ ظاہر میں ناامیدی کی علامت ہے، اس کے بعد ہی جہاد کا حکم ہے۔

آگے جہاد کی ترغیب کے لئے مدد اور حق کے غلبہ کا وعدہ اور باطل کے مغلوب ہونے کا ارشاد ہے کہ) یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں (یعنی عملی تدبیر کے ساتھ منہ سے بھی رد اور اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں تا کہ دین حق کو فروغ نہ ہو، کہ بعض اوقات تو شبہات کی باتیں اور بھی زیادہ مؤثر ہو جاتی ہیں، یہ اسے مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی منہ سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتا ہو، یعنی ایسے طریقے سے بجھا دے جس میں ناکام رہے) حالانکہ اللہ اپنے (مذکورہ) نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، چاہے کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے جس نے (اس نور کو پورا کرنے کے لئے) اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تا کہ اس (دین) کو (کہ وہی مذکورہ

نور ہے) تمام (باقی) دینوں پر غالب کردے (کہ یہی اس کا پورا کرنا ہے) چاہے مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں (اور اتمام یعنی پورا کرنے اور ظہور کی تفسیر سورۃ البراءت میں ایسی ہی آیت میں گذر چکی ہے۔

آگے جہاد کے آخرت کے ثمرہ اور پھر دنیاوی ثمرہ کا وعدہ کر کے ترغیب دیتے ہیں کہ) اے ایمان والو! کیا میں تمہیں (ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچالے وہ یہ کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم (کچھ) سمجھ رکھتے ہو (جب ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ سے رہنے کے باغوں میں (بنے ہوئے) ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے اور (آخرت کے اس حقیقی ثمرہ کے علاوہ) ایک دوسری چیز (دنیاوی) ثمرہ بھی ہے کہ تم اس کو (بھی خاص طور سے) پسند کرتے ہو (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلدی حاصل ہونے والی فتح ہے اور (اس کا خاص طور سے محبوب ہونا اس لئے ہے کہ انسان فطری طور پر جلدی بھی چاہتا ہے) اور (اے رسول! ﷺ) آپ (ان تمام امور کی) مؤمنوں کو خوش خبری دیدیجئے (چنانچہ فتح ونصرت کی پیشین گوئی کا ظاہر ہونا سورج سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔

آگے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یعنی صحابیوں کا قصہ یاد دلا کر دین کی مدد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ) اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ (اس طریقہ سے جو تمہارے لئے شریعت میں مقرر کیا گیا اور بتایا گیا ہے یعنی جہاد) جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یا صحابی اپنی شریعت کے طریقے کے مطابق دین کے مددگار ہوئے تھے جب کہ لوگ کثرت سے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن اور مخالف تھے اور جبکہ) عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے (ان) حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا مددگار کون ہوتا ہے؟ وہ حواری بولے: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں (چنانچہ ان حواریوں نے دین کی یہ مدد کی کہ اس کی اشاعت یعنی اسے پھیلانے کی کوشش کی) تو (اس کوشش کے بعد) بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے، اور کچھ لوگوں نے انکار کیا (پھر ان میں آپس میں مذہبی اختلاف کی وجہ سے دشمنی اور گھریلو جھگڑے اور آپسی جنگیں ہوئیں) تو ہم نے ان دشمنوں کے مقابلہ میں ایمان والوں کی تائید کی تو وہ غالب ہو گئے (اسی لئے تم محمد ﷺ کے دین کے لئے کوشش اور جہاد کرو، اور اگر ان جھگڑوں اور خانہ جنگوں کی ابتدا کافروں کی طرف سے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں جہاد کا ہونا لازم نہیں آتا)[1]

فائدہ: حواریوں اور عام بعثت سے متعلق ایک شبہ کا جواب سورۃ آل عمران میں عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

(۱) یعنی آیت کے آخر سے دین عیسوی میں دفاعی جہاد ہی کا ثبوت ہوتا ہے اقدامی جہاد کا ثبوت نہیں ہوتا اور ہماری شریعت میں دونوں جائز ہیں ۱۲ سعید احمد

(۶۲) سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۰) — اٰیَاتُهَا ۱۱ — رُکُوْعَاتُهَا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
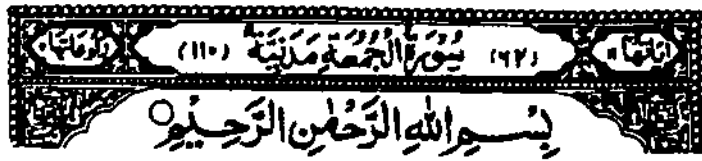
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت میں توحید اور رسالت کا اثبات اور جھٹلانے والوں کے قتل کی سزا و عذاب کے مستحق ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورت کے شروع میں توحید اور رسالت کا اثبات اور جھٹلانے والوں میں سے یہود کا جن کا ذکر اوپر کی سورت میں موسیٰ کی قوم کے عنوان سے ہوا ہے۔ مذمت اور وعید کے مستحق ہونے کا ذکر ہے اور چونکہ ان یہود کی اصل بیماری دنیا کی محبت تھی اس وجہ سے مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لئے آخر کی تین آیتوں میں جمعہ کے احکام کے ضمن میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کا حکم اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا دونوں سورتوں کے اخیر میں تجارت کا ذکر ہے، پہلی میں دینی تجارت کا اور دوسری میں آخرت کی تجارت کا۔

﴿ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ۗ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے، پاک ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں اُن ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اُن کو پاک کرتے ہیں اور اُن کو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں۔ اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے، اور دوسروں کے لئے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز ان میں شامل نہیں

ہوئے۔ اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا اُن کی حالت اُس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔ اُن لوگوں کی بُری حالت ہے جنھوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم بلاشرکت غیرے اللہ کے مقبول ہو تو تم موت کی تمنا کر دو، اگر تم سچے ہو۔ اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ اُن اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔ آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آ پکڑے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر جاننے والے کے پاس لے جائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔

توحید اور رسالت اور جھٹلانے والے یہود کی مذمت اور وعید:

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں، اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (چاہے قول کے طور پر یا حال کے طور پر) جو کہ بادشاہ ہے (عیبوں سے) پاک ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے، وہی ہے جس نے (عرب کے) بے پڑھے لوگوں میں انہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک رسول کو بھیجا، جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں (باطل عقیدوں اور برے اخلاق وعادتوں سے) پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور سمجھ داری (کی باتیں جن میں سب ضروری دینی علوم آگئے) سکھاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت سے) پہلے کھلی گمراہی میں تھے (کھلی گمراہی سے مراد کفر اور شرک ہیں اور اس سے اکثر لوگ مراد ہیں کیونکہ بعض لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بھی ایک اللہ کو ماننے والے تھے، مگر پھر بھی ہدایت کی تکمیل کے وہ بھی محتاج تھے) اور (ان موجود لوگوں کے علاوہ)[1] دوسرے لوگوں کے لئے بھی (آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا) جو (اسلام لاکر) ان میں سے ہونے والے ہیں، لیکن ان میں ابھی شامل نہیں

(۱) قولہ وآخرین اور ان میں سے دوسروں کے لئے بھی جو ابھی الخ۔ میں کہتا ہوں کہ اس مقام کی توضیح یہ ہے کہ ﴿اٰخَرِیْنَ﴾ کا عطف ﴿الْاُمِّیّٖنَ﴾ پر ہے تو ظاہر ہے ترجمہ یہ ہوا "اور دوسروں میں بھی" لیکن چونکہ ﴿اٰخَرِیْنَ﴾ کی ظرفیت ان کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ذاتی یا صفاتی طور پر یعنی اسلام کے لحاظ سے ظاہر نہیں تھی، اور فی کے معنی سے مقصود لاجل کے تھے کما فی ھرۃ۔ اس بنا پر یہاں لفظ لئے سے ترجمہ کر دیا اور ﴿فِی الْاُمِّیّٖنَ﴾ میں بھی یہی ترجمہ مقصود تھا، لیکن وہاں لفظ "میں" اس لئے اختیار کر لیا کہ ظاہری ظرفیت بھی ممتنع نہ تھی اور لفظ 'میں' بھی لاجل کے معنی میں آتا ہے، لہٰذا لفظ اور مقصود دونوں کا لحاظ رکھا گیا اور ﴿اٰخَرِیْنَ﴾ کے بعد جو ﴿مِنْهُمْ﴾ ہے وہ ﴿اٰخَرِیْنَ﴾ کی صفت ہے اور ﴿لَمَّا یَلْحَقُوْا﴾ بھی اسی کی صفت ہے یعنی ان دوسروں کے لئے بھی مبعوث فرمادیا جو کہ ان کے مسلمان ہونے کے اعتبار سے مذکورہ امیوں میں سے ہیں، کیونکہ مسلمان سب ایک ہی ہیں۔

ہوئے (چاہے اس وجہ سے کہ وہ موجود ہیں لیکن ابھی اسلام نہیں لائے یا اس وجہ سے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے، اس میں قیامت تک کی ساری امت عربی و عجمی سب آگئے۔ اور انہیں ﴿ مِنْهُمْ ﴾ اسلام کے اعتبار سے فرمایا کیونکہ مسلمان سب متحد ہیں جیسا کہ الخازن میں ہے، اور وہ زبردست حکمت والا ہے (کہ اپنی قدرت اور حکمت سے ایسا نبی بھیجا اور اس سے پہلے (۱) خود ان صفتوں کا اثبات مقصود تھا، لہٰذا تکرار نہیں رہی، اور) یہ (رسول کے ذریعہ سے گمراہی سے نکل کر کتاب اور حکمت و ہدایت کی طرف آنا) اللہ کا فضل ہے، وہ اس فضل کو جس کو چاہتا ہے دیدیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (اگر سب کو بھی عنایت کردے تو بھی اس کی رحمت بہت وسیع ہے، اس کے یہاں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے، مگر وہ اپنی حکمت سے جسے چاہے اپنے فضل اور رحمت کے لئے خاص کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے بہرہ رکھتا ہے جیسا کہ اوپر امیین کے ایمان لانے سے اور آگے آنے والی آیت میں یہودی عالموں کے ایمان نہ لانے سے یہ ظاہر ہے۔

آگے رسالت کو جھٹلانے والے کچھ لوگوں کی برائی و ملامت ہے کہ) جن لوگوں کو توریت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ ان کی حالت اس گدھے جیسی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (مگر ان کتابوں سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہے، اسی طرح علم کا اصل مقصود اور نفع عمل ہے، جب یہ نہ ہوا اور علم کو حاصل کرنے اور یاد کرنے میں صرف تکان ہی تکان ہوا تو بالکل ایسی ہی مثال ہوگئی اور گدھے کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا کہ وہ جانوروں میں بے وقوف مشہور ہے تو اس میں اور زیادہ نفرت ہوگئی۔ غرض) ان لوگوں کی بری حالت ہے، جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جیسے یہ یہود ہیں) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیا کرتا (کیونکہ وہ جان بوجھ کر عناد و دشمنی کرتے ہیں اور اگر ہدایت ہوگی تو عناد و دشمنی کو ترک کرنے کے بعد ہوگی۔ اور توریت پر عمل کرنے کے لائق امور میں سے آپ پر ایمان لانا ہے، جیسا کہ اس میں حکم ہے، لہٰذا ایمان نہ لانے کے لئے توریت پر عمل کو ترک کرنا لازم ہے۔

اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم اس حالت کے باوجود بھی اللہ کے مقبول ہیں، تو) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اے یہود! اگر تمہارا یہ دعوی ہے کہ تم کسی غیر کی شرکت کے بغیر اللہ کے مقبول (ومحبوب) ہو تو تم (اس کی تصدیق کے لئے ذرا) موت کی تمنا (کرکے دکھا) دو، اگر تم (اس دعوی میں) سچے ہو اور (ہم ساتھ ہی یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ) وہ (۲) (خاص دعوی کرنے والے) ان (کفر والے) اعمال (کے خوف اور سزا) کی وجہ سے کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے جو وہ اپنے ہاتھوں سے سمیٹتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں (کے حال) کو اچھی طرح جاننے والا ہے (جب مقدمہ کی تاریخ آئے گی، تو جرم کی فرد سنا کر سزا کا حکم کردیا جائے گا، اور سزا کے اس وعدہ کی تاکید کے لئے) آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو (اور اللہ کے ولی محبوب و مقبول ہونے کے دعوی کے باوجود اس کی تمنا اس لئے نہیں کرتے ہو کہ سزا

(۱) یعنی پہلی آیت میں بھی ﴿ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ آیا ہے۔

(۲) لہٰذا یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کیا یہ نفی اس زمانہ کے یہودیوں کو بھی عام ہے؟

بھگتنی پڑے گی) وہ (موت ایک دن) تمہیں آ پکڑے گی، پھر تم اس (اللہ) کے پاس لے جائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، پھر وہ تمہیں تمہارے سب کئے ہوئے کام بتا دے گا (اور سزا دے گا)

فائدہ: موت کی تمنا کے مضمون کی تحقیق سورۃ البقرہ آیت ۹۴ ﴿ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور ﴿ اٰخَرِيْنَ ﴾ کی جو تفسیر بعض حدیثوں میں اہل فارس کے ساتھ آئی ہے، اس سے حصر مقصود نہیں ہے بلکہ ایک عظیم شان والی صنف کا ذکر فرما دیا۔

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ﴾ ع ۱۲

ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو۔ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح ہو۔ اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔

ربط: سورت کی تمہید میں گذر چکا۔ اور ان آیتوں میں سے آخری آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایک بار آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ مدینہ میں ایک قافلہ غلہ لے کر آ گیا، جس کے اعلان کے لئے دف بجایا جاتا تھا۔ دف کی آواز اور قافلہ کے آنے کا اعلان سن کر بہت سے آدمی خطبہ چھوڑ کر غلہ خریدنے کے لئے چلے گئے، صرف بارہ آدمی مسجد میں رہ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ صحاح میں ہے اور درمنثور وغیرہ میں ابوداؤد کی مراسیل سے نقل کیا ہے کہ اس وقت خطبہ نماز کے بعد ہوا کرتا تھا، لوگوں نے یہ سمجھا کہ نماز اصل مقصود ہے، وہ ہو ہی چکی ہے، خطبہ اگر نہ سنا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خطبہ نماز سے پہلے ہی تھا تو کہہ سکتے ہیں کہ ان لوگوں کا ارادہ فوراً واپس آنے کا ہوگا۔

جمعہ کے احکام کے ضمن میں دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کا حکم:

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی

طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسری مشغولیتیں جو سعی سے مانع ہوں جیسا کہ ردالمحتار میں ہے) چھوڑ دیا کرو (اور خرید وفروخت کا خاص طور سے ذکر اہتمام کی زیادتی کی وجہ سے ہے کہ خرید وفروخت کے چھوڑنے کو نفع کا فوت ہونا سمجھا جاتا ہے) یہ (خرید وفروخت کے مشاغل کو چھوڑ کر چل پڑنا) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم کچھ سمجھتے ہو (کیونکہ اس کا نفع باقی رہنے والا ہے اور خرید وفروخت کا نفع فنا ہونے والا ہے) پھر جب (جمعہ کی نماز) پوری ہو چکے (اور اگر شروع میں خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا تو نماز پوری ہونے سے مراد اس کا متعلق امور سمیت پورا ہونا مراد ہے، جس کا حاصل نماز اور خطبہ کا پورا ہو چکنا ہے تو اس وقت تمہیں اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو (یعنی اس وقت دنیا کے کاموں کے لئے چلنے پھرنے کی اجازت ہے) اور (اس میں بھی) اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو (یعنی دنیا کی مشغولیتوں میں ایسے مت کھو جاؤ کہ ضروری احکام اور عبادتوں سے غافل ہو جاؤ) تا کہ تمہیں فلاح ہو، اور (بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولیت کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ (ثواب اور قرب کی قسم سے) جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدر جہا بہتر ہے اور (اگر اس سے رزق کی زیادتی کا لالچ اور حرص ہو تو سمجھ لو کہ) اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے (اس کی ضروری طاعتوں میں مشغول رہنے پر بھی جو رزق مقدر میں لکھا ہے وہ دیتا ہے۔ پھر اس کے احکام کو ترک کیوں کیا جائے)

فائدہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ عام ہے جس میں سے بعض کو مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ بعض پر جمعہ فرض نہیں جیسا کہ اس پر اجماع ہے، یہاں صلوٰۃ سے جمعہ کی نماز مراد ہے، لہٰذا الف لام عہد کا ہے۔ سعی سے مراد دوڑنا نہیں، صرف چلنا ہے، اہتمام اور مبالغہ کے لئے سعی فرما دیا۔ قرآن میں ﴿ نُوْدِيَ ﴾ سے وہ اذان مراد ہے جو آیت کے نازل ہونے کے وقت دی جاتی تھی، یعنی جو خطبہ سے فوری پہلے خطبہ دینے والے کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے والی اذان صحابہ کے اجماع سے بعد میں مقرر ہوئی ہے، لیکن خرید وفروخت کے حرام ہونے میں اس کا حکم بھی پرانی اذان کے حکم کی طرح ہے، کیونکہ علت کے مشترک ہونے سے حکم مشترک ہو جاتا ہے، البتہ پرانی اذان میں یہ حکم منصوص اور قطعی ہوگا۔ اور نئی شروع ہونے والی اذان میں اس حکم میں اجتہاد اور ظن کی بنیاد پر ہوگا، اس سے تمام علمی اشکال دور ہو گئے، اور جو صحابہ اٹھ کر چلے گئے تھے ان کی ابتدائی حالت تھی، پھر بعض کی نقل کے مطابق قحط اور مہنگائی کا زمانہ تھا، پھر بڑے بڑے صحابہ نے ایسا نہیں کیا، پھر اجتہادی غلطی تھی، اس لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔

❁ ❁ ❁
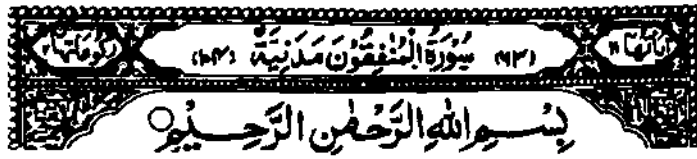
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت میں یہود کا ذکر تھا، اس سورت میں منافقوں کا ذکر ہے، اور اکثر منافق یہودی تھے اور گذشتہ سورت کے آخر میں دنیا پر عقبیٰ یعنی آخرت کو ترجیح دینے کی ترغیب تھی، وہی اس سورت کے آخر میں ہے اور اس آخر کے مضمون کو منافقوں کے ذکر سے بھی مناسبت ہے کہ منافقوں نے اپنے مالوں پر گھمنڈ کر کے کہا تھا ﴿ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾ الخ اور اپنی طاقت اور دولت و مرتبہ پر بھی گھمنڈ کر کے کہا تھا ﴿ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ الخ اس لئے مال اور اولاد سے غلو کے ساتھ دل کو متعلق کرنے سے منع فرمایا۔ اور ان آیتوں کے نازل ہونے کا سبب جن میں منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے، یہ ہے کہ کسی غزوہ یعنی جنگ میں انصار اور مہاجروں میں تکرار ہوگئی، اس پر عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار بگڑ گیا، اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم نے ان پردیسیوں کو کھلا کھلا کر بگاڑ دیا، یہاں سے واپس مدینہ پہنچ کر ان لوگوں پر خرچ کرنا اور ان کا ساتھ دینا بند کر دو تو خود ہی شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے، اس نے یہ بھی کہا ہم عزت والے ہیں، ہم ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ یہ بات زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ نے سنی اور جا کر رسول اللہ ﷺ سے کہی، آپ نے ابن ابی کو اور اس کے ساتھیوں کو بلا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گئے اور قسم کھا گئے۔ زید بن ارقم کو بڑا رنج ہوا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، جیسا کہ صحاح میں ہے، اور جن لوگوں کو اس کے کہنے کے بارے میں معلوم تھا انھوں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ کے سامنے جا کر توبہ کرلو اور معافی مانگ لو، اس نے انکار کر دیا۔ جیسا کہ الدر المنثور میں ہے، اور چونکہ سارے منافق اس قول کو پسند کرنے میں اس کے شریک اور ساتھ تھے لہٰذا سب کی طرف نسبت کر دی۔

﴿ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۞ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

ترجمہ: جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں، ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے، پھر یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بیشک ان کے یہ اعمال بہت ہی بُرے ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے، سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو یہ نہیں سمجھتے۔ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کی قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سن لیں، گویا یہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے لگائی ہوئی ہیں۔ ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرنے لگتے ہیں، یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ خدا ان کو غارت کریں، کہاں پھرے چلے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔ اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا اُن کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جاویں گے۔ اور اللہ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں اور زمین کے، لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جاویں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اُس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ولیکن منافقین جانتے نہیں۔

منافقوں کی برائیاں:

جب یہ منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اس میں تو ان کی بات کو نہیں جھٹلایا جاتا) اور (اس کے

باوجود) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں (کہ ہم) دل سے گواہی دیتے ہیں کیونکہ وہ گواہی دل کے یقین کے ساتھ نہیں ہے صرف زبان سے ہے) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان اور مال کو بچانے کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے (کیونکہ کفر کے اظہار سے ان کی حالت بھی دوسرے کافروں کی طرح ہوتی کہ ان کے خلاف جہاد کیا جاتا اور قتل و غارت گری ہوتی) پھر (اس لازمی خرابی کے ساتھ ان میں دوسروں پر اثر کرنے والی خرابی بھی ہے کہ) یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے یہ اعمال بہت ہی برے ہیں (اور ہمارا) یہ (کہنا کہ ان کے یہ اعمال بہت برے ہیں) اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ (پہلے ظاہر میں) ایمان لے آئے پھر (اپنے شیاطین کے پاس جا کر کفر والی باتیں ﴿ اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ کہہ کر) کافر ہو گئے (مطلب یہ کہ ان کے اعمال کو برے قرار دینے کا حکم ان کے نفاق کے سبب سے ہے کہ وہ بدترین عمل ہے) تو (اس نفاق کی وجہ سے) ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو یہ (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور (ظاہر میں یہ ایسے چکنے چپڑے ہیں کہ) جب آپ انہیں دیکھیں (تو ظاہری شان و شوکت کی وجہ سے) ان کے جسم بڑے شاندار معلوم ہوں اور (باتوں میں ایسے ہیں کہ) اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات (انتہائی فصاحت اور شیرینی و مٹھاس کی وجہ سے) سن لیں (لیکن چونکہ ان کے اندر سچائی بالکل بھی نہیں ہے، اس لئے ظاہری جسم اور قد و قامت کے ساتھ باطن کے خالی ہونے کے سبب ان کی مثال ایسی ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو (دیوار کے) سہارے سے لگائی ہوئی (کھڑی) ہیں (کہ ویسے تو لمبی چوڑی اور موٹی، مگر بالکل بے جان، اور اس عادت کی بنیاد پر کہ اکثر جو لکڑی فوراً کسی کام میں نہیں لی جاتی، وہ اس طرح رکھ دی جاتی ہے، ایسی لکڑی بالکل بے فائدہ و بے کار بھی ہے، اسی طرح یہ لوگ ظاہر میں تو دیکھنے میں بڑے شان والے ہیں، لیکن اندر سے بالکل بے کار ہیں، اور چونکہ اخلاص نہ ہونے اور ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ہر وقت اندیشہ رہتا ہے کہ کبھی ہمارے حال کی خبر مسلمانوں کو کسی قرینہ سے یا وحی کے ذریعہ نہ ہو جائے، اور دوسرے کافروں کی طرح ہمارے خلاف بھی جہاد وغیرہ نہ ہونے لگے، اس خیال سے ایسے گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ رہتے ہیں کہ) ہر زور کی آواز کو (چاہے وہ کسی بھی وجہ سے ہو) اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں (یعنی جب کوئی زور کی آواز یا شور و غل ہوتا ہے تو یہی سمجھتے ہیں کہ کہیں ہمارے اوپر کوئی مصیبت پڑنے والی نہ ہو، حقیقت میں) یہ (لوگ تمہارے پکے دشمن ہیں، آپ ان سے ہوشیار رہئے (یعنی ان کی کسی بات پر بھروسہ نہ کیجئے) ان پر اللہ کی مار (ہو یہ) کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں (یعنی روزانہ دور ہی ہوتے جاتے ہیں) اور (ان کے تکبر اور شرارت کی یہ کیفیت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کے پاس) آؤ، رسول اللہ (ﷺ) تمہارے لئے مغفرت کی دعا کر دیں تو وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ (اس نصیحت کرنے والے سے اور مغفرت کی دعا حاصل

کرنے سے) گھمنڈ کے ساتھ منہ پھیر لیتے ہیں (جب ان کے کفر کی یہ حالت ہے تو (ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں چاہے آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں یا مغفرت کی دعا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا (مطلب یہ کہ اگر وہ آپ کے پاس آتے بھی اور آپ ان کی ظاہری حالت کے اعتبار سے مغفرت کی دعا بھی فرماتے تب بھی انہیں کوئی نفع نہ ہوتا، یہ تو ان کی حالت ماضی کے اعتبار سے ہوئی اور آئندہ کے لئے یہ ہے کہ) بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس (جمع) ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو، یہاں تک کہ یہ آپ ہی بکھر جائیں گے اور (ان کا یہ کہنا محض جہالت ہے، کیونکہ) آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق سمجھتے نہیں ہیں (کہ رزق کا مدار شہر والوں کے دیئے ہوئے خرچ کو سمجھتے ہیں اور) یہ (لوگ) یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا (یعنی ہم ان مسافر پردیسیوں کو شہر سے نکال کر باہر کر دیں گے) اور (اس قول میں جو یہ لوگ اپنے آپ کو عزت والا اور مسلمانوں کو ذلت والا کہتے ہیں، یہ بالکل جہالت ہے، بلکہ) عزت تو (ذاتی طور پر) اللہ ہی کے لئے (اللہ کے ساتھ تعلق کے واسطہ سے) اس کے رسول کے لئے اور (اللہ اور رسول کے ساتھ تعلق کے واسطہ سے) مؤمنوں و مسلمانوں ہی کے لئے ہے، لیکن منافق جانتے نہیں ہیں (بلکہ عزت کا دارومدار فنا ہونے والے امور پر سمجھتے ہیں)

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پاویں، اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں سے اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو، پھر وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جبکہ اُس کی میعاد آ جاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

ربط: سورت کی تمہید میں گذر چکا۔

دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا:

اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد (اس سے دنیا کا مجموعہ مراد ہے) اللہ کی یاد (اور اطاعت) سے (اس سے دین کا مجموعہ مراد ہے) غافل نہ کردیں (یعنی دنیا میں ایسے مشغول مت ہو جانا کہ دین میں خلل پڑنے لگے) اور جو ایسا کرے گا، ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں (کیونکہ دنیاوی نفع تو ختم ہو جائے گا، اور آخرت کا نقصان لمبی مدت تک یا ہمیشہ رہ جائے گا) اور طاعتوں میں سے ایک مالی طاعت کا حکم کیا جاتا ہے کہ ﴿لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ﴾ کے عام مضمون میں سے ایک خاص حکم ہے، یعنی) ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اس میں (واجب حقوق کو) اس سے پہلے پہلے خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کو موت آ کھڑی ہو، پھر وہ (حسرت اور تمنا کے طور پر) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے تھوڑے دنوں کی اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا، اور (اس کی یہ تمنا اور حسرت اس لئے غیر مفید ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کا مقررہ وقت (عمر کے ختم ہونے پر) آجاتا ہے (تو پھر) ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے (ویسی ہی جزا کے مستحق ہو گے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
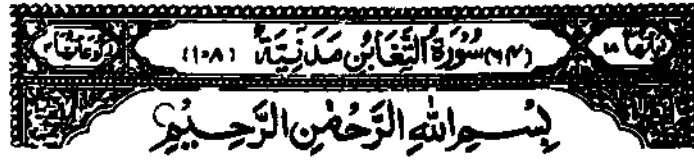
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کے آخر میں آخرت کے نفعوں اور فائدوں کو حاصل کرنے کی ترغیب تھی اور آخرت کو بھلانے اور اس کی بھلائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنے پر ڈرایا گیا تھا، اور اس سورت میں انہی دونوں باتوں پر جزا و سزا کی تفصیل اور ترغیب اور ڈرانے کے مضمون کو پورا کیا گیا ہے، اور چونکہ اوپر بھی سورۂ مجادلہ سے یہاں تک کئی سورتوں میں ان دونوں باتوں سے تعلق رکھنے والے مختلف گروہوں کا ذکر ہے کسی میں مشرکوں کا، کسی میں یہود کا، کسی میں منافقوں کا اور سب میں کچھ کچھ مؤمنوں کا، اس لئے اس سورت کا ان سب کے ساتھ بھی خاص تعلق ہے۔

﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ③ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَی اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ۚ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ⑧ یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ۚ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ⑨ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑩ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

ع ۱۵

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۞ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

ع ۸ ۱۶

ترجمہ: سب چیزیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں، اُسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر شئ پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، سو تم میں بعضے کافر ہیں اور بعضے مؤمن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا، اور اُسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ کیا تم کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے پہلے کفر کیا پھر انھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور اُن کے لئے عذاب دردناک ہونے والا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ اُن لوگوں کے پاس اُن کے پیغمبر دلائل واضحہ لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے؟ غرض انھوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور خدا نے پروا نہ کی، اور اللہ بے نیاز ستودہ صفات ہے۔ یہ کافر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جاویں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں؟ اللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، پھر جو جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو سب جتلا دیا جاوے گا۔ اور یہ اللہ کو بالکل آسان ہے۔ سو تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس نور پر جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ۔ اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ جس دن کہ تم سب کو اُس جمع ہونے کے دن میں جمع کرے گا وہ یہی دن ہے سود و زیاں کا۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ دور کر دے گا اور اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی جن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا یہ لوگ دوزخی ہیں اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ کوئی مصیبت بدوں خدا کے حکم کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے قلب کو راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مسلمانوں کو اللہ

ہی پر توکل رکھنا چاہئے۔اے ایمان والو! تمہاری بعضی بیبیاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں سوتم اُن سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کردو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو، تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہے۔اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے،تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو اور خرچ کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اُس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جاوے گا اور تمہارے لئے گناہ بخش دے گا۔اور اللہ بڑا قدردان ہے، بڑا بُردبار ہے، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ہے۔

ایمان والوں اور گمراہوں کے احوال واعمال وانجام کی تفصیل:

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں، اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (قول کے طور پر یا حال کے طور پر) اسی کی سلطنت ہے، اور وہی تعریف کے لائق ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (یہ اگلے بیان کی تمہید ہوئی کہ وہ ایسی صفتوں والا ہے تو اس کی اطاعت واجب اور نافرمانی بری ہے) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا (اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب ایمان لاتے) تو (اس کے باوجود بھی) تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن ہیں۔اور اللہ تعالیٰ تمہارے (ایمان والوں اور کفر والوں) کو دیکھ رہا ہے (چنانچہ ہر ایک کے مناسب جزاوسزا دے گا) اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر (یعنی حکمت کے ساتھ اور نفعوں وفائدوں سے بھر کر) پیدا کیا، اور تمہارا نقشہ بنایا، تو تمہارا اچھا نقشہ بنایا (کیونکہ کسی بھی حیوان کے اعضا میں انسانی اعضاء کے برابر تناسب اور مناسبت نہیں ہے) اور (سب کو اسی کے پاس لوٹنا ہے (اور) وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔اور وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے (اور ان تمام امور کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس کی اطاعت کیا کرو، اور ان تقاضوں کے علاوہ) کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی (یعنی اس خبر کے پہنچنے کا تقاضا بھی اطاعت کا واجب ہونا ہے) جنھوں نے (تم سے) پہلے کفر کیا، پھر انھوں نے اپنے (ان) اعمال کا وبال (دنیا میں بھی) چکھا اور (اس کے علاوہ آخرت میں بھی) ان کے لئے دردناک عذاب ہونے والا ہے۔یہ (جلدی آنے والا وبال اور دیر سے آنے والا عذاب) اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے، تو ان لوگوں نے (ان لوگوں کے بارے میں) کہا کہ کیا ہمیں آدمی ہدایت کریں گے؟ (یعنی کیا انسان رسول، ہدایت کرنے والا ہو سکتا ہے؟) غرض انھوں نے کفر کیا اور منہ پھیرا۔اور اللہ نے (بھی ان کی کچھ) پروا نہیں کی (بلکہ ان پر اپنا قہر نازل کردیا) اور اللہ (سب سے) بے نیاز (اور) خوبیوں والا ہے (اسے نہ کسی کی معصیت ونافرمانی سے کوئی نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کی طاعت سے نفع، جو کچھ نفع یا نقصان ہے وہ خود اطاعت کرنے والے اور معصیت کرنے والے کا ہے، اور) یہ کافر (آخرت کے

عذاب کا مضمون سن کر جیسا کہ ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ میں ذکر ہے) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے جس کے بعد دردناک عذاب کا واقع ہونا بتایا جاتا ہے) آپ کہئے کہ کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے، پھر جو جو کچھ تم نے کیا ہے، تمہیں سب جتلا دیا جائے گا (اور اس پر سزا دی جائے گی) اور یہ (بعث اور جزا) اللہ کے لئے (قدرت کے کمال کی وجہ سے) بالکل آسان ہے، تو (جب ایمان کے یہ تقاضے جمع ہیں تو تمہیں چاہئے کہ) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر (یعنی قرآن پر) جو کہ ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ، اور اللہ تمہارے سارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (اور اس دن کو یاد کرو) جس دن کہ تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا، نفع ونقصان (کے ظاہر ہونے) کا دن یہی ہے (یعنی اس دن مسلمانوں کا نفع اور کافروں کا نقصان عملی طور پر ظاہر ہو جائے گا) اور اس کا (بیان یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا، اور نیک کام کرتا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا، اور اسے (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا، اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا، وہ لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

(اور جس طرح کفر کلی طور پر آخرت کی فلاح میں رکاوٹ ہے، اسی طرح مصیبت میں یا بیویوں، اولاد اور مال وغیرہ نعمتوں میں مشغول ہو کر اللہ کے احکام میں کوتاہی کرنا بھی ایک لحاظ سے آخرت کی فلاح میں رکاوٹ ہے، لہٰذا مصیبت میں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ) کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی (اور یہ سمجھ کر صبر ورضا اختیار کرنا چاہئے) اور جو شخص اللہ پر (پورا) ایمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (صبر ورضا کا) راستہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے (کہ کس نے صبر ورضا اختیار کیا اور کس نے نہیں کیا، اور ہر ایک کو حکمت کے مطابق جزا وسزا دیتا ہے) اور (کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر امر میں جس میں مصیبتیں بھی داخل ہیں) اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور اگر تم (اطاعت سے) منہ پھیرو گے تو (یاد رکھو کہ) ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (جس کو وہ ہمیشہ اچھی طرح کر چکے، لہٰذا ان کا تو کوئی نقصان نہیں، تمہارا ہی نقصان ہوگا، اور چونکہ اللہ کے نقصان کا تو احتمال ہی نہیں، اس لئے اس کو یہاں بیان نہیں کیا اور تم لوگوں کو اور خاص طور سے اہل مصیبت کو یہ سمجھنا چاہئے کہ) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (لہٰذا اس کو معبود سمجھنا چاہئے اور اسی کی عبادت کی جانی چاہئے) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر (مصیبتوں وغیرہ میں) بھروسہ رکھنا چاہئے (اس میں ایمان کا مضمون جس کا اوپر ذکر ہوا تھا اور صبر کا مضمون جس کا ذکر بعد میں ہوا تھا، دونوں آگئے اور) اے ایمان والو! (جس طرح تمہیں مصیبت میں صبر ورضا کا حکم کیا گیا ہے تاکہ وہ آخرت میں رکاوٹ نہ ہو، اسی طرح تمہیں نعمت کے

بارے میں مشغول نہ ہونے کا حکم کیا جاتا ہے تاکہ وہ بھی آخرت میں رکاوٹ نہ ہو۔ لہٰذا نعمت کے بارے میں یوں سمجھنا چاہئے کہ) تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں (جب وہ اپنے دنیاوی نفع کے واسطے تمہیں ایسی بات کا امر کریں جو تمہارے لئے آخرت میں نقصان دینے والا ہو) تو تم ان سے (یعنی ایسی بیویوں اور اولاد سے) ہوشیار رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو) اور (اگر تمہیں ایسی فرمائشوں پر غصہ آئے اور تم ان پر سختی کرنے لگو اور وہ اس وقت معذرت اور توبہ کریں، اور) تم (اس وقت ان کی وہ خطا) معاف کردو (یعنی سزا نہ دو) اور (درگذر کر جاؤ (یعنی زیادہ ملامت نہ کرو) اور بخش دو (یعنی اس کو دل سے اور زبان سے بھی بھلا دو) تو اللہ تعالیٰ (تمہارے گناہوں کا) بخشنے والا (اور تمہارے حال پر رحم کرنے والا ہے (اس میں معاف کرنے کی ترغیب ہے اور یہ بعض وقت واجب ہے، جب کہ عقوبت اور سزا سے بے باکی کا غالب احتمال ہو، اور بعض اوقات مستحب ہے۔

آگے اولاد کے ساتھ مال کے متعلق بھی اس قسم کا مضمون ہے کہ) تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے بس ایک آزمائش کی چیز ہیں (کہ دیکھیں کون ان میں پڑ کر اللہ کے احکام کو بھول جاتا ہے اور کون یاد رکھتا ہے) اور (جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے گا تو) اللہ کے پاس (اس کے لئے) بڑا اجر ہے تو (ان سب باتوں کو سن کر) جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (اس کے احکام) سنو اور مانو اور (خاص طور سے حکم کے موقعوں میں) خرچ (بھی) کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (غالباً اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ نفس پر زیادہ دشوار اور بھاری معلوم ہوتا ہے) اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں (آگے اس کے بہتر اور فلاح کا سبب ہونے کا بیان ہے کہ) اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کے ساتھ) قرض دو گے، تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بڑا قدر کرنے والا ہے (کہ نیک عمل کو قبول فرماتا ہے) اور بڑا بردبار ہے (کہ معصیت پر فوراً پکڑ نہیں فرماتا اور) پوشیدہ اور ظاہر (اعمال) کا جاننے والا ہے (اور) زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے ﴿شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ سے ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ تک تمام مضامین سورت کے لئے علتوں کے درجہ میں ہیں کہ سارے مضامین کا ان پر حکم لاگو ہو سکتا ہے جیسا کہ غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے)

فائدہ: ﴿تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَ تَغْفِرُوا﴾ میں ان خطاؤں کے حقوق اللہ ہونے کے باوجود عفو، صفح اور مغفرت کی نسبت بندوں کی طرف مجاز کے طور پر ہے جس کا حاصل معنی پیچھانہ کرو، ملامت نہ کرو اور مذمت نہ کرو ہے اور بندوں کی طرف ان کی نسبت حقیقی ہے۔ واللہ اعلم۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کے آخر میں بعض بیویوں اور اولاد کے دشمن ہونے کا ذکر تھا، چونکہ بعض اوقات دشمنی کا خیال ان کے واجب حقوق کے ادا کرنے میں بھی رکاوٹ بن جاتا ہے خاص طور سے جب کہ ظاہری علاحدگی بھی ہو جائے۔ اس سورت میں طلاق دی ہوئی بیویوں اور دودھ پینے والے بچوں سے متعلق احکام کے ذریعہ اس کی اصلاح ہوگئی کہ جب علاحدگی میں واجب حقوق کی رعایت واجب ہے تو موافقت اور ساتھ رہنے میں اور بھی زیادہ اونچے درجہ میں رعایت واجب ہوگی، اور چونکہ ان احکام کے ضمن میں چار جگہ تقویٰ کو اختیار کرنے کا حکم اور ترغیب ہے، ساتویں آیت کے بعد کا مضمون اس کی تاکید میں ہے، اور اس سے بھی دلالت ہے کہ بعض جاہلوں کے زعم کے برخلاف دنیاوی معاملوں میں بھی شرعی احکام کی رعایت واجب ہے۔ واللہ اعلم

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا۟ ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا۟ ٱلشَّهَٰدَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَٰلِغُ أَمْرِهِۦ ۚ قَدْ جَعَلَ ٱللَّهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ۝ وَٱلَّٰٓـِٔى يَئِسْنَ مِنَ ٱلْمَحِيضِ مِن نِّسَآئِكُمْ إِنِ ٱرْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَٰثَةُ أَشْهُرٍ وَٱلَّٰٓـِٔى لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَأُو۟لَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝ ذَٰلِكَ أَمْرُ ٱللَّهِ أَنزَلَهُۥٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّـَٔاتِهِۦ

وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

ع ۱۷

ترجمہ: اے پیغمبر! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کو عدت سے پہلے طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔ اُن عورتوں کو اُن کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے۔ اور یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں۔ اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس کے کوئی نئی بات پیدا کردے۔ پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جاویں تو اُن کو قاعدہ کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق اُن کو رہائی دو۔ اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو۔ اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو۔ اس مضمون سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اُس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شئ کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔ اور تمہاری بیبیوں میں سے جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تم کو شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو حیض نہیں آیا۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت اُن کے اُس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام میں آسانی کردے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ دور کردے گا اور اُس کو بڑا اجر دے گا۔ تم اُن عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور اُن کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ اور اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک اُن کو خرچ دو، پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے دودھ پلاویں تو تم اُن کو اجرت دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو، اور اگر تم باہم کشمکش کروگے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاوے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے۔ اور جس کی آمدنی کم ہو تو اُس کو چاہئے کہ اللہ نے جتنا اُس کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرے۔ خدا تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اُس کو دیا ہے۔ خدا تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی دے گا۔

طلاق دی ہوئی عورتوں سے متعلق بعض احکام:

اے نبی! (آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (ایسی) عورتوں کو طلاق دینے لگو (جن سے صحبت کر چکے ہو یا خلوت یعنی تنہائی میں وقت گذار چکے ہو کہ اس سے بھی عدت واجب ہو جاتی ہے اور اس قید کے لگانے کی دلیل یہ ارشاد ہے ﴿ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ﴾ یعنی "پھر تم ان عورتوں کو چھونے سے پہلے طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر عدت لازم نہیں ہے") تو انہیں عدت (کے زمانہ یعنی حیض) سے پہلے (یعنی پاکی کے زمانہ میں) طلاق دو (اور یہ صحاح کی حدیثوں سے ثابت ہے کہ پاکی کے اس زمانہ میں صحبت نہ ہو، اور یہ تفسیر حنفی مسئلہ کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک عدت حیض کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ اور شافعی مسئلہ کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ انہیں عدت کے شروع ہونے کے زمانہ میں طلاق دو یعنی طہر ہی سے عدت ہے پاکی کے زمانہ میں ہی طلاق دو، لہٰذا یہاں سب کے نزدیک روایت کے مطابق ﴿لِعِدَّتِهِنَّ﴾ کے معنی مضاف کے حذف سے فی قبل عدتھن ہیں، پھر حنفی مسئلہ میں قبل کا مطلب استقبال اور آنے کے ہیں، اور شافعی مسئلہ میں ابتدا اور شروع کے ہیں) اور تم (طلاق دینے کے بعد اس کی) عدت کو یاد رکھو (یعنی مرد اور عورت سب یاد رکھیں، لیکن ﴿وَاَحْصُوا﴾ کے ذریعہ خطاب میں مذکر کا لفظ خاص طور سے اس لئے استعمال کیا جیسا کہ مدارک میں ہے، اس طرف اشارہ ہے کہ عورتوں میں غفلت غالب ہوتی ہے، اس لئے مردوں کو بھی اس کا اہتمام رکھنا چاہئے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے (یعنی اس بارے میں جو ان کے احکام ہیں، ان کے خلاف مت کرو، مثال کے طور پر یہ کہ جیسے حدیثوں میں منع کیا گیا ہے کہ ایک ہی بار میں تین طلاق مت دو اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق مت دو اور یہ کہ عدت میں) ان عورتوں کو (ان کے رہنے کے) گھروں سے مت نکالو (کیونکہ طلاق دی ہوئی عورت کے رہنے کے لئے مکان دینا نکاح میں آئی ہوئی عورت کی طرح واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں (کیونکہ رہنے کے لئے مکان دینا صرف عبد یعنی بندہ کا ہی حق نہیں ہے کہ اس کے حق نہ لینے پر راضی ہو جانے سے حق ختم ہو جائے، بلکہ یہ شریعت کا حق ہے) ہاں اگر کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے (یعنی مثال کے طور پر بدکاری کا کام کریں یا کوئی چوری کی ہو تو سزا کے لئے نکالی جائیں۔ یا بعض علماء کے مطابق زبان درازی کریں اور ہر وقت رنج و تکلیف پہنچاتی اور بحث کرتی رہتی ہوں تو انہیں نکال دینا جائز ہے) اور یہ سب اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص اللہ کے احکام سے آگے بڑھے گا (تجاوز کرے گا مثال کے طور پر اس عورت کو گھر سے نکال دیا) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا (یعنی گنہ گار رہا)۔

آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق رجعی دینا بہتر ہے، لہٰذا ارشاد ہے کہ اے طلاق دینے والے)

تمہیں خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق دینے) کے بعد (تمہارے دل میں) کوئی نئی بات پیدا کردے (مثال کے طور پر طلاق دینے پر ندامت ہو تو رجعی میں اس سے رجوع تو کیا جاسکے گا) پھر (طلاق اور عدت کو یاد رکھنے کے بعد) جب وہ (طلاق دی ہوئی) عورتیں (جب کہ انہیں رجعی طلاق دی ہو، ﴿ فَأَمْسِكُوهُنَّ ﴾ کے قرینہ کے مطابق) عدت گذرنے کے قریب پہنچ جائیں (اور عدت ختم نہیں ہوئی) تو (تمہیں اختیار ہے یا تو) انہیں قاعدہ کے مطابق (طلاق سے رجوع کرکے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے مطابق انہیں رہائی دیدو (یعنی عدت پوری ہونے تک رجعت نہ کرو، مطلب یہ کہ تیسری صورت اختیار نہ کرو کہ رکھنا بھی مقصود نہ ہو، مگر عدت کی مدت بڑھانے کے لئے رجوع کرلو) اور (جو کچھ بھی کرو، ساتھ رہنا یا علاحدگی اختیار کرنا، اس پر) آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو (یہ مستحب ہے جیسا کہ ہدایہ اور عنایہ میں ہے۔ رجوع میں تو اس لئے کہ عدت پوری ہوجانے کے بعد کبھی عورت اختلاف نہ کرنے لگے اور علاحدگی میں اس لئے کہ کبھی اپنا نفس شرارت نہ کرنے لگے، کہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ میں رجوع کرچکا تھا) اور (اے گواہو! اگر گواہی کی ضرورت پڑے تو) تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے (بغیر کسی قسم کی رعایت اور جانب داری کے) گواہی دو، اس مضمون کے ذریعہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو (مطلب یہ کہ ایمان والے ہی نصیحتوں سے نفع اٹھاتے ہیں، اور یوں تو نصیحتیں سب کے لئے عام ہیں)

اور (اوپر جو تقویٰ کا حکم ہے احکام کے درمیان اس کی کئی فضیلتیں ارشاد فرماتے ہیں: ایک فضیلت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے (نقصانوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور (نفع وفائدے عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ایک بڑا نفع رزق ہے تو) اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (اگر نقصان اور نفع اور رزق آخرت کا مراد لیا جائے تب تو یہ معنی ہوں گے کہ عذاب سے نجات دے گا، اور جنت کا رزق دے گا، جس کی شان یہ ہے کہ لا خطر علی قلب بشر یعنی کسی کے دل میں بھی اس کا خیال نہیں آیا۔ اس کو یہاں ﴿ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ کہہ دیا اور اگر نقصان ونفع دنیاوی مراد ہے تو اس کے واقع ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک محسوس طور پر کہ اکثر ہوتا ہے کہ بلا ٹل جائے، اور رزق وغیرہ کی فراغت ہوجائے۔ دوسرے باطنی طور پر کلی ہے کہ اس بلا پر صبر ہوجائے کہ یہ بھی نجات ہے، اور تھوڑے پر قناعت ہوجائے کہ یہ بھی حکم کے اعتبار سے سکون اور اطمینان کے اثر میں محسوس رزق کی طرح ہے۔ اور اس کو ﴿ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ظاہر میں تو نفس کے سکون کا طریقہ رزق کی فراخی ہے، قناعت سے سکون ﴿ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ ہے [1]۔ اور دونوں مذکورہ صورتوں کے مجموعہ کے دو جزؤں میں سے ایک کا واقع ہونا کلی

(۱) مطلب یہ ہے کہ دنیوی نفع ونقصان کی جو دو صورتیں ذکر کی ہیں ایک حسی دوسری باطنی، ان میں سے ایک نہ ایک کا واقع ہونا ضروری ہے، دونوں سے خالی نہ ہوگا اور اجتماع ممکن ہے۔

اور ہمیشہ کے لئے ہے) اور (اس تقوی کا ایک شعبہ توکل یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، اس کی یہ خاصیت ہے کہ) جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اہم اصلاحوں) کے لئے کافی ہے (یعنی اپنے کافی ہونے کا خاص اثر اہم کاموں میں اصلاح کی شکل میں ظاہر فرماتا ہے، ورنہ اس کا کافی ہونا تو تمام عالم کے لئے عام ہے اور اہم کاموں کی یہ اصلاح بھی عام ہے، چاہے محسوس طور پر ہو یا باطنی طور پر ہو، کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہتا ہے) پورا کر کے رہتا ہے (اور اسی طرح اہم کاموں کی اصلاح کا وقت بھی اسی کے ارادہ پر ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے (اور اس کے مطابق اس کا واقع ہونا حکمت کے قریب ہوتا ہے۔

آگے پھر احکام کا بیان ہے یعنی اوپر تو مختصر انداز میں عدت کا ذکر تھا) اور (اس کی تفصیل آگے ہے وہ یہ کہ) تمہاری (طلاق دی ہوئی) بیویوں میں سے جو عورتیں (عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے) حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے پوری ہونے کے بارے میں) شبہ ہو (جیسا کہ واقع میں شبہ ہوا تھا اور پوچھا تھا) تو ان کی عدت تین مہینے ہیں، اور اسی طرح جن لڑکیوں کو (اب تک عمر کم ہونے کی وجہ سے) حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں) اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے (چاہے کامل ہو یا ناقص ادھورا۔ شرط یہ کہ کوئی عضو بن گیا ہو پھر چاہے ایک انگلی ہی سہی) اور (چونکہ تقوی خود بھی بہت عظیم شان والا ہے اور مذکورہ احکام میں جو دنیاوی معاملات سے متعلق ہیں عام طبیعتوں میں خیال ہو سکتا ہے کہ ان دنیاوی معاملوں کو دین سے کیا تعلق؟ ہم جس طرح چاہیں کر لیں، اس لئے آگے پھر تقوی کا مضمون ہے یعنی) جو شخص اللہ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا (آخرت کی یا دنیا کی، محسوس طور پر یا باطنی طور پر۔

آگے پھر احکام پر عمل کی تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) یہ (جو کچھ بیان ہوا) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص (ان معاملوں میں اور دوسرے امور میں بھی) اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ دور کر دے گا (کہ عظیم نقصان کا ختم کرنا ہے) اور اس کو بڑا اجر دے گا (کہ عظیم نفع کا حاصل کرنا ہے۔

آگے پھر طلاق دی ہوئی عورتوں کے احکام کا بیان ہے، یعنی عدت میں عدت کی مدت طویل نہ کرنے اور رہنے کا مکان دیر تک نہ دینے کے علاوہ ان کے کچھ اور حقوق بھی ہیں، وہ یہ کہ) تم ان (طلاق دی ہوئی) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو، جہاں تم رہتے ہو (یعنی عدت کے زمانہ میں طلاق دی ہوئی عورت کے لئے رہنے کے مکان کا انتظام کرنا بھی واجب ہے، البتہ طلاق بائنہ یعنی تین قطعی تین طلاقیں دیدینے کے بعد شوہر اور بیوی دونوں کا ایک ہی مکان میں خلوت کے ساتھ رہنا جائز نہیں، بلکہ خلوت میں درمیان میں کسی رکاوٹ کا حائل ہونا ضروری ہے) اور ان کو (رہنے کے مکان کے بارے میں) تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ (مثال کے طور پر کوئی ایسی بات کرنے لگو جس کی وجہ

سے وہ پریشان ہو کر نکل جائیں) اور اگر (طلاق دی ہوئی) عورتیں حمل لی ہوئی ہوں تو حمل پیدا ہونے تک انہیں (کھانے پینے کا) خرچ دو (غیر حمل والیوں کے برخلاف کہ انہیں خرچ دینے کی مدت تین حیض یا تین مہینے ہیں۔ غرض کلام کا مقصود ﴿ فَاَنْفِقُوْا ﴾ نہیں ہے بلکہ ﴿ حَتّٰى يَضَعْنَ ﴾ ہے۔ اس کے ذکر کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ ممکن ہے کہ حمل کی ابتداء میں طلاق ہوئی ہو تو بچہ کے پیدا ہونے کی مدت غالباً تین حیض یا تین مہینے سے زیادہ لمبی ہوگی، اور اتنے دن تک خرچ کرنا نفس کو مشکل معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس کو صراحت کے ساتھ فرمادیا۔

اور مطلقہ یعنی طلاق دی ہوئی عورتوں کا یہ خرچ اور رہنے کے لئے مکان دینا مطلقاً حنفی مسئلہ کے مطابق ہے، اور بعض اماموں کے نزدیک مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کے لئے نہ سکنی یعنی رہنے کا مکان ہے نہ نفقہ یعنی خرچ، کہ انھوں نے ﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ ﴾ کی ضمیر مطلقہ رجعی کی طرف لوٹائی ہے، لیکن ﴿ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ ﴾ کی ضمیر ان کے نزدیک بھی مطلق مطلقات کی طرف لوٹتی ہے جب کہ حنفی مسئلہ کے مطابق ﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ ﴾ کی ضمیر کے سوا ساری ضمیریں مطلق مطلقات کی طرف لوٹتی ہیں، اور ﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ ﴾ کے حکم کا قرینہ خاص اس کے مرجع میں رجعیت کے وصف کا لحاظ ہے۔

یہ احکام تو عدت سے متعلق تھے) پھر اگر (عدت کے بعد) وہ (مطلقہ) عورتیں (جب کہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہی کے پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوتی ہو) تمہارے لئے (اجرت پر بچہ کو) دودھ پلادیں تو تم انہیں (مقررہ) اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو (یعنی نہ تو عورت اتنا زیادہ مانگے کہ مرد کو دوسری دودھ پلانے والی ڈھونڈنی پڑے اور نہ اتنا کم دینے کی کوشش کرے کہ عورت کا کام نہ چل سکے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو دونوں اس کا خیال رکھیں کہ ماں ہی دودھ پلادے کہ بچہ کی اس میں زیادہ مصلحت ہے) اور اگر تم آپس میں ایک دوسرے کو تنگ کرو گے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی (اس خبر سے مقصود امر ہے، یعنی کسی دودھ پلانے والی کو تلاش کرلیا جائے، نہ ماں کو مجبور کیا جائے نہ باپ کو، اور خبر کی صورت میں امر میں یہ نکتہ ہے کہ مرد کو کم اجرت تجویز کرنے میں ملامت ہے کہ آخر کوئی اور پلائے گی اور وہ بھی غالباً بہت کم نہیں لے گی، پھر یہ کمی ماں ہی کے لئے کیوں تجویز کی جائے؟ اور عوت کو زیادہ مانگنے پر ملامت ہے کہ تو نہ پلائے گی تو کوئی اور مل جائے گی، کیا دنیا میں اکیلی تو ہی ہے جو اتنی زیادہ اجرت مانگتی ہے۔

آگے بچہ کے خرچ کے بارے میں ارشاد ہے کہ) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق (بچہ پر) خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (یعنی امیر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ اٹھائے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق۔ کیونکہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے (اور تنگ دست آدمی خرچ کرتا ہوا اس بات سے نہ ڈرے کہ خرچ کرنے سے بالکل ہی نہ رہے گا، جیسا کہ بعض لوگ اس خوف کی وجہ سے اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی

دیدے گا (چاہے ضرورت کے مطابق ہی حاجت روائی ہو، اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ﴾)

فائدہ: عدت اور دودھ پلانے سے متعلق کچھ مسائل سورۂ بقرہ میں گذر چکے ہیں اور یہاں جتنے تفسیر کے دوران لکھے گئے ہیں، وہ ہدایہ، عنایہ، درمختار اور ردالمحتار سے لئے گئے ہیں اور ﴿ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ ﴾ الخ میں جس طرح رجعی طلاق کی ترغیب ہے اسی طرح آیت میں صراحت کے ساتھ یا اشارہ سے مذکور باقی احکام کی علت بیان کی گئی ہے، مثال کے طور پر عدت کی مدت یاد رکھنے کی علت اس طرح ہے کہ اگر عدت یاد نہ ہو تو رجوع کے ارادہ سے نفع نہیں ہوسکتا، اور مثال کے طور پر تین طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ اگر الگ الگ طلاق دے تو رجوع کی گنجائش ہے اور حیض کے دوران طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ شاید اس وقت نفرت وکراہت اس کا سبب ہو، پھر پاکی کی حالت میں جب وہ نفرت وکراہت دور ہو جائے اور نکاح میں رکھنے کا ارادہ ہو تو اپنی حماقت پر افسوس، ندامت اور حسرت ہوگی، لہٰذا اگرچہ رجعت سے حیض میں طلاق دینا مانع نہیں ہے، لیکن ﴿ لَعَلَّ اللّٰهَ ﴾ سے جس طرح رجوع کے عذر کی حفاظت تھی، اسی طرح حسرت کی بھی حفاظت مقصود ہوگی۔ اور گھروں سے نکالنے سے منع کرنے کی علت اس طرح ہوگی کہ گھروں سے نکالنے کی صورت میں بعض اوقات رجوع کرنے یا نئے سرے سے نکاح کرنے میں محسوس طور پر عذر ہو جاتا ہے۔ اور ﴿ لَا يَخْرُجْنَ ﴾ کی علت اس طرح ہے کہ گھر سے نکلنے میں بعض اوقات مرد کو نفرت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور ایک جگہ رہنے میں ممکن ہے کہ مرد کو رجوع کرنے یا نئے سرے سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ﴿ لَعَلَّ اللّٰهَ ﴾ الخ ان سب کو عام ہو جائے گا۔ اور بیجا بحث یا زبان درازی کا مسئلہ حنفی مفسروں اور محدثوں کے کلام میں تو دیکھا گیا ہے، مگر کسی فقہ کی کتاب میں نہیں ملا، تحقیق کر لی جائے۔ البتہ تفسیر احمدی میں لکھا ہے۔

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ

الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

ع ۱۸

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں تھیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اُس کے رسول سے سرتابی کی سو ہم نے اُن کا سخت حساب کیا اور ہم نے اُن کو بڑی بھاری سزا دی۔ غرض انھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور اُن کا انجام کار خسارہ ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، تو اے سمجھ دارو جو کہ ایمان لائے ہو تم خدا سے ڈرو۔ خدا نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا ہے: ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، تا کہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آویں۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لاوے گا اور اچھے عمل کرے گا خدا اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اُن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ بیشک اللہ نے اچھی روزی دی۔ اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اُن ہی کی طرح زمین بھی۔ ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

ربط: تمہید میں گذر چکا۔

تقویٰ کی تاکید اور فرمان بردار اور گنہ گار کے لئے وعدہ اور وعید:

اور بہت سی بستیاں تھیں جنھوں نے اپنے رب کے اور رسولوں کے حکم (ماننے) سے نافرمانی کی تو ہم نے ان (کے اعمال) کا سخت حساب کیا (مطلب یہ کہ ان کے کفر والے اعمال میں سے کسی عمل کو معاف نہیں کیا، بلکہ سب پر سزا تجویز کی اور پوچھ گچھ کے طور پر حساب مراد نہیں) اور ہم نے انہیں سخت سزا دی (کہ وہ سزا عذاب کے ذریعہ ہلاک کرنا ہے) غرض انھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کا انجام نقصان ہی ہوا (یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (اور جب نافرمانی کا انجام یہ ہے) تو اے سمجھ دار لوگو! جو کہ ایمان لائے ہو، تم اللہ سے ڈرو (کہ ایمان بھی اس کا تقاضا کرتا ہے اور ڈرنا یہ کہ اطاعت کرو، اور اس اطاعت کا طریقہ بتانے کے لئے) اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا (اور وہ نصیحت نامہ دے کر) ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتے ہیں، تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (کفر اور جہالت کے) اندھیروں سے (ایمان اور علم وعمل کے) نور کی طرف لے آئیں (مطلب یہ کہ جو نصیحت اس رسول کے ذریعہ سے پہنچے اس پر عمل کرنا بھی اطاعت ہے)

اور (آگے ایمان اور نیک عمل پر جو کہ اطاعت ہے وعدہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور اچھے عمل کرے گا، اللہ اس کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے (انہیں بہت) اچھی روزی دی۔

(آگے اللہ کی اطاعت کا واجب ہونا بیان کیا جا رہا ہے، یعنی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمین بھی (سات پیدا کیں جیسا کہ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک زمین کے نیچے دوسری زمین ہے، اس کے نیچے تیسری زمین ہے، اسی طرح سات زمینیں ہیں اور) ان سب (آسمانوں اور زمینوں) میں اللہ تعالیٰ کے) احکام (مکلف ہونے سے متعلق یا تکوینی طور پر یعنی ان میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ ان سے بالکل خالی نہیں ہوسکتے) نازل ہوتے رہتے ہیں (اور یہ اس لئے بتا دیا گیا) تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اور اللہ ہر چیز کو (اپنے) علمی احاطہ میں لئے ہوئے ہے (اور اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واجب ہونا ظاہر ہے)

فائدہ: ان سات زمینوں کے بارے میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں، اور لوگ انہیں سیارے سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ مریخ کے بارے میں بعض کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ اور نہریں اور آبادی ہے۔ اور حدیث میں جو اُن زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے بعض حالات کے اعتبار سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے اوپر ہوجاتی ہوں اور امر کے نزول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ سب مکلف مخلوق سے آباد ہوں، کیونکہ تکوینی تصرف غیر مکلف مخلوق کے لئے بھی عام ہے، اور آسمانوں میں فرشتوں پر احکام کا نازل ہونا ظاہر ہے، اور اس سے متعلق عجیب امور میں سے وہ حدیث ہے جس کو درمنثور میں ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے موقوف کے طور پر روایت کیا ہے، اور حاکم اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: سبع أرضين في كل أرض نبي كنبيكم وآدم كآدمكم ونوح كنوحكم وابراهيم كابراهيم وعيسى كعيسى: یعنی سات زمینیں ہیں، ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہیں، اور تمہارے آدم کی طرح آدم ہیں، اور تمہارے نوح کی طرح نوح ہیں اور ابراہیم کی طرح ابراہیم اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ ہیں۔ اور ظاہر میں یہ حدیث مشکلات میں سے ہے اور عام سمجھ کے مطابق اس کی سب سے احسن اور آسان تفسیر وہ ہے جو صاحب روح المعانی نے لکھی ہے: والمراد أن في كل خلقا يرجعون إلى أصل واحد رجوع بني آدم في أرضنا إلى آدم عليه السلام وفيهم أفراد ممتازون على سائرهم كنوح وابراهيم وغيرهما فينا: یعنی "مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں مخلوق ہے، جو اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہماری زمین میں بنی آدم، آدم علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ان میں ایسے افراد ہیں جو ان سب میں ممتاز ہیں، جیسے ہم میں نوح اور ابراہیم وغیرہ ہیں" اور شاید حضرت ابن عباسؓ کا اس آیت کے بارے میں یہ فرمانا اسی

ظاہری شکل کی بنا پر ہو کہ لو حدثتکم بتفسیر ھا لکفرتم و کفرکم بتکذیبکم بھا یعنی ''اگر میں تمہارے سامنے اس کی تفسیر بیان کردوں تو تم کافر ہو جاؤ، اور تمہارا کفر اس کو جھٹلانے کی وجہ سے ہوگا'' اس کو در منثور نے روایت کیا ہے اور احقر اس مضمون کو تفسیر کے متن میں نہیں لکھتا، لیکن چونکہ ہمارے زمانہ میں یہ حدیث عوام میں مشہور ہوگئی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کی آسان تفسیر بھی لکھ دی جائے، اور اس سے زیادہ سمجھنے کی عام عقلیں متحمل نہیں، لہٰذا عوام کو اس بحث میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اور نہ ہی علماء کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کرنی چاہئے کہ اللہ ہی بہتر سمجھ کی توفیق دینے والا ہے اور ہر محقق کو اس سے علم حاصل ہوتا ہے، اور بعض نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اس کو روح المعانی میں ابی حبان سے نقل کیا ہے، لہٰذا علماء کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ اس حدیث کو منوانے کے لئے عوام پر زور دیں، کیونکہ خود پہلے والے لوگوں میں بھی اس کے صحیح ہونے پر اختلاف رہا ہے۔ واللہ اعلم

اور اس سورت میں جو آیتیں تقویٰ کے فضائل میں آئی ہیں ان کے درمیان ایک بہترین ربط یہ ہوسکتا ہے کہ ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ میں امر ہے، پھر ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ ﴾ الخ اس کی دنیا کی اور آخرت کی برکتوں کے لئے جامع ہے۔ اور ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾ میں اس کی دنیاوی برکتوں کا ذکر ہے۔ اور ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ ﴾ میں اس کی آخرت کی برکتوں کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس طرح پہلے مختصر انداز ہوگا اور پھر اس کی تفصیل ہوگی۔
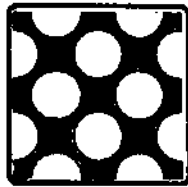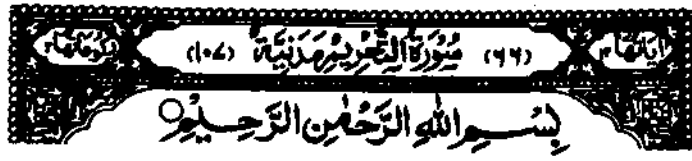
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت کی طرح اس سورت میں بھی عورتوں سے متعلق مضمون ہیں۔ مگر گذشتہ سورت میں عام عورتوں سے متعلق (احکام) تھے اور اس میں خاص عورتوں سے متعلق مضمون ہیں۔ اور وہاں طلاق سے متعلق احکام تھے اور یہاں رسول ﷺ کی بیویوں کو طلاق سے ڈرایا گیا ہے، اور جیسا کہ گذشتہ سورت کے خاتمہ میں اطاعت کی عام تاکید تھی، اسی طرح رسول اللہ کی بیویوں کو خطاب کے بعد عام طور پر اللہ کی طرف رجوع کی تاکید ہے، اس طرح دونوں سورتوں کے سارے اجزاء آپس میں ایک دوسرے سے مل گئے۔

اور شروع کی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح بخاری وغیرہ میں اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے ساری بیویوں کے پاس ہو آتے، ایک بار حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا۔ مجھے رشک آیا، میں نے حفصہؓ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ یاد رہے کہ مغافیر ایک خاص درخت کا گوند ہوتا ہے، جس میں کچھ ناپسندیدہ بدبو ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی اس کے درخت پر بیٹھ گئی ہوگی، اور اس کا عرق چوس لیا ہوگا، آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اور اس خیال سے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو رنج و افسوس نہ ہو اس بات کو ظاہر نہ کرنے کی تاکید فرمائی، مگر ان بی بی نے دوسروں سے کہہ دیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ شہد پلانے والی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور حضرت عائشہ اور حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن صلاح کرنے والی ہیں، اور بعض روایتوں میں یہ قصہ دوسرے طریقوں سے بھی آیا ہے ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوئے ہوں اور سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۲ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ

بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ ﴾

ترجمہ: اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، آپ اُس کو کیوں حرام فرماتے ہیں؟ اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے؟ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا کارساز ہے، اور وہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور جبکہ پیغمبر نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی، پھر جب اُس بی بی نے وہ بات بتلادی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اُس کی خبر کردی تو پیغمبر نے تھوڑی سی بات تو جتلادی اور تھوڑی بات کو ٹال گئے، سو جب پیغمبر نے اُس بی بی کو وہ بات جتلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے خبر کردی؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو بڑے جاننے والے، بڑے خبر رکھنے والے نے خبر کردی۔ اے دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں، اور اگر پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں۔ اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو اُن کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے اُن کو تم سے اچھی بیبیاں دیدے گا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہونگی کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں۔

قسم کے سلسلہ میں نبی ﷺ سے خطاب اور آپ کے حقوق میں خلل ڈالنے کے سلسلہ میں آپ کی بیویوں پر عتاب:

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، آپ (قسم کھا کر) اسے (اپنے اوپر) حرام کیوں فرماتے ہیں؟ (پھر وہ بھی) اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (یعنی اگرچہ کسی مباح کو چھوڑ دینا مباح ہے، اور اس چھوڑنے کی قسم کے ساتھ تاکید کرنا بھی کسی مصلحت سے مباح ہے، لیکن پھر بھی اولیٰ کے خلاف ہے۔ خاص طور سے جب کہ اس کی وجہ بھی کمزور ہو، یعنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنا، اور وہ بھی ایسے امر میں جس میں ان کا راضی کرنا ضروری نہیں تھا) اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (کہ گناہ تک کو معاف کردیتا ہے اور آپ سے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہوا، اس لئے

یہ ملامت یا سزا نہیں، بلکہ شفقت اور محبت کے ساتھ آپ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ نے ایک مباح چیز سے فائدہ اٹھانے کو چھوڑ کر تکلیف کیوں اٹھائی؟ اور چونکہ آپ نے قسم کھالی تھی، اس لئے عام خطاب کے ذریعہ قسم کا کفارہ دینے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمادیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے، اور وہ بڑا جاننے والا ہے، بڑی حکمت والا ہے (اس لئے وہ اپنے علم اور حکمت سے تمہاری مصلحتوں اور ضرورتوں کو جان کر تمہاری بہت سی دشواریوں کو آسان کردینے کے طریقے مقرر فرمادیتا ہے۔ چنانچہ کفارہ کے ذریعہ قسم کی پابندی کی تکلیف کا علاج کردیا)

اور (آگے بیویوں کو سناتے ہیں کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب کہ نبی (ﷺ) نے اپنی کسی بیوی سے چپکے سے ایک بات فرمائی (وہ بات یہی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا، مگر کسی سے ظاہر مت کرنا) پھر جب اس بیوی نے وہ بات (دوسری بیوی کو) بتادی اور اللہ تعالیٰ نے نبی کو (وحی کے ذریعہ) اس کی خبر کردی، تو نبی نے (اس ظاہر کردینے والی بیوی کو تھوڑی بات تو جتادی (کہ تم نے ہماری یہ بات دوسری سے کہہ دی) اور تھوڑی بات کو ٹال گئے (یعنی آپ کا کرم اور مہربانی دیکھیں کہ اپنے حکم کے خلاف کرنے پر جو بیوی کی شکایت کرنے بیٹھے تو شکایت کے وقت بھی اس کہی ہوئی بات کے پورے حصوں کو بیان نہیں فرمایا کہ تم نے میری یہ بات کہہ دی اور یہ بھی کہہ دی الخ کیونکہ شرمندگی زیادہ ہوگی، بلکہ کچھ حصوں کا ذکر کیا اور کچھ حصوں کا ذکر نہیں کیا تا کہ مخاطب کو گمان ہو کہ انہیں اتنی ہی بات کہنے کی خبر ہوئی ہے، زیادہ کی نہیں ہوئی تو شرمندگی کم ہوگی۔

اور اس تفسیر کے بارے میں یہ سب سے آسان (سہل قول ہے) تو جب نبی نے اس بیوی کو وہ بات جتائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے (اس کی) خبر دی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے بڑے جاننے والے، بڑے خبر رکھنے والے (یعنی اللہ) نے خبر کردی (یہ بیویوں کو شاید اس لئے سنایا کہ رسول اللہ ﷺ کو پورے راز کی خبر ہوجانے کے بارے میں سن کر آپ کی مہربانی کی وجہ سے اپنے عمل پر زیادہ شرمندہ ہوں، اور توبہ کریں۔ چنانچہ آگے خود بیویوں کو توبہ وغیرہ کا خطاب ہے کہ) اے (نبی کی) دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو (بہتر ہے کیونکہ توبہ کا تقاضا موجود ہے، وہ یہ کہ) تمہارے دل (اس طرف) مائل ہو رہے ہیں (کہ دوسری بیویوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنالیں اور اگرچہ یہ امر اس اعتبار سے کہ اس کا اصل تقاضہ رسول کی محبت ہے، برا نہیں ہے، لیکن چونکہ اس سے دوسروں کے حقوق تلف ہوتے ہیں اور ان کا دل ٹوٹتا ہے اور جس سے برائی لازم آئے، وہ برا ہوتا ہے، اس اعتبار سے برا ہے اور توبہ کا تقاضا ہوجاتا ہے) اور اگر (اسی طرح) نبی کے مقابلہ میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو کہ) نبی کا ساتھ دینے والا اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں۔ اور ان کے علاوہ فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں (مطلب یہ کہ تمہاری ان کارروائیوں سے آپ کا کوئی نقصان نہیں

ہے، بلکہ تمہارا ہی نقصان ہے کیونکہ جس شخص کے ایسے مددگار ہوں، اس کے مزاج کے خلاف کارروائیاں کرنے کا انجام ظاہر ہے کہ برا ہی برا ہے۔ اور چونکہ بعض روایتوں کے مطابق ان آیتوں کے نزول کے اسباب میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسری بیویاں جیسے حضرت سودہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما بھی شریک تھیں، اس لئے آگے جمع کے لفظ کے ذریعہ عام خطاب فرماتے ہیں کہ تم یہ مت سمجھ لینا کہ آخر مرد کو بیویوں کی تو ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں، اس لئے چاہتے نہ چاہتے ہماری سب باتیں برداشت کرلی جائیں گی، تو یہ سمجھ لو کہ) اگر نبی تم عورتوں کو طلاق دیدیں تو ان کا رب بہت جلد تمہارے بدلے میں انہیں تم سے اچھی بیویاں دیدے گا، جو اسلام والی، ایمان والی، فرماں برداری کرنے والی، توبہ کرنے والی، عبادت کرنے والی، روزہ رکھنے والی ہوں گی۔ کچھ بیوہ اور کچھ کنواری (بعض مصلحتوں سے جیسے تجربہ، سلیقہ، عمر میں برابری وغیرہ کی وجہ سے بیوہ بھی پسند ہوتی ہے، اس لئے اس کو بھی پسندیدگی کی صفتوں میں بیان فرمایا)

فائدہ: حلال کو حرام کرنے کی قسمیں اور ان قسموں کے احکام سورۂ مائدہ آیت ۸۷ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ الخ کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ آپ نے جس حلال کو حرام فرمایا وہ منع کیا ہوا حرام کرنا نہیں، بلکہ قسم تھی جو ایک ضرورت کی وجہ سے کھائی گئی تھی، مگر اس کے اولیٰ اور بہتر کے خلاف ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے قسم توڑ دینے کا حکم فرمایا۔ اور گذشتہ شریعتوں میں اس کا اولیٰ و بہتر کے خلاف نہ ہونا سورۃ آل عمران آیت ۹۳ ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ الخ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

اور یہ قسم یا تو ان الفاظ سے ہوئی ہو کہ میں شہد کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں کہ یہ بھی قسم کے الفاظ ہیں، یا صرف اللہ کی قسم وغیرہ فرمایا ہو۔ اور چونکہ اس کا اثر منع کو واجب کر لینے کے معنی میں حرام کرنا ہو گیا، اس لئے تحریم یعنی حرام کرنے کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ اور درمنثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس قسم کے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا، اور ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ یعنی "تمہارے دل مائل ہوئے ہیں" سے اللہ کے رسول کی بیویوں پر جو اعتراض ہوسکتا ہے، اس کا جواب خود ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہو گیا۔ اور ﴿خَيْرًا مِّنكُنَّ﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاص اس وقت ان بیویوں سے کوئی بہتر بی بی تھی، بلکہ اگر واقعی تبدیلی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو ان آنے والی بیویوں کو ان سے بہتر بنانے کی ہر وقت قدرت ہے۔ اور ﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ﴾ الخ میں جو سب کو ساتھی فرمایا تو ہر ایک کا ساتھ جدا انداز کا ہے، حق تعالیٰ کا ساتھ تو حقیقی ہے اور جبرئیل علیہ السلام کا ساتھ فیضوں میں درمیانی صورت ہے اور فرشتوں کا ساتھ سکون نازل کرنے کے معنی میں ہے اور مؤمنوں کا ساتھ تابع ہونے کے معنی میں ہے اور اس ارشاد کی غرض خود متن میں بیان کر دی گئی۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ؑ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝ؑ ﴾

ع ۱۹ — ع ۲

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جس پر تندخو مضبوط فرشتے ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو اُن کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ اُن کو حکم دیا جاتا ہے، اُس کو بجالاتے ہیں۔ اے کافرو! آج تم عذر مت کرو۔ بس تم کو تو اُسی کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان اُن کے ساتھ ہیں اُن کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا یوں دعاء کرتے ہونگے کہ اے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھئے اور ہماری مغفرت فرمادیجئے، آپ ہر شئ پر قادر ہیں۔ اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بی بی اور لوط کی بی بی کا حال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں، سو اُن عورتوں نے اُن دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں اُن کے ذرا کام نہ آسکے اور حکم ہوگیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بی بی کا حال بیان کرتا ہے، جبکہ اُن بی بی نے دعاء کی کہ اے

میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قریب میں مکان بنایئے اور مجھ کو فرعون سے اور اُس کے عمل سے محفوظ رکھیۓ، اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے محفوظ رکھیۓ۔ اور عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان کرتا ہے۔ جنھوں نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا، سو ہم نے اُن کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں۔

اصلاح اور نیکی کی ترغیب اور ان کے ثمرات اور بعض خوش قسمت لوگوں کے اور بعض بد بخت لوگوں کے قصے اور ان کی جزا کے ذریعہ ڈرانا:

اے ایمان والو! (جب رسول کی بیویوں کو بھی عمل وطاعت کے سوا کوئی چارہ نہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی معرفت اوپر کے مضمون کی تبلیغ کرانا، جب کہ تبلیغ واجب ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ پر بیویوں کو نصیحت کرنا واجب ہے تو تم پر تو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کا اہتمام اور بھی زیادہ واجب ہوگا، اس سے تمہیں بھی حکم دیا جاتا ہے کہ) تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (اپنے آپ کو بچانے کا مطلب یہ ہے کہ خود اطاعت کرو، اور گھر والوں کو بچانے کا مطلب انہیں اللہ کے احکام سکھانا اور ان پر عمل کرانے کے لئے جہاں تک اپنے بس میں ہو زبان سے اور ہاتھ سے کوشش کرنا ہے۔

آگے اس آگ کی دوسری حالت ہے، یعنی) جس پر سخت مزاج (اور) مضبوط فرشتے (متعین) ہیں کہ وہ نہ خود رحم کریں، اور نہ ہی کوئی ان کا مقابلہ کر کے بچ سکے) جو کسی بھی بات میں اللہ کی (ذرا بھی) نافرمانی نہیں کرتے، جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو (فوراً) پورا کرتے ہیں (یہاں عصیان یعنی نافرمانی سے دل سے نافرمانی مراد ہے، جو اطاعت کے مقابلہ میں ہے کہ وہ بھی دل سے ہے، یعنی نہ ان کے دل میں نافرمانی کا خیال ہوتا ہے نہ فعل وعمل سے خلاف ورزی کرتے ہیں، یا یوں کہا جائے کہ اس معنی میں نافرمانی بھی نہیں کرتے کہ جو کہا جائے اس کے خلاف کریں اور سستی اور دیر بھی نہیں کرتے، لہٰذا دونوں باتوں میں تکرار نہیں ہے۔

غرض اس جہنم پر ایسے فرشتے مقرر ہیں، اور وہ کافروں کو جہنم میں داخل کریں گے اور اس وقت کافروں سے کہا جائے گا کہ) اے کافرو! آج تم عذر (ومعذرت) مت کرو (کہ اس کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے) بس تمہیں تو اس کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

(آگے جہنم سے بچنے کا طریقہ بتاتے ہیں اور وہی اہل وعیال کو بتانا چاہیۓ، چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (یعنی دل میں معصیت ونافرمانی پر پوری پوری ندامت ہو، اور معصیت کو چھوڑنے کے ارادہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ دوبارہ یہ معصیت نہ کرنے کی نیت تو ضروری ہے اور جب بھی اس معصیت کا دل میں خیال آئے

تو اگر اپنے بس میں ہو تو اس خیال کے دل میں نہ آنے دینے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ اور جب یہ بس میں نہ ہو تو یہ نیت کرنی ضروری ہے کہ اگر معصیت پر قدرت بھی ہو جائے تو بھی دوبارہ نہ کروں گا، اور جہنم کی آگ سے بچنے کے طریقہ میں صرف توبہ کا ذکر اس لئے کیا کہ غیر معصوم معصیت سے بالکل خالی ہو ایسا تو بہت ہی کم ہوتا ہے، اس لئے توبہ کی ضرورت عام اور اہم ہوئی۔ اور چونکہ طاعت کا ترک کرنا معصیت ہے اور توبہ میں معصیت کا ترک کرنا ضروری ہے، لہٰذا اس کے عموم میں طاعت کرنا بھی آ گیا۔ لہٰذا اس مفہوم میں طاعتوں کے کرنے اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچنے کو عام ہو گیا۔

آگے توبہ کا ثمرہ یعنی نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ) امید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور یہ اس دن ہوگا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی (ﷺ) کو اور ان مسلمانوں کو جو (دین کے لحاظ سے) ان کے ساتھ ہیں رسوا نہیں کرے گا (مقصود صرف مؤمنوں کا بیان کرنا ہے۔ نبی ﷺ کا ذکر ملا دینا حکم کی تقویت کے لئے ہے یعنی جس طرح نبی کے لئے خزی یعنی رسوا نہ ہونا یقینی ہے، ایسے ہی مؤمنوں کا رسوا نہ ہونا بھی یقینی ہے اور خزی یعنی رسوائی سے مخصوص رسوائی مراد ہے جو کفر کی جزا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اور مؤمنوں سے مطلق مؤمن مراد ہیں، اور چونکہ عام رسوائی کا موقع قیامت کا میدان ہے، اس لئے ﴿ لَا يُخْزِي ﴾ میں بھی اس حالت کے بیان کو قیامت کے میدان سے متعلق کہا جائے گا جو کہ پل صراط سے پہلے ہے۔

آگے پل صراط کے اعتبار سے ان کی حالت کا بیان ہے کہ) ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا (جیسا کہ سورۂ حدید میں گذرا ہے۔ اور) یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے لئے اس نور کو آخر تک رکھئے (یعنی راستہ میں بجھ نہ جائے) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے۔ آپ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں (اور نور کو پورا کرنے کی دعا کی وجہ یہ ہوگی کہ قیامت میں ہر مؤمن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا، جس وقت منافق کا نور بجھ جائے گا، جس کا ذکر سورۃ الحدید میں گذرا ہے، اس وقت مؤمن یہ دعا کریں گے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے درمنثور میں روایت ہے۔ غرض رسوائی نہ ہونے کی طرح نور کا یہ پورا ہونا بھی سارے مؤمنوں کے لئے عام ہے اور اس سے گنہ گار نافرمانوں کا جہنم میں داخل نہ ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نور کے نہ بجھنے کے باوجود پھر معصیت کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں۔ رہا یہ سوال کہ پھر نور کے نہ بجھنے سے کیا فائدہ؟ تو اول تو ممکن ہے کہ وہ نور اصل میں ان کے ایمان کی مثالی صورت ہو، لہٰذا ایمان کے وجود کے لئے لازم امور میں سے اس نور کا باقی رہنا ہوگا۔ اور لازمی امور میں غرض کا سوال کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، اور ممکن ہے کہ اس کی غرض اس نور سے انسیت کا حاصل کرنا ہو، جس سے نافرمان مؤمنوں کو جہنم میں کافروں جیسی وحشت نہ ہوگی۔ اور چونکہ اوپر آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ سے کافروں کا مبغوض اور ناپسند ہونا اور صراط پر واقع

مؤمنوں کی حالت سے منافقوں کے نور کا پورا نہ ہونا معلوم ہوا ہے جس کی تفصیل سورۂ حدید کی آیت ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ الخ میں بیان ہوچکی ہے، کیونکہ سورۃ الحدید، سورۃ التحریم سے پہلے نازل ہوئی ہے، جیسا کہ اتقان میں ہے۔ اور اس پورا نہ ہونے سے منافقوں کا مبغوض وناپسند ہونا معلوم ہوا ہے۔

آگے رسولِ اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور کافروں کے جہنمی ہونے کی بھی خبر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) اے نبی! (ﷺ) کافروں (سے ہتھیاروں سے) اور منافقوں سے (زبان سے) جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں) اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔

(اوپر آیت ﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ ﴾ الخ میں اہل وعیال کی اصلاح کے امر سے دو امروں کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے: ایک اہل وعیال کی اصلاح کا ذمہ دار پر مطابقت کے لحاظ سے اور دوسرے اہل وعیال کی اصلاح کا خود اہل وعیال پر لازم ہونے کی حیثیت سے جو کہ ﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ ﴾ کے عموم میں مطابقت کے طور پر بھی داخل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ دوسرے امر کے واجب ہونے پر اہل وعیال کو جس کا مصداق زیادہ تر عورتیں ہوتی ہیں، دو وسوسوں کا اندیشہ تھا، ایک وسوسہ نیک وصالح لوگوں کے اہل وعیال کو ہوسکتا تھا کہ اگر ہم نیک وصالح نہ بھی ہوں تب بھی ان نیک وصالح لوگوں کی نسبت سے ہمیں آخرت میں فلاح ہوجائے گی۔ دوسرا وسوسہ غیر صالح لوگوں کے اہل وعیال کو ہوسکتا تھا کہ چاہے ہم نیک وصالح بھی ہوجائیں تب بھی ان غیر صالح لوگوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے کہیں ہماری فلاح میں خلل نہ پڑے۔ اور ایک تیسرا وسوسہ ان عورتوں کو ہوسکتا تھا جو اس وقت نہ کسی کے اہل وعیال میں داخل ہیں اور نہ ہی کسی کے تابع، جیسے کنواری اور بیوہ عورتیں ہوتی ہیں تو انہیں یہ وسوسہ ہوسکتا تھا کہ شاید عورتوں کا پوری طرح نیک ہونا مردوں کی اصلاح پر موقوف ہو اور اسی وجہ سے انہیں اصلاح کا خطاب ہوا ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگے چند عورتوں کے قصے مختصر انداز میں بیان فرمائے۔

چنانچہ نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کے قصے سے تو پہلا وسوسہ ختم ہوگیا، اور فرعون کی بیوی کے قصہ سے دوسرا وسوسہ دور ہوگیا اور حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ سے تیسرا وسوسہ ختم ہوگیا۔ اور چونکہ پہلے وسوسہ میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں شاید اس لئے اس بارے میں دو قصے بیان فرمائے ہوں، اور تیسرے وسوسہ میں خطاب کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب صلاح یعنی نیکی کو آسان کرنے کے لئے ہے۔ صلاح کے اصلاح پر موقوف ہونے کے لئے نہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ کافروں (کی عبرت) کے لئے نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور لوط (علیہ السلام) کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے، وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں تو ان عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا (یعنی نبی ہونے کی وجہ سے ان کا یہ بھی حق تھا کہ دین میں ان کی اطاعت کی جاتی تو انھوں نے اطاعت نہیں کی) تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آسکے۔ اور ان دونوں عورتوں کو (کافر ہونے کی وجہ سے) حکم ہوگیا کہ جہنم میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنم میں جاؤ (اور پہلے وسوسہ کا دور کرنا اس سے ظاہر ہے اور

﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کے عام مفہوم سے اہل وعیال کے علاوہ دوسرے تعلق رکھنے والوں کو بھی اطلاع کردی، جن کو ایسا وسوسہ ہوسکتا تھا، اور تفسیر کی اس وضاحت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ دعوی کرنا کہ یہ قصہ رسول اکرم ﷺ کی بیویوں کو سنایا گیا ہے بغیر دلیل کا دعوی ہے۔ کیونکہ یہ قصہ بیویوں کے مضمون سے متعلق نہیں، بلکہ آیت ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ﴾ کے مضمون سے متعلق ہے۔ ورنہ اگر اس کو اس طرح رسول اللہ کی بیویوں سے متعلق کہا جائے گا کہ تمہارے نیک وصالح نہ ہونے کی صورت میں تمہارے شوہر کا نیک وصالح ہونا اور ان کی نبوت نفع نہ دے گی تو اگلے قصہ کی وضاحت یہ ہونی چاہئے کہ تمہارے نیک وصالح ہونے کی صورت میں شوہر کے نیک وصالح نہ ہونے سے نقصان نہ ہوگا، جیسا کہ فرعون اور اس کی بیوی کا معاملہ ہے، تو نعوذ باللہ! کیا نبی میں اس کا احتمال ہوسکتا ہے)

اور (آگے دوسرے اور تیسرے وسوسہ کو دور کیا گیا ہے کہ) اللہ تعالیٰ مسلمانوں (کی تسلی) کے لئے فرعون کی بیوی (حضرت آسیہؓ) کا حال بیان کرتا ہے (اور خاص طور سے وہ عجیب حال جو اس وقت ہوا تھا) جب کہ اس کی بیوی نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنایئے، اور مجھے فرعون (کی برائی) سے اور اس کے (کفر کے نقصان اور اثر والے) عمل سے محفوظ رکھئے اور مجھے تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں (کے محسوس ہونے والے اور معنوی نقصان سے) محفوظ رکھئے (یا تو یہ دعا مطلق تمام حالتوں میں کی تھی اور یا ایک حالت میں جس کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب فرعون کو ان کے مؤمن ہونے کا پتہ چل گیا تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھوں پیروں میں کیلیں ٹھونک کر دھوپ میں ڈال دیا جائے اور ان کے سر پر چکی کا پتھر رکھ دیا جائے، اس تکلیف میں انھوں نے یہ دعا کی تو انہیں جنت میں اپنا مکان نظر آگیا۔ جس سے وہ تکلیف ختم ہوگئی جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اس سے دوسرے وسوسہ کا دور ہونا ظاہر ہے) اور (مسلمانوں کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ) عمران کی بیٹی (حضرت) مریم علیہا السلام کا حال بیان کرتا ہے، جنھوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں سے) محفوظ رکھا (اس میں ان کی اس پاکیزگی کا بھی بیان ہے جو انھوں نے سوچ سمجھ کر خود حاصل کی اور اس کا بھی جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا کی کہ وہ فضیلت والے اخلاق اور حالتوں میں سے ہے) تو ہم نے (ان کے گریبان) میں (جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے) اپنی روح پھونک دی، اور انھوں نے اپنے رب کے پیغاموں کی (جو انہیں فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچے تھے جن کا ذکر اس ارشاد میں ہے ﴿وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ﴾ الخ اور اس ارشاد میں ہے ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ الخ) اور اس کی کتابوں میں (جن میں توریت اور انجیل بھی شامل ہیں) تصدیق کی (یہ ان کے عقیدوں کا بیان ہے) اور وہ فرماں برداری کرنے والوں میں سے تھیں (یہ ان کے اعمال کا بیان ہے۔ اور اس سے تیسرے وسوسہ کا دور ہونا ظاہر ہے)

﴿الحمد للہ! آج قرآن کا پارہ اٹھائیس پورا ہوگیا﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت میں رسالت کے حقوق کا بیان تھا اس سورت میں توحید کے حقوق کا اور انہیں پورا کرنے اور ان میں خیانت کرنے پر جزا وسزا کا بیان ہے اور گذشتہ سورت کے آخر میں بعض سعادت مندوں اور بعض بدبختوں کا ذکر تھا، اس میں مطلق نیک بخت وسعادت مندوں اور بدبختوں کا ذکر ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ڼ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ

ع ۱

يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ۝ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

ترجمہ: وہ بڑا عالیشان ہے جس کے قبضے میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے، تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہ کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی۔ اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور ہم نے اُن کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اپنے رب کا انکار کرتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ جب یہ لوگ اُس میں ڈالے جاویں گے تو اُس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی، جیسے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب اُس میں کوئی گروہ ڈالا جاوے گا تو اُس کے محافظ اُن لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ سو ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا۔ تم بڑی غلطی میں پڑے ہو، اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔ بیشک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ باریک بیں پورا باخبر ہے۔ وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اُس کے راستوں میں چلو اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ اور اُسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم لوگ اُس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے، پھر وہ زمین

تھرتھرانے لگے یا تم لوگ اُس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر ایک ہوائے تند بھیج دے، سو عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور ان سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں اُنھوں نے جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب کیسا ہوا۔ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور پر سمیٹ لیتے ہیں بجز رحمٰن کے اُن کو کوئی تھامے ہوئے نہیں، بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ہاں رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر تمہاری حفاظت کر سکے۔ کافر نرے دھوکہ میں ہیں۔ ہاں وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچاوے اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی بند کر لے بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جم رہے ہیں، سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہوگا یا وہ شخص جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو۔ آپ کہیئے کہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔ آپ کہیئے کہ وہی ہے جس نے تم کو روئے زمین پر پھیلایا اور تم اُسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب اُس کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ جاویں گے اور کہا جاوے گا یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے۔ آپ کہیئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحمت فرماوے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون بچالے گا؟ آپ کہیئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اُس پر ایمان لائے اور ہم اُس پر توکل کرتے ہیں، سو عنقریب تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہی ہو جاوے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے۔

توحید اور توحید کو ماننے والے نیک بختوں اور اس کا انکار کرنے والے بدبختوں کا ذکر:

حق تعالیٰ کی صفات وافعال:

وہ (اللہ) بڑا عالی شان والا ہے، جس کے قبضہ میں تمام سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کونسا آدمی بہتر عمل کرنے والا ہے (بہتر عمل میں موت کا تو دخل یہ ہے کہ موت کے مشاہدہ سے انسان دنیا کو فنا ہونے والی اور بعث کے اعتقاد سے آخرت کو باقی سمجھ کر وہاں کا ثواب حاصل کرنے اور وہاں کے عذاب وسزا سے بچنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے اور زندگی کا دخل یہ ہے کہ اگر زندگی نہ ہو تو عمل کب کرے؟ چنانچہ بہتر عمل کے لئے موت شرط کے درجہ میں اور زندگی ظرف یعنی وقت اور جگہ کے درجہ میں ہے۔ اور چونکہ موت مطلب بالکل فنا ہو جانا نہیں ہے، اس لئے اس کے بارے میں پیدا کرنے کا حکم لگانا صحیح ہے) اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے (کہ غیر بہتر اعمال پر عذاب وسزا اور بہتر اعمال پر مغفرت وثواب عطا فرماتا ہے) جس نے اوپر نیچے

سات آسمان پیدا کیے (جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر ایک لمبے فاصلہ پر دوسرا آسمان ہے۔ پھر اسی طرح اس سے اوپر تیسرا، اسی طرح اس سے اوپر۔

آگے آسمان کا مضبوط ہونا بیان فرماتے ہیں کہ اے دیکھنے والے!) تم اللہ کی اس بناوٹ میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے (تو اب کی بار) تم پھر پلٹ کر دیکھ لو، کیا کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ (یعنی بغیر غور و فکر کے تو بہت بار دیکھا ہوگا، اب کی بار غور و فکر کے ساتھ دیکھو) پھر بار بار پلٹ کر دیکھ لو (آخرکار) تمہاری نگاہ تھک کر اور ذلیل و نامراد ہو کر تمہاری طرف لوٹ آئے گی (اور کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔ یعنی وہ جس چیز کو جیسا چاہے بنا سکتا ہے، چنانچہ آسمان کو مضبوط بنانا چاہا، تو کیسا بنایا کہ لمبا زمانہ گذر جانے کے باوجود اس میں اب تک کوئی خلل نہیں آیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ قٓ میں فرمایا ﴿وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ اسی طرح کسی چیز کو کمزور اور اثر قبول کرنے والا بنا دیا۔ غرض وہ ہر طرح کی قدرت والا ہے) اور (ہماری قدرت کی دلیل یہ ہے کہ) ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے سجا رکھا ہے، اور ہم نے ان (ستاروں) کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے (جس کی حقیقت سورۂ حجر میں بیان کی گئی ہے) اور ہم نے ان (شیطانوں) کے لئے (شہاب ثاقب سے مارنے کے علاوہ جو کہ دنیا میں ہوتا ہے، آخرت میں ان کے کفر کی وجہ سے (جہنم کا عذاب (بھی) تیار کر رکھا ہے۔

توحید کا انکار کرنے والوں کی سزا:

اور جو لوگ اپنے رب (کی توحید) کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے، جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی ایک بڑی زور کی آواز سنیں گے، اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے غیظ و غضب کی شدت سے (ابھی) پھٹ پڑے گی (یا تو اللہ تعالیٰ اس میں ادراک و غصہ پیدا کر دے گا کہ حق کے مبغوض اور ناپسندیدہ لوگوں پر اس کو بھی غیظ آئے گا، اور یا مثال کے طور پر بیان کرنا مقصود ہے، یعنی جیسے کوئی غصہ سے جوش میں آتا ہے، اس طرح وہ شدت کے ساتھ بھڑک کر جوش میں آئے گی، اور) جب اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا، تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا تھا (جس نے تمہیں اس عذاب سے ڈرایا ہو؟ جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس سے ڈرتے اور بچنے کا سامان کرتے، یہ سوال ڈانٹنے کے انداز میں ہے یعنی نبی تو آئے تھے، اور یہ سوال ہر نئے جانے والے گروہ سے ہوگا، کیونکہ جہنم میں کفر کے درجوں کے فرق کے اعتبار سے کافروں کے سب فرقے ایک کے بعد ایک ڈالے جائیں گے) وہ کافر (اعتراف کے طور پر) جواب دیں گے کہ ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا (نبی) آیا تھا تو (ہماری بدقسمتی تھی کہ) ہم نے (اس کو) جھٹلا دیا، اور کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے (احکام اور کتابوں کی قسم کا) کچھ نازل نہیں کیا (اور) تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (یعنی ہماری جماعتوں کے مجموعہ نے ڈرانے والوں اور رسولوں کے مجموعہ کو یوں

کہہ دیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اپنے رسول کو ہر ایک نے یوں کہہ دیا) اور (وہ کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے (یعنی رسولوں کے کہنے کو قبول کرتے اور مانتے) تو ہم جہنم والوں میں (شامل نہ ہوئے۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے تو جہنم والوں پر لعنت ہے؟

اطاعت کرنے والوں کا ثواب:

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں (اور ایمان واطاعت اختیار کرتے ہیں) ان کے لئے مغفرت اور عظیم اجر (مقرر) ہے۔

مذکورہ دونوں فریقوں کی حالتوں کے بارے میں اللہ کے علم کا احاطہ جزا کی تاکید کے لئے:

اور تم لوگ چاہے چھپا کر بات کرو یا اونچی آواز سے کہو (اسے سب خبر ہے کیونکہ) وہ دلوں کے حال تک خوب جاننے والا ہے (اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ بہت باریکی سے دیکھنے والا (اور) پوری خبر رکھنے والا ہے (استدلال کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا مختار ہے، چنانچہ تمہاری حالتوں اور تمہاری باتوں کا بھی پیدا کرنے والا ہے اور اختیار سے، پیدا کرنے سے پہلے علم ہوتا ہے، لہٰذا علم ضروری ہوا۔ اور اقوال کی تخصیص مقصود نہیں بلکہ حکم عام ہے، شاید ذکر کی تخصیص اس بنا پر ہو کہ اقوال بہت زیادہ واقع ہونے والے ہیں۔ غرض اس کو سب علم ہے، وہ ہر ایک کو مناسب جزا دے گا۔

بعض نعمتوں اور احسانوں کے ذکر کے ذریعہ ترغیب:

وہ ایسا (نعمتوں والا) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تابع کر دیا (کہ وہ تمہارے تصرفات کی قابلیت رکھتی ہے) تو تم اس کے راستوں پر چلو (پھرو) اور اللہ کی روزی میں سے (جو زمین میں پیدا کی ہے) کھاؤ (پیو) اور (کھا پی کر اس کو بھی یاد رکھنا کہ) اس کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے (لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو کہ ایمان وطاعت ہے)

بعضے عذاب وسزا کے ذکر سے ڈرانا:

کیا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم اور تصرف رکھتا) ہے کہ وہ تمہیں (قارون کی طرح) زمین میں دھنسا دے، پھر وہ زمین تھر تھرا کر الٹ پلٹ ہو) نے لگے، جس سے تم اور نیچے اتر جاؤ اور زمین کے اجزا تمہارے اوپر آ کر مل جائیں) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں (بھی اپنا حکم اور تصرف رکھتا) ہے کہ

وہ تم پر (عاد کی طرح) ایک تیز ہوا بھیج دے (جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یعنی تمہارے کفر کا تقاضا یہی ہے) تو (اگر کسی مصلحت سے جلدی آنے والا عذاب تم پر سے ٹل رہا ہے، تو کیا ہوا) جلدی ہی (مرتے ہی) تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا (عذاب سے) کیسا (واقع اور صحیح) تھا اور (اگر جلدی آنے والے عذاب کے بغیر کفر کا مبغوض ہونا ناپسند ہونا ان کی سمجھ میں نہ آئے تو اس کا نمونہ بھی موجود ہے، چنانچہ) ان سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں، انھوں نے (دین حق کو) جھٹلایا تھا تو (دیکھ لو ان پر) میرا عذاب کیسا (واقع) ہوا (جس سے صاف معلوم ہوا کہ کفر مبغوض و ناپسند ہے لہٰذا اگر کسی حکمت سے یہاں عذاب ٹل گیا تو دوسرے عالم میں وعید کے مطابق واقع ہوگا، اور اوپر ﴿ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ الخ میں آسمان سے متعلق توحید کی دلیلوں کا ذکر تھا، پھر ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ﴾ الخ میں زمین سے متعلق۔ آگے آسمان اور زمین کے درمیان کی فضا سے متعلق ہیں)

فضا سے تعلق رکھنے والی توحید کی بعض دلیلیں:

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلاتے (ہوئے اڑتے پھرتے ہیں) اور (کبھی اس حالت میں پر) سمیٹ لیتے ہیں (اور دونوں حالتوں میں بھاری ہونے اور مرکز کی طرف مائل ہونے کے باوجود آسمان اور زمین کے درمیان رکے ہوئے ہیں اور انہیں اللہ کے سوا کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور جس طرح چاہے اس میں تصرف کر رہا ہے۔

شرک کو باطل کرنا:

ہاں! (اللہ کے تصرف تو تم نے سن لئے اب یہ بتاؤ کہ) رحمٰن کے سوا وہ کون ہے کہ وہ تمہارا لشکر بن کر (آفتوں سے) تمہاری حفاظت کر سکے (اور) کافر (جو اپنے معبودوں کے بارے میں ایسا خیال رکھتے ہیں) تو (وہ) بالکل دھوکے میں ہیں (اور) ہاں (یہ بھی بتاؤ کہ) وہ کون ہے جو تمہیں روزی پہنچا دے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی روزی روک دے؟ (مگر یہ لوگ اس سے بھی متاثر نہیں ہوتے) بلکہ یہ لوگ سرکشی اور (حق سے) نفرت پر اڑ رہے ہیں (خلاصہ یہ کہ تمہارے باطل معبود نہ نقصان کو دور کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ یَنْصُرُكُمْ ﴾ سے مراد ہے اور نہ ہی نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ یَرْزُقُكُمْ ﴾ سے مراد ہے، پھر ان کی عبادت کرنا کھلی بے وقوفی ہے۔

ہدایت پانے والے اور گمراہ برابر نہیں (تفریع):

(جس کافر کا حال اوپر سنا ہے ﴿ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴾ اور ﴿ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴾) تو (اس کو سن کر سوچو کہ) کیا جو شخص (راستہ کی ناہمواری کی وجہ سے ٹھوکریں کھاتا ہوا اور) منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو، صحیح منزل

مقصود پر پہنچنے والا وہ ہوگا یا وہ شخص (زیادہ صحیح طریقہ سے منزل پر پہنچنے والا ہوگا) جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو؟ (یہی حال مؤمن اور کافر کا ہے کہ مؤمن کے چلنے کا راستہ بھی دین مستقیم یعنی سیدھا دین ہے اور وہ چلتا بھی سیدھا ہو کر اور کمی وزیادتی سے بچ کر ہے۔ اور کافر کا راستہ بھی ٹیڑھا اور گمراہی کا ہے اور وہ چلنے میں بھی ہلاکتوں اور خوفناک حالتوں میں گرتا جاتا ہے۔ پھر ایسی حالت میں کیا صحیح اور مقصود منزل پر پہنچے گا؟ اور اوپر آفاق سے متعلق توحید کی دلیلیں تھیں، آگے انفس سے متعلق ارشاد ہیں۔

انفس سے تعلق رکھنے والی بعض دلیلیں:

آپ (ان سے) کہئے کہ وہی (ایسا قدرت والا اور نعمتوں والا) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان، اور آنکھیں اور دل دیئے (مگر) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (اور) آپ (یہ بھی) کہئے کہ وہی ہے، جس نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (قیامت کے دن) جمع کئے جاؤ گے۔

قیامت کا ذکر:

اور یہ لوگ (جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں جیسا کہ اس سورت میں ﴿وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ﴾ اور ﴿اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ہے تو) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم (یعنی رسول اکرم ﷺ اور آپ کا اتباع کرنے والے مؤمن) سچے ہو؟ (تو بتاؤ) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ یہ (تعیین کا) علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو بعض (اجمالی طور پر، مگر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، پھر جب اس (جس عذاب کے قیامت کے دن واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے) کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے (پاس آتے ہوئے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا حساب ہوگا اور پھر جہنم کی طرف لے جائے جانے کا حکم ہوگا، جس سے یہ یقین ہو جائے گا کہ اب عذاب سر پر آ گیا۔ غرض جب اس کو پاس آتا ہوا دیکھیں گے) تو (اس وقت غم کے مارے) کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾) اور (ان سے) کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے (کہ عذاب لاؤ، عذاب لاؤ، اور یہ کافر لوگ توحید اور بعث وغیرہ سے متعلق ان سچے مضمونوں کو سن کر جو ایسی باتیں کرتے ہیں ﴿شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ﴾ ﴿اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا﴾ جن کا حاصل آپ کی ہلاکت کا انتظار اور نعوذ باللہ آپ کی نسبت گمراہی کی طرف کرنا ہے۔ آگے اس کے جواب کی تعلیم ہے جس میں کافروں کے عذاب کی وضاحت ہے اور دوسرے مضمونوں سے اس کو پورا کیا گیا ہے۔

کافروں ہی کو دردناک عذاب ہوگا اور توکل کے مضمون

سے اس کی تکمیل اور اللہ تعالیٰ ہی کا نعمتوں پر قادر ہونا:

(ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ (ان سے) کہئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو (تمہاری تمنا کے مطابق) ہلاک کردے یا (ہماری امید اور اپنے وعدہ کے مطابق) ہم پر رحمت فرمادے تو (دونوں حالتوں میں اپنی خبر لو اور یہ بتاؤ کہ) کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچالے گا؟ (یعنی ہماری تو جو حالت ہوگی دنیا میں ہوگی اور اس کا انجام ہر حال میں اچھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ الخ مگر تم اپنی کہو کہ تم پر جو عظیم مصیبت آنے والی ہے اس کو کون روکے گا؟ اور ہمارے اوپر آنے والے دنیاوی حادثوں سے تمہاری وہ مصیبت کیسے ٹل جائے گی تو اپنی فکر چھوڑ کر ہمارے اوپر آنے والے حادثوں کا انتظار ایک فضول حرکت ہے، یہ ﴿تَرَبُّصُ﴾ الخ کا جواب ہے۔

اور (آپ (ان سے یہ بھی) کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے۔ ہم اس پر (اس کے حکم کے مطابق) ایمان لائے اور ہم اس پر بھروسہ کرتے ہیں (لہٰذا ایمان کی برکت سے تو وہ ہمیں آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھے گا اور توکل و بھروسہ کی برکت سے دنیاوی حادثوں کو دور یا آسان کردے گا۔ یہ بھی ﴿نَتَرَبَّصُ﴾ کے جواب کا باقی حصہ ہے) تو (جب تم پر دردناک عذاب آنے والا ہے اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اس عذاب سے محفوظ رہنے والے ہیں تو) جلدی ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا (جب اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا اور ہمیں اس سے محفوظ دیکھو گے) کہ کھلی گمراہی میں کون ہے (یعنی تم ہو جیسا کہ ہم کہتے ہیں یا ہم ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو۔ یہ ان کا ﴿لَيُضِلُّنَا﴾ الخ کا جواب ہے۔ آگے اوپر والے مضمون ﴿فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ الخ کی وضاحت ہے۔ یعنی اوپر جو کہا گیا ہے کہ تمہیں دردناک عذاب سے کوئی نہیں بچاسکتا، اگر انہیں اپنے باطل معبودوں کا گھمنڈ ہو کہ وہ بچالیں گے تو اس زعم کو باطل اور زائل کرنے کے لئے ان سے) آپ (یہ) کہہ دیجئے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی (جو کنوؤں میں ہے) نیچے کو (اتر کر) غائب ہی ہوجائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوتے کا پانی لے آئے؟ (یعنی کنویں کے سوتے کو جاری کردے اور زمین کی گہرائی سے اوپر لے آئے، اور اگر کسی کو کھود لینے پر ناز ہو تو اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ اسے اور نیچے غائب کردے۔ لہٰذا جب اللہ کے مقابلہ میں اتنی بھی قدرت نہیں کہ معمولی فطری واقعات میں تصرف کرسکے تو آخرت کے عذاب سے بچانے کی تو کیا قدرت ہوگی؟

فائدہ: ﴿ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ ﴾ سے ﴿ حَسِیْرٌ ﴾ تک سے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بغیر حجاب کے یا اس نیلی چھت کے حجاب میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب وخلل ہوتا تو نظر آجاتا، اور اگر شبہ ہو کہ دروازے کیوں نظر نہیں آتے؟ تو ممکن ہے کہ دروازے اتنے بڑے نہ ہوں کہ اتنی دور سے نظر آئیں، اور اگر شبہ ہو کہ شاید وہ پھٹاؤ اور شگاف بھی چھوٹے ہوں تو جواب یہ ہے کہ عام طور سے بڑی عمارت میں شگاف بھی بڑا پڑتا ہے، اور پھر وہ روزانہ بڑھتا رہتا ہے، آخر اتنا لمبا زمانہ گذرنے پر تو اس میں شگاف اتنا چوڑا ضرور ہو جاتا جو دکھائی دینے کے قابل ہوتا، اور ایسے موقعوں میں عادت کا لازم ہونا کافی ہے، اور اگر آسمان کا دکھائی نہ دینا ثابت ہو جائے تو عقلی نظر کو آنکھ سے تشبیہ قرار دے کر کلام کو غور وفکر پر محمول کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت آسمان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر مخلوق کے لئے عام ہے یعنی بہت گہرائی کے ساتھ نظر گاڑ کر دیکھنے سے بھی کوئی امر حکمت کے خلاف کسی چیز میں معلوم نہیں ہوگا، اور جس کو اس کا وہم ہوتا ہے اس کا منشا گہرائی کے ساتھ غور وفکر نہ کرنا ہے، اس تفسیر پر مذکورہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں بات کا زیادہ رخ توحید کا انکار کرنے والوں کی طرف تھا، اور اس سورت میں بات کا زیادہ رخ نبوت پر طعنہ کرنے والوں کی طرف ہے، اور چونکہ نبوت کا انکار کفر ہے، اس لئے بعض آیتوں میں کافروں کے دنیا کے اور آخرت کے عذاب وسزا کا بھی مضمون ہے۔

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝

ع ۱

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۚ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ۝ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

ع ۴

ترجمہ: ﴿ن﴾ قسم ہے قلم کی اور اُن کے لکھنے کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا۔ آپ کا پروردگار اُس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے تو آپ اُن تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانیے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے ہو جاویں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جاویں۔ اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ حرام زادہ ہو۔ اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو۔ جب ہماری آیتیں اُس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں، ہم عنقریب اُس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ ہم نے اُن کی آزمائش کر رکھی ہے، جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جبکہ اُن لوگوں نے قسم کھائی کہ اُس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے اور انھوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا۔ سو اُس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا۔ اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت۔ سو صبح کے وقت ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پاوے اور اپنے آپ کو اُس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے۔ پھر جب اُس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بیشک ہم راستہ بھول گئے، بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔ اُن میں جو اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا، اب تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بیشک ہم قصوروار ہیں۔ پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے کہ

بیشک ہم حد سے نکلنے والے تھے۔ شاید ہمارا پروردگار ہم کو اُس سے اچھا باغ بدلہ میں دیدے۔ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لیتے۔ بیشک پرہیزگاروں کے لئے اُن کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں، کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کی برابر کردیں گے۔ تم کو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں پڑھتے ہو، کہ اُس میں تمہارے لئے وہ چیز ہے جس کو تم پسند کرتے ہو، کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو تمہاری خاطر سے کھائی گئی ہوں اور وہ قسمیں قیامت تک باقی رہنے والی ہوں کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جو تم فیصلہ کررہے ہو۔ ان سے پوچھئے اُن میں اس کا کون ذمہ دار ہے۔ کیا ان کے ٹھیرائے ہوئے کچھ شریک ہیں؟ سو ان کو چاہئے کہ یہ اپنے اُن شریکوں کو پیش کریں اگر یہ سچے ہیں۔ جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جاوے گی اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے گا، سو یہ لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے، اُن کی آنکھیں جھکی ہونگی اُن پر ذلت چھائی ہوگی اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جایا کرتے تھے اور وہ صحیح سالم تھے۔ تو مجھ کو اور جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں اُن کو رہنے دیجئے، ہم اُن کو بتدریج لئے جارہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں، اور اُن کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان سے دبے جاتے ہیں یا ان کے پاس غیب ہے کہ یہ لکھا لیا کرتے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہوجئے جبکہ یونس نے دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے۔ اگر خداوندی احسان اُن کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے۔ پھر اُن کے رب نے اُن کو برگزیدہ کرلیا اور اُن کو صالحین میں سے کردیا۔ اور یہ کافر جب قرآن سنتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرادیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہیں، حالانکہ یہ قرآن تمام جہاں کے واسطے نصیحت ہے۔

رسالت کا اثبات اور انکار کرنے والوں کی مذمت اور وعید اور ان کے مناسب امور:

نبوت کے آنگن سے کفار کے بھالے کو روکنا:

﴿نٓ﴾ (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) قسم ہے قلم کی (جس سے لوح محفوظ پر مخلوق کے مقدر لکھے گئے) اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کہ اعمال کے لکھنے والے ہیں جیسا کہ ان دونوں لفظوں کی تفسیر ابن عباسؓ نے کی ہے، جیسا کہ الدرالمنثور میں ہے۔ آگے قسم کا جواب ہے) کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں (جیسا کہ نبوت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں، جیسا کہ اس کے نزول کے سبب میں ابن جریج سے درمنثور میں روایت کیا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ برحق نبی ہیں، اور یہ آیتیں اس مقصد کے لئے نہایت مناسب ہیں، کیونکہ لوح محفوظ میں لکھے گئے مخلوق کے مقدروں

میں سے قرآن کا نازل ہونا بھی ہے، چنانچہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت اللہ کے علم میں پہلے ہی سے مقرر بلکہ تاکید کے ساتھ تھی، لہٰذا اس کا ثبوت یقینی ہوا، اور اعمال کو لکھنے والے آپ کی تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کے اعمال کو لکھ رہے ہیں، لہٰذا نبوت کے انکار پر سزا ہوگی، اس سے ڈر کر ایمان لانا واجب ہے) اور بے شک آپ کے لئے (احکام کی اس تبلیغ پر) ایسا اجر (ملنے والا) ہے جو (کبھی) ختم ہونے والا نہیں (اس میں بھی نبوت سے متعلق وضاحت ہے جس سے طعن کرنے والے کی نفی لازم ہے اور نبوت کی وضاحت کے ساتھ تسلی بھی شامل ہے کہ آپ تھوڑا برداشت کر لیجئے کہ اس کا انجام عظیم اجر ہے) اور بے شک آپ (اچھے) اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں (کہ آپ کے ہر فعل میں اعتدال ہے اور ہر فعل اللہ تعالیٰ کی رضا سے قریب ہے، اور مجنوں میں اخلاق کا کمال کہاں ہوتا ہے؟ یہ بھی مذکورہ طعن کا جواب ہے۔

آگے تسلی ہے، یعنی یہ جو ایسی مہمل باتیں بکتے ہیں) تو (آپ اس کا غم نہ کیجئے، کیونکہ) جلدی ہی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کس کو (اصلی اور حقیقی) جنون تھا (یعنی جنون کی حقیقت عقل کا جاتا رہنا ہے اور عقل کی غرض نفع اور نقصان کو سمجھنا ہے اور نفع ونقصان ذکر اور قدر کے قابل وہ ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہو۔ چنانچہ قیامت میں انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ عقل والے وہ لوگ تھے جنھوں نے حق کو اختیار کیا تھا، جنھوں نے اس نفع کو حاصل کیا اور مجنون یہ خود تھے جو اس نفع سے محروم رہ کر ہمیشہ کے نقصان میں مبتلا ہوئے، اور چونکہ) آپ کا رب اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے (اور اس لئے ہر ایک کو اس کے مناسب جزا وسزا دے گا) اور اس جزا وسزا کے مناسب ہونے کو یہ انکار کرنے والے بھی عاقل اور مجنون کی تعیین وانکشاف کی وجہ سے سمجھ لیں گے۔

آگے منکروں یعنی انکار کرنے والوں کی مذمت کا مضمون ہے کہ جب آپ حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر ہیں جیسا کہ اوپر والی باتوں سے معلوم ہو چکا ہے) تو آپ ان جھٹلانے والوں کا کہنا مت مانئے (جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا ہے اور وہ کہنا وہ ہے جو آگے معلوم ہوتا ہے یعنی) یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (نعوذ باللہ اپنے منصب سے متعلق کام یعنی تبلیغ میں ذرا) ڈھیلے ہو جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ کا ڈھیلا ہونا یہ کہ بت پرستی کی مذمت نہ کریں اور ان کا ڈھیلا ہونا یہ کہ وہ آپ کی مخالفت نہ کریں، جیسا کہ درمنثور میں سورۃ الکافرون کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے: قالوا کف عن شتم آلھتنا ولا تذکر آلھتنا بسوء: یعنی "انھوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا بند کر دو اور ہمارے معبودوں کا ذکر برائی کے ساتھ مت کرو" اور آپ (خاص طور سے) کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو (اس سے جھوٹی قسمیں کھانے والا مراد ہے، عام طور سے یہی دیکھا جاتا ہے کہ جھوٹے آدمی قسمیں بہت کھایا کرتے ہیں، اور جو شخص اپنی بری حرکتوں کی وجہ سے اللہ کے اور مخلوق کے نزدیک) بے وقعت ہو (دل دکھانے کے لئے) طعنہ دینے والا ہو،

چغلیاں لگاتا ہو، نیک کام سے روکتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو (اعتدال کی) حد سے گذرنے والا ہو، گناہ (کے کام) کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو (اور) اس (سب) کے علاوہ بد اصل حرام زادہ (بھی) ہو (حرام زادہ سے مراد یہ ہے کہ اس کے دوسرے اخلاق وافعال بھی خبیث ہوں، چونکہ عام طور سے حرام زادہ کے اخلاق وافعال اچھے نہیں ہوتے، اس لئے مجاز کے طور پر اس سے یہ مراد لیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ اول تو مطلق جھٹلانے والوں کا کہنا مت ماننے پھر خاص طور سے جب کہ اس جھٹلانے والوں میں یہ بری باتیں بھی پائی جاتی ہوں، جیسا کہ آپ کو جھٹلانے والوں میں سے بعض بڑے بڑے سردار اور لوگ ایسے ہی تھے، اور آپ سے اس درخواست کرنے میں شریک تھے بلکہ اس کے لئے کوشش کرنے والے تھے۔ غرض آپ ایسے شخص کا کہنا مت ماننے اور وہ بھی محض) اس بنا پر کہ وہ مال اور اولاد والا ہو (یعنی دنیا کی عزت ووجاہت، شان وشوکت رکھتا ہو، اور ایسے شخص کی اطاعت سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس شخص کی یہ عادت ہے کہ) جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں (مطلب یہ کہ آیتوں کو جھٹلاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اصل علت اطاعت سے روکنے کا: جھٹلانا ہے اور اسی بنا پر پہلے ﴿ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ فرمایا گیا ہے۔ پھر عام حکم کے بعد خاص طور سے ان جھٹلانے والوں میں سے ان جھٹلانے والوں کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ جن میں جھٹلانے کے علاوہ دوسری بری عادتیں بھی ہوں، ایسے لوگوں کی اطاعت سے منع کرنا مطلق جھٹلانے والوں کی اطاعت سے روکنے سے اور زیادہ شدید اور سخت ہوگی، لیکن اصل علت وہی جھٹلانا رہے گا۔ آگے ایسے شخص کی سزا کا بیان ہے کہ) ہم جلدی ہی ان کی ناک پر داغ لگا دیں گے (یعنی قیامت میں اس کے چہرہ اور ناک پر اس کے کفر کی وجہ سے ذلت اور پہچان کی کوئی علامت لگا دیں گے، جس کی وجہ سے وہ خوب رسوا ہو، جیسا کہ درمنثور میں مرفوع روایت ہے۔ آگے مکہ والوں کو ایک قصہ سنا کر ان کے کفر کے نتیجہ میں آنے والے وبال سے ڈرایا گیا ہے۔

مکہ والوں کو کفر کے وبال سے ڈرانے کے لئے باغ والوں کا قصہ:

ہم نے (جوان مکہ والوں کو عیش وآرام کا سامان دے رکھا ہے جس پر یہ مغرور ہو رہے ہیں، تو ہم نے) ان کی آزمائش کر رکھی ہے (کہ دیکھیں یہ نعمتوں کے شکر میں ایمان لاتے ہیں یا ناشکری وبے قدری کر کے کفر کرتے ہیں) جیسا (ان سے پہلے نعمتیں دے کر) ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی (یہ باغ ابن عباس کے قول کے مطابق حبشہ میں تھا اور سعید بن جبیر کے مطابق یمن میں تھا، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ اور یہ قصہ مکہ والوں کو عام طور سے معلوم تھا، اور جن باغ والوں کا یہ قصہ ہے ان کے باپ کا اپنے وقت میں معمول تھا کہ اس باغ کے پھلوں کا ایک بڑا حصہ مسکینوں کو دیا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہو گیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اپنی اتنی ساری آمدنی مسکینوں کو دے دیتا تھا، اگر یہ سب ہمارے

اپنے گھروں میں آئے تو ہمیں کتنا فائدہ ہو، چنانچہ ان آیتوں میں ان کا باقی قصہ بیان کیا گیا ہے، یعنی اگلا واقعہ اس وقت ہوا) جب ان لوگوں نے (یعنی ان میں سے اکثر نے) یا بعض نے، کیونکہ آگے ارشاد ہے ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ﴾ آپس میں) قسم کھائی کہ اس (باغ) کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لیں گے، اور (یہ بات ایسے یقین کے ساتھ کہی کہ) انھوں نے ان شاء اللہ بھی نہیں کہا، تو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا (اور وہ ایک آگ تھی، جیسا کہ ابن جریج سے درمنثور میں ہے، چاہے خالص ہو یا ہوا میں ملی ہوئی ہو، جیسے لو) اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت (کہ خالی زمین رہ جاتی ہے اور بعض جگہ کاٹ کر جلا بھی دیا جاتا ہے، مگر انہیں اس کی کچھ خبر نہیں ہوئی) تو صبح کے وقت (جو سو کر اٹھے تو) ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنے ہیں (باغ کو کھیت یا تو مجاز کے طور پر کہہ دیا ہو، یا اس میں ایسی چیزیں بھی ہوں، جو کھیتوں میں بوئی جاتی ہوں یا اس باغ سے متعلق اس کے آس پاس کھیت بھی ہو) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج تمہارے پاس کوئی محتاج نہ آنے پائے، اور (اپنے زعم میں) اپنے آپ کو اس نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے (کہ سارے پھل گھر لے آئیں گے اور کسی کو بھی نہیں دیں گے، جیسا کہ درمنثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے) پھر جب (وہاں پہنچے اور) اس باغ کو (اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم راستہ بھول گئے (اور کسی اور جگہ نکل آئے کیونکہ یہاں تو باغ واغ کچھ بھی نہیں، پھر جب موقع محل اور آس پاس کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ یہ وہی جگہ ہے تو کہنے لگے کہ بھولے نہیں) بلکہ (جگہ تو وہی ہے لیکن) ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ باغ کا یہ حال ہو گیا) ان میں جو (کسی قدر) اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں؟ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ (ایسی نیت مت کرو، مسکینوں کے دینے سے برکت ہوتی ہے، اس لئے اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے "اچھا" کہا، مگر عملی طور پر یہ شخص بھی دل سے کراہت کے باوجود سب کے لحاظ سے اس حال میں شریک ہو گیا تھا، اس لئے احقر نے لفظ "کسی قدر" بڑھا دیا۔ اس لئے کہ "اوسط" اضافی امر ہے، پھر اس شخص نے وہ پہلی بات یاد دلائی کہا کہ اپنے اعمال کا برا انجام تم نے بھگت لیا، مگر) اب (توبہ اور) تسبیح (وتقدیس) کیوں نہیں کرتے؟ (تاکہ وہ گناہ معاف ہو اور اس سے زیادہ وبال نہ آجائے) سب (توبہ کے طور پر) کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے (یہ پاکی بیان کرنا استغفار یعنی مغفرت و معافی مانگنے کی تمہید ہے) بے شک ہم قصوروار ہیں (یہ غلطی ماننا اور قصور کا اعتراف ہے) پھر ایک دوسرے کو مخاطب کر کے آپس میں الزام دینے لگے (جیسا کہ کام بگڑتے وقت لوگ عام طور سے کرتے ہیں کہ ہر شخص دوسرے کے سر الزام تھوپا کرتا ہے، دوسرے کی غلطی بتایا کرتا ہے، پھر سب اتفاق کر کے) کہنے لگے کہ بے شک ہم (سبھی) حد سے نکلنے والے تھے (کسی ایک کی غلطی اور خطا نہیں تھی، اب ایک دوسرے کے سر الزام تھوپنا بے کار ہے۔ سب مل کر توبہ کر لو) شاید (توبہ کی برکت سے) ہمارا رب ہمیں اس سے اچھا باغ بدلہ میں دیدے (اب) ہم اپنے رب کی طرف توجہ کرتے

ہیں (یعنی توبہ کرتے ہیں اور بدلہ عام ہے چاہے دنیا میں نعم البدل یعنی اچھا بدلہ مل جائے یا آخرت میں، اور ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مؤمن تھے، معصیت و نافرمانی کر بیٹھے تھے، اور کسی سند کے ساتھ یہ امر نظر سے نہیں گذرا کہ کیا اس باغ کے بدلہ میں انہیں دنیا میں کوئی باغ ملا یا نہیں۔ البتہ بغیر سند کے روح المعانی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے کہ انہیں اس سے اچھا باغ عطا کیا گیا۔ واللہ اعلم

آگے قصہ کی غرض یعنی ڈرانے کی تصریح ہے۔ کہ نافرمانی کرنے پر) اس طرح عذاب ہوا کرتا ہے (جب اس طرح عذاب ہوتا ہے تو اے مکہ والو تم بھی ایسے ہی عذاب کے مستحق ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ کے، کیونکہ مذکورہ عذاب تو صرف نافرمانی پر تھا اور تم تو کفر کرتے ہو) اور آخرت کا عذاب اس (دنیاوی عذاب) سے بھی بڑھ کر ہے کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ (اس بات کو) جان لیتے (تاکہ ایمان لے آتے، آگے ان عذابوں اور سزاؤں کی تحقیق کے لئے کافروں کے زعم کو باطل فرماتے ہیں، وہ کہتے تھے ﴿ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾۔

کافروں کے مستحق ثواب ہونے کے زعم کو باطل کرنا:

بیشک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں (یعنی جنت میں داخل ہونے کا سبب تقویٰ ہے اور اس سے کافر خالی ہیں کہ ان میں تقویٰ نہیں ہے تو انہیں جنت کیسے مل جائے گی؟) کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے (یعنی اگر کافروں کو نجات ہو تو فرماں برداروں کو نافرمانوں پر نجات میں فضیلت نہیں رہے گی۔ حالانکہ یہ فضیلت ثابت ہے جیسا کہ سورۂ ص میں ہے ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ ﴾ الخ تمہیں کیا ہوا؟ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے؟ جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی ہوئی) ہے، جسے تم پسند کرتے ہو (یعنی اس میں لکھا ہو کہ تمہیں آخرت میں بھلائی ملے گی؟) کیا ہمارے ذمہ کچھ قسمیں تمہاری خاطر کھائی ہوئی قسمیں چڑھی ہوئی ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہوں (جن کا یہ مضمون ہو) کہ تمہیں وہ چیزیں ملیں گی، جو تم فیصلہ کررہے ہو؟ (یعنی ثواب اور جنت) ان سے پوچھئے، ان میں سے اس کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا ان کے (خدائی میں) ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں؟ (کہ انھوں نے انہیں ثواب دینے کا ذمہ لیا ہے) تو ان کو چاہئے کہ یہ اپنے ان شریکوں کو پیش کریں، اگر وہ سچے ہیں (غرض جب یہ مضمون کسی آسمانی کتاب میں نہیں ہے اور بغیر کسی کتاب کے وحی کے دوسرے طریقوں سے ہمارا وعدہ نہیں، جو قسم کے طور پر ہوتا ہے، پھر ایسی حالت میں کوئی شخص ان میں سے یا ان کے شریکوں میں سے اس کی ذمہ داری کیسے لے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر دعویٰ کس بنا پر ہے؟ آگے ان لوگوں کی قیامت کی رسوائی کا ذکر ہے۔

قیامت کے دن کافروں کی درگت:

(وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن کہ پنڈلی کی تجلی فرمائی جائے گی، اور لوگوں کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا (اس کا قصہ شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں مرفوع روایت کے طور پر اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق ظاہر فرمائے گا۔ ساق پنڈلی کو کہتے ہیں اور یہ کوئی خاص صفت ہے، جس کو کسی مناسبت سے ساق فرمایا، جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ یَدْ یعنی ہاتھ آیا ہے، اور ایسے الفاظ متشابہات میں سے کہلاتے ہیں، اور اسی حدیث میں ہے کہ اس تجلی کو دیکھ کر تمام مؤمن مرد و عورت گر پڑیں گے، مگر جو شخص ریاکاری یعنی دکھاوے سے سجدہ کرتا تھا اس کی کمر تختہ کی طرح سیدھی سخت اکڑی ہوئی رہ جائے گی، اور سجدہ کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تکلیف کی جگہ نہیں ہے، کیونکہ بلائے جانے سے مراد سجدہ کرنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بے بسی کے ساتھ سجدہ کرنا چاہیں گے، جن میں سے مؤمن سجدہ پر قادر ہوں گے، اور ریاکاری یعنی دکھاوے کے لئے کام کرنے والے اور منافق قادر نہ ہوں گے اور کافروں کا قادر نہ ہونا اس سے بھی اولیٰ درجہ میں ظاہر ہوتا ہے، جس کا ذکر آگے ہے۔ یعنی کافر بھی سجدہ کرنا چاہیں گے) تو یہ (کافر) لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے (اور) ان کی آنکھیں (شرمندگی کے مارے) جھکی ہوئی ہوں گی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی (اس کی وجہ یہ ہے کہ) یہ لوگ (دنیا میں) سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے (اس طرح کہ ایمان لاکر عبادت کریں) اور (اس وقت) وہ صحیح سالم تھے (یعنی اس پر قادر بھی تھے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ایمان اور عبادت اختیاری فعل ہے، لہٰذا دنیا میں حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آج ان کی یہ ذلت اور رسوائی ہوئی، اور دوسری آیت میں جو نگاہ کا (اوپر) اٹھا رہنا آیا ہے، وہ معارض نہیں، کیونکہ کبھی حیرت کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ہوگا اور کبھی ندامت کے غلبہ سے، آگے کافروں کے اس غرور کا رد ہے کہ عذاب میں ڈھیل کو اپنے مقبول ہونے کی دلیل سمجھتے تھے، اور اس کے ضمن میں آپ کو تسلی بھی ہے۔

کافروں کے عذاب میں ڈھیل پر غرور کا رد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

(جب اوپر کی آیتوں میں ان کا عذاب کا مستحق ہونا معلوم ہوچکا) تو مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والوں کو (اس موجودہ حالت پر) رہنے دیجئے (یعنی فوری طور پر عذاب کے نہ آنے پر رنج نہ کیجئے) ہم انہیں دھیرے دھیرے (جہنم کی طرف) اس طرح لئے جارہے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں اور (دنیا میں عذاب نازل کردینے سے) انہیں مہلت دیتا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے (اس کی تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے اور "ذرنی" کا حاصل جار اللہ زمخشری کے قول کے مطابق توکل یعنی بھروسہ کرنا اور کافی سمجھنا ہے، کیونکہ جو شخص کسی کو کسی کام کے لئے کافی سمجھتا ہے، وہ اس کام کو اسی پر

چھوڑ دیتا ہے۔ آگے ان کے نبوت کا انکار کرنے پر تعجب کا اظہار ہے)

کفار کے نبوت کے انکار پر تعجب:

کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ اس تاوان و جرمانے سے دبے جاتے ہیں؟ (اس لئے آپ کی اطاعت سے نفرت کرتے ہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا ﴾) یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ (اسے محفوظ رکھنے کے واسطے) لکھ لیا کرتے ہیں (یعنی کیا انہیں اللہ کے احکام خود کسی طریقہ سے معلوم ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ صاحب وحی کی اتباع سے بے نیاز ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں امر کی نفی ہے، پھر نبوت کا انکار کرنا عجیب ہے۔ آگے آپ کی تسلی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تسلی:

(جب ان کا عذاب کا مستحق ہونا اور کفر جو کہ مستحق ہونے کا سبب ہے، معلوم ہو گیا اور یہ کہ ان کی مہلت استدراج ہے اور جس وقت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے آنے پر عذاب ہوگا) تو آپ اپنے رب کی (اس تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور (تنگ دلی کی حالت میں) مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے (نبی یونس علیہ السلام) کی طرح مت ہو جایئے (کہ وہ عذاب نازل نہ ہونے کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اور کہیں چلے گئے، جس کا قصہ کئی جگہ تھوڑا تھوڑا آ چکا ہے، جس مضمون سے تشبیہ مقصود ہے وہ تو ختم ہو چکا، آگے قصہ کو پورا کرتے ہوئے ارشاد ہے کہ وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب انھوں (یونس علیہ السلام) نے (اپنے رب سے) دعا کی اور وہ غم سے گھٹ رہے تھے (یہ غم قوم کے ایمان نہ لانے کا کئی غموں کا مجموعہ تھا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک حق تعالیٰ کی کھلی اجازت کے بغیر وہاں سے چلے آنے کا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں قید ہونے کا، اور وہ دعا یہ ہے ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ جس سے مقصود استغفار اور مچھلی کے پیٹ میں قید سے نجات کا طلب کرنا ہے۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا، اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ہوئی اس کی نسبت ارشاد ہے کہ) اگر ان کے رب کا احسان ان کا ساتھ نہ دیتا تو وہ (جس میدان میں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈال دیئے گئے تھے، اس) میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈالے جاتے (احسان کے ساتھ دینے سے مراد توبہ کا قبول ہونا ہے اور بدحالی سے مراد یہ کہ ان کی اجتہادی غلطی پر اللہ کی جانب سے انہیں ملامت ہوتی۔ اس آیت کا اور سورۃ الصافات کی آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ توبہ اور استغفار نہ کرتے تب تو مچھلی کے پیٹ سے نجات ہی نہ ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴾ اور اگر توبہ اور استغفار کرتے مگر اللہ تعالیٰ قبول نہ فرماتے تو اس توبہ اور استغفار کی دنیاوی برکت اتنی تو ہوتی کہ مچھلی کے پیٹ سے نجات مل جاتی اور میدان میں جس طرح اب ڈالے گئے، اسی طرح ڈالے

جاتے، لیکن اس وقت کا ڈالا جانا غیر مذموم ہونے کی حالت میں ہوا تھا، کیونکہ توبہ کے قبول ہونے کے بعد پھر خطا پر ملامت نہیں ہوتی، اور اس وقت مذموم ہونے کی حالت میں ہوتا) پھر ان کے رب نے انہیں (اور زیادہ پسند کیے ہوئے ہونے کے طور پر) چھانٹ لیا اور انہیں (زیادہ رتبہ کے) صالح لوگوں میں سے کر دیا (شاید قصہ کو اس طرح پورا کرنے سے یہ بھی مقصود ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے سے انہیں کیسا نقصان ہوا اور توکل و بھروسہ سے کیسا فائدہ ہوا، اس طرح عذاب کے بارے میں آپ بھی اپنی رائے کے سلسلہ میں جلدی نہ کیجئے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے کہ انجام بہتر ہوگا) اور (آگے آپ کی شان میں کافروں کے اس قول کا باطل ہونا دوسرے انداز سے بیان فرماتے ہیں، جس کا باطل ہونا سورت کے شروع میں بھی بیان کیا گیا ہے یعنی مجنوں کہنے کا باطل ہونا۔

پاگل کی پھبتی کا رد دوسرے انداز سے:

یہ کافر قرآن سنتے ہیں تو عناد و دشمنی کی شدت کی وجہ سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے (یہ ایک محاورہ ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسے دیکھتا ہے جیسے کھا جائے گا، جیسا کہ روح المعانی میں ہے: من قولهم نظر إلي نظرا يكاد يصرعني أو يكاد يأكلني: مطلب یہ کہ دشمنی کی شدت کی وجہ سے آپ کو بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں) اور (اسی دشمنی کی وجہ سے آپ کے بارے میں) کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ مجنوں ہیں، حالانکہ یہ قرآن، جس کی تعلیم کو سامنے رکھ کر آپ بات کرتے ہیں) سارے جہان والوں کے لئے نصیحت ہے (اور مجنوں آدمی کی ایسی نصیحت عام نہیں ہو سکتی، اس سے تو جنون کے طعن کا جواب ظاہر ہے اور عداوت و دشمنی کے بیان سے بھی اس طعن کا رد ہو گیا، کیونکہ جس بات کا مقصد و منشا عداوت و دشمنی ہو۔ وہ توجہ کے قابل نہیں۔
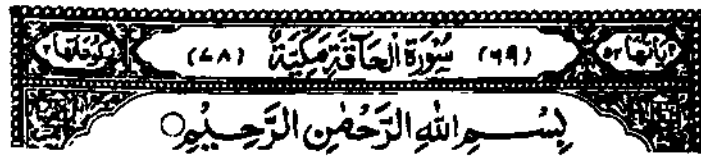
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت میں رسالت کے اثبات کے ساتھ کافروں کے بدلہ کا بیان تھا، اس سورت میں جزاوسزا کا اثبات اور اس کے وقت اور واقعوں کا ذکر ہے، اور ختم پر قرآن کے حق ہونے کا بیان ہے اور جزاوسزا کی بھی وضاحت اور تحقیق ہے، کیونکہ قرآن اس پر بھی دلالت کرتا ہے اور دلیل کی سچائی سے جس کی دلیل دی گئی ہے اس کا سچ ہونا لازم آتا ہے، اور گذشتہ سورت کے رسالت کے مضمون سے بھی مناسبت ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا

حَمِيْمٌ ۙ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا
تُبْصِرُوْنَ ۙ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۡ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ
عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ
لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ: وہ ہونے والی چیز کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز۔ اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز۔ ثمود اور عاد نے اُس کھڑکھڑانے والی چیز کی تکذیب کی۔ سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیئے گئے۔ اور عاد جو تھے سو وہ ایک تیز وتند ہوا سے ہلاک کیے گئے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اُن پر سات رات اور آٹھ دن متواتر مسلط کردیا تھا سو تو اُس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو کیا تجھ کو اُن میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے۔ اور فرعون نے اور اُس سے پہلے لوگوں نے اور الٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کیے، سو انھوں نے اپنے رب کے رسول کا کہنا نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بہت سخت پکڑا۔ ہم نے جبکہ پانی کو طغیانی ہوئی تم کو کشتی میں سوار کیا تاکہ ہم اُس معاملہ کو تمہارے لئے ایک یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اُس کو یاد رکھیں۔ پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جاوے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھالئے جاویں گے پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیئے جاویں گے تو اُس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ اُس روز بالکل بودا ہوگا اور فرشتے اُس کے کنارے پر آجاویں گے۔ اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اُس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہونگے۔ جس روز تم پیش کیے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی، پھر جس شخص کا نامہ اعمال اُس کے داھنے ہاتھ میں دیا جاوے گا تو وہ کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو۔ میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے۔ غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی بہشت میں ہوگا، جس کے میوے جھکے ہونگے۔ کھاؤ اور پیو مزہ کے ساتھ اُن اعمال کے صلہ میں جو تم نے بامید صلہ گزشتہ ایام میں کیے ہیں۔ اور جس کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جاوے گا، سو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نامۂ عمل ہی نہ ملتا۔ اور مجھ کو یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی خاتمہ کرچکتی، میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، میرا جاہ مجھ سے گیا گزرا ہوا۔ اس شخص کو پکڑو اور اس کے طوق پہنادو، پھر دوزخ میں اُس کو داخل کرو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیائش ستر گز ہے اُس کو جکڑ دو۔ یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔ سو آج اُس شخص کا نہ کوئی

دوست دار ہے، اور نہ اُس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے، بجز زخموں کے دھوون کے جس کو بجز بڑے گنہ گاروں کے کوئی نہ کھاوے گا۔ پھر میں قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو۔ اور اُن چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے نہیں کہ یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا، اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو، اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم بہت کم سمجھتے ہو۔ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، اور اگر یہ ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم اُن کا داھنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کی رگِ دل کاٹ ڈالتے، پھر تم میں کوئی ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔ اور بلا شبہ یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ تم میں بعضے تکذیب کرنے والے بھی ہیں۔ اور یہ قرآن کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے۔ اور یہ قرآن تحقیقی یقینی بات ہے سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔

قیامت کا اثبات اور اس کے انکار کی بدانجامی اور اس کے بعض واقعات اور قرآن کا برحق ہونا:

(وہ) واقع ہونے والا واقعہ! اور کیسا ہے (وہ) واقع ہونے والا واقعہ؟ اور کیا آپ کو کچھ خبر ہے کیسا ہے (وہ) واقع ہونے والا واقعہ؟ (اس سے قیامت کی ہولنا کی بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ سخت ہولناک چیز ہے۔ اور سوال اس کی ہولنا کی ذہن میں بٹھانے کے لئے ہے، ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والے حادثہ (یعنی قیامت) کو جھٹلایا، تو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور رہے عاد وہ ایک تیز ہوا سے ہلاک کئے گئے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار مسلط کر دیا تھا تو (اے مخاطب! اگر) تم (اس وقت وہاں موجود ہوتے تو) اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتے جیسے وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے (پڑے) ہیں (ان کے جسموں کی لمبائی کی وجہ سے) تو کیا تمہیں ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ (یعنی بالکل صفایا ہی ہو گیا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾) اور (اس طرح) فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (جن میں نوح کی قوم اور عاد اور ثمود سب آگئے) اور (لوط کی قوم کی) الٹی ہوئی بستیوں نے بڑے بڑے قصور کئے (یعنی کفر و شرک، اس پر ان کے پاس رسول بھیجے گئے) تو انھوں نے اپنے رب کے رسول کا (جو ان کی طرف بھیجے گئے تھے) کہنا نہ مانا (اور کفر و شرک سے باز نہیں آئے، جس میں قیامت کا جھٹلانا بھی شامل ہے) تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سخت پکڑا (جن میں سے عاد اور ثمود کا قصہ تو ابھی آچکا ہے اور لوط علیہ السلام کی قوم کے عذاب و سزا کی طرف بھی لفظ ﴿الْمُؤْتَفِكٰتُ﴾ ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ یعنی "الٹی ہوئی بستیاں" اشارہ کر رہا ہے اور فرعون کے عذاب و سزا کا ذکر بہت سی آیتوں میں آیا ہے اور نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب و سزا کا ذکر آگے احسان جتانے کے ضمن میں ہے یعنی) جب (نوح علیہ السلام کے وقت میں) پانی کا طوفان حد سے گذر گیا تو ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے بزرگوں کو جو کہ مؤمن تھے اور ان کا نجات پانا تمہارے وجود کا سبب ہوا) کشتی میں سوار کیا (اور باقی لوگوں کو غرق

کردیا) تا کہ اس واقعہ کو ہم تمہارے لئے ایک یادگار (اور عبرت) بنادیں اور یاد رکھنے والے[1] کان اس کو یاد رکھیں (کان کو یاد رکھنے والا مجاز کے طور پر کہہ دیا۔ حاصل یہ کہ اس کو یاد رکھ کر عذاب وسزا کے اسباب سے بچیں۔

یہ قصے تو قیامت کو جھٹلانے والوں کے ہوئے۔ آگے قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ یعنی) پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک ماری جائے گی (پہلی بار کا پھونک مارنا مراد ہے) اور (اس وقت) زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھا لئے جائیں گے (یعنی اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جائیں گے) پھر دونوں ایک ہی بار میں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو اس دن وہ ہونے والا واقعہ، ہو جائے گا۔ اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ (آسمان) اس دن بالکل کمزور ہوگا (چنانچہ پھٹ جانا کمزوری کی دلیل ہے یعنی وہ جیسا اس وقت مضبوط ہے اور اس میں کہیں ٹوٹ پھوٹ شگاف وغیرہ نہیں، اس دن اس میں یہ بات نہ رہے گی، بلکہ کمزور ہو جائے گا اور پھٹ جائے گا) اور فرشتے (جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں جس وقت وہ پھٹنا شروع ہوگا) اس کے کناروں پر آجائیں گے (اس سے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بیچ میں سے پھٹ کر چاروں طرف سمٹنا شروع ہوگا، اس لئے فرشتے بھی بیچ میں سے کناروں پر آجائیں گے، پھر آیت ﴿فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ الخ کے مطابق ان پر موت مسلط ہو جائے گی، جیسا کہ دونوں وجہوں میں سے ایک تفسیر کبیر میں ہے اور یہ واقعات تو پہلی پھونک کے وقت کے ہیں) اور (آگے دوسری پھونک کے وقت کے واقعات ہیں کہ) آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (حدیث میں ہے کہ عرش کو اس وقت چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور قیامت کے دن آٹھ فرشتے اٹھائیں گے جیسا کہ درمنثور میں مرفوع روایت ہے۔

اگر وسوسہ پیدا ہو کہ ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار پھونک مارنا مراد ہے اور ﴿فَيَوْمَئِذٍ﴾ اس کا بدل ہے اور ﴿وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ اپنے معطوفوں سمیت اس میں عامل ہے تو اس بنا پر لازم آتا ہے کہ عرش کا اٹھانا اور اس کے بعد کے واقعے ﴿تُعْرَضُوْنَ﴾ الخ وغیرہ یہ سب بھی نفخۂ اولیٰ کے وقت ہوں، تو اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ ہم اس لازم کو مانے لیتے ہیں اور اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ قیامت کا دن بہت وسیع ہوگا اور اس کے سارے اجزا حکم کے لحاظ سے ایک وقت کی طرح ہیں۔ اس لئے دوسری بار پھونک مارے جانے کے واقعوں کا وقت پہلی بار پھونک مارے جانے کو مذکورہ تجویز کی بنا پر کہہ سکتے ہیں۔

غرض عرش کو آٹھ فرشتے اٹھا کر قیامت کے میدان میں لائیں گے اور حساب شروع ہوگا، جس کا بیان آگے ہے، یعنی) جس دن تم (اللہ کے سامنے حساب کے واسطے) پیش کئے جاؤ گے (اور) تمہاری کوئی بات (اللہ تعالیٰ سے) چھپی ہوئی

---

(۱) اصل میں لفظ اذن ہے جس کے معنی کان ہیں۔ لفظ اذن اگرچہ مفرد ہے لیکن چونکہ نکرہ کبھی کبھی قرائن کی وجہ سے اثبات میں بھی عام ہو جاتا ہے۔ یہ ترجمہ اسی پر مبنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ﴾

نہیں ہوگی، پھر (اعمال نامے اڑا کر ہاتھ میں دیئے جائیں گے تو) جس شخص کا عمل نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تو (خوشی کے مارے آس پاس والوں سے) کہے گا کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو، مجھے (تو پہلے ہی سے) یقین تھا کہ مجھے حساب پیش آنے والا ہے (یعنی میں قیامت اور حساب کا عقیدہ رکھتا تھا، مطلب یہ کہ میں ایمان اور تصدیق رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آج مجھے نوازا) غرض وہ شخص پسندیدہ عیش یعنی عالی مقام جنت میں ہوگا۔ جس کے میوے (اس قدر) جھکے ہوں گے (کہ جس حالت میں چاہیں گے لے سکیں گے اور حکم ہوگا) کہ کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ۔ ان اعمال کے بدلہ میں جو تم نے صلہ وبدلہ کی امید میں گذشتہ دنوں (یعنی دنیا میں قیام کے زمانہ) میں کئے ہیں۔ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (نہایت حسرت کے ساتھ) کہے گا، کیا اچھا ہوتا کہ مجھے میرا عمل نامہ ہی نہ ملتا اور مجھے یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ (پہلی) موت ہی خاتمہ کر چکی ہوتی (اور بعث نہ ہوتا جس کے بعد حساب کتاب کا معاملہ ہوا۔ افسوس) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا اقتدار (بھی) ختم ہوگیا (یعنی مال واقتدار عزت ومرتبہ شان وشوکت سب بے کار ہو گئے کچھ بھی کام نہ آیا۔ ایسے شخص کے لئے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس شخص کو پکڑو اور اسے طوق پہنادو، پھر اس کو جہنم میں داخل کر دو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے (اس گز کی مقدار اللہ ہی کو معلوم ہے، کیونکہ یہ گز وہاں کا ہوگا۔

آگے اس عذاب کی وجہ بتاتے ہیں کہ) یہ شخص اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، جو بزرگ وبرتر ہے (یعنی جس طرح نبیوں کی تعلیم کے مطابق ایمان لانا ضروری تھا، وہ ایمان نہیں رکھتا تھا) اور (خود تو کسی کو کیا دیتا دوسروں کو بھی) غریب آدمی کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا (یہاں کھانا کھلانے اور ترغیب دینے سے مراد واجب والا مرتبہ ہے) اور اس کے ترک سے وہ ترک مراد ہے جس کا سبب ایمان کا نہ ہونا ہو، حاصل یہ کہ اللہ کی عظمت اور مخلوق کی شفقت جو حقوق اللہ یعنی اللہ کے حق اور حقوق العباد یعنی بندوں کے حق سے متعلق اصل عبادتیں ہیں، یہ دونوں کو ترک کرنے والا اور ان کا انکار کرنے والا تھا۔ اس لئے عذاب کا مستحق ہوا) تو آج نہ اس کا کوئی دوست ہے اور نہ اسے کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے، سوائے زخموں کے دھوون کے (یعنی سوائے ایک ایسی چیز کے جو کراہت اور صورت میں زخموں کے دھوون کی طرح ہوگا، اور یہ حصر اضافی ہے اور اس سے مقصود پسندیدہ کھانوں کی نفی ہے۔ ورنہ زقوم وغیرہ کا ہونا بھی خود آیتوں سے ثابت ہے۔ غرض ان کا کھانا زخموں کا دھوون ہوگا) جسے بڑے گنہگاروں کے سوا کوئی نہ کھائے گا (آگے قرآن کا حق ہونا بیان فرماتے ہیں، جو مذکورہ بالا جزا وسزا کو بیان فرماتا ہے اور اس کو جھٹلانا بھی مذکورہ عذاب کا سبب ہے۔

قرآن اور رسالت کے حق ہونے کا اثبات:

پھر (جزا وسزا کے مضمون کے بیان کے بعد) میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی

بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے (کیونکہ بعض مخلوق بالفعل یا بالقوہ آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں اور بعض مخلوق بالفعل یا بالقوہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتیں۔ اس قسم کو مقصود سے ایک خاص تعلق و مناسبت ہے کہ قرآن کو لانے والا یعنی فرشتہ نظر نہیں آتا تھا۔ اور جن پر قرآن نازل ہوتا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ نظر آتے تھے، یعنی تمام مخلوق کی قسم کھاتے ہیں) کہ یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا (اللہ کا) کلام ہے (چنانچہ جن پر نازل ہوا وہ لازمی طور پر رسول ہیں) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (جیسا کہ کافر آپ کو شاعر کہتے تھے، مگر تم بہت کم ایمان لاتے ہو (یہاں کم سے مراد بالکل نہ ہونا ہے) اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (جیسا کہ بعض کافر آپ کو کہتے تھے، مگر) تم بہت کم سمجھتے ہو (یہاں بھی کم سے مراد بالکل نہ ہونا ہے۔ غرض یہ نہ شعر ہے نہ کاہنوں کی باتیں ہیں، بلکہ) عالموں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا (کلام) ہے

اور (آگے اس کے حق ہونے کی ایک عقلی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ) اگر یہ (رسول) ہمارے ذمہ کچھ (جھوٹی) باتیں لگا دیتے (یعنی جو کلام ہمارا نہ ہوتا اس کو ہمارا کلام کہتے اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے) تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے، پھر تم میں کوئی انہیں اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (دل کی رگ کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے، اس سے قتل مراد ہے اور سورۂ قٓ میں جان کو گردن کی رگ سے تعبیر فرمایا اور یہاں دل کی رگ سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے ظاہر میں شریان مراد ہیں جو دل سے نکلتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ دل کی اسی رگ کی شاخیں گردن تک بھی پہنچتی ہیں، لہٰذا دونوں تعبیروں کا حاصل ایک ہی ہے۔ اور اگر وہ رگیں مراد ہوں جو جگر سے نکلتی ہیں اور وہ دل میں ہوتی ہوئی بدن میں پھیل گئی ہیں، اور اس لئے اس کو دل کی رگ کہہ دیا ہو، تو اس کی شاخ بھی گردن میں گئی ہے، اور قاعدہ ہے کہ قتل کے وقت جلاد ایک ہاتھ سے مجرم کا ہاتھ پکڑتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے گردن کاٹتا ہے اور چونکہ داہنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے تو مجرم کا ہاتھ بائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور اس کے بائیں ہاتھ کے مقابلہ میں مجرم کا دایاں ہاتھ ہوتا ہے تو وہی پکڑا جاتا ہے اور یہ مارنے سے کنایہ ہے، نفس کے اعتبار سے یا حجت کے اعتبار سے، یعنی نبوت کے جھوٹے مدعی کی حجت سے تائید نہیں ہوتی بلکہ یا تو ہلاک ہوتا ہے یا جھوٹ کے ظاہر ہونے کی وجہ سے رسوا اور ذلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ مطلق مارے جانے کو دائیں ہاتھ سے پکڑنے اور گردن کی رگ کاٹنے سے تشبیہ کے طور پر تعبیر فرما دیا گیا جیسا کہ خازن میں ہے: فکان کمن قطع وتینه: یعنی "ایسا ہو گیا جیسے اس کی گردن کی رگ کاٹ دی") اور بے شک یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے یعنی اپنے آپ میں حق ہونا اس کی ذاتی کمالی صفت ہے اور نصیحت کا سبب ہونا اس کی کمالی اضافی صفت ہے) اور (آگے جھٹلانے والوں کے لئے وعید ہے کہ) ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے بھی ہیں (لہٰذا ہم انہیں اس کی سزا دیں گے) اور (اس اعتبار سے) یہ قرآن کافروں کے حق میں حسرت کا سبب ہے (کیونکہ ان کے لئے جھٹلانے کے واسطہ سے عذاب کا سبب ہو گیا) اور یہ قرآن تحقیقی یعنی یقینی بات ہے تو (جس کا یہ کلام ہے) اپنے (اس) عظیم شان والے رب کے نام کی تسبیح (اور حمد بیان) کیجئے (یہ سورۂ واقعہ میں گذر چکا ہے)
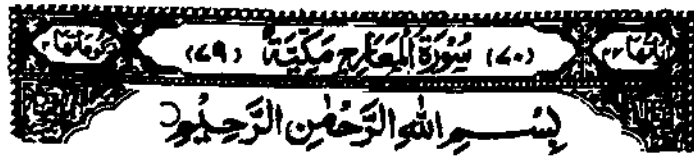
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس میں بھی سورۃ الحاقہ کی طرح جزاوسزا کا اور جزاوسزا کا سبب بننے والے بعض اعمال کا بیان ہے۔

یاد نہیں کہ تفسیر لکھتے وقت اس کا شانِ نزول لکھنے سے کیسے رہ گیا۔ بہرحال اب لکھا جاتا ہے۔ لباب المنقول میں ہے کہ نسائی اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ سَاَلَ سَآىِٕلٌ ﴾ کے بارے میں انھوں نے کہا کہ نضر بن حارث نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہ بات تیری طرف سے صحیح ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسادے، اس مقام کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ اس نضر بن حارث نے گستاخی کے طور پر قرآن کے حق ہونے کی صورت میں عذاب کی درخواست کی تھی جس سے فوری عذاب مقصود تھا۔ حق تعالیٰ نے اس مقام پر پہلے اس کی درخواست کی حکایت نقل فرمائی پھر ﴿ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ ﴾ الخ میں اس کا جواب اس طرح ارشاد فرمایا کہ یہاں کی سزا کیا سزا ہے، چاہے وہ واقع ہو یا نہ ہو۔ اصلی سزا کا انتظار کرو۔ جو ایسے دن میں واقع ہوگی جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے، چنانچہ ﴿ فِیْ یَوْمٍ ﴾ کا عامل مقدر ہے۔ ای یقع العذاب بھم فی یوم الخ جیسا کہ جلالین میں ہے اور لباب میں جو بروایت ابن ابی حاتم سدی سے اسی نضر کے قصہ میں وارد ہے وکان عذابہ یوم بدر الخ تو وہ اس عذاب کے منافی نہیں کہ عذاب اصلی کی قیامت کی قید لگانے سے عذاب غیر اصلی کے قیامت سے پہلے واقع ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔ غیر اصلی فوراً ہو گیا اور اصلی قیامت کے دن ہوگا۔

﴿ سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۞ تَعْرُجُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ۞ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۙ وَّ نَرٰىهُ قَرِیْبًا ۞ یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ وَ لَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۚۖ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِیْهِ ۙ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِ ۙ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ۙ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِ ۙ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚۖ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۙ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ۞ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ

هَلُوْعًاۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاۙ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۚ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۚ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۚ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۙ كَلَّا ۚ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۚ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۚ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۙ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۙ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۚ

ع ۱ ع ۲

ترجمہ: ایک درخواست کرنے والا اُس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا مالک ہے۔ فرشتے اور روحیں اُس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو۔ یہ لوگ اُس دن کو بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اُس کو قریب دیکھ رہے ہیں، جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جاوے گا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جاویں گے، مجرم اس بات کی تمنا کریں گے کہ اُس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا، اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیدے پھر یہ اس کو بچالے، یہ ہرگز نہ ہوگا۔ وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دے گی، وہ اس شخص کو بلا وے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا۔ انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے۔ اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے

ہیں۔ واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔ لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ طلب گار ہو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں، اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے تو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑے آرہے ہیں۔ کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا ہم نے اُن کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ پھر میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں تو آپ ان کو اسی شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی ہوں گی ان پر ذلت چھائی گئی ہے۔ یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

قیامت کا واقع ہونا اور اس کے واقعات:

ایک درخواست کرنے والا (انکار کی غرض سے) اس عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جسے کوئی دور کرنے والا نہیں (اور) جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیڑھیوں کا (یعنی آسمانوں کا) مالک ہے (جن سیڑھیوں سے) فرشتے اور (ایمان والوں کی روحیں) اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں (اس کے پاس سے مراد یہ کہ عالم بالا یعنی اوپر والے عالم میں جو موقع ان کے اوپر چڑھنے کا سب سے اونچا مقرر کیا گیا ہے اور چونکہ اس چڑھنے کا راستہ آسمان ہیں اس لئے انہیں معارج یعنی سیڑھیاں فرما دیا، اور وہ عذاب) ایسے دن میں (واقع) ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے) پچاس ہزار سال (کے برابر) ہے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ کچھ اس دن کے لمبا ہونے کی وجہ سے اور کچھ اس کی شدت کی وجہ سے کافروں کو اتنا لمبا محسوس ہوگا، اور چونکہ [1] کفر کے درجوں کے فرق کے اعتبار سے شدت میں فرق ہوگا، اس لئے ایک آیت میں ﴿أَلْفَ سَنَةٍ﴾ یعنی ایک ہزار برس آیا ہے اور کافروں کی تخصیص اس لئے کی کہ حدیث میں ہے کہ مؤمن کو وہ دن اس قدر ہلکا معلوم ہوگا جیسے کوئی ایک فرض نماز پڑھ لیتا ہے جیسا کہ درمنثور میں ابو سعیدؓ سے مرفوع طور پر احمد اور بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے ہے) تو (جب عذاب کا آنا ثابت ہے تو) آپ (ان کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو (یعنی ان کے کفر اور مخالفت کی وجہ سے اس سے تنگ و پریشان مت ہو جایئے کہ شکایت

(۱) قیامت کے دن کی مقدار کی ایک عجیب تحقیق سورۂ حج میں بیان کی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

کی باتیں زبان پر آجائیں، بلکہ یہ سمجھ کر برداشت کیجئے کہ انہیں سزا ہونے والی ہے اور سزا کے اس دن کا جو یہ انکار کرتے ہیں تو) یہ لوگ اس دن کو (اس کے واقع ہونے کے عقیدہ کی نفی کی وجہ سے) دور دیکھ رہے ہیں، اور ہم (واقع ہونے کے علم سے تعلق کی وجہ سے) اس کو (واقع ہونے سے) قریب دیکھ رہے ہیں (اور وہ عذاب اس دن واقع ہوگا) جس دن (کہ) آسمان رنگ میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا (اور ایک آیت میں ﴿كَالدِّهَانِ﴾ ہے جس کی تفسیر سرخ چمڑے سے کی گئی ہے پھر ان دونوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ سرخی کی شدت کی وجہ سے سیاہی جیسا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا سرخ اور سیاہ دونوں کہنا صحیح ہے، یا پہلے ایک رنگ ہو پھر دوسرا بدل جائے۔ جیسا کہ ابن کثیر نے سورۃ الرحمٰن میں حسن سے روایت کیا ہے تتلون الوانا یعنی کئی رنگ بدلے گی، اور اگر اس کی تفسیر بھی زیتون کی تلچھٹ سے کی جائے جیسا کہ بعض نے کیا ہے تو دونوں کا مطلب ایک ہی ہو جائے گا۔ غرض آسمان سیاہ ہو جائے گا، اور پھٹ بھی جائے گا) اور پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ دھنی ہوئی ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾) ہو جائیں گے (یعنی اڑتے پھریں گے، اور رنگین سے تشبیہ اس لئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾) اور (اس دن) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾) اس کے باوجود کہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائیں گے (یعنی ایک دوسرے کو دیکھیں گے، مگر کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا۔ اور سورۃ الصفت میں اختلاف کے معنی میں تساء ل کا اثبات اس کے خلاف نہیں اور اس دن) مجرم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام زمین والوں کو اپنے فدیہ میں دیدے (فدیہ میں دیدینا) اس کو (عذاب سے) بچالے (یعنی اس دن ایسی نفسانفسی ہوگی یعنی ہر ایک کو ایسی اپنی اپنی پڑی ہوگی کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگا ہوگا، اور جن پر اپنی جان دیتا تھا اگر اس کے بس میں ہو تو انہیں اپنے بدلہ میں سپرد کر دینا گوارا کرلے گا۔ لیکن) یہ ہرگز نہ ہوگا (یعنی عذاب سے مطلق نجات نہیں ہوگی، بلکہ) وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی، جو کھال (تک) اتار دے گی (اور) وہ اس شخص کو (خود) بلائے گی، جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی، اور (طاعت سے) بے رخی کی ہوگی، اور (دوسروں کا حق مار مار کر یا حرص کے طور پر مال) جمع کیا ہوگا، پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا (مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حقوق کو اور بندوں کے حقوق کو تلف کیا ہوگا، یا اس آیت میں عقیدوں اور اخلاق کے فساد کی طرف اشارہ ہے اور بلا تاحقیقی معنی پر محمول ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسی صفتیں جہنم کے مستحق ہونے کا سبب ہیں۔ اور اس مجرم میں یہ صفتیں پائی جاتی تھیں، پھر عذاب سے نجات کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے، اور ﴿جَمَعَ فَاَوْعٰى﴾ یعنی "جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا" سے کافروں کا فروع کا مکلف ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ان رذیل حرکتوں کی وجہ سے کافروں کو نفس عذاب نہیں ہوگا، بلکہ شدید عذاب ہوگا اور نفس عذاب کفر ہوگا، گنہگار و نافرمان مؤمنوں کے برخلاف کہ انہیں معاصی و نافرمانی پر نفس عذاب

بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آگے عذاب و سزا کا سبب بننے والی رذیل حرکتوں کا، اور اس سے ایمان والوں کے استثناء کا اور استثناء کے ثمرہ یعنی ثواب کا بیان ہے۔

عذاب و سزا کے اسباب سے اطاعت کرنے والے مؤمنوں کا استثناء اور انہیں ثواب کی خوش خبری:

انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے (یہاں استثناء کو ملانے کے بعد) انسان سے کافر مراد ہے اور پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پیدائش کے وقت سے ہی وہ ایسا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ اپنے وقت پر پہنچ کر کم ہمت ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کم ہمت ہونے کے جو اسباب ہیں، بہت سے واسطوں سے ان کی نسبت پیدائشی امور کی طرف ہو جاتی ہے اگرچہ اختیار کے واسطہ کی وجہ سے پکڑ نہ ہونے میں ان کا حکم پیدائشی امور جیسا نہیں ہے، لہٰذا کم ہمتی سے مراد فطری کم ہمتی نہیں ہے، بلکہ کم ہمتی کے اختیاری برے آثار مراد ہیں جن کو آگے بیان فرماتے ہیں) جب اسے تکلیف پہنچی ہے تو (مباح ہونے کی حد سے زیادہ) رونا دھونا اور فریاد کرنے لگتا ہے، اور جب اسے خوش حالی (میسر) ہوتی ہے تو کنجوسی کرنے لگتا ہے (یہ عذاب و سزا کے اسباب کا تتمہ ہو گیا، جو ﴿مَنْ اَدْبَرَ﴾ سے شروع ہوتے ہیں) سوائے ان نمازیوں کے (یعنی عذاب و سزا کے ان اسباب سے وہ مؤمن نمازی مستثنیٰ ہیں) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں (یعنی نماز میں ظاہری طور پر یا باطنی طور پر دوسری طرف توجہ نہیں کرتے جس کے بارے میں سورۃ المؤمنون آیت دو میں ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ فرمایا ہے جیسا کہ ابن کثیر نے عقبہ بن عامر سے نقل کیا ہے: الدائم الساکن: یعنی "ہمیشہ پورے سکون کے ساتھ رہنے والے" اور انہی سے درمنثور میں روایت ہے: إذا صلوا لم يلتفتوا عن يمين ولا شمال: یعنی "جب نماز پڑھتے ہیں تو دائیں یا بائیں متوجہ نہیں ہوتے") اور جن کے مالوں میں سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے سب کا حق ہے (اس سے متعلق مضمون سورۃ الذاریات میں گذر چکا ہے) اور جو قیامت کے دن کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرم گاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا اپنی (شرعی) باندیوں کے (ان سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ (ان کے سلسلہ میں) ان پر کوئی الزام نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ (کسی اور جگہ شہوت پوری کرنے کا) طلب گار ہو، ایسے لوگ (شرعی) حد سے نکلنے والے ہیں، اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں، اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (ان میں کمی و زیادتی نہیں کرتے) اور جو اپنی (فرض) نماز کی پابندی کرتے ہیں (لہٰذا) ایسے لوگ جنتوں میں عزت کے ساتھ داخل ہوں گے (ان آیتوں کی تفسیر سورۃ المؤمنین کے شروع میں انہی سے ملتی جلتی آیتوں میں دیکھ لی جائے۔ آگے

کافروں کی حالت کے عجیب ہونے اور قیامت کے واقع ہونے کے بعید سمجھنے کو رد فرماتے ہیں۔

دشمنی رکھنے والوں کے حال کا عجیب ہونا اور آخرت کے واقع ہونے کو بعید سمجھنے کا رد:

(خوش قسمتی اور بد قسمتی کے اسباب تو اوپر واضح دلالت سے معلوم ہو چکے تو (دلیل سے معلوم ہو جانے کے بعد پھر) کافروں کو کیا ہوا کہ (ان مضمونوں کو جھٹلانے کے لئے) دائیں اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر آپ کی طرف دوڑے آرہے ہیں (یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ ان مضمونوں کی تصدیق کرتے، لیکن یہ لوگ آپس میں اتفاق کر کر کے آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضمونوں کو جھٹلائیں اور ان کا مذاق اڑائیں جیسا کہ عرب کے کافر نبوت کی خبریں سن سن کر اسی غرض سے آتے تھے اور اسلام کو باطل سمجھنے کے ساتھ خود کو حق پر سمجھتے تھے اور حق کا نتیجہ جنت میں جانا ہے لہٰذا اس بنا پر وہ خود کو جنت کا مستحق بھی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی ﴾ اس لئے اس کے متعلق انکار کے طور پر فرماتے ہیں کہ) کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ عیش و آرام کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا (کیونکہ جہنم کے اسباب کے ہوتے ہوئے جنت کیسے مل جائے گی، اور ان مضمونوں کو جھٹلانے میں خود قیامت کو بھی جھٹلاتے تھے اور اس کو محال سمجھتے تھے۔ آگے اس سے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا بعید سمجھنا محض حماقت ہے، کیونکہ) ہم نے انہیں ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی انہیں بھی خبر ہے (لہٰذا جب انہیں معلوم ہے کہ آدمی کو نطفہ سے بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نطفہ سے آدمی بننے تک جتنی دوری ہے جس میں پہلے کبھی زندگی نہیں آئی، اتنی دوری میت کے اجزاء سے کہ دوسری بار آدمی بننے تک نہیں ہے کہ نطفہ میں ایک بار زندگی آچکی ہے ایسے میں اس کو محال سمجھنا ان کی حماقت ہے) پھر (قیامت کے واقع ہونے کو بعید سمجھنے کے خیال کو دوسری طرح سے رد فرمانے کے لئے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی (اس کے معنی سورۃ الصافات کے شروع میں گذر چکے ہیں۔ آگے قسم کا جواب ہے) کہ ہم اس پر قدرت رکھنے والے ہیں کہ (دنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور (اس سے) عاجز نہیں ہیں (لہٰذا جب کوئی نئی مخلوق اور وہ بھی ایسی جس میں کمال کی صفتیں زیادہ ہوں جن میں اشیاء زیادہ پیدا کرنی پڑیں پیدا کرنا ہمارے لئے آسان ہے تو ہمارے لئے تمہیں پیدا کرنا کونسی مشکل بات ہے؟ پہلا استدلال ان انکار کرنے والوں کی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسرا استدلال ان جیسی دوسری نظیروں کے پیدا کرنے کے امکان سے ہے۔ اور جب یہ لوگ دلیلوں کے ذریعہ حق کے واضح ہونے کے باوجود اپنے انکار اور عناد سے باز نہیں آتے) تو آپ انہیں اس شغل اور تفریح میں رہنے دیجئے یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے واسطہ پڑ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے پوجا کی جگہ کی طرف دوڑتے ہوئے جاتے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (شرمندگی کے مارے) نیچے کو جھکی ہوں گی (اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی (بس) یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (جو کہ اب واقع ہوا)

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گزشتہ سورت میں عذاب وسزا کے اسباب کا بیان تھا، ان میں سے ایک، رسول کا جھٹلانا ہے، اس سورت میں نوح علیہ السلام کے قصہ کے ضمن میں اس کا بیان ہے اور گزشتہ سورت میں مذکور آخرت کے عذاب وسزا کے ساتھ اس سورت میں کفر پر دنیاوی عذاب وسزا کے مستحق ہونے کا بھی اثبات ہے۔ اور اس میں حضور ﷺ کی تسلی بھی ہے کہ نوح (علیہ السلام) کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ۝ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَہَارًا۝ فَلَمْ یَزِدْہُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا۝ وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُہُمْ لِتَغْفِرَ لَہُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَہُمْ فِیْٓ اٰذَانِہِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَہُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا۝ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُہُمْ جِہَارًا۝ ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَہُمْ وَاَسْرَرْتُ لَہُمْ اِسْرَارًا۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ۭ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا۝ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا۝ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْہٰرًا۝ مَا لَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا۝ وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا۝ اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْہِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۝ وَاللّٰہُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا۝ ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْہَا وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا۝ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا۝ لِّتَسْلُکُوْا مِنْہَا سُبُلًا فِجَاجًا۝ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّہُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْہُ مَالُہٗ وَوَلَدُہٗٓ اِلَّا خَسَارًا۝ وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا۝ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا۝ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِہِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ یَجِدُوْا لَہُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْصَارًا۝ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی

الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ ع

ترجمہ: ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ قبل اس کے کہ اُن پر دردناک عذاب آوے۔ انھوں نے کہا کہ اے میری قوم! میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، تو وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو وقت مقررہ تک مہلت دے گا۔ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاوے گا تو ٹلے گا نہیں کیا خوب ہوتا اگر تم سمجھتے۔ نوح نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے۔ اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تا کہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور اصرار کیا اور غایت درجہ کا تکبر کیا۔ پھر میں نے اُن کو بآواز بلند بلایا، پھر میں نے اُن کو اعلانیہ بھی سمجھایا۔ اور اُن کو بالکل خفیہ بھی سمجھایا۔ اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔ تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو۔ حالانکہ اُس نے تم کو طرح طرح سے بنایا۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے اور اُن میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا پھر تم کو پھر زمین ہی میں لے جاوے گا اور تم کو باہر لے آوے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تا کہ تم اُس کے کھلے راستوں میں چلو۔ نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے شخصوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے اُن کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا اور جنھوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں اور جنھوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق کو اور نسر کو چھوڑنا۔ اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کردیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھادیجئے۔ اپنے ان ہی گناہوں کے سبب وہ غرق کئے گئے پھر دوزخ میں داخل کئے گئے اور خدا کے سوا اُن کو کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے۔ اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ۔ اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔ اے میرے رب! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں ان کو اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے۔ اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھادیجئے۔

نوح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا قصہ:

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس (رسول بنا کر) بھیجا تھا کہ تم اپنی قوم کو (کفر کے وبال سے) ڈراؤ، اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے (یعنی ان سے کہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر دردناک عذاب آئے گا۔ چاہے دنیاوی یعنی طوفان یا آخرت کا یعنی جہنم۔ غرض) انھوں نے (اپنی قوم سے) کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لئے صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ تم اللہ کی عبادت (یعنی توحید اختیار) کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو، وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (﴿ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ ﴾ کی تحقیق سورۂ احقاف آیت ۳۱ میں گذر چکی ہے) اور تمہیں مقررہ وقت (یعنی موت کے وقت) تک (ایمان نہ لانے پر بغیر عذاب وسزا کے) مہلت دے گا (جس عذاب کا مرنے سے پہلے وعدہ کیا جاتا ہے اگر ایمان لے آئے تو وہ عذاب نہ آئے گا اور باقی موت کے لئے جو اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (ہے) جب (وہ) آجائے گا تو ٹلے گا نہیں (یعنی موت کا آنا تو ہر حال میں ضروری ہے، ایمان کی حالت میں بھی اور کفر کی حالت میں بھی۔ لیکن دونوں حالتوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک حالت میں دیر سے آنے والے عذاب کے علاوہ جلد آنے والا عذاب بھی ہوگا، اور ایک حالت میں دیر سے آنے والے عذاب کی طرح جلدی آنے والے عذاب سے بھی محفوظ رہو گے، اور جلدی آنے والے عذاب کی نفی کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ ایمان لانے کے نتیجہ میں دیر سے آنے والے عذاب سے بھی محفوظ رہتے ہیں، مگر بعض اوقات ایمان کے باوجود بھی دنیاوی پریشانیاں سامنے آجاتی ہیں، چنانچہ اس کی نفی سے ایمان لانے پر مزید فضل کا وعدہ ہوگیا۔ اور ﴿ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ﴾ پر اس کے ظاہر ہونے کے باوجود متنبہ کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موت کے مشترک ہونے کی بنیاد پر کفر اور ایمان کے نتیجے یکساں ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ موت تو حکمت کے تقاضہ کے مطابق ضروری چیز ہے، ایمان کے نتیجوں میں اس کا ٹلنا شامل نہیں ہے، لہٰذا اس امر کا واقع ہونا ضروری نہیں، البتہ عذاب وسزا کا دور ہو جانا اس کے نتیجوں وثمرات سے ہے، اور اس امر کا واقع ہونا بھی ضروری ہے) کیا اچھا ہوتا اگر تم (ان باتوں کو) سمجھتے (جب قوم پر ان نصیحتوں کا لمبی مدت تک کچھ اثر نہ ہوا تو) نوح (علیہ السلام) نے (حق تعالیٰ سے) دعا (اور التجا) کی کہ اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو (دین حق کی طرف) رات کو بھی بلایا اور دن کو بھی، تو وہ میرے بلانے پر (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے، اور (وہ بھاگنا یہ ہوا کہ) میں نے جب بھی انہیں (دین حق کی طرف) بلایا تا کہ (ان کے ایمان کے سبب) آپ انہیں بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ حق کی بات کو سنیں ہی نہیں۔ اور یہ انتہائی نفرت کا اظہار ہے) اور (کراہت کی زیادتی کی وجہ سے انھوں نے اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹ لئے (تا کہ حق بات کہنے والے کو دیکھیں بھی نہیں، اور کہنے والا بھی انہیں نہ دیکھے) اور (انھوں نے اپنے کفر وانکار پر) اصرار کیا اور (میری اطاعت سے) انتہائی درجہ کا تکبر کیا (مگر اس نفرت اور تکبر کے باوجود) پھر (بھی میں انہیں مختلف طریقوں سے نصیحت کرتا

رہا۔ چنانچہ میں نے انہیں (دین حق کی طرف) بلند آواز سے بلایا (اس سے خطاب اور عام وعظ مراد ہے، جس میں عام طور سے آواز بلند ہوتی ہے) پھر میں نے انہیں (خاص خطاب کے طور پر) علانیہ بھی سمجھایا اور انہیں بالکل خفیہ طور پر بھی سمجھایا (یعنی جن طریقوں میں بھی نفع کا احتمال تھا سبھی طریقوں سے سمجھایا۔ غرض وقتوں میں بھی عموم کیا گیا جیسا کہ فرمایا: رات میں بھی اور دن میں بھی، اور کیفیتوں میں بھی جیسا کہ فرمایا: ﴿دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا﴾ الخ) اور (اس سمجھانے میں) میں نے (ان سے یہ کہا کہ تم اپنے رب سے گناہ بخشواؤ (یعنی ایمان لے آؤ تا کہ گناہ بخشے جائیں) بے شک وہ بخشنے والا ہے (اگر تم ایمان لے آؤ گے، تو آخرت کی نعمتوں کے علاوہ) کہ (مغفرت اور جنت کی نعمتیں ہیں تمہیں دنیاوی نعمتیں بھی عطا کرے گا۔ چنانچہ) تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا، اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا (ان نعمتوں کے ذکر سے شاید فائدہ ہو کہ اکثر طبیعتوں میں جلدی کی طلب زیادہ ہوتی ہے، لہٰذا یہ ترغیب میں اور بھی زیادہ داخل و شامل ہے، چنانچہ درمنثور میں قتادہ کا قول ہے کہ ان لوگوں کو دنیا کی حرص زیادہ تھی، اس لئے یہ فرمایا۔ اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بہت سی باران دنیوی امور کا تعلق ایمان واستغفار سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں اصل بات یہ ہے کہ یا تو یہ وعدہ خاص انہی لوگوں کے لئے ہوگا، یا اگر عام ہو تو قاعدہ ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہو اس سے افضل کسی چیز کا مل جانا بھی وعدہ کا پورا ہونا بلکہ زیادہ چیز سمیت پورا ہونا ہے، لہٰذا کامل ایمان پر روحانی مسرت اور قناعت اور قضا یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہونا جیسی نعمتیں ضرور عطا کی جاتی ہیں، جو ان چیزوں سے بھی زیادہ افضل اور کامل ہیں، بلکہ ان چیزوں کی غرض اور مقصود بھی یہی کیفیتیں ہیں۔

آگے نوح علیہ السلام کے کلام کا باقی حصہ ہے، یعنی میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اوپر نیچے سات آسمان پیدا کئے (یہ بات سورۂ طلاق میں بھی گذر چکی ہے) اور ان میں چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور سورج کو (روشن) چراغ (کی طرح) بنایا (اور اگر چہ چاند سب آسمانوں میں نہیں ہے مگر ﴿فِيهِنَّ﴾ مجموعہ کے اعتبار سے فرمادیا۔ اور اس سے متعلق کچھ باتیں سورۂ فرقان میں گذر چکی ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور سے پیدا کیا (یا تو اس طرح کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور یا اس طرح کہ انسان نطفہ سے بنا اور نطفہ غذا سے اور غذا عناصر سے بنی، اور عناصر میں غالب اجزا زمین اور مٹی سے تعلق رکھتے ہیں) پھر تمہیں (مرنے کے بعد) پھر زمین ہی میں لے جائے گا اور (قیامت میں پھر اسی زمین سے) تمہیں باہر لے آئے گا، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش (کی طرح) بنایا تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو (کیونکہ اس میں چلنا ٹھہرنے کے امکان پر موقوف ہے۔ ورنہ چلنے کی بجائے دھنستا اور غرق ہوتا۔

یہ تمام تر وہ کلام ہے جو نوح علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے فریاد کے طور پر بیان کیا اور یہ سب عرض کر کے) نوح (علیہ السلام) نے (یہ) کہا کہ اے میرے رب! ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی، اور ایسے لوگوں کی پیروی کی جن کے مال

اور اولاد نے انہیں نقصان ہی زیادہ پہنچایا (ان لوگوں سے قوم کے رئیس اور سردار مراد ہیں جن کا عوام اتباع کیا کرتے ہیں اور مال اور اولاد کا ان رئیسوں کو نقصان پہنچانا اس معنی میں ہے کہ مال اور اولاد زیادہ سرکشی کا سبب ہو گئے) اور (انھوں نے جن کا اتباع کیا ہے وہ ایسے ہیں) جنھوں نے (حق کے مٹانے میں) بڑی بڑی تدبیریں کیں، اور جنھوں نے (اپنے اتباع کرنے والوں سے یہ) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ (خاص طور سے) ود کو نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق کو اور نہ نسر کو (چھوڑنا۔ ان کے ذکر کی خصوصیت اس لئے ہے کہ یہ بت زیادہ مشہور تھے) اور ان (رئیس) لوگوں نے بہتوں کو (بہکا بہکا کر) گمراہ کردیا (وہ مکر یا بڑی بڑی تدبیریں یہی گمراہ کرنا اور گمراہی تک پہنچانا ہے) اور (چونکہ مجھے آپ کے ارشاد ﴿لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اب ایمان نہیں لائیں گے اس لئے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ) ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے (تاکہ یہ لوگ ہلاکت کے مستحق ہو جائیں، لہٰذا مقصود زیادہ گمراہی کی دعا کرنا نہیں بلکہ ہلاکت کے مستحق ہونے کی ہے، اور اس دعا کی تحقیق سورۂ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں گذر چکی ہے۔ غرض ان لوگوں کا انجام یہ ہوا کہ) وہ اپنے انہی گناہوں کے سبب غرق کئے گئے، پھر (برزخی یا اخروی غرق کے بعد) جہنم میں داخل کئے گئے اور اللہ کے سوا انہیں کچھ حمایتی بھی میسر نہ ہوئے، اور نوح (علیہ السلام) نے (یہ بھی) کہا کہ اے میرے رب! کافروں میں سے زمین پر ایک بھی بسنے والا مت چھوڑ (بلکہ سب کو ہلاک کردے اور ہلاکت کے عموم اور بعثت کے عموم کی بحث سورۂ الصافات میں گذر چکی ہے۔

آگے اس دعا کی علت ہے کیونکہ) اگر آپ ان کو زمین پر رہنے دیں گے تو ارشاد ﴿لَنْ یُّؤْمِنَ﴾ الخ کے مطابق) یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور (آگے بھی) ان کی اولاد صرف کافر اور فاجر ہی پیدا ہوگی (دعاؤں کے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ان کے غرق کا حال بیان فرمانا شاید دعا کے قبول ہونے کے بیان کی جلدی یا مذکورہ بالا خطاؤں کے عذاب وسزا کے قبول ہونے کے لئے ہو اور کافروں کے لئے بددعا کرنے کے بعد مؤمنوں کے لئے دعا فرمائی کہ) اے میرے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو مؤمن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہیں، انہیں اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بخش دیجئے اور چونکہ اس مقام پر کافروں کے لئے بددعا مقصود ہے اور مؤمنوں کے لئے محض مقابلہ کی مناسبت سے دعا ہوگئی تھی، اس لئے پھر بددعا کا مضمون ہے، جس میں ﴿لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا﴾ کے مقصود کی تفسیر ہے، یعنی) ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے (یعنی ان کی نجات کی کوئی صورت نہ رہے یہ سب ہلاک ہی ہو جائیں اور گمراہی کی دعا سے یہ بھی مقصود تھا جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے والدین مؤمن تھے اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو والدین سے مراد دور کے آباؤ امہات یعنی اوپر کے بزرگ لیں گے۔ اور والدین میں تثنیہ یعنی دو کے لئے لفظ مفرد کا نہ ہوگا بلکہ جنس کا تثنیہ ہوگا، اور دور کے بزرگوں میں مؤمنوں کا ہونا یقینی ہے، پہلے دعا خود اپنے لئے کی، پھر اپنے بڑوں کے لئے۔ پھر اہل وعیال کے لئے اور پھر عام اتباع کرنے والوں کے لئے۔
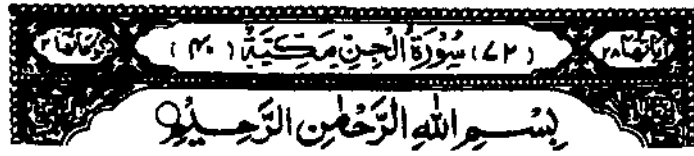
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: گذشتہ سورت میں نوح علیہ السلام کی قوم کے کفر اور عذاب وسزا کے قصہ کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ کے کافروں کے ایمان نہ لانے پر ڈرایا گیا تھا۔ اور اس سورت میں جنوں کے ایمان لانے کے قصہ اور توحید ورسالت اور جزاوسزا کے ضمن میں وضاحت کے ذریعہ اس زمانہ کے کافروں کو ان امور پر ایمان لانے کی اس طرح ترغیب ہے کہ جب جن یعنی جن کی اصل آگ ہے علو اور غلو کے باوجود ایمان لے آئے تو انسان جن کی اصل مٹی ہے، دونوں (علو وغلو) کی پستی کے باوجود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ پھر جنوں کے کلام کے بیان کے بعد انہی تینوں مضمونوں کی وضاحت ہے، اور ان آیتوں کے نازل ہونے کا سبب وہی ہے جو سورۂ احقاف آیت ۲۹ ﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ ﴾ الخ کی تمہید میں بیان ہوا، جیسا کہ درمنثور میں صحیحین وغیرہ سے یہ قصہ نقل کیا ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو کہا ﴿ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ ﴾ الخ یعنی اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت دیتا ہے" تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ سورت نازل فرمائی۔ اور آیتوں کی تفسیر سے پہلے چند واقعے جاننے کے قابل ہیں جن کی ضرورت تفسیر میں واقع ہوگی۔

پہلا واقعہ: محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے شیطان آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے، بعثت کے بعد انہیں شہاب ثاقب مارنے کے ذریعہ روک دیا گیا، اور اسی حادثہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ جن آپ تک پہنچے، جیسا کہ سورۂ احقاف میں گذرا۔

دوسرا واقعہ: جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی وادی میں قیام کرتے تو اس اعتقاد کے تحت کہ جنوں کے سردار ہماری حفاظت کریں، یوں کہتے تھے: أعوذ بعزیز هذا الوادی من شر سفهاء قومه : "یعنی" میں اس وادی کے بادشاہ کی پناہ چاہتا ہوں اس قوم کے احمقوں کے شر سے"

تیسرا واقعہ: آپ ﷺ کی بددعا سے مکہ میں قحط پڑا تھا جو کئی سال تک رہا۔

چوتھا واقعہ: جب آپ نے اسلام کی دعوت شروع کی تو مخالف کافر آپ پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہوجاتے اور بھیڑ لگا لیتے تھے پہلے دونوں واقعے درمنثور سے نقل کئے ہیں اور بعد کے دونوں تفسیر ابن کثیر سے۔

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ
فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝
وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ
كَذِبًا ۝ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا
كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ۝ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝
وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ وَأَنَّا لَا
نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ
ذَٰلِكَ ۖ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ۝ وَأَنَّا
لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ ۖ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ۝ وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ
وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ ۖ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝
وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا ۝ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ
يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ
يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ قُلْ إِنِّي
لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ
مُلْتَحَدًا ۝ إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ إِنْ
أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۝ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ
أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝
لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝﴾

ترجمہ: آپ کہیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر انھوں
نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اُس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے
ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے اُس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو
احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جنات کبھی خدا کی

شان میں جھوٹ بات نہیں کہیں گے۔ اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعضے لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو اُن آدمیوں نے اُن جنات کی بددماغی اور بڑھادی۔ اور جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی آدمیوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا اور ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہا سو ہم نے اُس کو سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم آسمان کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے۔ سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک شعلہ تیار پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے رب نے اُن کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے، اور ہم میں بعضے نیک ہیں اور بعضے اور طرح کے ہیں۔ ہم مختلف طریقوں پر تھے اور ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اُس کو ہرا سکتے ہیں۔ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو ہم نے تو اُس کا یقین کرلیا۔ سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آوے گا تو اُس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا، اور ہم میں بعضے تو مسلمان ہیں اور بعضے ہم میں بے راہ ہیں۔ سو جو شخص مسلمان ہوگیا انھوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈھ لیا۔ اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے ایندھن ہیں اور اگر یہ لوگ راستہ پر قائم ہوجاتے تو ہم اُن کو فراغت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اُس میں اُن کا امتحان کریں۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا اور جتنے سجدے ہیں، وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔ اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کرنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اُس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہوجاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو نہ خدا سے کوئی بچاسکتا ہے اور نہ میں اُس کے سوا کوئی پناہ پاسکتا ہوں لیکن خدا کی طرف سے پہنچانا اور اُس کے پیغاموں کو ادا کرنا یہ میرا کام ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً اُن لوگوں کے لئے آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب اُس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اُس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں! مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے تاکہ اللہ کو معلوم ہوجاوے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچادیئے اور اللہ تعالیٰ اُن کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔

توحید اور رسالت اور جزا و سزا کے بارے میں جنوں کے اقوال پھر آیتوں میں ان کی وضاحت:

آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنوں میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا۔

پھر انھوں نے (اپنی قوم میں واپس جا کر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھا راستہ بتاتا ہے تو ہم تو اس پر ایمان لے آئے (قرآن ہونا تو اس کے مضمون سے معلوم ہوا اور عجیب ہونا اس سے کہ انسان کے کلام سے مشابہ نہیں ہے) اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے (یہ ﴿ فَاٰمَنَّا بِهٖ ﴾ کے مضمون کو پورا کرنے والا ہے) اور (انھوں نے آپس میں ان مضمونوں کا بھی ذکر کیا جو آگے آرہے ہیں، یعنی یہ کہ) ہمارے رب کی بڑی شان ہے، اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد (کیونکہ عقل کے اعتبار سے ایسا کرنا محال ہے۔ یہ ﴿ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ﴾ کے مضمون کو پورا کرنے والا ہے) اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں، وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے (اس سے شرک کے کلمات بیوی اور اولاد بنانا وغیرہ مراد ہیں) اور ہمارا (پہلے) یہ خیال تھا کہ انسان اور جن کبھی اللہ کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے (کیونکہ یہ بڑی بے باکی اور جسارت کی بات ہے۔ اس میں اپنے شرک کی وجہ بیان کی کہ چونکہ اکثر جن و انسان شرک کرتے تھے، ہم سمجھے کہ اللہ کی شان میں اتنے لوگوں نے جھوٹ پر اتفاق نہیں کیا ہوگا، یہ سمجھ کر ہم نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کرلیا، حالانکہ نہ مطلق لوگوں کا اتفاق کر لینا حجت ہے اور نہ ہی ہر اتفاق کا اتباع کرنا عذر ہے اور یہ شرک تو جس کا ذکر کیا گیا مشترک تھا، اور ایک شرک بعض آدمیوں کے ساتھ خاص تھا جس کی وجہ سے جنوں کا کفر اور بڑھ گیا تھا، وہ یہ کہ) بہت سے لوگ انسانوں میں ایسے تھے کہ وہ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے (جیسا کہ دوسرے واقعہ میں ذکر ہوا) تو ان آدمیوں نے ان جنوں کی بد دماغی اور بڑھا دی (کہ انہیں یہ وہم ہوگیا کہ ہم جنوں کے سردار تو پہلے سے تھے اب آدمی بھی ہمیں اتنا بڑا سمجھتے ہیں، اس طرح اس سے بد دماغی بڑھی اور کفر و عناد پر اصرار کرنے لگے، یہاں تک مضمون توحید سے متعلق تھا) اور (آگے بعث سے متعلق ہے یعنی ان جنوں نے آپس میں یہ ذکر بھی کیا کہ) جیسا تم نے خیال کر رکھا تھا ویسا ہی انسانوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (مگر یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا اور بعث یعنی دوبارہ زندہ کئے جانے کا حق ہونا معلوم ہوا) اور (آگے رسالت سے متعلق مضمون ہے یعنی ان جنوں نے آپس میں یہ بھی ذکر کیا کہ) ہم نے آسمان (کی خبروں کی) پہلے سے چلی آرہی عادت کے مطابق) تلاشی لینی چاہی تو ہم نے اسے سخت پہرے (یعنی محافظ فرشتوں) اور شعلوں سے (کہ جن کے ذریعہ حفاظت کی جاتی ہے) بھرا ہوا پایا (یعنی اب پہرا لگا دیا گیا تاکہ کوئی جن آسمانی خبر نہ لے جانے پائے، اور جو جانے کی کوشش کرے، اسے شہاب ثاقب سے مارا جائے) اور (اس سے پہلے) ہم آسمان (کی خبر سننے) کے موقعوں میں (خبر) سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے (اور یہ موقعے چاہے آسمان ہی کے حصے ہوں یا ہوا، یا خلا یعنی آسمان و زمین کی خالی جگہوں کے یا ملأ اعلیٰ یعنی اوپر کی فرشتوں کی دنیا کے ہوں جو کہ آسمان کے قریب ہوں اور جن اپنے ہلکے پھلکے اور بغیر وزن کے ہونے کی وجہ سے اس پر ٹھہر سکتے ہوں، جیسے بعض پرندے ہوا میں چلتے چلتے ٹھہر جاتے ہیں) تو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے، وہ اپنے لئے ایک شعلہ

تیار پاتا ہے (اس کی تفصیل پہلے واقعہ میں گذر چکی اور شہاب سے متعلق بحثوں کی تحقیق سورۂ حجر آیت ۱۸ میں گذر چکی ہے۔ یہ مضمون رسالت سے متعلق ہوا، مطلب یہ کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت دی ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی ملاوٹ کو روکنے کے لئے کاہنوں کی باتوں کے دروازوں کو بند کر دیا ہے اور جنوں کے چوری چھپے اوپر پہنچنے کا سلسلہ کا بند ہونا ہی ان کے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کا سبب ہوا جیسا کہ پہلے واقعہ میں ذکر ہوا) اور (آگے مذکورہ مضمونوں کے باقی حصے ہیں کہ) ہم نہیں جانتے کہ (ان نئے رسول ﷺ کی بعثت سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے انہیں ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے (یعنی رسول کو بھیجے جانے کا تکوینی مقصود معلوم نہیں، کیونکہ رسول کے اتباع سے ہدایت و رہنمائی ہوتی ہے اور عقل و سمجھ داری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اور مخالفت سے نقصان عذاب و سزا اور آئندہ اتباع و مخالفت کا ہمیں علم نہیں، لہٰذا عذاب و سزا اور ہدایت کی تعیین کا بھی ہمیں علم نہیں۔ شاید یہ بات کہنے سے مقصود اپنی قوم کو ڈرانا ہو کہ ایمان نہ لانے سے عذاب و سزا کے مستحق ہوں گے۔ اور غیب کے علم کی نفی سے توحید کے مضمون کی تقویت ہے کہ دیکھو بعض لوگ غیب کے علم کی نسبت جنوں کی طرف کرتے ہیں، مگر ہمیں اتنی بھی خبر نہیں) اور ہم میں (پہلے سے بھی) بعض نیک (ہوتے آئے) ہیں اور بعض دوسری قسم کے (ہوتے آئے) ہیں (غرض) ہم مختلف طریقوں پر تھے (اسی طرح ان نبی کی خبر سن کر ابھی ہم میں دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں) اور (ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ) ہم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین (کے کسی حصہ) میں (جا کر) اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ (اور کہیں) بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں (﴿لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا﴾ میں ہرب یعنی بھاگنے سے مراد غیر زمین میں بھاگنا ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ زمین کے مقابلہ میں ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ شاید اس سے بھی مقصود ڈرانا ہو کہ اگر کفر کریں گے تو اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور اپنے مختلف طریقوں کے بیان کرنے سے شاید یہ مقصود ہو کہ حق کے واضح ہونے کے باوجود بعض کا ایمان نہ لانا حق کے حق ہونے میں شبہ پیدا نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے) اور جب ہم نے ہدایت کی بات سن لی اور ہم نے اس کا یقین کر لیا تو (ہماری طرح) جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے گا، اس کو نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کمی یہ کہ اس کی کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے اور زیادتی یہ کہ کوئی گناہ زیادہ لکھ لیا جائے، شاید اس سے مقصود ترغیب ہو) اور ہم میں بعض تو (انہی ڈرانے اور ترغیب کے مضمونوں کو سمجھ کر) مسلمان (ہو گئے) ہیں، اور ہم میں (بعض گذشتہ دستور کے مطابق) بے راہ ہیں، تو جو شخص مسلمان ہو گیا، انھوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈھ لیا (جس پر ثواب ملے گا) اور جو بے راہ ہیں وہ جہنم کے ایندھن ہیں (یہاں تک جنوں کا کلام ختم ہو گیا، جو ﴿قَالُوْٓا﴾ کا معمول ہے)

اور (آگے ﴿اُوْحِيَ اِلَيَّ﴾ کے دوسرے معمول ہیں، یعنی مجھے ان مضمونوں کی بھی وحی ہوئی، ایک یہ کہ) اگر یہ (مکہ

والے) لوگ (سیدھے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم انہیں فراغت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں (کہ نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا ناشکری و نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ غایت ﴿ لِنَفْتِنَهُمْ ﴾ واقعی قید ہے کیونکہ ہر نعمت سے یہ حکمت متعلق ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر مکہ والے شرک نہ کرتے جس کی مذمت اوپر جنوں کے کلام کے ضمن میں آچکی ہے تو ان پر قحط مسلط نہ ہوتا جیسا کہ تیسرے واقعہ میں بیان ہوا ہے۔ مگر انھوں نے ایمان کے بجائے منہ پھیرا، اس لئے قحط میں مبتلا ہوئے) اور (کفر کے عذاب و سزا میں کچھ مکہ والوں کی تخصیص نہیں، بلکہ) جو شخص اپنے رب کی یاد (یعنی ایمان وطاعت) سے منہ پھیرے گا اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا، اور (ان وحی کئے ہوئے مضمونوں میں سے ایک یہ ہے کہ) جتنے سجدے ہیں، وہ سب اللہ کا حق ہیں (یعنی یہ جائز نہیں کہ کوئی سجدہ اللہ کے لئے کیا جائے اور کوئی غیر اللہ کے لئے، جیسا کہ مشرک لوگ کرتے تھے) تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو (اس مضمون میں بھی توحید کی وضاحت ہے جس کا اوپر ذکر تھا) اور (ان وحی کئے ہوئے مضمونوں میں سے ایک یہ ہے کہ) جب اللہ کا خاص بندہ (اس سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں) اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر ٹوٹ پڑنے کو ہو جاتے ہیں (یعنی تعجب اور عداوت کے ساتھ ہر شخص اس طرح دیکھتا ہے جیسے حملہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہو، یہ بھی توحید کے مضمون کا باقی حصہ ہے، کیونکہ اس میں مشرکوں کی مذمت ہے کہ انہیں توحید سے عداوت اور نفرت ہے۔ آگے اس تعجب اور عداوت سے جواب دینے کے لئے آپ کو ارشاد ہے یعنی) آپ (ان سے) یہ کہہ دیجئے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (تو یہ کوئی تعجب اور عداوت کی بات نہیں۔ یہ سب مضمون توحید سے متعلق تھا۔

آگے رسالت سے متعلق مضمون ہے کہ) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں نہ تمہارے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا (یعنی تم جو ایسی فرمائشیں کرتے ہو کہ اگر آپ رسول ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں، اور اس طرح جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک صورت میں ہم آپ کو رسول مان سکتے ہیں کہ آپ توحید اور قرآن کے مضمونوں میں کچھ تغیر و تبدل کر دیں تو اس کے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ نہ کرے میں ایسا کروں تو) مجھے اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ (کی جگہ) پا سکتا ہوں (مطلب یہ کہ نہ خود کوئی میرا بچانے والا ہوگا اور نہ میری تلاش سے مل سکے گا اور عذاب کی جلدی مچانے اور دین و قرآن میں تبدیلی چاہنے کے کافروں کے ایسے اقوال قرآنِ کریم میں جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں اور اوپر ﴿ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ میں نفع و نقصان کے اختیار کی نفی فرمائی۔

آگے رسالت کے منصب کا اثبات فرماتے ہیں کہ نفع و نقصان کا مالک ہونا تو نبوت کے لئے لازم نہیں، وہ تو منفی

ہے) لیکن اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کو ادا کرنا میرا کام ہے۔ آیت کریمہ ﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ﴾ بلاغ: (پہنچانا) رسالت: (پیام) دونوں میں کیا فرق ہے؟ جواب: دونوں میں پائے جانے کے اعتبار سے عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، اور جہاں یہ نسبت ہوتی ہے دو مادۂ افتراقی اور ایک مادہ اجتماعی ہوتا ہے، پس اگر ایک حکم کا عام اعلان کیا جائے اور دوسرے احکام کا اعلان نہ کیا جائے تو اول یعنی بلوغ پایا جائے گا، لیکن دوسرا یعنی رسالت نہیں پائی جائے گی (پہلا مادۂ افتراقی) اور اگر سب احکام خاص خاص لوگوں کو بتائے جائیں مگر اعلان عام نہ ہو تو دوسرا یعنی رسالت پائی جائے گی لیکن پہلا یعنی بلوغ نہیں پایا جائے گا (اور اگر سارے ہی احکام) علی الاعلان پہنچائے جائیں تو وہ بلوغ بھی ہے اور رسالت بھی ہے، یہ مادۂ (اجتماعی ہے) آیت کریمہ میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے اس لئے کہ نبی ﷺ کے ذمہ تمام احکام کو عام طور سے پہنچانا واجب ہے [1]

اور (آگے توحید ورسالت دونوں سے متعلق مضمون ہے کہ) جو لوگ (اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے۔ ان لوگوں کے لئے یقینی طور پر جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (مگر کافر لوگ اس وقت ان مضمونوں سے متاثر نہیں ہوئے، بلکہ الٹا مسلمانوں کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ یعنی دونوں فریقوں میں سے مقام کس کا اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے؟ (سورۂ مریم آیت ۷۳) اور یہ اس جہالت سے باز نہ آویں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس وقت جانیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی حمایتی کم ہیں؟ یعنی کافر ہی ایسے ہوں گے جن کے کوئی کام نہ آئے گا لہٰذا جماعت سے مراد اطاعت کرنے والی جماعت ہے ﴿مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا﴾ میں اعلیٰ نافع کی نفی ہوگئی اور ﴿اَقَلُّ عَدَدًا﴾ میں ادنی نافع کی۔

آگے بعث سے متعلق کلام ہے کہ یہ لوگ قیامت کے وقت کے بارے میں انکار کے طور پر دریافت کرتے ہیں، تو) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ نزدیک (آنے والی) ہے یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی لمبی مدت مقرر کر رکھی ہے (لیکن ہر حال میں وہ آئے گی ضرور، رہا تعیین کا علم تو وہ محض غیب ہے اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے تو (جس غیب پر کسی کو مطلع کرنا مصلحت نہیں ہوتا) وہ اپنے (ایسے) غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا (اور قیامت کی تعیین کا علم ایسا ہی ہے کہ اس پر کسی کو مطلع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں، کیونکہ وہ علم نبوت سے متعلق علوم میں سے نہیں ہے جن کو اللہ کا قرب حاصل کرنے میں دخل ہوتا ہے، لہٰذا ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا)

(۱) یہ مضمون بلاغ اور رسالت کے صیغوں کے اختلاف اور معنی کے اختلاف پر مبنی ہے تو بلاغ کے معنی پہنچا دینا ہے اور رسالات جمع کے صیغے سے پیغاموں کے معنی میں ہے۔ لیکن بلاغ وتبلیغ سے قرآن مجید میں اعلان کے ساتھ پہنچانا مقصود ہوتا ہے، اب اس توضیح کے بعد مقصود کی تقریر ظاہر ہے۔

سوائے اپنے کسی پسند کئے ہوئے رسول کے (اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ نبوت کے علوم میں سے ہو چاہے نبوت کو ثابت کرنے والا ہو، جیسے پیشین گوئیاں چاہے نبوت کے فروع سے ہو، جیسے احکام کا علم) تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس رسول کے آگے اور پیچھے (یعنی تمام جہتوں اور سمتوں میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (تاکہ وہاں شیطانوں کا گذر نہ ہو، جو کہ وحی کو فرشتے سے سن کر کسی اور سے جا کہیں یا کسی وسوسہ وغیرہ کا القا کر سکیں، چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے لئے ایسے پہرہ دار فرشتے چار تھے، جیسا کہ روح المعانی میں ابن المنذر کے حوالہ سے ابن جبیر سے اور ابن مردویہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے) تاکہ (ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے رب کے پیغام (رسول تک حفاظت کے ساتھ) پہنچا دیئے (اور اس میں کسی کا دخل اور تصرف نہیں ہوا، اور پہنچانے والا تو صرف وحی کا فرشتہ ہے لیکن ساتھ ہونے کی وجہ سے فعل کی نسبت محافظ فرشتوں کی طرف بھی کر دی) اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کی تمام حالتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس لئے پہرہ دار ایسے مقرر کئے گئے ہیں جو اس کام کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہیں) اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے (لہٰذا وحی کے سارے اجزا ایک ایک کر کے اسے معلوم ہیں اور وہ فرشتوں اور نبیوں کے اذہان کی پوری حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ لفظ ﴿ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ ﴾ میں چوری چھپے سننے اور اس میں کچھ ملاوٹ سے حفاظت ہے اور احاطہ میں واسطوں کی صلاحیت کے اعتبار سے حفاظت ہوئی۔ اور ﴿ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ ﴾ الخ میں بھولنے سے حفاظت ہوئی، اس طرح شروع سے آخر تک ساری حفاظتوں کی رعایت رکھی گئی موقع محل کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے آنے کے وقت کا علم، نبوت سے متعلق علوم میں سے نہیں ہے، اس لئے اس کا علم نہ ہونے سے نبوت میں کوئی کمی یا عیب لازم نہیں آتا اور نہ ہی اس سے قیامت کا واقع نہ ہونا لازم آتا ہے، البتہ نبوت کے علوم عطا کئے جاتے ہیں، اور وہی بعثت سے مقصود ہیں اور ان میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا تو تم ایسے علوم سے فائدہ اٹھاؤ اور غیر ضروری باتوں کی تحقیق کے چکر میں نہ پڑو)

فائدہ: تیسری آیت کے لفظ ﴿ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا ﴾ سے آخر تک ایک قراءت کسرہ یعنی زیر کی ہے اس کے مطابق سب ﴿ قَالُوْٓا ﴾ کے معمول ہیں۔ اور ایک قراءت فتح یعنی زبر کی ہے جس کی توجیہ احقر کے نزدیک یہ ہے کہ ﴿ قَالُوْٓا ﴾ کے قرینہ سے ذکر وا مقدر ہے اور سب اس کے معمول ہیں، تو دونوں قراءتوں کی توجیہ کا حاصل ایک ہی ہوگا، یعنی یہ سب جنوں کا کلام ہوگا۔ واللہ اعلم

اور اگر ﴿ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ ﴾ الخ پر شبہ ہو کہ رسول اکرم ﷺ سے پہلے بھی تو شہاب واقع ہوتا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طبعی اسباب میں تو یہ پہلے سے واقع ہوتا تھا مگر ملائکہ کے ذریعہ ہونا اور اس میں خاص اس اثر یعنی شیطانوں کو مارنے کے اثر کا ہونا بعثت کے بعد ہوا ہے اور ﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴾ سے ملتا جلتا مضمون سورۃ آلِ عمران آیت ۱۷۹ ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ﴾ الخ میں گذر چکا ہے۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر کی سورت میں کافروں کو تین امور: توحید، رسالت اور جزا وسزا پر ایمان لانے کی ترغیب دی تھی، اس سورت میں ان کے ایمان نہ لانے پر رسول اللہ ﷺ کی تسلی ہے۔ اور تسلی کی تقویت کے لئے ﴿ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ وغیرہ سے آپ کو ذکر کی کثرت قیام لیل یعنی رات کے قیام راتوں کو کھڑے ہو کر نماز کا امر ہے اور اس مجموعہ کے ضمن میں مذکورہ تین امور کا اثبات بھی ہے اور یہ سب مضمون شروع کی آیتوں کا ہے اور آخر کی لمبی آیت میں جو کہ پہلی آیتوں سے ایک سال کے بعد نازل ہوئی قیام لیل یا رات کے کھڑے ہونے کے امر کو جو کہ فرض کے طور پر تھا منسوخ فرمایا گیا۔ اس کو درمنثور میں مسلم وغیرہ سے نقل کیا ہے چاہے صرف امت سے بعض اقوال پر اور یا رسول اللہ ﷺ سے بھی بعض اقوال پر جیسا کہ سورۂ اسراء کی آیت ﴿ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ؕ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ؕ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ؕ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ وَذَرْنِیْ وَ الْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ۙ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ۗ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ۝ فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا ۗ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَ

ع ۱۴

النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

ع ۲ / ۱۴

ترجمہ: اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اُس نصف سے کسی قدر کم کردو۔ یا نصف سے کچھ بڑھادو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں۔ بیشک رات کا اٹھنا خوب مؤثر ہے کچلنے میں اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔ بیشک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کرکے اُسی کی طرف متوجہ رہو۔ وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اُس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اُسی کو اپنے کام سپرد کرنے کے لئے قرار دیئے رہو۔ اور یہ لوگ جو جو باتیں کرتے ہیں اُن پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ اُن سے الگ ہوجاؤ۔ اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو ناز ونعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دو اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دیدو۔ ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔ جس روز زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریگ رواں ہوجاویں گے۔ بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دیں گے جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اُس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اُس کو سخت پکڑنا پکڑا۔ سو اگر تم کفر کروگے تو اُس دن سے کیسے بچوگے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا۔ جس میں آسمان پھٹ جاوے گا۔ بیشک اس کا وعدہ ضرور ہوکر رہے گا۔ یہ ایک نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے۔ آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعضے آدمی دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔ اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کرسکتا ہے۔ اُس کو معلوم ہے کہ تم اُس کو ضبط نہیں کرسکتے تو اُس نے تمہارے حال پر عنایت کی سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو۔ اُس کو معلوم ہے کہ بعضے آدمی تم میں بیمار ہونگے اور بعضے تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعضے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو۔ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح قرض دو۔ اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دوگے اُس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اُس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤگے۔ اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو، بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے رات کے قیام اور ذکر اور صبر کا حکم اور تین امور کی تحقیق پھر رات کے قیام کا منسوخ ہونا:

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (اس عنوان سے خطاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نبوت کے شروع کے زمانہ میں قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارے میں مشورہ کیا کہ آپ کی حالت کے مناسب کوئی ایسا لقب تجویز کرنا چاہئے کہ اس پر سب اتفاق کرلیں، کسی نے کہا کہ کاہن ہیں، پھر رائے قرار پائی کہ کاہن نہیں ہیں، کسی نے مجنون کہا پھر سب نے اس کو بھی غلط قرار دیدیا، پھر جادوگر کہا پھر بعض نے اس کو بھی رد کردیا۔ لیکن پھر بھی کہنے لگے کہ جادوگر اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ دوست کو دوست سے جدا کردیتے ہیں۔ آپ نے ان کی اس طرح کی باتیں سنیں تو آپ کو رنج ہوا اور اسی رنج کی حالت میں کپڑوں میں لپٹ گئے، جیسا کہ اکثر سوچ اور رنج وغم کی حالت میں آدمی اس طرح کرلیتا ہے، لہٰذا آپ کے ساتھ نرمی و محبت اور انسیت پیدا کرنے کی غرض سے اس عنوان سے خطاب فرمایا کہ موجودہ صفت سے تعلق رکھنے والا کوئی لفظ استعمال کرنا عام طور سے نرمی و محبت ظاہر کرنے اور انسیت پیدا کرنے کا سبب ہوا کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کہہ کر خطاب فرمایا تھا۔ غرض یہ آپ کو خطاب ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے رنج نہ کرو، بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھو اور اس کو بڑھاتے رہو، اس طرح سے کہ) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات (یعنی آدھی رات) کہ اس میں کھڑے نہ ہوا کرو بلکہ آرام کیا کرو) یا اس آدھے سے کسی قدر کم کردو (یعنی آدھی رات سے کم کھڑے ہوا کرو اور آدھی رات سے زیادہ آرام کیا کرو، اور اس آدھی سے کم کا مصداق ایک تہائی رات کے قریب ہے جیسا کہ اس کے بعد کے ارشاد میں ﴿ ثُلُثَهٗ ﴾ یعنی ''اس کا ایک تہائی'' قرینہ ہے) یا آدھی سے کچھ بڑھا دو (یعنی آدھی رات سے زیادہ کھڑے ہوا کرو اور آدھی سے کم آرام کرو، اور اس آدھی سے زیادہ کا مصداق دو تہائی رات کے قریب ہے جیسا کہ اس کے بعد کے ارشاد میں ﴿ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ ﴾ یعنی ''دو تہائی رات سے کم'' قرینہ ہے۔ غرض رات کو کھڑا ہونا تو وجوبی امر سے فرض ہوا، مگر قیام کے وقت کی مقدار میں تین صورتوں میں اختیار دیا گیا ہے: (۱) آدھی رات (۲) دو تہائی رات (۳) ایک تہائی رات) اور (رات کے اس کھڑے ہونے میں) قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو اور یہی حکم نماز کے علاوہ میں بھی ہے۔ اور تخصیص محض موقع ومحل کی وجہ سے ہے۔

آگے رات کے قیام کے امر کی علت اور تسہیل ہے یعنی) ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں (اس سے قرآن مجید مراد ہے جو نازل ہونے کے وقت بھی آپ کی حالت کو متغیر کردیتا تھا جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ ایک بار آپ

کی ران زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران کے اوپر تھی، اس وقت وحی نازل ہوئی تو زید بن ثابت کو اس کے بھاری پن کی وجہ سے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ان کی ران پھٹ جائے گی اور جب آپ اونٹنی کے اوپر سوار ہوتے اور آپ پر وحی نازل ہوتی تو اونٹنی گردن ڈال دیتی اور حرکت نہ کر پاتی تھی جیسا کہ درمنثور میں احمد وغیرہ سے روایت کیا ہے اور جاڑوں کی شدت کے زمانہ میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے، جیسا کہ شیخان یعنی بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، پھر اس کے علاوہ اس کا محفوظ رکھنا پھر دوسروں کو پہنچانے میں پریشانیاں اور تکلیفیں برداشت کرنا ان اعتباروں سے بھاری کہا گیا۔ اور اس میں آسانی یہ ہے کہ رات میں کھڑے ہونے کو مشکل نہ سمجھنا کہ ہم تو اس سے بھاری بھاری کام تم سے لینے والے ہیں، اور علت یہ ہے کہ رات میں کھڑے ہونے کا حکم اس لئے کرتے ہیں کہ آپ کی ریاضت کی عادت ہو جائے جس سے نفس کی استعداد زیادہ کامل اور زیادہ قوی ہو جائے کیونکہ ہم آپ پر بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں، تو اس کے لئے اپنی استعداد کا قوی کرنا ضروری ہے۔

آگے رات میں کھڑے ہونے کی دوسری علت ہے کہ) بیشک رات کا اٹھنا (نفس پر قابو پانے میں) بہت مؤثر ہے اور (دعا ہو یا قرآن کریم کا پڑھنا ہو، ظاہری طور پر اور باطنی طور پر سب کچھ) ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ مناسب ہے (ظاہری طور پر تو اس طرح کہ فرصت کا وقت ہوتا ہے، دعا اور قراءت کے الفاظ خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطنی طور پر اس طرح کہ رات میں اور تنہائی میں جی خوب لگتا ہے اور دل وزبان کے ایک دوسرے کے موافق ہونے کا یہی مطلب ہے اور اس کا علت ہونا ظاہر ہے۔

آگے ایک تیسری علت ہے جس میں رات کی تخصیص کی حکمت کا بیان ہے، وہ یہ کہ) بے شک تمہیں دن میں بہت کام رہتا ہے (دنیاوی بھی گھریلو فریضوں کی ادائیگی انتظامات اور تیاریاں وغیرہ اور دینی کام جیسے تبلیغ وتعلیم، لہٰذا ان کاموں کے لئے رات تجویز کی گئی) اور (رات میں کھڑے ہونے کے علاوہ جس کا اوپر ذکر ہوا دوسرے وقتوں میں بھی) اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہو، اور سب سے الگ ہو کر اس کی طرف متوجہ رہو (یعنی ذکر اور سب سے الگ ہو کر اس کی طرف متوجہ رہنا یہ ہر وقت کا فرض ہے، اور الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تعلق دوسرے تمام متعلقات پر غالب رہے اور ان سب امور کا تسلی اور اطمینان میں مؤثر ہونا ظاہر ہے۔

آگے توحید کے ساتھ اس کی تاکید اور تصریح ہے یعنی) وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، لہٰذا اپنے کاموں کا مددگار اسی کو بنالو، اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو، اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ (الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی تعلق مت رکھو اور خوبصورتی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی شکایت اور انتقام کی فکر میں مت پڑو)

اور (آگے ان کے عذاب کی خبر دے کر تسلی کی تقویت کرتے ہیں یعنی) مجھے اور ان جھٹلانے والے خوش حال لوگوں کو (موجودہ حالت پر) چھوڑ دو (یعنی رہنے دو، اور اس کی تفسیر سورۂ ن آیت ۴۴ ﴿فَذَرْنِىْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ﴾ میں گذر چکی ہے۔ اور ان لوگوں کو تھوڑے دن کی اور مہلت دیدو (یہ صبر اور انتظار سے کنایہ ہے یعنی تھوڑا انتظار اور صبر اور کر لیجئے، جلدی ہی انہیں سزا ملنے والی ہے، کیونکہ) ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور جہنم ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے (اور یہ اسی طرح ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ﴾) اور دردناک عذاب ہے (لہٰذا ان لوگوں کو ان چیزوں سے سزا دی جائے گی اور یہ سزا اس دن ہوگی) جس دن کہ زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہوکر) بکھرتے ہوئے ریت کی طرح ہو جائیں گے (پھر اڑتے پھریں گے۔

آگے مذکورہ جھٹلانے والوں کی طرف توجہ کر کے خطاب ہے جس میں رسالت کا اور وعید کا اثبات بھی ہے یعنی) بیشک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسے رسول کو بھیجا ہے جو (قیامت کے دن) تم پر گواہی دیں گے (کہ ان لوگوں نے تبلیغ کے بعد کیا برتاؤ کیا) جیسے ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول کو بھیجا تھا، پھر فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا تو اگر تم (بھی رسول کے بھیجے جانے کے بعد نافرمانی اور) کفر کرو گے تو اس طرح ایک دن تمہیں بھی مصیبت بھگتنی پڑے گی۔ چنانچہ وہ مصیبت کا دن آنے والا ہے تو تم) اس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے، جو (انتہائی شدت اور لمبا ہونے کی وجہ سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا؟ (یہ شدت سے کنایہ ہے) جس میں آسمان پھٹ جائے گا؟ بے شک اس کا وعدہ ضرور (پورا) ہو کر رہے گا (لہٰذا یہ بھی احتمال نہیں ہے کہ وہ وقت ٹل جائے) یہ (تمام مضمون) ایک (بلیغ) نصیحت ہے تو جس کا جی چاہے، اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے (یعنی اس تک پہنچنے کے لئے دین کا راستہ قبول کرے، اس میں جزا و سزا کا ذکر بھی ہو گیا، جس سے تینوں مضمونوں کی تکمیل ہو گئی۔ آگے رات کے اس کھڑے ہونے کے فرض ہونے کو منسوخ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورت کے شروع میں ہوا تھا)

قیام اللیل کی فرضیت کا منسوخ ہونا:

آپ کے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے بعض آدمی (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں، اور رات اور دن کا پورا حساب اللہ ہی رکھتا ہے، اسے معلوم ہے کہ تم اس (وقت کی مقدار) کا صحیح حساب نہیں رکھ سکتے (اور اس وجہ سے تمہیں سخت مشقت اٹھانی پڑتی ہے، کیونکہ اندازہ سے حساب لگانے میں تو کمی کا شبہ رہتا ہے اور انداز سے زیادہ کرنے میں قریب قریب ساری رات ختم ہو جاتی ہے۔ تاکہ مقررہ وقت یقینی طور پر پورا ہو جائے اور ان دونوں امر میں روحانی یا جسمانی مشقت شدید ہے، جب کہ

اس زمانہ میں وقت کو پہچاننے کے آلے گھڑیاں وغیرہ [1] موجود نہیں تھے۔ یہ روح المعانی سے لیا گیا ہے) تو (ان وجوہ سے) اس نے تمہارے حال پر عنایت کی (اور اس سے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا) تو (اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (اس قرآن پڑھنے سے تہجد پڑھنا مراد ہے کہ اس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ امر مستحب کے طور پر ہے۔ مطلب یہ کہ تہجد کا فرض ہونا منسوخ ہو گیا۔ اب اگر چاہو تو مستحب کے طور پر جتنے وقت پڑھنا آسان ہو، پڑھ لیا کرو اور فرض کے حکم کے منسوخ ہونے کی اصل علت مشقت ہے، جس پر ﴿ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ ﴾ دلالت کرتا ہے اور اس سے پہلے کا مضمون اس کی تمہید ہے، چنانچہ ظاہر ہے۔

اور آگے اسی منسوخ ہونے کی دوسری علت ہے کہ) اسے (یہ بھی) معلوم ہے کہ تم میں بعض لوگ بیمار ہوں گے اور بعض لوگ اللہ کے فضل (روزگار، روزی روٹی) کی تلاش میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا کیونکہ ان حالتوں میں تہجد اور وقتوں کی پابندی مشکل تھی) تو (اس لئے بھی تمہیں اجازت ہے کہ اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (اس کی تفسیر ابھی اوپر گذری ہے اور ہر علت سے مستقل طور پر اس کو متعلق کیا، لہٰذا تکرار نہیں رہی)

اور (اگرچہ تہجد کا فرض ہونا منسوخ ہو گیا، مگر یہ احکام اب بھی باقی ہیں، یعنی یہ کہ فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (اس کی تفسیر سورۂ مؤمنون کے شروع میں گذر چکی) اور اللہ کو اچھی طرح (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دو اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے (آخرت کا ذخیرہ بنا کر) بھیج دو گے اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے (یعنی دنیاوی غرض کے کاموں میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع ملتا ہے، اس سے بہتر اور اعظم بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے پر ملے گا) اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو، بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (استغفار بھی انہی باقی احکام میں شامل ہے)

فائدہ: ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کا فرض ہونا عام تھا۔ اور ﴿ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ﴾ سے "بعض" کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ لفظ من بیان کا بھی احتمال رکھتا ہے یا یہ کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ قیام کرتے یعنی کھڑے ہوتے ہوں، اور باقی اپنے طور پر راتوں کو قیام کرتے ہوں۔ اور منسوخ ہونا بھی ظاہر میں عام معلوم ہوتا ہے، خود آپ کے حق میں بھی۔ اس بارے میں کچھ باتیں تمہید میں گذر چکی ہیں اور ظاہر میں آدھی، تہائی اور دو تہائی کا رات کے شروع اور آخر میں اختیار دیا گیا تھا، البتہ لفظ ﴿ نَاشِئَةَ ﴾ سے ظاہر میں آخر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(۱) اور آلات کے وجود کے بعد بھی ہر شخص کو ان آلات کا جمع کرنا اور ان کو صحیح رکھنے کا اہتمام دشواری سے خالی نہیں اب یہ شبہ بھی ختم ہو گیا کہ حکم عام ہے اور بنیاد یعنی آلات کی عدم فراہمی خاص ہے۔

آیاتها | (۷۴) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (۴) | رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝﴾

ع ۱۵

ع ۱۶

ترجمہ: اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے اور بتوں سے الگ رہو اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو، پھر اپنے رب کے واسطے صبر کیجئے۔ پھر جس وقت صور پھونکا جاوے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا، جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی۔ مجھ کو اور اُس شخص کو رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا اور اُس کو کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے اور سب طرح کا سامان اُس کے لئے مہیا کر دیا پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ میں اُس کو عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔ اُس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اُس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی، پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی، پھر دیکھا پھر منہ بنایا۔ اور زیادہ منہ بنایا۔ پھر منہ پھیرا اور تکبر کیا۔ پھر بولا کہ یہ تو جادو ہے منقول۔ بس یہ تو آدمی کا کلام ہے، میں اُس کو جلدی دوزخ میں داخل کرونگا۔ اور تم کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے، نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی۔ وہ بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی۔ اُس پر انیس فرشتے ہونگے۔ اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جو اُن کی تعداد صرف ایسی رکھی ہے جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو تو اس لئے تا کہ اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جاوے اور اہل کتاب اور مؤمنین شک نہ کریں۔ اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے وہ اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔ اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا۔ اور دوزخ صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جاوے کہ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے۔ جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے۔ یعنی تم میں جو آگے کو بڑھے اُس کے لئے بھی یا جو پیچھے کو ہٹے اس کے لئے بھی ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا مگر داہنے والے کہ وہ بہشتوں میں ہونگے، مجرموں کا حال پوچھتے ہونگے کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا، وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی۔ سو اُن کو سفارش نفع نہ دے گی، تو اُن کو کیا ہوا کہ اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں کہ گویا وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں۔ بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کو کھلے ہوئے نوشتے دیئے جاویں، ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے۔ ہرگز نہیں یہ قرآن نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے، اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور بدون خدا کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے۔

ربط: اوپر کی سورت میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی مقصود کے طور پر اور کافروں کو ڈرانا تابع کے طور پر بیان ہوا تھا۔ اس

سورت میں ڈرانا مقصود کے طور پر اور تسلی تابع کے طور پر ارشاد ہوئی ہے، اس لئے وہاں تسلی کی آیتیں زیادہ اور ڈرانے کی کم اور یہاں ڈرانے کی زیادہ اور تسلی کی کم ہیں، اور اس سورت میں بعض واقعات کی طرف اشارہ ہے، سورت کی وضاحت کے لئے ان کی تفصیل لکھی جاتی ہے:

پہلا واقعہ: حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق یعنی ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ کی شروع کی آیتیں نازل ہونے کے بعد بعض حکمتوں کے تحت کچھ دن تک وحی نازل نہیں ہوئی، پھر ایک بار جنگل میں آپ کو ایک آواز سنائی دی، اوپر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام زمین وآسمان کے درمیان ایک تخت پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے آپ ہیبت سے گھبرا کر گھر لوٹ آئے اور کپڑوں میں لپٹ گئے، اس پر اس سورت کے شروع کی آیتیں نازل ہوئیں۔ لفظ مدثر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ آیتیں نبوت کے شروع کے زمانہ کی ہیں، اور باقی سورت بعد میں نازل ہوئی ہے اور اتقان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا باقی حصہ سورۂ مزمل کے بعد نازل ہوا ہے۔

دوسرا واقعہ: ولید بن مغیرہ ایک بڑا مالدار کافر تھا، اس کے دس بیٹے تھے جو اس کے پاس ہی رہتے تھے اور روزگار کی فراغت کی وجہ سے انہیں کاروبار کے لئے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا، وہ ایک بار رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو قرآن پڑھ کر سنایا جس سے وہ کسی قدر متاثر ہوا، مگر ابوجہل نے اسے ورغلانے کی کوشش کی، ادھر قریش میں یہ بات پھیلی کہ اگر ولید مسلمان ہوگیا تو بہت برا ہوجائے گا۔ غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارے میں بات چیت ہوئی، کسی نے کہا کہ آپ شاعر ہیں، کسی نے کہا کاہن ہیں، ولید نے کہا کہ میں شعر میں خود بڑا ماہر ہوں اور کاہنوں کی باتیں بھی میں نے بہت سنی ہیں، قرآن نہ شعر ہے نہ کاہن لوگوں کا کلام ہے، لوگوں نے کہا کہ تمہاری اپنی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ میں سوچ لوں، بہت سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ مجھے تو جادو معلوم ہوتا ہے، جس کی بنیاد دوستوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا ہے، جس کا ذکر سورۂ مزمل کے شروع میں ہوا اور اس سے پہلے یہ بھی کہہ چکا تھا کہ یہ جادو بھی نہیں ہے اور مجنونوں والا کلام بھی نہیں، بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر اپنی قوم کے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اب یہ بات بنائی۔ آیت ﴿ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴾ سے آیت ۲۶ ﴿ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴾ سے آگے تک اسی سے متعلق مضمون ہے، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔

تیسرا واقعہ: جب کافروں نے آیت ۳۰ ﴿ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ سنی تو ایک کافر ابوالاشد بن اسید بن کلاۃ الجمحی نے جو بہت طاقتور تھا، کہا کہ اے قوم کے لوگو! تم اس سے مت ڈرنا، میں دس فرشتوں کو تو دائیں بازو سے اور نو کو بائیں بازو سے ہٹا دوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ وہ فرشتے تو انیس ہی ہیں اور تم بہت سارے ہو تو کیا تم میں سے دس دس آدمی بھی ایک ایک کے لئے کافی نہ ہوں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ

اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ﴾ الخ اس کو درمنثور میں السدی اور قتادہ سے روایت کیا ہے۔ اب تفسیر شروع ہوتی ہے۔

شرک سے ڈرانے کا حکم:

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (یعنی اپنی جگہ سے اٹھو، یا تیار ہو جاؤ) پھر (کافروں کو) ڈراؤ (جو کہ نبوت کے منصب کا تقاضا ہے اور یہاں خوش خبری دینے کو اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ آیت نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے، اس وقت صرف دو چار آدمی ہی مسلمان ہوئے تھے اس لئے ڈرانا ہی زیادہ مناسب تھا) اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو (کہ تبلیغ کی پہلی چیز توحید ہے) اور (آگے بعض ضروری اعمال وعقائد اور اخلاق کی تعلیم ہے جس پر خود بھی پابندی کے ساتھ عمل کرنا چاہئے کہ تبلیغ کے ساتھ اپنی تہذیب بھی ضروری ہے یعنی ایک تو) اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (یہ اعمال میں سے ہے اور چونکہ بالکل شروع میں نماز نہیں تھی، اس لئے اس کا حکم نہیں ہوا) اور (دوسرے یہ کہ) بتوں سے الگ رہو (جس طرح کہ اب تک الگ ہو، یہ عقائد میں سے ہے یعنی جیسے پہلے سے کرتے آرہے ہو، آئندہ بھی ہمیشہ توحید پر قائم رہنا، اور اس کے مخالف عمل کا احتمال نہ ہونے کے باوجود یہ امر فرمانا توحید کی شان کی بڑائی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ایسی ضروری چیز ہے کہ معصوم کو بھی ضرورت نہ ہونے کے باوجود اس کی تعلیم کی جاتی ہے تو غیر معصوم تو اور بھی زیادہ اس کا مکلف ہوگا) اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ طلب کرو (یہ اخلاق سے متعلق ہے، پھر بھی یہ امر دوسروں کے لئے جائز ہے اگرچہ اولیٰ وافضل کے خلاف ہے جیسا کہ سورہ روم آیت ۳۹ ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ ﴾ الخ کی تفسیر سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن چونکہ رسول اکرم ﷺ کی شان سب سے بلند ہے، اس لئے آپ کو اس سے منع کر دیا گیا۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ منع کرنا حرام قرار دینے کے لئے ہے، اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے) اور پھر (ڈرانے میں جو تکلیف و پریشانی ہو، اس پر) اپنے رب (کی خوشنودی) کے واسطے صبر کیجئے (یہ خاص تبلیغ سے متعلق اخلاق میں سے ہے، اس طرح ان آیتوں میں اپنی اور غیر کی تہذیب جمع ہو گئیں)

پھر (اس ڈرانے کے بعد جو کوئی ایمان نہیں لائے گا، اس کے لئے یہ وعید ہے کہ) جس وقت صور پھونکا جائے گا تو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں کے لئے ایک سخت دن ہوگا جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (آگے بعض خاص کافروں کا ذکر ہے، یعنی) مجھے اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو (کہ ہم اس سے نمٹ لیں گے) جس کو میں نے (مال واولاد سے خالی اور) اکیلا پیدا کیا (جیسا کہ پیدا ہونے کے وقت آدمی کے پاس نہ مال ہوتا ہے اور نہ اولاد۔ اور اس سے ولید مراد ہے جس کا قصہ دوسرے واقعہ میں بیان کیا گیا ہے) اور اسے کثرت سے مال دیا، اور پاس رہنے والے بیٹے (دیئے) اور اس کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا، پھر بھی (اس نے مال واولاد کے باوجود شکر ادا نہ کیا کہ ایمان لے آتا بلکہ اتنی زیادہ اور عظیم نعمت کو ناشکری کے طور پر کم سمجھ کر) اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ (اس کو) اور زیادہ دوں (وہ) ہرگز (زیادہ دینے کے

قابل) نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے (اور مخالفت کے ساتھ قابلیت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ چاہے استدراج کے طور پر دیدی جائے، لیکن اتفاق سے اس شخص کی ترقی ظاہر میں بھی آیت کے نازل ہونے کے دن سے بند ہوگئی۔ چنانچہ پھر نہ کوئی اولاد ہوئی اور نہ کچھ مال بڑھا۔ اگرچہ ترقی ہونے پر بھی آیت کا مضمون صحیح رہتا، کیونکہ مضمون سے مقصود جھڑکنا ہے، زیادتی کا لالچ بلاوجہ ڈانٹ اور جھڑکی کے قابل ہے، اور یہ جھڑکی کی سزا یا نعمت کا زیادہ نہ ہونا تو دنیا میں ہے، اور آخرت میں) اس کو جلدی ہی (یعنی مرنے کے بعد) جہنم کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (ترمذی میں مرفوع حدیث ہے کہ صعود نام کا جہنم میں ایک پہاڑ ہے اتنا اونچا کہ اس کی چوٹی پر ستر برس میں پہنچے گا، پھر وہاں سے گر پڑے گا۔ پھر اس طرح ہمیشہ چڑھے گا اور اس کی سزا کی وجہ وہی عناد و دشمنی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

اور آگے بھی اس کی کچھ تفصیل ہے، وہ یہ کہ) اس شخص نے (اس بارے میں) سوچا (کہ قرآن کی شان میں کیا بات تجویز کروں؟) پھر (سوچ کر) ایک بات تجویز کی (جس کا بیان آگے آرہا ہے) تو اس پر اللہ کی مار ہو، کیسی بات تجویز کی (اور) پھر (مکرر) اس پر اللہ کی مار ہو، کیسی بات تجویز کی (یہ تعجب کا دوبارہ اظہار برائی اور استبعاد کے لئے ہے) یعنی کیسی بے جوڑ بات تجویز کی جس کا احتمال ہی نہیں ہوسکتا، کیونکہ جادو عادت والے امور میں سے ہے اور ایک حد تک اس کی قوت ہے پھر بھی اس میں اتنی قوت نہیں کہ تمام غائب لوگوں پر بھی مؤثر ہوجائے۔ اور پچھلے زمانہ کے لوگوں پر بھی اور آئندہ زمانہ والوں پر بھی اثر کرجائے کہ نہ پچھلے زمانہ کے لوگوں کے کلام میں سے کوئی اس جیسا پیش کرسکے اور نہ آئندہ والوں کے بارے میں ہی دعویٰ کیا جائے کہ کوئی اس جیسا نہیں بنا سکتا اور جھوٹے کو اول تو ایسے دعوی کی جرأت ہی کہاں پھر آئندہ چل کر بہت جلد اس کو جھٹلا دیا جاتا ہے۔ غرض نہایت بے کار بات تجویز کی) پھر (موقع پر موجود لوگوں کے چہروں کو) دیکھا (کہ وہ تجویز کی ہوئی بات ان سے کہوں) پھر منہ بنایا (تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ اس کو قرآن سے بہت کراہت اور ناگواری ہے) اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا (جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے کہ جس چیز کو ناپسند سمجھتے ہیں، اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی منہ پھیر لیتے ہیں، اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں) پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو دوسروں سے) نقل کیا ہوا (ہے) بس یہ تو انسان کا کلام ہے (مطلب یہ کہ اللہ کا کلام نہیں، بلکہ انسان کا کلام ہے جس کو آپ کسی جادوگر سے نقل کردیتے ہیں یا آپ خود لکھ لیتے یا تیار کرلیتے ہیں) اور نبوت کا دعوی پچھلے لوگوں سے نقل ہوتا ہوا چلا آرہا ہے اور عبارت کا طرز و اسلوب نعوذ باللہ آپ کے جادو کا اثر ہے۔ آگے تفصیل کے ساتھ اس عناد کی سزا فرماتے ہیں جیسا کہ اوپر ﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ میں مختصر انداز میں فرمایا تھا۔ چنانچہ ﴿اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا﴾ میں جرم کا ذکر مختصر انداز میں اور ﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ میں عذاب و سزا کا ذکر مختصر انداز میں اور ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ ﴿عَنِيْدًا﴾ کی تفصیل ہے اور ﴿سَاُصْلِيْهِ﴾ ﴿سَاُرْهِقُهٗ﴾ کی تفصیل ہے، یعنی) میں اس کو جلدی ہی جہنم میں داخل کروں گا۔ اور تمہیں کچھ خبر

ہے کہ جہنم کیسی چیز ہے (اس سے مقصود ہولنا کی بیان کرنا ہے کہ وہ ایسی ہے کہ) نہ تو (داخل ہونے والوں کے داخل ہونے کے بعد ان کی کسی چیز کو جلنے سے) باقی رہنے دے گی اور نہ (داخل ہونے سے پہلے جو کافر اس وقت باہر ہوں گے ان میں سے کسی کو اندر لئے بغیر) چھوڑے گی (اور) وہ (جلا کر) بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی (اور) اس پر انیس فرشتے (جو اس کے محافظ و منتظم ہیں جن میں ایک مالک ہے، مقرر) ہوں گے (جو کافروں کو طرح طرح سے عذاب دیں گے۔ حاصل یہ کہ اول تو فرشتوں کی قوت معلوم ہے، اس کے باوجود کہ ایک بھی فرشتہ تمام جہنم والوں کو عذاب دینے کے لئے کافی ہے پھر انیس فرشتوں کے مقرر ہونے سے ظاہر ہے کہ عذاب کا بہت ہی زیادہ اہتمام ہوگا۔ اور انیس کے عدد میں خاص نکتہ کیا ہے؟ یہ حقیقت میں اللہ ہی کو معلوم ہے، لیکن دوسرے عالموں نے جو ذکر کیا ہے ان سب میں سب سے زیادہ قریب وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کے دل میں ڈالا ہے۔ وہ یہ کہ کافروں کو اصل عذاب سچے اور حق عقیدوں کی مخالفت پر ہے، اور قطعی عقیدے جو عملیات سے متعلق نہیں، رسالہ فروع الایمان کی تفصیل کے مطابق نو ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا (۲) یہ اعتقاد رکھنا کہ عالم حادث ہے (۳) فرشتوں پر ایمان لانا (۴) اس کی سب کتابوں پر ایمان لانا (۵) نبیوں پر ایمان لانا (۶) تقدیر پر ایمان لانا (۷) قیامت کے دن پر ایمان لانا (۸) جنت کا یقین کرنا (۹) جہنم کا یقین کرنا۔ باقی سب انہی سے متعلق ہیں۔ اور قطعی عقیدے جو عملیات سے متعلق ہیں دس ہیں، پانچ مامورات سے متعلق یعنی جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کے واجب ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ اور یہ پانچ مامورات جو اسلام کے شعائر ہیں یہ ہیں: (۱) شہادتین یعنی أشهد أن لا إلٰه إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله کا زبان سے کہنا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) کعبہ کا حج کرنا۔ اور پانچ منہیات سے متعلق ہیں جن کے کرنے سے منع کیا گیا ہے یعنی ان کے حرام ہونے کا اعتقاد، اور وہ پانچ منہیات جو کہ آیتِ امتحان وغیرہ میں ذکر کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: (۱) چوری کرنا (۲) زنا (۳) قتل خاص طور سے اولاد کا قتل (۴) بہتان (۵) معروف باتوں میں نافرمانی جن میں غیبت، ظلم، یتیموں کا مال کھانا وغیرہ سب آ گیا۔ اس طرح یہ سب عقائد ملا کر انیس ہوئے۔ شاید ایک ایک عقیدہ کے مقابلہ میں ایک ایک فرشتہ معین ہو اور چونکہ ان سب میں ایک عقیدہ یعنی توحید سب سے بڑا ہے اس لئے ان فرشتوں میں بھی ایک فرشتہ سب سے بڑا یعنی مالک مقرر ہوا ہو۔ واللہ اعلم بأسرارہ

اور (اس آیت کا مضمون سن کر کافروں نے جو مذاق اڑایا تھا، جس کا بیان تیسرے واقعہ میں ہوا ہے اس پر اگلا مضمون نازل ہوا) کہ ہم نے جہنم کے کارکن (آدمی نہیں بلکہ) صرف فرشتے بنائے ہیں (جن میں سے ایک ایک فرشتے میں تمام جنوں اور انسانوں کے برابر قوت ہے، جیسا کہ درمنثور میں مرفوع حدیث ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: لهم مثل قوة الثقلين یعنی ان میں دونوں بڑی مخلوقوں یعنی جنوں اور انسانوں کے برابر قوت ہے) اور ہم نے (ذکر اور حکایت میں) ان

کی تعداد کو کافروں کے لئے ایک فتنہ وآزمائش بنایا ہے (جو کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہو۔ اس سے انیس کا عدد مراد ہے) تو اس لئے (کہ غایت اس پر مرتب ہو یعنی) تاکہ کتابوں والے (سنتے ہی) یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ بڑھ جائے، اور کتابوں والے مؤمن شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے، وہ اور کافر لوگ کہنے لگیں کہ اس عجیب مضمون سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصود ہے (اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ ان کی کتاب میں بھی یہ عدد لکھا ہو تو فوراً مان لیں گے، اور اگر اب ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے کہ کتابوں کے ضائع ہونے سے ضائع ہوگیا ہو۔ اور دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ عدد ان کی کتاب میں نہ ہو، لیکن وہ فرشتوں کی قوت کے قائل تھے، اور بہت سے توقیفی امور ان کی کتابوں میں موجود تھے تو ان کے پاس انکار کی کوئی بنیاد نہیں تھی، لہٰذا یقین کرنے سے مراد انکار نہ کرنا اور مذاق نہ اڑانا ہوگا، لیکن پہلی توجیہ ظاہر ہے۔ اور ایمان والوں کے ایمان کی زیادتی کی بھی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ اہل کتاب والوں کے یقین کو دیکھ کر ان کا ایمان کیفیت کے لحاظ سے قوی ہو کہ آپ اہل کتاب سے نہ ملنے جلنے کے باوجود گذشتہ وحی کے مطابق خبر دیتے ہیں تو لازمی طور پر برحق نبی ہیں، دوسری توجیہ یہ کہ جب کوئی نیا مضمون نازل ہوتا تھا، اس پر ایمان لاتے تھے لہٰذا تصدیق کی ایک وجہ اور بڑھی اس لحاظ سے مقدار کے اعتبار سے ایمان زیادہ ہوا اور لفظ ﴿لَا یَرْتَابَ﴾ کو تاکید کے لئے بڑھایا کہ یقین کے اثبات اور شک کی نفی ایک دوسرے کے لئے لازم ہونے کے باوجود دونوں کی تصریح ہوجائے۔ اور ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ کے مرض میں دو احتمال ہیں: ایک شک کیونکہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد بعض لوگ جان بوجھ کر انکار کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض شک وشبہ میں رہتے ہیں تو مکہ والوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔ دوسرا نفاق تو اس میں پیشین گوئی ہوگی کہ مدینہ میں منافق ہوں گے، اور ان کا یہ قول ہوگا۔ اور مؤمن اور اہل کتاب کے شک کے اثبات اور نفی کو الگ الگ اس لئے فرمایا کہ کتاب والوں کا یقین اور شک کا نہ ہونا لغت کے لحاظ سے ہے، اور مؤمنوں کا شریعت کے لحاظ سے۔

آگے دونوں فریقوں کے حال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس طرح اس بارے میں حق تعالیٰ نے ان ایمان والوں کو خاص ہدایت کی اور ان کافروں کو خاص طور سے اس بارے میں گمراہ کیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کردیتا ہے اور (آگے جہنم کے محافظ اور انتظام کرنے والے فرشتوں کی تعداد سے متعلق گذشتہ مضمون کا باقی حصہ بیان فرماتے ہیں، یعنی یہ انیس فرشتوں کا مقرر ہونا کسی حکمت کے مطابق ہے، ورنہ) تمہارے رب کے (ان) لشکروں (کی یعنی فرشتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس) کو (خود) اس کے سوا کوئی نہیں جانتا (اگر وہ چاہتے تو وہاں بے شمار فرشتوں کو مقرر کردیتے، اور ابھی اگرچہ صرف انیس ذمہ دار فرشتے مقرر ہیں، مگر ان کے مدد گار اور ماتحت بہت کثرت سے ہیں، چنانچہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جہنم کو اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کو ستر ہزار

باگوں سے جکڑ رکھا گیا ہوگا اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتوں نے پکڑ رکھا ہوگا) اور (جہنم کا حال بیان کرنے سے جو اصل مقصود ہے وہ تعداد کی کمی یا زیادتی یا تعیین و تخصیص کی حکمت کے ظاہر کرنے یا ظاہر نہ کرنے پر موقوف نہیں اور وہ اصل مقصود یہ ہے کہ) جہنم (کا حال بیان کرنا) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے (تا کہ لوگ وہاں کے عذاب کے بارے میں سن کر ڈریں اور ایمان لائیں اور یہ مقصود کسی خاص خصوصیت پر موقوف نہیں، چنانچہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اصل مقصود کو محفوظ رکھ کر اور اس کا لحاظ رکھ کر اوپر کی باتوں کے چکر میں نہ پڑیں۔

آگے جہنم کے عذاب کا تھوڑا سا بیان ہے۔ جس میں ﴿ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾ مختصر انداز میں تفصیل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) یقینی طور پر چاند کی قسم ہے اور رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے، کہ وہ جہنم بہت بڑی چیز ہے جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے، یعنی تم میں سے جو (خیر کی طرف) آگے کی طرف بڑھے اس کے لئے بھی یا جو (خیر سے) پیچھے کو ہٹے اس کے لئے بھی (مطلب یہ کہ تمام مکلف لوگوں کے لئے ڈراوا ہے، اور چونکہ اس ڈراوے کے نتیجے قیامت میں ظاہر ہوں گے، اس لئے قسم ایسی چیزوں کی کھائی گئی جو قیامت کے لحاظ سے مناسب ہیں، چنانچہ چاند کا پہلے بڑھنا پھر گھٹنا اس عالم کی نشو ونما یعنی ترقی اور پھر کمزوری اور فنا کا نمونہ ہے، یہاں تک کہ چاند کے غائب ہونے کی طرح ایک دن یہ بھی بالکل فنا ہو جائے گا۔ اس طرح اس عالم، دنیا کو آخرت کے اس عالم کے ساتھ حقیقتوں کے چھپنے اور ظاہر ہونے میں ایسا تعلق ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ، لہٰذا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گذرنے کے مشابہ ہے اور اس عالم کا ظاہر ہونا صبح کے روشن ہونے کی طرح ہے۔

آگے جہنم کی اور جہنم والوں کی بعض حالتوں کا بیان ہے، یعنی) ہر شخص اپنے (کفر والے) اعمال کے بدلے میں (جہنم میں) پکڑا ہوا ہوگا۔ مگر داھنے والے (جن کی تفسیر سورۂ واقعہ میں گذری ہے اور یہاں یہ اصحاب الشمال یعنی بائیں والوں کے مقابلہ میں ہیں، لہٰذا اس میں مقرب لوگ بھی شامل ہیں۔ حاصل یہ کہ مؤمن لوگ اس پکڑ سے مستثنیٰ ہیں) کہ وہ جنتوں میں ہوں گے (اور) مجرموں (یعنی کافروں) کا حال (خود ان کافروں ہی سے) پوچھتے ہوں گے (اور آپس میں فاصلہ کے باوجود بات چیت کی کیفیت کہ ان میں آپس میں گفتگو کیسے ہوگی؟ سورۂ اعراف آیت ۴۴ ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ الخ کی تفسیر میں گذر چکی ہے اور یہ سوال ملامت کے طور پر ہوگا۔

حاصل یہ کہ مؤمن کافروں سے پوچھیں گے کہ) تمہیں جہنم میں کس وجہ سے جانا پڑا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریبوں کو (جن کا کہ حق واجب تھا) کھانا کھلایا کرتے تھے (اور جو لوگ دین حق کو باطل قرار دینے میں مشغول رہتے تھے ان) مشغلوں (دین کو باطل قرار دینے) میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغول رہا کرتے تھے، اور قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے، یہاں تک کہ (اسی حالت میں) موت آگئی (اور ہم ان حرکتوں سے باز نہیں آئے یعنی

ہمارا خاتمہ اس نافرمانی پر ہوا۔ اس وجہ سے ہمیں جہنم میں آنا پڑا۔

اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر لوگ فروع کے مکلف ہیں، جہنم میں دو چیزیں ہوں گی عذاب اور عذاب کی زیادتی، چنانچہ ممکن ہے کہ مذکورہ اعمال کا مجموعہ عذاب اور عذاب کی زیادتی کا سبب ہو، اس طرح کہ کفر اور جھٹلانا تو عذاب کا سبب ہو اور نماز وغیرہ کا چھوڑنا عذاب کی زیادتی کا سبب ہو۔ اور فروع کا مکلف نہ ہونے کے معنی یہ کہے جائیں گے کہ ان فروع پر خود عذاب نہ ہوگا، اور عذاب کی زیادتی اس لئے ہو کہ اصول کے ضمن میں تو آخر ان فروع کے بھی مکلف ہیں، لہٰذا تکلیفِ ضمنی عذاب کی زیادتی کا سبب ہو جائے گی) سو (حالت مذکورہ میں) ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (اور اس عدم نفع کا تحقق عدم شفاعت کے تحقق سے ہوگا) یعنی شفاعت وسفارش ہی نہ ہوگی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ﴾

آگے ان کے منہ پھیرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جب کفر اور منہ پھیرنے کی بدولت ان کی یہ حالت بننے والی ہے) تو انہیں کیا ہوا کہ اس (قرآنی) نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں؟ گویا کہ وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں (اس تشبیہ میں کئی امر کی رعایت ہے، ایک تو گدھا ناسمجھی وحماقت کے لئے مشہور ہے دوسرے اس کو وحشی فرض کیا ہے۔ جسے اردو میں گورخر کہتے ہیں، کہ وہ بعض ایسی چیزوں سے بھی بدکتا، ڈرتا اور بھاگتا ہے جن سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ تیسرے اس کا شیر سے ڈرنا فرض کیا کہ اس صورت میں اس کا ڈرنا اور بھاگنا انتہائی درجہ کا ہوگا۔

اور اس بھاگنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس قرآن کو اپنے زعم کے مطابق حجت کے لئے کافی نہیں سمجھتے) بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی لکھی ہوئی (آسمانی) چیزیں دی جائیں (جیسا کہ درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ بعض کافروں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا اتباع کریں تو خاص ہمارے نام سے لکھی ہوئی ایسی چیزیں لائیں جن میں آپ کے اتباع کا حکم لکھا ہو۔ اور اسی طرح یہ ارشاد ہے ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ اور ﴿يُؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً﴾ میں لفظ ﴿مُّنَشَّرَةً﴾ کا بڑھانا مقصود کی توضیح کے لئے ہے، یعنی جیسے معمولی خطوط ہوتے ہیں کہ کھولے جاتے اور پڑھے جاتے ہیں، ایسے ہی فرشتے ہمارے پاس آنے چاہئیں۔

آگے اس بے ہودہ درخواست کا رد ہے کہ یہ) ہرگز نہیں (ہو سکتا، کیونکہ نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ ان لوگوں میں اس کی قابلیت ہے، اور خاص طور سے اس وجہ سے کہ اس درخواست کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کے دلوں میں حق کو قبول کرنے کا ارادہ ہو کہ اگر ایسا ہو جائے گا تو اتباع کر لیں گے) بلکہ (سبب یہ ہے کہ یہ لوگ) آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے (اس لئے حق کی طلب نہیں ہے اور یہ درخواستیں محض گھمنڈ ظاہر کرنے اور طعنہ دینے کے لئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ درخواستیں فرض کرو پوری بھی ہو جائیں تب بھی یہ لوگ اتباع نہ کریں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ

قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

آگے نتیجہ کے طور پر اس کا رد اور اس پر ملامت ہے کہ جب اس درخواست کا بے ہودہ ہونا ثابت ہوگیا تو یہ) ہرگز نہیں (ہوسکتا، بلکہ) یہ قرآن (ہی) نصیحت (کے لئے کافی) ہے (کسی دوسرے صحیفے کی ضرورت نہیں) تو (اس حالت میں) جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے (اور جس کا جی چاہے نہ کرے جہنم میں جائے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ صحیفے نازل کریں) اور (قرآن کے تذکرہ یعنی نصیحت ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ بعض لوگوں کو اس سے نصیحت نہیں ہوتی، اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ قرآن اپنے آپ میں نصیحت ہے، لیکن) بغیر اللہ کے چاہے یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے (اور اس نہ چاہنے میں بعض حکمتیں ہیں۔ لیکن قرآن اپنے آپ میں نصیحت ضرور ہے، لہٰذا اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی اطاعت کرو، کیونکہ وہی ہے جس (کے عذاب) سے ڈرنا چاہئے اور (وہی ہے) جو (بندوں کے گناہ) معاف کرتا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

فائدہ: ولید بن مغیرہ کو وحید کہنے میں ایک نکتہ کی بھی رعایت ہے کہ قریش میں اس کی برابر کوئی اور مال واولاد نہیں رکھتا تھا "وحید" اکیلا اور سب سے نرالا امتاز مشہور تھا اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے معنی کے اعتبار سے وحید فرمایا ہے جو اس کے عجز و بے بسی پر دلالت کرتا ہے اور اس قصہ سے قرآن میں تعرض ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع کی آیتوں کے علاوہ باقی سورت نبوت کے شروع کے زمانہ سے بہت عرصہ بعد نازل ہوئی، کیونکہ یہ قصہ بعد میں ہی ہوا ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ چنانچہ اتقان میں جو سورۂ مدثر کا سورۂ ن اور سورۂ مزمل کے بعد نازل ہونا لکھا ہے، وہ اسی بعد والے حصہ کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم

(۷۵) سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۭ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۭ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓي اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ يَسْــَٔـلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۭ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ كَلَّا لَا وَزَرَ ۭ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِۨ الْمُسْتَقَرُّ ۭ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۭ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰي نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۭ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۭ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ښ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۭ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۭ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۢ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۭ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ وَقِيْلَ مَنْ ۫ رَاقٍ ۙ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِۨ الْمَسَاقُ ۭ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۙ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۙ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۭ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۙ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۭ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۭ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۙ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۭ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى ۝ ﴾

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔ ہم ضرور جمع کریں گے کیونکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اُس کی انگلیوں کی پوریوں تک کو درست کردیں بلکہ بعضا آدمی یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق و فجور کرتا رہے، پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔ سو جس وقت آنکھیں خیرہ ہوجاویں گی اور چاند بے نور ہوجاوے گا اور سورج اور چاند ایک حالت کے ہوجاویں گے، اُس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں؟ ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں۔ اُس دن صرف آپ ہی کے رب کے پاس ٹھکانا ہے۔ اُس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جاوے گا۔ بلکہ انسان خود اپنی حالت

پر خوب مطلع ہوگا گو اپنے حیلے پیش لاوے۔ اے پیغمبر! آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تا کہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں۔ ہمارے ذمہ اُس کا جمع کر دینا اور اُس کا پڑھوا دینا ہے، تو جب ہم اُس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اُس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر اُس کو بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ اے منکرو! ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ بہت سے چہرے تو اُس روز بارونق ہونگے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے اور بہت سے چہرے اُس روز بدرونق ہوں گے خیال کر رہے ہونگے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جاوے گا۔ ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت کا وقت ہے اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے اُس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے تو اُس نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے، پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جاوے گا۔ کیا یہ شخص ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے بنایا پھر اعضاء درست کئے پھر اُس کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت۔ کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔

ربط: گذشتہ سورت کے آخر کے قریب ارشاد ہے ﴿لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ﴾ اور اس سے پہلے آخرت کی کچھ حالتوں کا بھی ذکر ہوا ہے، اس سورت میں آخرت کی حالتوں کی تفصیل ہے اور اس کے تابع کے طور پر آخرت کے مقدمہ یعنی موت کے وقت کا حال بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور دل و دماغ کو بعثت سے قریب کرنے کے لئے پیدائش کے شروع کا حال بھی بیان ہوا ہے۔ اور ﴿یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ﴾ الخ چونکہ انسان کو ہر چیز کی گنتی معلوم نہ ہونے کے باوجود حق تعالیٰ کو گنتی کا معلوم ہونا ثابت ہے، اس کی مناسبت سے مضمون ﴿لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ﴾ الخ لایا گیا اور آیت ﴿لَا تُحَرِّکْ بِهٖ﴾ الخ کا یہ ربط اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ڈالی ہوئی باتوں میں سے ہے، جس کی وضاحت ترجمہ میں آئے گی۔

قیامت کے احوال کی تفصیل اور قرآن کو یاد کرنے کے لئے جلدی سے پڑھنے لگنے سے منع کرنا اور موت سے قریب کی حالت اور پیدائش کے شروع کی حالت:

میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں اور ایسے نفس کی قسم کھاتا ہوں جو اپنے اوپر ملامت کرے (یعنی نیکی کر کے یہ کہے کہ میں نے کیا کیا ہے؟ اس میں اخلاص نہیں تھا۔ اس میں فلاں خرابی رہ گئی تھی اور گناہ ہو جائے تو بہت ہی نادم ہو۔ جیسا کہ ابن عباس اور الحسن سے درمنثور میں مروی ہے۔ چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے اس میں نفس مطمئن بھی شامل ہے جبکہ قسم کے جواب کا ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ خود ہی سمجھ میں آنے والا ہے، یعنی تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ اور ان دونوں قسموں کا موقع

محل کے مناسب ہونا ظاہر ہے، قیامت کا تو اس لئے کہ وہ بعث یعنی اٹھائے جانے کا وقت ہے اور نفس لوامہ اپنے اوپر ملامت کرنے والے نفس کا اس لئے کہ ایسا نفس بعث کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔

آگے بعث کا انکار کرنے والوں پر رد ہے) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟ انسان سے کافر مراد ہے، اور ہڈیوں کی تخصیص اس لئے کہ بدن میں اصل ستون یہی ہیں۔ آگے اس انکار کا جواب ہے) ہم ضرور جمع کریں گے (اور یہ جمع کرنا ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں) کیونکہ ہم اس پر قدرت رکھنے والے ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کردیں (پوروں کا ذکر کرنے کی خصوصیت دو وجہ سے ہے: ایک یہ کہ بدن کے کنارے ہیں اور ہر چیز بن کر اس کے کناروں پر پوری ہوتی ہے، چنانچہ اردو میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ میرے پور پور میں یعنی پورے بدن میں درد ہورہا ہے۔ دوسرے یہ کہ پوروں میں ان کے چھوٹے ہونے کے باوجود بناوٹ کی رعایت زیادہ ہے، جبکہ عام طور پر ایسا مشکل ہوتا ہے تو جو اس پر قادر ہوگا، وہ آسان پر زیادہ بہتر طور پر قادر ہوگا، لیکن بعض لوگ اللہ کی قدرت میں غور نہیں کرتے، اور قیامت کو نہیں مانتے) بلکہ (ایسا) انسان (قیامت کا منکر ہوکر) یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی (بے خوف و بے فکر ہوکر) فسق و فجور کرتا رہے (اس لئے انکار کے طور پر) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (یعنی چونکہ اپنی تمام عمر نافرمانیوں اور خواہشوں میں گذارنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس لئے اس کو حق کی طلب کی نوبت ہی نہیں آتی کہ اس کو قیامت کا ہونا ثابت ہو، اس لئے انکار پر اصرار کرتا ہے اور انکار کے طور پر پوچھتا ہے کہ کب آئے گی؟) تو جس وقت (حیرت کے مارے) آنکھیں پتھرا جائیں گی (اس حیرت کی وجہ یہ ہوگی کہ جن امور کو جھٹلاتا تھا، وہ اچانک ایک ہی بار میں نظر آجائیں گی۔ جیسا کہ جلالین میں ہے) اور چاند بے نور ہوجائے گا، اور (چاند ہی کی کیا تخصیص ہے بلکہ) سورج اور چاند (دونوں) ایک حالت کے ہوجائیں گے (یعنی دونوں بے نور ہوجائیں گے، جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے .تکوران (دونوں لپیٹ دیئے جائیں گے) اور کورت کے معنی ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ تاریک و بے نور ہوجائیں گے، اسے درمنثور نے سورۃ التکویر میں نقل کیا ہے اور چاند کو شاید اس لئے الگ بیان کیا کہ عرب والوں کو چاند سے حساب رکھنے کی وجہ سے اس کا حال دیکھنے کا زیادہ اہتمام ہوتا تھا) اس دن انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں؟ (ارشاد ہوتا ہے کہ) ہرگز (بھاگنا ممکن) نہیں (ہوگا، کیونکہ) کہیں پناہ کی جگہ نہیں (ہوگی) اس دن ٹھکانا صرف آپ کے رب ہی کے پاس ہے (پھر چاہے جنت میں بھیجیں یا جہنم میں اور رب کے پاس جانے کے وقت) اس دن انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا اور انسان کو اپنے اعمال کی خبر ہونا کچھ اس جتلانے پر موقوف نہ ہوگا) بلکہ انسان خود اپنی حالت کو (ضروری باتیں سامنے ہونے کی وجہ سے) جانتا ہوگا چاہے (طبعی تقاضے سے اس وقت بھی) کتنے ہی حیلے (بہانے) کرے (جیسے کافر کہیں گے ﴿وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ یعنی "اے ہمارے رب! ہم مشرک نہیں تھے" مگر دل

میں خود بھی جانیں گے کہ ہم جھوٹے ہیں۔ غرض انسان اپنے سارے حال کو خوب جانتا ہوگا۔ اس لئے جتلانا اسے بتانے کے لئے نہ ہوگا، بلکہ حجت پوری کرنے، ملامت اور جواب دینے کے لائق نہ رہنے دینے کے لئے ہوگا، اور) اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) ﴿ یُنَبَّؤُا ﴾ یعنی "جتا دیا جائے گا" اور ﴿ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ﴾ یعنی "انسان خود اپنی حالت کو جانتا ہوگا" سے دو مضمون سامنے آئے: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کے جاننے والے اور سب کا احاطہ کرنے والے ہیں۔ دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب حکمت کا تقاضا ہوتا ہے تو بہت سارے غائب علوم کو مخلوق کے ذہن میں حاضر کر دیتا ہے۔ چاہے ان غائب علوم کا حاضر ہو جانا طبعی عادت کے خلاف ہو، جیسا کہ قیامت میں واقع ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو آپ وحی کے نازل ہونے کے وقت جیسا کہ اب تک آپ کی عادت ہے اس قدر مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ کہ سنتے بھی ہیں، پڑھتے بھی ہیں، دھیان بھی رکھتے ہیں، محض اس احتمال سے کہ شاید کچھ مضمون میرے ذہن سے نکل جائے، کیونکہ جب ہم نے آپ کو نبی بنایا اور آپ سے تبلیغ کا کام لینا ہے تو یہاں حکمت کا تقاضا بھی ہوگا کہ وہ مضمون آپ کے ذہن میں حاضر رکھے جائیں اور ہمیں کتنی معلوم ہونا ظاہر ہی ہے۔ اس لئے آپ یہ مشقت برداشت نہ کیجئے اور جب وحی نازل ہوا کرے تو) آپ (وحی کے ختم ہو جانے سے پہلے) قرآن کے سلسلہ میں اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے۔ تا کہ آپ اس کو جلدی جلدی یاد کریں (کیونکہ) اس کا (آپ کے دل میں) یاد کرا دینا اور اس کا (آپ کی زبان سے) پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے (جب یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ (اپنے دل و دماغ سے پوری طرح) اس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی ادھر ہی متوجہ ہو جایا کیجئے، اور اس کے دہرانے میں مشغول نہ ہوا کیجئے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُہٗ ﴾ الخ) پھر (آپ کی زبان سے لوگوں کے سامنے اس کا بیان کرا دینا (بھی) ہمارے ذمہ ہے (یعنی آپ کو یاد کرا دینا اور آپ کی زبان پر جاری کرا دینا، پھر تبلیغ کے وقت بھی اس کا یاد رکھوا دینا اور لوگوں کے سامنے پڑھوا دینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے، وحی نازل ہونے کے وقت آپ کو قرآن پڑھنے سے منع کرنے کے لئے یہ مضمون آ گیا تھا۔

آگے پھر قیامت کا انکار کرنے والوں کو خطاب ہے، یعنی) اے انکار کرنے والو! (قیامت میں انسان کو اگلے پچھلے اعمال پر مطلع کیا جانا ضروری ہے اور جیسا تم سمجھ رہے ہو کہ قیامت نہ آئے گی) ہرگز ایسا نہیں (اور نہ ہی تمہارے پاس اس نفی کی کوئی دلیل ہے) بلکہ (بات صرف یہ ہے کہ) تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور (اس محبت میں مشغول ہو کر) آخرت (سے غافل ہو اور غفلت کے سبب اس) کو چھوڑ بیٹھے ہو (لہٰذا تمہاری اس نفی کی بنیاد محض فاسد ہے، تو قیامت ضرور ہوگی، اور ہر ایک کو اس کے اعمال پر مطلع کر کے ان اعمال کے لحاظ سے مناسب جزا ملے گی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ) بہت سے چہرے تو اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ اور بہت سے چہرے اس دن اداس ہوں گے (اور وہ لوگ) سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ ہونے والا ہے (یعنی انہیں شدید عذاب ہوگا، آگے دنیا کی

محبت پر ملامت ہے کہ تم جو دنیا کو محبوب رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دینے کے قابل سمجھ رہے ہو) ہرگز ایسا نہیں (کیونکہ ایک دن دنیا سے جدائی ہونے والی ہے اور آخر کار آخرت میں جانا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ) جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے اور (اس وقت نہایت حسرت کے ساتھ) کہا جاتا ہے (یعنی تیماردار کہتے ہیں) کہ (ارے) کوئی جھاڑ (پھونک کر) نے والا بھی ہے؟ (اس سے مطلق علاج کرنے والا مراد ہے، چونکہ عرب میں جھاڑ پھونک کا چرچا زیادہ تھا، اس لئے ﴿ رَاقٍ ﴾ یعنی "جھاڑ پھونک کرنے والے" سے تعبیر کیا گیا اور (اس وقت) وہ (مردہ) یقین کر لیتا ہے کہ (دنیا سے) جدائی کا وقت ہے اور (موت کے وقت کی سختی کی وجہ سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ لپٹ جاتی ہے (اس سے موت کی سختیوں کے آثار کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ التفات (پنڈلیاں لپٹنے) کی کوئی تخصیص نہیں، اس کا ذکر محض مثال کے لئے ہے۔ جب یہ حالتیں پیش آجاتی ہیں تو اے شخص) اس دن تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے (پھر ایسی حالت میں دنیا کی محبت اور آخرت کو چھوڑنا کس قدر نادانی کی بات ہے؟ پھر اللہ کے پاس پہنچنے کے بعد اگر وہ کافر ہے تو اس کا برا حال ہوگا، کیونکہ) اس نے نہ تو (اللہ اور رسول کی) تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی، لیکن (اللہ و رسول کو) جھٹلایا تھا، اور (احکام سے) منہ موڑا تھا، پھر (اس سے بھی بڑھ کر یہ حق کی دعوت دینے والے سے منہ موڑ کر اس پر فخر اور) ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (مطلب یہ کہ اول تو کفر و نافرمانی، پھر اس پر ندامت بھی نہیں، بلکہ اور الٹا فخر کرتا تھا کہ ہم نے اس طرح حق کو رد کیا اور باطل پر جمے رہے۔ اور پھر اس کے بعد بھی حق کی طلب نہیں، بلکہ اپنی دولت اور لوگوں میں جا کر اور زیادہ مغرور اور غافل ہو جاتا تھا۔

آگے اس کافر کی بدحالی کا بیان ہے کہ ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ) تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے پھر (دوبارہ سن لے کہ) تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے (مفرد کے دہرانے سے مقدار کی زیادتی معلوم ہوئی اور مجموعہ کے دہرانے سے کیفیت کی زیادتی معلوم ہوئی۔

اور چونکہ مذکورہ جزا کا واقع ہونا دو امر پر موقوف ہے ایک انسان کا مکلف ہونا اور دوسرے اس کا دوبارہ پیدا ہونا۔ جس کے ممکن ہونے میں انہیں شک تھا، اس لئے آگے دونوں مضمون ہیں) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا (نہ اسے کسی کام کا حکم دیا جائے گا نہ کسی کام یا بات سے روکا جائے گا، اور نہ اس سے کوئی حساب کتاب ہوگا؟ بلکہ مکلف ہونا بھی یقینی ہے اور اس پر پوچھ تاچھ بھی یقینی ہے، اور یہ جو مرنے کے بعد اٹھائے جانے کو محال سمجھتا ہے، یہ بھی اس کی حماقت ہے) کیا یہ شخص (شروع میں صرف) منی کا ایک قطرہ نہ تھا؟ جو (عورت کے رحم میں) ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے (اسے انسان) بنایا، پھر اعضاء درست کئے پھر اس (انسان) کی دو قسمیں مرد اور عورت کر دیں (اور یہ فا تفسیر کے لئے ہے تو) کیا وہ (اللہ جس نے شروع میں اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کیا) اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کر دے؟ (حالانکہ پہلی بار پیدا کرنا مشکل ہے اور دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے، لہٰذا جزا و سزا سے تعلق رکھنے والی باتوں کے اثبات سے جزا و سزا کا اثبات ہو گیا)

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْــًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ۝ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝﴾

ع ۲۲ ۱۹

ع ۲ ۲۰

ترجمہ: بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا۔ ہم نے اُس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، اس طور پر کہ ہم اُس کو مکلف بنائیں تو ہم نے اُس کو سنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اُس کو راستہ بتلایا یا تو وہ شکر گزار ہو گیا یا ناشکرا ہو گیا۔ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور آتش سوزاں تیار رکھی ہیں۔ جو نیک ہیں وہ ایسے جام شراب سے پیویں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔ اور وہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ۔ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اُن کو اُس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور اُن کو تازگی اور خوشی عطا فرماوے گا۔ اور اُن کی پختگی کے بدلہ میں اُن کو جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہونگے، نہ وہاں تپش پاویں گے اور نہ جاڑا۔ اور یہ حالت ہوگی کہ درختوں کے سائے اُن پر جھکے ہونگے اور اُن کے میوے اُن کے اختیار میں ہونگے۔ اور اُن کے پاس چاندی کے برتن لائے جاویں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہونگے، وہ شیشے چاندی کے ہونگے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا۔ اور وہاں اُن کو ایسا جام شراب پلایا جاوے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ اور اُن کے پاس ایسے لڑکے آمد و رفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اے مخاطب! اگر تو ان کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔ اور اے مخاطب! اگر تو اُس جگہ کو دیکھے تو تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھلائی دے۔ اُن جنتیوں پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہونگے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی۔ اور اُن کو چاندی کے کنگن پہنائے جاویں گے اور اُن کا رب اُن کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا۔ یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔ ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے۔ سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے۔ اور اپنے پروردگار کا صبح و شام نام لیا کیجئے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اُس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصہ میں اُس کی تسبیح کیا کیجئے۔ یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے اُن کے جوڑ بند مضبوط کئے اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں۔ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے۔ اور بدوں خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور ظالموں کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ربط: گذشتہ سورت میں جزا و سزا کا زیادہ اثبات اور کچھ جزا و سزا کی تفصیل تھی، جس میں شاید ترغیب کے لئے غالب

ایمان کی جزا ہے اور شروع میں اور آخر میں اس کا کچھ امکان واثبات ہے، اسی کے ساتھ انسان کا مکلف ہونا بھی بیان کیا گیا ہے اور چونکہ کافروں کے جزا وسزا کے انکار سے آپ کو رنج وملال ہوتا تھا، اس لئے درمیان میں ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴾ سے آپ کی تسلی ہے۔

انسان کا مختار اور مکلّف ہونا اور کفر وایمان پر سزا وجزا کا ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور دوبارہ زندہ ہونے کا امکان اور واقع ہونا:

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی ذکر کے قابل چیز نہیں تھا (یعنی انسان نہیں تھا بلکہ نطفہ تھا، اور اس سے پہلے غذا اور اس سے پہلے پیڑ پودا اور مٹی پتھر تھا) ہم نے اسے ملے جلے (یعنی مرد وعورت دونوں کے) نطفہ سے پیدا کیا (کیونکہ عورت کی منی بھی اندر ہی اندر رحم میں پہنچتی ہے، پھر کبھی رحم کے منہ سے نکل کر ضائع ہو جاتی ہے اور کبھی مرد کی منی سے مل کر حمل رہ جاتا ہے، اور ملے جلے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مختلف قسم کے اجزا سے ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ منی کی مختلف اجزاء سے ترکیب ظاہر ہے۔ غرض ہم نے اسے ایسے نطفہ سے پیدا کیا) تاکہ اس کا امتحان لیں تو (اسی واسطے) ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا (اور سمجھنے والا) بنایا (اور چونکہ محاورہ میں سمیع وبصیر استعمال میں عاقل کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے عقل دینے کی تصریح نہیں فرمائی جو کہ مکلّف ہونے کا مدار ہے، مگر وہ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے اس کو ایسی ہیئت اور صفتوں کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں مکلّف بننے کی قابلیت ہو۔ اس کے بعد جب مکلّف بننے کا وقت آگیا تو) ہم نے اسے (بھلائی وبرائی کا علم دے کر) راستہ بتایا (یعنی احکام کا مخاطب بنایا، پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مؤمن) ہو گیا یا ناشکرا (اور کافر) ہو گیا (یعنی جس راستہ پر چلنے کو اس سے کہا اس پر چلا، وہ مؤمن ہو گیا جو بالکل نہ چلا وہ کافر ہو گیا۔

آگے دونوں فریق کی جزا کا ذکر ہے کہ) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے (اور) جو نیک (لوگ) ہیں وہ جام سے ایسی شراب پئیں گے جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی، یعنی ایسے چشمے سے (پئیں گے) جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے (اور) جسے وہ (خاص بندے جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے (اور یہ جنتیوں کی ایک کرامت ہوگی کہ جنت کی نہریں ان کے تابع ہوں گی، جیسا کہ درمنثور میں ابن شوذب سے روایت ہے کہ جنتیوں کے ہاتھ میں سونے کی چھڑیاں ہوں گی، وہ چھڑیوں سے جس طرف اشارہ کر دیں گے نہریں اسی طرف چلنے لگیں گی۔ اور یہ کافور دنیا کا نہیں بلکہ جنت کا کافور ہے جو سفید ٹھنڈی ہونے اور دل ودماغ کو فرحت وقوت دینے وغیرہ کی خوبیوں وخصوصیتوں والی ہوگی لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی بھی چیز کا جنت کی نعمتوں سے اصل میں کوئی میل نہیں ہے (دنیا کی شراب میں خاص کیفیتیں حاصل کرنے کے لئے بعض مناسب چیزیں ملائی جاتی ہیں، چنانچہ وہاں شراب کے اس پیالے میں کافور ملایا جائے گا۔ اور شراب کے وہ جام ایسے چشمے سے بھرے جائیں گے جس سے مقرب بندے پئیں گے، تو ظاہر ہے کہ وہ

چشمہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا، لہٰذا اس سے ابرار یعنی نیک لوگوں کی خوش خبری میں تقویت ہوگئی، اور اگر ابرار اور عباد اللہ کا مصداق ایک ہی ہے تو دو جگہ بیان کرنے سے الگ الگ مقصود ہے ایک جگہ اس کی ملاوٹ بتانا مقصود ہے اور دوسری جگہ اس کا بہت زیادہ ہونا اور قابو میں ہونا کہ عیش کے اسباب کی کثرت اور عیش کی چیزوں کے زیادہ لذیذ ہونے میں رغبت ہے۔

آگے ان نیک لوگوں کی صفتوں کا ذکر ہے کہ) وہ لوگ واجب احکام کو پورا کرتے ہیں اور (ادا بھی خلوص کے ساتھ کرتے ہیں، کیونکہ وہ) ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی (یعنی کچھ کم وزیادہ اس کی سختی کا اثر سب پر ہوگا، سوائے اس کے جسے اللہ اس سختی سے بچالے، مراد قیامت کا دن ہے اور (وہ لوگ ایسے مخلص ہیں کہ مالی عبادت میں بھی جس میں عام طور سے اخلاص کم ہوتا ہے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں، چنانچہ) وہ لوگ (محض) اللہ کی محبت میں غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (قیدی اگر مظلوم ہے کہ ظلم کے طور پر قید کیا گیا تب تو اس کی مدد کرنے کا اچھا ہونا ظاہر ہے اور اگر ظالم ہے کہ ظلم کی سزا میں قید ہوا ہے تو شدید ضرورت کے وقت اسے بھی کھانا کھلانا اچھا ہے، اور وہ لوگ کھانا کھلا کر زبان سے یا دل سے یوں کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے (اس کا فعل کی شکل میں) بدلا (چاہتے ہیں اور نہ (ہی قول کی شکل میں) شکریہ (چاہتے ہیں۔ اور ہم اللہ کی رضامندی کے لئے تمہیں کھانا اس واسطے کھلاتے ہیں کہ) ہمیں اپنے رب کی طرف سے ایک سخت عذاب والے دن کا اندیشہ ہے (تو امید رکھتے ہیں کہ اخلاص کے ساتھ ملے ہوئے ان اعمال کی بدولت اس دن کے عذاب اور سختی سے محفوظ رہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کے خوف سے کوئی کام کرنا اخلاص اور اللہ کی رضامندی کی تلاش کے خلاف نہیں) تو اللہ تعالیٰ انہیں (اس اطاعت اور اخلاص کی برکت سے) اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا۔ اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا (یعنی چہروں پر تازگی اور دلوں میں خوشی دے گا) اور ان کی پختگی (یعنی دین پر قائم رہنے) کے بدلہ میں انہیں جنت اور ریشمی لباس دے گا۔ اس حالت میں کہ وہ وہاں (جنت میں) مسہریوں پر (آرام وعزت سے) تکئے لگائے ہوں گے (اور) نہ وہاں دھوپ کی گرمی پائیں گے اور نہ جاڑے کی سردی (بلکہ فرحت بخشنے والی درمیانی حالت ہوگی) اور یہ حالت ہوگی کہ (وہاں یعنی جنت میں) ان (یعنی جنتیوں) کے اوپر درختوں کے سائے جھکے ہوں گے۔ اور سایہ نعمت کے اسباب میں سے ہے اور نعمت کے اسباب کا قریب ہونا خود زیادہ نعمت کا سبب ہے اور سایہ سے سورج کا ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ سایہ دوسرے نورانی جسموں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، اور شاید سایہ کا فائدہ عیش کے اسباب کا مختلف قسم کا ہونا ہے، کیونکہ ہر چیز میں الگ لذت ہوتی ہے) اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے (کہ ہر وقت ہر طرح بغیر کسی مشقت کے لے سکیں گے) اور ان کے پاس (کھانے پینے کی چیزیں پہنچانے کے لئے) چاندی کے برتن لائے جائیں گے، اور پیالے جو شیشے کے ہوں گے (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے۔ جنہیں بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا (یعنی ان میں پینے کی چیزیں ایسے انداز سے بھری ہوں گی کہ نہ اس وقت کی خواہش میں کمی رہے اور نہ اس

سے بچے کہ دونوں ہی صورتوں میں لطف و مزہ جاتا رہتا ہے اور چاندی کے شیشے کے یہ معنی ہیں کہ سفیدی تو چاندی جیسی ہوگی، اور صفائی و چمک شیشہ جیسی۔ اور دنیا کی چاندی میں آر پار نظر نہیں آتا۔ اسی طرح یہاں شیشہ میں ایسی سفیدی نہیں ہوتی، تو یہ ایک عجیب چیز ہوگی) اور انہیں وہاں (مذکورہ بالا شراب کے جام کے علاوہ جس میں کافور کی ملاوٹ تھی اور بھی) ایسی شراب کا جام پلایا جائے گا، جس میں سونٹھ کی ملاوٹ ہوگی (کہ طبعی حرارت کو بڑھانے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لئے شراب میں اس کو بھی ملاتے تھے) یعنی (انہیں) ایسے چشمے سے (پلایا جائے گا) جو وہاں ہوگا، جس کا نام سلسبیل (مشہور) ہوگا (اوپر والے اور اس مقام کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا چشمہ کی شراب میں کافور کی ملاوٹ ہوگی اور بعد میں ذکر والے اس چشمہ کی شراب میں سونٹھ کی ملاوٹ ہوگی۔ واللہ اعلم

اور ان کے پاس (یہ چیزیں لے کر) ایسے لڑکے دوڑتے پھرتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے (اور وہ اس قدر حسین ہوں گے کہ) اے مخاطب! اگر تم انہیں (چلتے پھرتے) دیکھو تو یوں سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں (موتی سے تو ان کی صفائی اور چمک میں تشبیہ ہے اور بکھرے ہوئے ہونے کی صفت ان کے چلنے پھرنے کے لحاظ سے ہے جیسے موتی بکھر کر کوئی ادھر جا رہا ہے، کوئی ادھر جا رہا ہے اور یہ اعلیٰ درجہ کی تشبیہ ہے) اور (نعمتوں کے ان مذکورہ اسباب تک ہی بات محدود نہیں بلکہ وہاں اور بھی ہر سامان اتنا زیادہ اور اتنا اچھا ہوگا کہ) اے مخاطب! اگر تم اس جگہ کو دیکھو تو تمہیں بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے (اور ان جنتیوں پر باریک ریشم کے سبز لباس ہوں گے اور موٹے ریشم کے کپڑے بھی (ہوں گے، کیونکہ ہر لباس میں ایک الگ ہی مزا ہوتا ہے) اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے (اس سورت میں چاندی کے سامان کا ذکر تین جگہ آیا ہے اور دوسری آیتوں میں سونے کا ذکر ہے۔ ان دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، کیونکہ دونوں طرح کا سامان ہوگا۔ اور اس کی حکمت وہی طبیعتوں اور نعمتوں کا مختلف قسم کا ہونا ہے، اور یہ شبہ کہ دنیا میں مردوں کے لئے زیور پہننا عیب ہے اس لئے دور ہو جاتا ہے کہ ہر جگہ تقاضا جدا ہوتا ہے، دنیا میں عیب ہونے سے جنت میں عیب ہونا لازم نہیں آتا) اور ان کا رب (جو انہیں شراب پینے کو دے گا جس کا اوپر ذکر آیا ہے ﴿يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَأْسٍ﴾ ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَأْسًا﴾ تو کاس یا جام وہ برتن ہے جس میں شراب بھر کر پیتے ہیں۔ تو وہ دنیاوی شراب کی طرح ناپاک سڑی ہوئی چیزوں سے بنی ہوئی اور عقل کو زائل کرنے والی اور خمار و نشہ پیدا کرنے والی نہ ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ) انہیں پاکیزہ شراب پینے کو دے گا (جس میں نہ نجاست ہوگی نہ گندگی، اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾ اور سورت میں جو تین جگہ شراب کا ذکر آیا ہے، اس کی غرض ہر جگہ الگ ہے۔ جیسا کہ ترجمہ کی وضاحت سے ظاہر ہے۔ پھر شروع میں ﴿يَشْرَبُوْنَ﴾ ہے دوسری جگہ ﴿يُسْقَوْنَ﴾ ہے جو عزت و اکرام کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے اور تیسری جگہ ﴿سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ﴾ میں نہایت ہی اعلیٰ عزت ہے، لہٰذا تکرار کی کوئی بات نہیں رہی۔ اور یہ سب نعمتیں دینے کے بعد جنت والوں سے ان کی روحانی مسرت بڑھانے کے لئے کہا جائے گا کہ) یہ تمہارا صلہ ہے، اور تمہاری کوشش جو تم دنیا میں کرتے تھے) قبول کر لی گئی۔

(آگے دونوں فریقوں کے جزا کے ذکر کے مجموعہ کے بعد معنوی طور پر آپ کو تسلی دی گئی ہے یعنی آپ نے ان مخالفوں کی سزا کے بارے میں سن لیا، لہٰذا آپ ان کی مخالفت کی وجہ سے غم نہ کیجئے اور اپنی طاعت کے عمل میں لگے رہئے جو خاص آپ کے لئے لازم ہے اس میں بھی اور جو آپ کے واسطہ سے دوسروں سے متعلق ہے اس میں بھی کہ طاعت ہونے کے علاوہ اس میں دل کو بھی تقویت ہوتی ہے، اور اس طاعت کا بیان یہ ہے کہ) ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (تا کہ آپ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کو پہنچاتے رہیں، اور انہیں ہدایت میں آسانی ہو، جیسا کہ سورۃ الاسراء کے آخر میں ذکر کیا گیا ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ ﴾ الخ) تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (کہ اس میں تبلیغ بھی داخل ہے) قائم رہئے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے (یعنی یہ جو تبلیغ سے منع کرتے ہیں جیسا کہ الدرالمنثور میں سورۃ الکافرون میں ہے۔ اس کے مطابق عمل نہ کیجئے، اس سے شان کی عظمت کا اظہار مقصود ہے، چاہے مطابقت کا احتمال یقینی طور پر ناپید ہو۔ یہ تو اس عبادت کا امر ہوا جس کا تعلق دوسروں سے ہے) اور (آگے آپ کی ذات سے متعلق عبادت کا امر ہے یعنی) صبح و شام اپنے رب کا نام یاد کیا کیجئے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی فرض نماز پڑھا کیجئے) اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح (وتقدیس) کیا کیجئے (اس سے فرض نمازوں کے علاوہ تہجد مراد ہے۔

اور آگے تسلی کی تقویت کے لئے ایک اور مضمون ہے جس میں کافروں کی مذمت بھی ہے، یعنی آپ کے ساتھ ان لوگوں کی مخالفت کی اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (چنانچہ دنیا کی محبت نے اندھا کر رکھا ہے اس لئے حق بات کہنے والے سے بغض رکھتے ہیں۔

اور بھاری دن کا ذکر سن کر چونکہ ان کے انکار کا گمان تھا، اس لئے آگے اس بھاری دن کے بعید ہونے کے خیال کو دور کرتے ہیں، یعنی) انہیں ہم نے ہی پیدا کیا۔ اور ہم نے ہی ان کے جوڑ بند مضبوط کئے، اور ہم جب چاہیں انہی جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں (اور پہلا امر تو سب کے سامنے ہے اور دوسرا امر ذرا سے غور وفکر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ دونوں امروں سے اللہ کی قدرت ظاہر ہے۔ پھر بعث میں ہی کونسی مشکل بات ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو۔

آگے ان گذشتہ تمام مضمونوں کے بارے میں جس میں جزا اور قدرت پر استدلال کا ذکر ہوا، فرماتے ہیں کہ) یہ سب جس کا ذکر ہوا، کافی) نصیحت ہے تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر لے (یہ بات سورۂ مزمل میں بھی گذر چکی ہے) اور (قرآن کے نصیحت ہونے میں اس سے شبہ نہ کیا جائے کہ بعض کو اس سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن تو اپنے آپ میں کافی نصیحت ہے، لیکن) جب تک اللہ نہ چاہے تم کچھ نہیں چاہ سکتے (اور بعض لوگوں کے لئے اللہ کے نہ چاہنے میں کچھ حکمتیں ہوتی ہیں، کیونکہ) اللہ تعالیٰ بڑا علم والا، حکمت والا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور (جس کو چاہے کفر اور ظلم میں مبتلا رکھتا ہے، پھر) اس نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ﴿۴﴾
فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾
وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ؕ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ؕ﴿۱۲﴾
لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ؕ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ؕ﴿۱۶﴾
ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ
نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۙ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖۗ فَنِعْمَ
الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۙ﴿۲۶﴾
وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ؕ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا
اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ
مِنَ اللَّهَبِ ؕ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ؕ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ
جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ؑ﴿۴۰﴾ اِنَّ
الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ؕ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا
قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا
يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ؑ﴿۵۰﴾ ﴾

ترجمہ: قسم ہے اُن ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں، پھر اُن ہواؤں کی جو تندی سے چلتی ہیں اور اُن
ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں، پھر اُن ہواؤں کی جو بادلوں کو متفرق کر دیتی ہیں، پھر اُن ہواؤں کی جو اللہ کی یاد یعنی توبہ

کا یا ڈرانے کا القاء کرتی ہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔ سو جب ستارے بے نور ہو جاویں گے اور جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب پہاڑ اُڑتے پھریں گے اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جاویں گے۔ کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے۔ فیصلہ کے دن کے لئے، اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم اگلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے۔ پھر پچھلوں کو بھی اُن ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے۔ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا۔ پھر ہم نے اُس کو ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھیرایا، سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھیرانے والے ہیں۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا، اور ہم نے اُس میں اونچے پہاڑ بنائے اور ہم نے تم کو میٹھا پانی پلایا۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تم اُس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔ ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جس میں نہ سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے۔ وہ انگارے برساوے گا، جیسے بڑے بڑے محل جیسے کالے کالے اونٹ۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ اُن کو اجازت ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو اور اگلوں کو جمع کر لیا۔ سو اگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلا لو۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں اور مرغوب میووں میں ہونگے۔ اپنے اعمال کے صلہ میں خوب مزہ سے کھاؤ پیو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تم تھوڑے دن اور کھا لو برت لو تم بیشک مجرم ہو۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لاویں گے۔

ربط: گذشتہ سورت میں قیامت کے واقع ہونے اور جزا و سزا کے اسباب اور کیفیتوں کا ذکر تھا۔ اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔ اتنا فرق ہے کہ وہاں ترغیب کا مضمون زیادہ تھا یہاں ترہیب یعنی ڈرانے کا مضمون ہے اور اسی لئے اس میں دس جگہ آیت ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ آئی ہے۔ اور چونکہ تکذیب سے تعلق رکھنے والے یعنی جھٹلانے والے کئی ہیں اس لئے معنی کے لحاظ سے تکرار نہیں اور ظاہری تکرار تاکید کے لئے مفید بھی ہے جیسا کہ سورۂ رحمٰن کی تمہید میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

جھٹلانے والوں کے لئے وعید اور تصدیق کرنے والوں کے لئے کچھ وعدے:

قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (جس سے

خطروں کا احتمال ہوتا ہے) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو (اٹھا کر) پھیلاتی ہیں (جس کے بعد بارش ہونے لگتی ہے) پھر ان ہواں کی جو بادلوں کو الگ الگ کر دیتی ہیں (جیسا کہ بارش کے بعد ہوتا ہے) پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد یا ڈر اوادل میں ڈالتی ہیں (یعنی یہ مذکورہ ہوائیں قدرت پر دلالت کرنے والی ہونے کی وجہ سے بنانے والے کی طرف متوجہ ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہیں۔ اور وہ توجہ دو طرح سے ہوتی ہے: ایک خوف سے جب کہ ان ہواؤں سے خوف کے آثار ظاہر ہوں۔ اور دوسرے توبہ اور معذرت سے، اور یہ دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے اگر ہوائیں نفع بخشنے والی ہوں تب تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر اور اپنی کوتاہیوں سے عذر کرتے ہیں اور اگر وہ ہوائیں خوفناک ہوں تو اللہ کے عذاب سے ڈر کر اپنی نافرمانیوں سے توبہ کرتے ہیں۔ آگے قسم کا جواب ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے (اس سے قیامت مراد ہے اور یہ سب قسمیں قیامت کے لحاظ سے بہت مناسب ہیں کیونکہ نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کے بعد فنا ہونے کا واقعہ عاصف یعنی تیز ہواؤں کے واقعوں کے مشابہ ہے اور نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری بار صور پھونکے جانے کے بعد زندہ کرنے کا واقعہ نفع پہنچانے والی ہواؤں کے واقعوں کے مشابہ ہیں۔

آگے اس کے واقع ہونے کے حوالہ سے فرماتے ہیں) تو جب ستارے بے نور ہو جائیں گے، اور جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے، اور جب سارے رسول متعین وقت پر جمع کئے جائیں گے (اس وقت سب کا فیصلہ ہوگا۔ آگے اس دن کی ہولناکی ہے کہ کچھ معلوم ہے؟) کس دن کے لئے (رسولوں کا) معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے؟ (آگے جواب ہے کہ) فیصلہ کے دن کے لئے ملتوی رکھا گیا ہے۔ اس سوال و جواب کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر جو رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہیں اور اب بھی اس امت کے کافر رسول اللہ ﷺ کو جھٹلا رہے ہیں اور جب اس جھٹلانے پر آخرت کے عذاب سے ڈرائے جاتے ہیں تو آخرت کو بھی جھٹلاتے ہیں اور یہ جھٹلانا اپنے آپ میں اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رسولوں کا جو قصہ کافروں کے ساتھ پیش آ رہا ہے، اس کا فیصلہ بھی ہو جائے اور اس کی تاخیر سے کافروں کو جلدی کا انکار اور مسلمانوں کو طبعی طور پر جلدی کا تقاضا ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت میں اس جلدی کا جواب ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض حکمتوں سے اس میں تاخیر کر رکھی ہے، لیکن یہ واقع ضرور ہوگا)

اور (آگے اس فیصلہ کے دن کی ہولناکی ہے کہ) آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے؟ (یعنی بہت سخت ہے اور جو لوگ اس امر حق یعنی قیامت کے واقع ہونے کو جھٹلا رہے ہیں سمجھ لیں کہ) اس دن (حق کے) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی (آگے عذاب کی مثال ہے یعنی) کیا ہم اگلے (کافر) لوگوں کو (عذاب سے) ہلاک نہیں کر چکے؟ پھر پچھلوں کو بھی (عذاب میں) ان (پہلے والوں) ہی کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (یعنی آپ کی امت کے کافروں پر بھی ہلاکت کا وبال نازل کریں گے، جیسا کہ بدر وغیرہ کی جنگوں میں ہوا) ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے

ہیں (یعنی ان کے کفر پر سزا دیتے ہیں چاہے دونوں جہانوں میں چاہے آخرت میں۔ اور جو لوگ حق کے اس معاملہ یعنی کفر پر عذاب کے مستحق ہونے کو جھٹلا رہے ہیں، وہ سمجھ لیں کہ) اس دن (حق کے) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(آگے بعث پر قدرت کی وضاحت ہے یعنی) کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا (یعنی ابتدا میں تم نطفہ تھے) پھر ہم نے اس کو ایک مقرر وقت تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا، غرض ہم نے ان سب تصرفات کا) ایک انداز ٹھہرایا تو ہم کیسے اچھے انداز ٹھہرانے والے ہیں (اور اس سے بعث پر قدرت ثابت ہوئی پھر جو لوگ اس امر حق یعنی بعث پر قدرت کو جھٹلا رہے ہیں وہ سمجھ رکھیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی

(آگے اپنی بعض نعمتیں بیان فرماتے ہیں جن سے ایمان اور اطاعت کی ترغیب ہو یعنی) کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے سمیٹنے والی نہیں بنایا (کہ زندگی اسی پر بسر ہوتی ہے، مرکر دفن کے بعد یا غرق ہونے کے بعد یا جلنے کے بعد آخر میں زمین کے اجزا ہو کر اسی میں کھپ جاتے ہیں۔ اور موت کے بعد اس حالت کا نعمت ہونا اس طرح ہے کہ اگر مردے مٹی نہ ہو جایا کرتے تو زندے پریشان ہو کر مردوں سے بدتر ہو جاتے) اور ہم نے اس (زمین) میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے (جن سے بہت سارے نفعوں کا تعلق ہے) اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا (اس نعمت کو چاہے مستقل کہا جائے یا زمین ہی سے متعلق کہا جائے کیونکہ پانی کے ٹھہرنے کی جگہ بھی زمین ہی ہے اور ان نعمتوں کا تقاضا توحید کا واجب ہونا ہے، لہٰذا جو لوگ اس امر حق یعنی توحید کے واجب ہونے کو جھٹلا رہے ہیں، وہ سمجھ لیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(آگے قیامت کی بعض عقوبتوں کا بیان ہے، یعنی کافروں سے کہا جائے گا کہ) تم اس عذاب کی طرف چلو، جس کو جھٹلایا کرتے تھے (جن میں سے ایک عذاب وہ ہے جس کا بیان اس حکم میں ہے کہ) ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں، جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے (اس سائبان سے مراد ایک دھواں ہے جو جہنم سے نکلے گا۔ اور چونکہ کثرت سے ہوگا، اس لئے بلند ہو کر پھٹ کر تین ٹکڑے ہو جائیں گے، جیسا کہ الطبر ی میں قتادہ سے روایت ہے۔ اور حساب سے فارغ ہونے تک کافر اسی دھویں کے احاطہ میں رہیں گے، جیسے مقبول لوگ عرش کے سایہ میں ہوں گے جیسا کہ خازن میں ہے۔ آگے اس دھویں کے اور حال کا ذکر ہے کہ) وہ انگارے برسائے گا، جیسے بڑے بڑے محل، جیسے کالے کالے اونٹ (قاعدہ ہے کہ جب آگ سے چنگاری جھڑتی ہے تو بڑی ہوتی ہے، پھر بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے۔ چنانچہ پہلی تشبیہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری تشبیہ انتہائی حالت کے اعتبار سے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ پھر جو لوگ اس امر حق یعنی اس واقعہ کو جھٹلا رہے ہیں وہ سمجھ رکھیں کہ اس دن

(حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی

(آگے اور واقعہ کافروں سے متعلق ہے یعنی) یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ لوگ بول نہیں سکیں گے اور نہ انہیں (عذر کی) اجازت ہوگی۔ تو عذر بھی نہ کرسکیں گے (کیونکہ واقع میں کوئی عذر نہ ہوگا، اور جو لوگ اس واقعۂ حق کو بھی جھٹلا رہے ہیں وہ سمجھ رکھیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(آگے بھی اسی دن کا بیان ہے، ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ) یہ ہے فیصلہ کا دن (جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے) ہم نے (آج) تمہیں اور اگلے لوگوں کو (فیصلہ کے لئے) جمع کرلیا تو اگر تمہارے پاس (آج کے فیصلہ سے بچنے کی) کوئی تدبیر ہو تو مجھ پر تدبیر چلالو (اور یہ کافر اس واقعہ حق کو بھی جھٹلاتے ہیں تو سمجھ رکھیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(آگے کافروں کے مقابلہ میں ایمان والوں کے ثواب کا بیان ہے) پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور پسندیدہ میووں میں ہوں گے (اور ان سے کہا جائے گا کہ (اپنے نیک) اعمال کے صلہ میں خوب مزہ سے کھاؤ، پیو۔ ہم نیک لوگوں کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں (اور یہ کافر لوگ جنت کی نعمتوں کو بھی جھٹلاتے ہیں تو سمجھ لیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(آگے پھر کافروں کو ملامت ہے یعنی اے کافرو!) تم (دنیا میں) تھوڑے دن اور کھالو، برت لو (جلدی ہی تمہاری کم بختی آنے والی ہے، کیونکہ) بے شک تم مجرم ہو اور مجرم کا یہی حال ہونے والا ہے اور جو لوگ جرم کی سزا کو جھٹلاتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(اور ان کافروں کی سرکشی اور جرم کی یہ حالت ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کی طرف) جھکو (یعنی ایمان اور بندگی اختیار کرو) تو نہیں جھکتے (اور اس سے زیادہ کیا جرم ہوگا؟ اور یہ لوگ اس کے جرم ہونے کو بھی جھٹلاتے ہیں تو سمجھ لیں کہ) اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔

(اور قرآن کی ان ملامتوں اور ڈانٹ ڈپٹ ودھمکیوں کا تقاضا یہ تھا کہ یہ سنتے ہی ڈر کر ایمان لے آتے، مگر جب اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں) تو پھر اس (بلیغ الفاظ والے اور ڈرانے والے قرآن) کے بعد اور کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟ (اس میں کافروں پر ملامت اور ان کے ایمان سے آپ کو مایوس کرنا ہے)

﴿الحمدللہ! انتیسواں پارہ پورا ہوا، باقی کی تکمیل کی توفیق دیں﴾

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس میں بھی گذشتہ سورت کی طرح قیامت کے امکان اور وقوع اور جزا و سزا کے واقعات کا ذکر ہے۔

﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۗ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۙ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۗ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۗ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۙ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۚ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۙ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۙ جَزَآءً وِّفَاقًا ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۙ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۧ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۙ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۙ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۙ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۗ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۚ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۗ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۗ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۧ﴾

ع ۱

ع ۲

ترجمہ: یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں؟ اُس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے پھر ہرگز ایسا نہیں اُن کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا تا کہ ہم اُس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں۔ بیشک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صور پھونکا جاوے گا پھر تم

لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جاوے گا پھر اُس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ ہٹا دیئے جاویں گے سو وہ ریت کی طرح ہو جاویں گے۔ بیشک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانا ہے جس میں وہ بے انتہاء زمانوں کے لئے رہیں گے اُس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کا بجز گرم پانی اور پیپ کے، یہ پورا بدلہ ملے گا۔ وہ لوگ حساب کا اندیشہ نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے۔ اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ سو مزہ چکھو کہ ہم تم کو سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے۔ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بیشک کامیابی ہے یعنی باغ اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں اور لبالب بھرے ہوئے جام شراب۔ وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ، یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور اُن چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں۔ رحمٰن ہے کسی کو اس کی طرف سے اختیار نہ ہوگا کہ عرض و معروض کر سکے۔ جس روز تمام ذی ارواح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہونگے کوئی بول نہ سکے گا بجز اُس کے جس کو رحمٰن اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے۔ یہ یقینی دن ہے سو جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنا رکھے۔ ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے جس دن ہر شخص اُن اعمال کو دیکھ لے گا جو اُس نے اپنے ہاتھوں سے کیے ہونگے، اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا!

موت کے بعد اٹھائے جانے کے امکان اور وقوع کا اثبات:

یہ (قیامت کا انکار کرنے والے) لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں؟ اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں جس میں یہ لوگ (اہل حق کے ساتھ) اختلاف کر رہے ہیں؟ (اس سے قیامت مراد ہے اور دریافت کرنے سے انکار کے طور پر دریافت کرنا مراد ہے، اور اس سوال و جواب سے مقصود ذہنوں کو اس طرف متوجہ کرنا اور ابہام کے بعد تفسیر سے اس کی شان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے۔

آگے ان کے اختلاف کو بے کار اور باطل قرار دیا گیا ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی) ہرگز ایسا نہیں ہے (بلکہ قیامت آئے گی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یعنی جب دنیا سے رخصت ہونے کے بعد انہیں عذاب میں ڈالا جائے گا تب قیامت کی حقیقت اور اس کا حق ہونا کھل کر سامنے آجائے گا اور ہم) پھر (مکرر کہتے ہیں کہ جیسا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہ آئے گی) ہرگز ایسا نہیں ہے (بلکہ آئے گی اور) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے

(اور چونکہ وہ لوگ اس کو بہت محال اور عقل و سمجھ سے بہت دور سمجھتے ہیں۔ اس لئے آگے اس کے امکان اور صحت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کو ناممکن سمجھنے سے ہماری قدرت کا انکار اور اس سے کفر لازم آتا ہے اور ہماری قدرت کا انکار انتہائی عجیب بات ہے کیونکہ (کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا؟ (یعنی میخوں کی طرح بنایا، جیسا کہ کسی چیز میں میخیں لگا دینے سے وہ چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی، اسی طرح زمین کو پہاڑوں کے ذریعہ اپنی

جگہ ٹھہرا ہوا کردیا، جس کو دوسری آیت میں ﴿ رَوَاسِیَ ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے (سورۃ الرعد آیت ۳ و سورۃ النحل آیت ۱۵، والمرسلات آیت ۲۷) وغیرہ۔

اور (اس کے علاوہ ہم نے قدرت کے اور بھی دلائل ظاہر فرمائے ہیں، چنانچہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا (جوڑا یعنی مرد وعورت) بنایا، اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم ہی نے (آسمان میں) ایک روشن چراغ بنایا (سورج مراد ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ﴿ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴾ یعنی سورج کو چراغ بنایا (سورۂ نوح ۱۶) اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔ تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گنجان باغ پیدا کریں (اور ان سب سے ہماری قدرت کا کمال ظاہر ہے پھر قیامت پر ہمارے قادر ہونے کا کیوں انکار کیا جاتا ہے؟ یہ امکان کا بیان ہے۔

آگے واقع ہونے کا ذکر ہے کہ) بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا، پھر تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے (یعنی ہر امت الگ الگ ہوگی، پھر مؤمن الگ کافر الگ، نیک لوگ الگ اور برے لوگ الگ، سب ایک دوسرے سے الگ ہو کر قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے) اور آسمان کھل جائے گا، پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے (یعنی اس قدر زیادہ کھل جائے گا جیسے بہت سے دروازے ملا کر بہت ساری جگہ کھلی ہوئی ہوتی ہے، اس طرح یہ کلام تشبیہ پر مبنی ہے، اس لئے یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ دروازے تو آسمان میں اب بھی ہیں، پھر اس دن دروازے ہونے کا کیا مطلب ہے، اور یہ کھلنا فرشتوں کے نزول کے لئے ہوگا، جیسے کہ سورۂ فرقان آیت ۲۵ میں ﴿ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی تشریح وہاں بیان ہو چکی ہے) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیئے جاویں گے، اور وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے (جیسا کہ فرمایا ﴿ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴾ (سورۃ المزمل ۱۴) اور یہ واقعات نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری بار کے صور پھونکنے کے وقت ہوں گے۔ البتہ پہاڑوں کے چلانے کے معاملہ میں یہاں بھی اور دوسری جگہوں پر بھی جہاں جہاں بھی آیا ہے اس پر ہر جگہ دونوں احتمال ہیں۔ کہ نفخۂ ثانیہ یعنی دوسری بار کے صور پھونکے جانے کے بعد کہ اس سے دنیا کی تمام چیزیں اپنی اصل ہیئت پر لوٹ آئیں گی جب حساب کا وقت آئے گا پہاڑوں کو زمین کے برابر کر دیا جائے گا تاکہ زمین پر کوئی پہاڑ اوٹ یا پردہ وغیرہ نہ رہے، سب ایک ہی ہموار میدان میں نظر آئیں۔ کہ ادخل فی الھیبة (زیادہ ہیبت ناک) ہے۔ اور یا یہ نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کے وقت ہوگا، جس سے خود بالذات فنا کرنا مقصود ہوگا، پھر اس بنیاد پر یوم کو ان سب واقعات کا ظرف، وقت قرار دینا اس بنا پر ہوگا کہ نفخۂ اولیٰ پہلی بار کے صور پھونکے جانے سے نفخۂ ثانیہ دوسری بار کے صور پھونکے جانے تک کا سارا وقت ایک دن قرار دے لیا گیا۔ واللہ اعلم

آگے اس ﴿ يَوْمُ الْفَصْلِ ﴾ (فیصلہ کے دن) جو فیصلہ ہوگا، اس کا بیان ہے، یعنی) بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (یعنی عذاب کے فرشتے انتظار اور تاک میں ہیں کہ کافر آئیں تو ان کو پکڑتے ہی عذاب دینے لگیں اور وہ) سرکش

لوگوں کا ٹھکانا ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے جس کے زمانہ کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اور اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے (اور اس سے زمہریر کی نفی نہیں ہوئی اور نہ پینے کی چیز کا (جو کہ تشنگی پیاس میں سکون پہنچانے والا ہو) سوائے گرم پانی اور پیپ کے یہ (ان کو) پورا بدلہ ملے گا (اور وہ اعمال جن کا یہ بدلہ ہے، یہ ہیں کہ) وہ لوگ حساب (قیامت) کا اندیشہ نہ رکھتے تھے، اور ہماری ان آیتوں کو (جن میں حساب اور دوسرے امور کی خبر تھی) خوب جھٹلاتے تھے، اور ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے نامۂ اعمال میں) لکھ کر ضبط کر رکھا ہے، سو (ان کو ان اعمال پر مطلع کر کے کہا جائے گا کہ اب ان اعمال کا) مزہ چکھو کہ ہم تمہاری سزا ہی بڑھاتے چلے جائیں گے (یہ تو کافروں کا فیصلہ ہوا۔

آگے اہل ایمان کے فیصلہ کا بیان ہے کہ) بیشک اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے کامیابی ہے، یعنی (کھانے اور سیر کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے ہوں گے) اور انگور (یہ پہلے عام یعنی باغ کہنے کے بعد خاص یعنی انگور اس کی اعلیٰ شان کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہے) اور (دل بہلانے کو) نوخیز ہم عمر عورتیں ہیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے شراب کے جام ہیں (اور) وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ کیونکہ یہ باتیں وہاں بالکل ناپید ہوں گی) یہ (ان کو ان نیکیوں کا) بدلا ملے گا، جو کہ کافی انعام ہوگا۔ آپ کے رب کی طرف سے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (اور جو) رحمٰن ہے (اور) کسی کو اس کی طرف سے (مستقل) اختیار نہ ہوگا کہ (اس کے سامنے) عرض و معروض کر سکے (یہاں کئی صفتوں کا ذکر ہے: (۱) ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ﴾ جو قیامت کے دن کے واقعہ کے تصرفات کا مالک ہونے پر دلالت کرتی ہے (۲) رحمٰن: جو مؤمنوں کی جزا کے لئے مناسب ہے۔ (۳) ﴿لَا یَمْلِکُوْنَ﴾ جو کافروں کو خوف زدہ کرنے کے لئے مناسب ہے (۴) اور آگے ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ﴾ کا استثناء مستقل قید پر دلیل ہے۔

آگے ﴿لَا یَمْلِکُوْنَ﴾ کی تقریر ہے یعنی) جس روز تمام ذی روح یعنی جاندار اور فرشتے (اللہ کے سامنے) صف باندھے (خشوع و خضوع کے ساتھ) کھڑے ہوں گے (اس روز کوئی بول نہ سکے گا، سوائے اس کے جس کو رحمٰن (بولنے کی) اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے (ٹھیک سے وہ بات مراد ہے جس کی اجازت دی گئی ہے یعنی بولنا بھی محدود اور مقید ہوگا، یہ نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے اور اوپر مستقل اختیار سے یہی مراد ہے۔

آگے اوپر کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے کہ (یہ) دن جس کا اوپر (ذکر ہوا) یقینی دن ہے، سو جس کا جی چاہے (اس کے حالات سن کر) اپنے رب کے پاس (اپنا) ٹھکانا بنا رکھے (یعنی نیک عمل کرے کہ وہاں نیک ٹھکانہ ملے۔

آگے حجت پوری کی گئی ہے کہ لوگو!) ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرادیا ہے (جو کہ ایسے دن میں واقع ہونے والا ہے) جس دن ہر شخص ان اعمال کو (اپنے سامنے موجود) دیکھ لے گا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے ہوں گے، اور کافر (حسرت سے) کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو جاتا (تاکہ عقاب سے بچتا) اور یہ اس وقت کہے گا جب چوپائے جانور مٹی کر دیئے جائیں گے (در عن ابی ہریرۃ) یا وہ معنی مراد ہوں جو سورۂ نساء آیت ۴۲ ﴿لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ﴾ میں گذرے ہیں۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں بھی سابقہ سورت کی طرح واقعات اور ﴿ ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ ﴾ میں امکان اور ﴿ هَلۡ اَتٰىكَ ﴾ میں جھٹلانے والوں کو ڈرانا اور جھٹلانے پر آپ کو تسلی ہے۔

﴿ وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَـافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾ هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۘ﴿۱۵﴾ اِذۡ نَادٰٮهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۚ﴿۱۶﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ﴿۱۷﴾ فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۸﴾ وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ۚ﴿۱۹﴾ فَاَرٰٮهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ۖ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۖ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ۖ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ۖ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَـكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰى ؕ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ؕ﴿۲۶﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰٮهَا ۖ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰٮهَا ۙ﴿۲۸﴾ وَاَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَاَخۡرَجَ ضُحٰٮهَا ۖ﴿۲۹﴾ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰٮهَا ؕ﴿۳۰﴾ اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰٮهَا ۖ﴿۳۱﴾ وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰٮهَا ۙ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ؕ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ۖ﴿۳۴﴾ يَوۡمَ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ۙ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى ۙ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۙ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ؕ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ؕ﴿۴۱﴾ يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا ؕ﴿۴۲﴾ فِيۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِكۡرٰٮهَا ؕ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰٮهَا ؕ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ يَّخۡشٰٮهَا ؕ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰٮهَا ﴿۴۶﴾ ﴾

ترجمہ: قسم ہے اُن فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں۔ قیامت ضرور آوے گی جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجاوے گی، بہت سے دل اُس روز دھڑک رہے ہوں گے اُن کی آنکھیں جھک رہی

ہوں گی۔ کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہونگے۔ کیا ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجاویں گے پھر واپس ہوں گے۔ کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑی خسارہ کی ہوگی۔ تو وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے۔ کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے۔ جبکہ اُن کو اُن کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوی میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اُس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے سو اُس سے کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہوجائے اور میں تجھ کو تیرے رب کی طرف سے رہنمائی کروں تو تو ڈرنے لگے پھر اُس کو بڑی نشانی دکھلائی تو اُس نے جھٹلایا اور کہنا نہ مانا۔ پھر جدا ہوکر کوشش کرنے لگا اور جمع کیا۔ پھر باآواز بلند تقریر کی اور کہا میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا۔ بیشک اس میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو ڈرے۔ بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ اللہ نے اُس کو بنایا۔ اُس کی سقف کو بلند کیا اور اُس کو درست بنایا اور اُس کی رات کو تاریک بنایا اور اُس کے دن کو ظاہر کیا اور اُس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اُس نے اُس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو قائم کردیا تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ پہنچانے کے لئے۔ سو جب وہ بڑا ہنگامہ آوے گا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جاوے گی، تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ اُس کا ٹھکانا ہوگا اور وہ شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اُس کا ٹھکانا ہوگا۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اُس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اُس کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔ آپ تو صرف اُس شخص کے ڈرانے والے ہیں جو اُس سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اُس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں۔

قیامت کا حق اور واقع ہونا، ساتھ ہی جھٹلانے والوں کو ڈرانا اور رسول رب العالمین کی تسلی:

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں، اور جو (مسلمانوں کی روح) آسانی سے نکالتے ہیں گویا ان کا) بند کھول دیتے ہیں اور جو (روحوں کو لے کر زمین سے آسمان کی طرف اس طرح تیز رفتاری اور سہولت سے چلتے ہیں، کہ گویا) تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، پھر (ان روحوں کے متعلق ثواب کا حکم ہو یا عقاب کا دونوں معاملوں میں) ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (ان سب کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) قیامت ضرور آئے گی (جس روز ہلا ڈالنے والی چیز ہلا ڈالے گی، (اس سے مراد نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکا جانا ہے) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی (اس سے مراد نفخۂ ثانیہ یعنی دوبارہ بار صور پھونکا جانا ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے، ان کی آنکھیں (مارے ندامت

کے) جھک رہی ہوں گی (مگر یہ لوگ قیامت کا انکار کر رہے ہیں) اور کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے؟ (پہلی حالت سے مراد موت سے پہلے کی زندگی ہے یعنی کیا موت کے بعد پھر دوسری زندگی ہوگی۔ اس سے محال قرار دینا مقصود ہے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے، پھر (زندگی کی طرف) واپس ہوں گے؟ (مقصود بہت مشکل قرار دینا ہے) کہنے لگے کہ (اگر ایسا ہوا تو) اس صورت میں واپسی (ہمارے لئے) بڑے خسارہ کی ہوگی (کیونکہ ہم نے تو اس کے لئے کوئی سامان کیا نہیں۔ اس سے مقصود اہل حق کے اس عقیدہ کا مذاق اڑانا تھا یعنی ان کے عقیدہ کے حساب سے ہم بڑے خسارہ میں ہوں گے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو خیر خواہی کے ساتھ ڈرائے کہ اس راستہ پر مت جانا ادھر شیر ملے گا، اور مخاطب اس کو جھٹلانے کی غرض سے کسی سے کہے بھائی! ادھر مت جانا شیر کھا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہاں شیر ویر کچھ نہیں ہے۔

آگے ان کے محال اور دشوار قرار دینے کا رد ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کو محال اور دشوار قرار دیتے ہیں) تو (یہ سمجھ رکھیں کہ ہمارے لئے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ بلکہ) وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً میدان میں آموجود ہوں گے۔

(آگے جھٹلانے والوں کے ڈرانے اور جھٹلانے پر آپ کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ پہنچا ہے؟ جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوی میں (یہ اس میدان کا نام ہے) پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے، سو اس سے (جاکر) کہو کہ کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے؟ اور (تیری درستی کی غرض سے) میں تجھ کو تیرے رب کی طرف (ذات وصفات کی) رہنمائی کروں، تو تو (ذات وصفات کو سن کر اس سے) ڈرنے لگے (اور اس ڈر سے درستی ہو جائے۔

غرض یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس گئے اور جا کر پیغام ادا کیا) پھر (جب اس نے نبوت کی دلیل طلب کی تو) اس کو (نبوت کی) بڑی نشانی دکھائی (عصا کا معجزہ مراد ہے یا جنس کے ارادہ سے عصاؤں کا مجموعہ مراد ہے) تو اس (فرعون) نے (ان کو جھٹلایا اور (ان کا) کہنا نہ مانا پھر (موسیٰ علیہ السلام سے) جدا ہو کر (ان کے خلاف) کوشش کرنے لگا اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر (ان کے سامنے) بلند آواز سے تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (اعلیٰ واقعی قید کے طور پر کہا ہے، کیونکہ اصل مقصود ﴿ اَنَا رَبُّكُمْ ﴾ ہے اور "اعلیٰ" مدح والی صفت بڑھا دی ہے، پس یہ قید احترازی نہیں کہ جس سے غیر اعلیٰ ارباب کے وجود کو مستلزم ہو، سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا (دنیاوی عذاب تو اس کا

دریا میں غرق ہونا ہوا اور اخروی عذاب جہنم کی آگ میں جلایا جانا ہوگا۔ بیشک اس (واقعہ) میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے، جو اللہ تعالیٰ سے) ڈرے (اس قصہ کی ابتدا ﴿ هَلْ اَتٰىكَ ﴾ تسلی دینے والی ہے اور اس کا اختتام ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ ڈرانے والا ہے۔

اور اوپر جو کفار کے اس قول ﴿ ءَاِذَا كُنَّا ﴾ میں قیامت کا محال اور مشکل قرار دینا بیان ہوا تھا۔ اس کا جواب بطور نقل تو اوپر بیان ہوا ہے، ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ ﴾ اور آگے عقلی جواب ہے یعنی) بھلا (فی نفسہ) تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا؟ (اور فی نفسہ اس لئے کہا کہ قدرت کی طرف نسبت کے لحاظ سے تو سب برابر ہیں اور ظاہر ہے کہ آسمان ہی کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے، پھر جب اس کو پیدا کر دیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

آگے آسمان کے پیدا کرنے کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ) اللہ نے اس کو بنایا (اس طرح سے کہ) اس کی چھت کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا (کہ اس میں کہیں کوئی پھٹا ؤ یا خلا نہیں) اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور (اس کے دن کو ظاہر کیا (رات اور دن کی نسبت آسمان کی طرف اس لئے کی کہ رات اور دن آفتاب کے طلوع وغروب سے ہوتے ہیں اور آفتاب آسمان میں ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس سے اس کا پانی اور چارا نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا، تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے (خلق سماوات وأرض کی ترتیب سورۂ بقرہ آیت ۲۹ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ اور اگر چہ اصل استدلال خلق سماء سے تھا، مگر زمین کا ذکر شاید اس لئے کر دیا کہ اس کے احوال ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے ہیں۔ اور اگر چہ سماء کے برابر نہ سہی لیکن فی نفسہ انسان کے خلق کے مقابلہ میں اس کی تخلیق بھی سخت ہے۔ اس طرح استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ جب ایسی ایسی چیزیں ہم نے بنا دیں تو تمہارا موت کے بعد اٹھانا کیا مشکل ہے۔

پھر موت کے بعد اٹھائے جانے کے بعد جو واقعات مجازات سے متعلق پیش آئیں گے، آگے ان کی تفصیل ہے، یعنی قیامت کا امکان اور صحت وقوع تو ثابت ہو گیا) سو جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائے گی تو (اس روز یہ حالت ہوگی کہ) جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی (اور آخرت کا منکر ہو کر اس پر) دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا، اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا (کہ آخرت پر عقیدہ رکھنے کے لئے یہ لازم ہے) اور نفس کو (حرام) خواہشوں سے روکا ہوگا (یعنی اعتقاد کے ساتھ عمل بھی صالح ہوگا) تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا (اور صالح عمل جنت کا راستہ ہے (مگر) اس پر موقوف نہیں۔

چونکہ کفار قیامت کے انکار کی غرض سے اس کا وقت پوچھا کرتے تھے، آگے اس کا جواب ہے) یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی؟ تو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ کیونکہ بیان، علم پر موقوف ہے، اور وہ پایا نہیں جارہا ہے اور پایا نہ جانا جس پر بیان موقوف ہے پائے نہ جانے کے لئے لازم ہے، بلکہ) اس (کے علم کی تعیین) کا دارومدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے (اور) آپ تو صرف (اجمالی خبر) کے ذریعہ ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو (اور ڈر کر ایمان لانے والا ہو، اور یہ لوگ جو جلدی مچا رہے ہیں تو سمجھ لیں کہ) جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (دنیا میں) صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہوں (اور بس۔ یعنی دنیا کی طویل مدت بہت تھوڑی معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ عذاب بہت جلدی آگیا، جس کا یہ مطالبہ کرتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ جلد بازی کیوں کرتے ہو، جب وہ واقع ہوگا تو تم خود اس کو جلدی ہی سمجھو گے اور جس دیر کو اب دیر سمجھ رہے ہو، یہ دیر معلوم نہیں ہوگی)

فائدہ: ﴿ وَالنّٰزِعٰتِ ﴾ اور ﴿ وَّالنّٰشِطٰتِ ﴾ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض اوقات کفار کا نزع آسان اور مؤمنوں کا سخت دیکھا جاتا ہے، اصل یہ ہے کہ یہ سختی اور سہولت جسمانی ظاہر ہوتی ہے، اور آیت میں شدت و سہولت روحانی و حقیقی مراد ہے۔
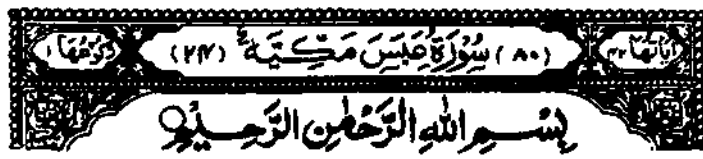
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: چونکہ اس سورت کے آگے پیچھے والی سورتوں میں قیامت ہی کا مضمون زیادہ ہے، اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی زیادہ مقصود بعد والا ہی مضمون ہے جو قیامت پر مشتمل ہے۔ اور چونکہ اس میں کافر کی شدید سزا کا ذکر ہے اس کی تقریر کے لئے سورت کے درمیان میں یعنی سولہویں آیت کے بعد شکر کے تقاضوں کی موجودگی اور رکاوٹوں کے دور ہونے کے ذکر کے ذریعہ اس کے کفر کی شدت بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے سخت و شدید کفر والوں کی ہدایت میں حضور پرنور ﷺ کو اہتمام اور کاوش فرمانے میں جو کوفت ہوتی تھی حتی کہ ایک بار اسی بنا پر ایک موقع پر ایک نابینا صحابی کا آکر بولنا تکلیف کا باعث ہوا تھا۔ اس لئے سورت کے شروع میں ایک محبوبانہ انداز کے ساتھ جس کو لوگ عتاب کہتے ہیں اس قدر اہتمام سے ممانعت اور حق کی سچی طلب رکھنے والوں کے حال پر توجہ فرمانے کا حکم فرماتے ہیں، اس طرح سورت کا شروع کا حصہ درمیانی حصہ کی تمہید ہے اور سورت کا درمیانی حصہ سورت کے آخری حصہ کی تمہید ہے اور سورت کا آخری حصہ مقصود ہے۔

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝۳ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝۱۶ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝۱۷ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝۱۸ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝۱۹ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝۲۰ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝۲۱ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝۲۲ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝۲۳ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝۲۴ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝۲۵ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝۲۶ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝۲۷ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝۲۸ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝۲۹ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝۳۰ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝۳۱ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝۳۲ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝۳۳ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝۳۴ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝۳۵ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝۳۶ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝۳۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝۳۸ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝۳۹ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝۴۰ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝۴۱ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝۴۲﴾

ع

ترجمہ: پیغمبر چیں بہ جبیں ہوگئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ اُن کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا سو اُس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا؟ تو جو شخص بے پروائی کرتا ہے، آپ اُس کی تو فکر میں پڑتے ہیں، حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے، آپ اُس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اُس کو قبول کرلے، وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں، رفیع المکان ہیں، مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ مکرم نیک ہیں۔ آدمی پر خدا کی مار! وہ کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو کیسی چیز سے پیدا کیا۔ نطفہ سے اُس کی صورت بنائی پھر اس کو انداز سے بنایا، پھر اُس کو راستہ آسان کردیا، پھر اُس کو موت دی، پھر اُس کو قبر میں لے گیا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اُس کو دوبارہ زندہ کردے گا۔ ہرگز نہیں اُس کو جو حکم کیا تھا اُس کو بجا نہیں لایا۔ سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا، تمہارے اور تمہارے مواشی کے فائدہ کے لئے۔ پھر جس وقت کانوں کو بہرا کردینے والا شور برپا ہوگا جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ اُن میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کی طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ بہت سے چہرے اس روز روشن خنداں شاداں ہونگے اور بہت سے چہروں پر اُس روز ظلمت ہوگی، ان پر کدورت چھائی ہوگی۔ یہی لوگ کافر فاجر ہیں۔

نصیحت کرنے کے آداب اور نصیحت قبول نہ کرنے پر ملامت اور آخرت میں نصیحت قبول نہ کرنے والے کا انجام اور نصیحت قبول کرنے والے کا اجر:

(ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بعض مشرک رئیسوں کو سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی آئے اور انھوں نے کچھ پوچھا، گفتگو میں یہ دخل آپ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا، اور بعض روایتوں میں بعض رئیسوں کے نام بھی آئے ہیں، وہ ہیں: ابو جہل، عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف اور شیبہ۔ اور ناگواری کی وجہ سے آپ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ جب آپ اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں، اس کے بعد سے جب بھی کبھی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آتے آپ ان کی بڑی خاطر فرماتے تھے (یہ تمام روایتیں در منثور میں ہیں۔ غرض اس واقعہ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ) پیغمبر ﷺ نے پیشانی پر شکنیں ڈال لیں، اور متوجہ نہ ہوئے، اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا (یہاں تک تو غائب کا صیغہ اختیار فرمایا، اور یہ کلام کرنے والے کی انتہائی عزت وتکریم اور شرم

وحیا نیز مخاطب کی انتہائی عزت وکرامت کا معاملہ ہے کہ اس امر کی نسبت رو در رو نہیں فرمائی) اور (آگے خطاب کا صیغہ التفات کے طور پر اس لئے اختیار فرمایا کہ آپ ﷺ سے اعراض کا شبہ نہ ہو، اور مضمون بھی پہلے والے سے نرم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ) آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ (نابینا) آپ کی تعلیم سے پوری طرح سنور جاتا۔ یا (کم سے کم کسی خاص معاملہ میں) نصیحت قبول کرتا۔ تو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہنچاتا (مطلب یہ کہ اس کی پوری اصلاح ہوتی، یا کچھ تو ضرور ہوتی۔ بہر حال نفع ہی ہوتا اور باوجودیکہ ذکری یعنی نصیحت کرنا تذکر یعنی نصیحت قبول کرنے پر مقدم ہے مگر نصیحت کرنے کا نفع تذکر یعنی نصیحت قبول کرنے سے مؤخر ہے، اس لئے کلمہ "ف" داخل ہوا اور لعل مبالغہ کے لئے فرمایا، یعنی اگر اس صحابی کی حالت پوری طرح سنور جانا یا کم سے کم نصیحت قبول کرنا بھی ہوتا تب بھی اس سے بے التفاتی یعنی بے توجہی نہیں برتنی چاہئے تھی، چہ جائے کہ نفع یقینی ہو۔ اور اعمی یعنی نابینا کے ذریعہ تعبیر کرنا اشارہ ہے، توجہ اور مہربانی اور شفقت کے سبب کی طرف) تو جو شخص (دین سے) لاپروائی کرتا ہے، آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو آپ پر کوئی الزام نہیں (استغنا کی صفت کے ذریعہ آپ کو اس سے نفرت دلانا مقصود ہے) اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے، آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں (ان آیتوں میں آپ کی اجتہادی لغزش پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے۔ اس اجتہاد کا منشا یہ تھا کہ یہ امر تو یقینی اور ثابت ہے کہ اہم مقدم ہوتا ہے، آپ نے کفر کی شدت کو اہمیت کا موجب سمجھا، جیسے دو بیماروں میں ایک کو ہیضہ اور دوسرے کو زکام ہو تو ہیضہ والے کا علاج مقدم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مرض کی شدت اس وقت اہمیت کی موجب ہے جب مریض علاج کا مخالف نہ ہو، ورنہ علاج کا طلب گار ہونا مقدم اور اہمیت کا موجب ہوگا، خواہ مرض خفیف وہلکا ہی کیوں نہ ہو۔

آگے ان مشرکوں کی طرف توجہ اس قدر ضروری نہ ہونے کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے (کیونکہ) قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے (اور آپ کے ذمہ صرف اس کی تبلیغ ہے) تو جس کا جی چاہے اس کو قبول کرلے (اور جو قبول نہ کرے تو وہ جانے آپ کا کوئی نقصان نہیں، پھر آپ اس قدر اہتمام کیوں فرماتے ہیں؟

آگے قرآن کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ) وہ (قرآن لوح محفوظ کے) ایسے صحیفوں میں (لکھا ہوا) ہے جو (اللہ کے نزدیک) مکرم ہیں (یعنی پسندیدہ ومقبول ہیں اور) اعلیٰ مقام ومرتبہ والے ہیں (کیونکہ لوح محفوظ عرش کے نیچے ہے (درمنثور، سورۃ البروج) اور وہ) مقدس ہیں (خبیث شیطانوں کی وہاں تک رسائی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ یعنی اس کو بہت پاکیزہ ہستیوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا) جو ایسے لکھنے والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے ہیں کہ) وہ مکرم (اور) نیک ہیں۔ یہ سب مضامین اس کے اللہ کی جانب سے ہونے پر

دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تقریر ﴿ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾ (سورۃ الواقعہ آیت ۷۹) میں گذر چکی ہے، اور لوح محفوظ باوجودیکہ ایک ہی شے ہے مگر اس کے اجزا کو صحف یعنی صحیفوں سے تعبیر فرمادیا، اور ان فرشتوں کو کاتب اس لئے کہا کہ یہ لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نقل کرنے والے ہیں۔ اس طرح ان آیتوں کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن اللہ کی جانب سے نصیحت کے لئے ہے۔ آپ کے نصیحت کرنے سے آپ کا فرض ادا ہو جائے گا۔ خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے، اس لئے اس قسم کی تقدیم و تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں (کذا فی الاصل) یہاں تک نصیحت کرنے کے آداب ہوئے۔

آگے نصیحت قبول نہ کرنے پر کفار کی ملامت ہے کہ انکار کرنے والے) آدمی پر (جو ایسی تعلیمات سے نصیحت حاصل نہ کرے جیسے ابوجہل وغیرہ جن کو آپ سمجھاتے تھے مگر وہ نہیں سمجھے تو ایسے شخص پر) اللہ کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے (وہ دیکھتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا؟ (آگے جواب ہے کہ) نطفہ سے (پیدا کیا، آگے اس کی کیفیت کا ذکر ہے کہ اول مختلف قسم کے انقلابات کے بعد) اس کی صورت بنائی، پھر اس (کے اعضاء) کو ایک (خاص) انداز سے بنایا (جیسا کہ سورۃ القیامہ آیت ۳۸ میں گذرا) پھر اس کو (نکلنے کا) راستہ آسان کردیا (چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسے تنگ موقع سے اچھے خاصے تنومند بچے کا نکل آنا اللہ تعالیٰ کے قادر اور بندہ کے مقدور ہونے کی صاف دلیل ہے) پھر (عمر ختم ہونے کے بعد) اس کو موت دی، پھر اس کو قبر میں لے گیا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ طٰہٰ آیت ۵۵ میں فرمایا ﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ یعنی ہم نے تمہیں اسی سے پیدا کیا پھر اسی میں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔ اور اسی زمین میں لوٹانا خواہ اس طرح ہو کہ شروع ہی سے اس میں رکھ دیا جائے یا بعد میں اس میں مل جائے) پھر اللہ جب چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کرے گا (مطلب یہ کہ یہ سب تصرفات انسان کے قدرت الٰہیہ کے تحت ہونے کی دلیلیں ہیں اور نعمت بھی ہیں، بعض واضح طور پر محسوس ہونے والی اور بعض معنوی، جس کا تقاضا ایمان و طاعت کا وجوب تھا، مگر اس نے) ہرگز (شکر) نہیں (ادا کیا اور) اس کو جو حکم کیا گیا تھا اس کو بجا نہیں لایا، تو انسان کو چاہئے کہ حدوث کے مذکورہ بالا اسباب پر غور کرنے کے بعد بقاؤ تعیش کے اسباب مثلاً) اپنے کھانے کی طرف نظر کرے (تاکہ وہ حق شناسی اور طاعت اور ایمان کا باعث ہو، اور آگے غور و فکر کرنے کا موقع محل بتاتے ہیں وہ یہ کہ) ہم نے کس طرح پانی برسایا؟ پھر کس طرح زمین کو پھاڑا؟ پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارا پیدا کیا (بعض چیزیں) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے (اور یہ سب بھی نعمت اور قدرت کی دلیل ہیں۔ اور ان تمام میں ہر ایک کا تقاضا ہے شکر اور ایمان کا واجب ہونا۔ یہاں تک نصیحت قبول نہ کرنے پر ملامت ہوگئی۔

آگے نصیحت قبول نہ کرنے والے کا آخرت میں انجام اور نصیحت قبول کرنے والے کا اجر بیان کیا گیا ہے، یعنی اب تو

یہ لوگ ناشکری اور کفر کرتے ہیں) پھر جس وقت کانوں کو بہرا کردینے والا شور برپا ہوگا (اس وقت ساری ناشکری کا مزا معلوم ہوجائے گا۔ آگے اسی دن کا بیان ہے کہ) جس دن ایسا آدمی (جس کا اوپر بیان ہوا) اپنے بھائی سے اور اپنے مال سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا (یعنی کوئی کسی کے ساتھ ہمدردی نہ کرے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ لَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴾ یعنی کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (سورۃ المعارج آیت ۱۰) وجہ یہ ہے کہ) ان میں سے ہر شخص کا (اپنا ہی) ایسا معاملہ ہوگا، جو اس کو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے گا (یہ تو کفار کا حال ہوا۔ آگے تمام مؤمنوں اور کفار کی تفصیل ہے کہ اس دن بہت سے چہرے (ایمان کی وجہ سے) روشن (اور مسرت کی وجہ سے) کھلے ہوئے ہوں گے، ہنستے ہوئے اور خوش ہوں گے۔ اور اس دن بہت سے چہروں پر (کفر کی وجہ سے) تاریکی ہوگی (اور اس تاریکی کے ساتھ) ان پر (غم کی) کدورت اور گدلا پن چھایا ہوا ہوگا یہی لوگ کافر وفاجر ہیں (کافر سے اشارہ عقائد کے فساد کی طرف اور فاجر سے اعمال کے فساد کی طرف ہے)

فائدہ: ﴿ الصَّآخَّةُ ﴾ بظاہر نفخۂ اولیٰ پہلی بار پھونکے جانے کی صفت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ وہ فنا کرنے کے لئے ہے، لیکن اگر یہ واقعات نفخۂ ثانیہ دوسری بار صور پھونکے جانے کے ہیں تو کافروں کے اعتبار سے یہ صفت اس کی بھی صحیح ہے۔
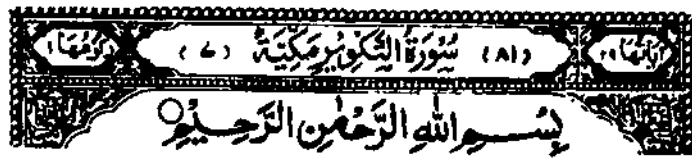
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں اگلی اور پچھلی سورتوں کی طرح قیامت کے واقعات کا بیان کرنا مقصود ہے اور اس کی تقویت کے لئے آخر میں قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے کہ قیامت کے لئے تیار ہو جائیں جیسا کہ آیت ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ۝ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جب آفتاب بے نور ہو جاوے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جاویں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور سب جمع ہو جاویں گے اور جب دریا بھڑکائے جاویں گے اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جاویں گے اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟ اور جب نامۂ اعمال کھول دیئے جاویں گے اور جب آسمان کھل جاوے گا اور جب دوزخ دہکائی جاوے گی اور جب جنت نزدیک کردی جاوے گی ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں اُن ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں، چلتے رہتے ہیں، جا چھپتے ہیں۔ اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے کہ یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا جو قوت والا ہے۔ مالکِ عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے۔

وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے، امانت دار ہے۔ اور یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے مجنون نہیں ہیں اور انھوں نے اس فرشتہ کو صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے اور یہ پیغمبر مخفی باتوں پر بخل کرنے والا بھی نہیں اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے، تو تم لوگ کدھر کو چلے جارہے ہو۔ بس یہ تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو۔

قیامت میں دیئے جانے والے بدلوں کا بیان اور قرآن کو حق قرار دینے کے ذریعہ اس کی تاکید اور ثابت قدمی کی ترغیب:

جب سورج بے نور ہو جائے گا اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی ہوئی پھریں گی، اور جب وحشی جانور (گھبراہٹ کے مارے) سب جمع ہو جائیں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے (یہ چھ واقعات تو نفخۂ اولیٰ پہلی بار صور پھونکے جانے کے وقت ہوں گے، جبکہ دنیا آباد ہوگی اور اس نفخہ سے یہ تغیرات اور تبدیلیاں ہوں گی اور اس وقت اونٹنیاں وغیرہ بھی اپنی اپنی حالت پر ہوں گی، جن میں بعض بچہ جننے کے قریب ہوں گی جو کہ عربوں کے نزدیک خاص طور سے نزولِ قرآن کے زمانہ میں سب سے زیادہ عزیز مال تھیں مگر اس وقت کے نفسی نفسی کے عالم میں کسی کو کسی کا ہوش نہ رہے گا۔ اور وحشی جانور بھی گھبراہٹ کے مارے سب گڈمڈ ہو جائیں گے، اور دریاؤں میں پہلے طغیانی پیدا ہوگی اور زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی، جس سے میٹھے اور کھارے پانی والے سارے دریا ایک ہو جائیں گے جس کا ذکر اگلی سورت میں آیت ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ میں فرمایا ہے، پھر حرارت کی شدت سے سب کا پانی، آگ میں بدل جائے گا۔ شاید پہلے ہوا بھاپ بن جائے پھر وہ ہوا بھاپ آگ بن جائے۔ اس کے بعد عالم فنا ہو جائے گا) اور (اگلے چھ واقعات نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوں گے جن کا بیان یہ ہے کہ) جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں گے (کافر الگ، مسلمان الگ، پھر ان میں الگ الگ قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی (اس پوچھنے سے مقصود زندہ دفن کرنے والے ظالموں کے جرم کا اظہار ہے) اور جب نامۂ اعمال کھول دیئے جائیں گے (تا کہ سب اپنے اپنے عمل دیکھ لیں جیسا کہ فرمایا ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے جس کو وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۳) اور جب آسمان کھل جائے گا (اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور اس کے کھلنے سے غمام یعنی ایک بدلی نازل ہوگی جس کا ذکر اس

آیت میں آیا ہے ﴿ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴾ "اور جس دن آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے کثرت سے اتارے جائیں گے" (سورۃ الفرقان آیت ۲۵) اور جب دوزخ (اور زیادہ) دہکائی جائے گی اور جب جنت نزدیک کردی جائے گی (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴾ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دور نہ رہے گی (سورۂ ق آیت ۳۱) جب یہ سب واقعات دونفخوں کے واقع ہوں گے تو اس وقت) ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو لے کر آیا ہے (اور جب ایسا ہولناک واقعہ ہونے والا ہے) تو (میں منکروں کو اس کی حقیقت بتاتا ہوں اور تصدیق کرنے والوں کو اس کے لئے آمادہ کرتا ہوں اور یہ دونوں امر قرآن کی تصدیق اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں کہ اس میں اس کا اثبات اور نجات کا راستہ ہے، اس لئے) میں قسم کھاتا ہوں، ان ستاروں کی جو (سیدھے چلتے چلتے) پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں (اور پھر پیچھے ہی کو) چلتے رہتے ہیں (اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطلعوں یعنی طلوع ہونے کی جگہوں میں) جا چھپتے ہیں (واضح رہے کہ ایسا امر پانچ سیاروں کو پیش آتا ہے کہ کبھی سیدھے چلتے ہیں، کبھی پیچھے کی طرف چلتے ہیں۔ ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں (۱) زحل (۲) مشتری (۳) عطارد (۴) مریخ (۵) زہرہ) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے (آگے قسم کا جواب ہے) کہ یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے، ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کا لایا ہوا، جو قوت والا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴾ یعنی ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے (سورۃ النجم آیت ۵) اور عرش کے مالک کے نزدیک بڑے مرتبہ والا ہے (اور) وہاں (یعنی آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے (یعنی فرشتے اس کا کہنا مانتے ہیں جیسا کہ معراج والی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کہنے سے فرشتوں نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے، اور) امانت دار ہے (کہ حق کو صحیح صحیح پہنچادیتا ہے، اس طرح وحی لانے والا تو ایسا ہے) اور آگے جن پر وحی نازل ہوئی ان کے سلسلہ میں ارشاد ہے کہ) یہ تمہارے ساتھ کے رہنے والے (محمد ﷺ جن کا حال تمہیں بخوبی معلوم ہے) مجنون نہیں ہیں (جیسا نبوت کا انکار کرنے والے کہتے تھے) اور انھوں نے اس فرشتہ کو (اصلی صورت میں آسمان کے) صاف کنارہ پر دیکھا بھی ہے (صاف کنارہ سے مراد بلند کنارہ ہے کہ صاف نظر آتا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴾ اور وہ بلند کنارہ پر تھا (سورۃ النجم آیت ۷) اور اس کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ النجم میں گذر چکا ہے) اور یہ پیغمبر غیب کی (وحی کے ذریعہ بتائی ہوئی) باتوں کے بارے میں بخل کرنے والا بھی نہیں ہے (جیسا کہ کاہنوں کی عادت تھی کہ رقم لے کر کوئی بات بتاتے تھے۔ اس سے کہانت (کاہنوں کے پیشہ کی بھی نفی ہوگئی اور اجر کی بھی) اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے (اس سے کہانت کی نفی کی مزید تاکید ہوگئی۔ حاصل یہ کہ آپ نہ مجنون ہیں، نہ کاہن نہ کوئی غرض رکھنے

والے۔ اور وحی لانے والے کو پہچانتے ہیں اور وحی لانے والا بھی ایسی ایسی خوبیوں کا مالک ہے۔ اس طرح لازمی طور پر یہ اللہ کا کلام ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ قسمیں موقع ومحل کے بہت مناسب ہیں، چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا، فرشتہ کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں چھپ جانے کے مشابہ ہے، اور رات کا گذرنا اور صبح کا آنا قرآن کے سبب کفر کی ظلمت کے دور ہو جانے اور ہدایت کے نور کے ظاہر ہو جانے کے مشابہ ہے۔ جب یہ بات ثابت ہے) تو تم لوگ (اس بارے میں) کدھر کو چلے جا رہے ہو؟ (کہ نبوت کے منکر ہو رہے ہو) بس یہ تو (عام طور سے) دنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے (اور خاص طور سے) ایسے شخص کے لئے جو تم میں سیدھا چلنا چاہے (پہلے والوں کے لئے عام طور سے راستہ دکھانے کے معنی میں ہے اور دوسروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ جانے کے معنی میں ہے) اور (بعض کے نصیحت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس کے نصیحت نامہ ہونے میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ) تم رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے ہو (یعنی یہ فی نفسہ اپنے آپ میں تو نصیحت ہے لیکن اس کی تاثیر اللہ کی مشیت پر موقوف ہے جو بعض لوگوں سے متعلق ہوتی ہے اور بعض سے کسی حکمت کی وجہ سے متعلق نہیں ہوتی)

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۙ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۚ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ؕ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ؕ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝﴾ ع

ترجمہ: جب آسمان پھٹ جاوے گا اور جب ستارے جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے اور جب قبریں اکھاڑ دی جاویں گی ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔ اے انسان! تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھ کو بنایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو اعتدال پر بنایا جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو اور تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے روز جزا کو اس میں داخل ہوں گے۔ اور اس سے باہر نہ ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزاء کیسا ہے پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزاء کیسا ہے۔ وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا۔ اور تمام تر حکومت اُس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

ربط: اس سورت میں بھی اگلی اور پچھلی سورتوں کی طرح قیامت اور وہاں کے بدلہ کا بیان ہے اور درمیان میں غفلت پر کھڑ کھڑانا ہے۔

مرنے کے بعد اٹھایا جانا اور بدلہ دیا جانا اور غفلت پر کھڑ کھڑانا:

جب آسمان پھٹ جائے گا، اور جب ستارے (ٹوٹ کر) جھڑ پڑیں گے اور جب سارے دریا (میٹھے اور کھارے) بہہ پڑیں گے (اور بہہ کر ایک ہو جائیں گے جیسا کہ اس سے پہلے والی سورت میں فقرہ ﴿ سُجِّرَتْ ﴾ کی تفسیر میں بیان ہوا ہے، یہ تینوں واقعات تو نفخۂ اولیٰ کے ہیں، آگے نفخۂ ثانیہ کا واقعہ ہے یعنی) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (یعنی ان میں دفن

مردے نکل کھڑے ہوں گے، اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا (اور ان واقعات کا تقاضا یہ تھا کہ انسان خواب غفلت سے بیدار ہوتا، اس لئے آگے غفلت پر ضمنی گفتگو ہے کہ) اے انسان! تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے سلسلہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے؟ جس نے تجھے (انسان) بنایا، پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھے (مناسب) اعتدال پر بنایا (یعنی اعضا میں تناسب رکھا اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترتیب دیدیا (یعنی تخلیق، اعضا کے تناسب اور اعتدال میں اشتراک کے باوجود پھر الگ الگ طور پر پیدا کیا۔ فقرہ ﴿ مَا غَرَّكَ ﴾ سے پہلے معاد کا اور اس کے بعد مبدا کا ذکر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ دھوکہ میں پڑنے سے روکنے والے امور موجود ہیں پھر دھوکہ میں پڑنے سے باز نہیں آتا اور کریم کی صفت میں حجت کی تلقین نہیں بلکہ مانع کی تقویت ہے یعنی کریم ہونے کا تقاضا ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔ بہر حال سب امور کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں) ہرگز (مغرور) نہیں ہونا چاہئے) مگر تم غرور اور دھوکہ میں پڑنے سے باز نہیں آتے) بلکہ (اس درجہ غرور اور دھوکہ میں بڑھ گئے ہو کہ) تم (خود) جزا و سزا (ہی) کو (جو غرور و دھوکہ کو دور کرنے والا تھا) جھٹلاتے ہو اور (یہ تمہارا جھٹلانا خالی نہ جائے گا بلکہ ہماری طرف سے) تم پر (تمہارے سب اعمال کے) یاد رکھنے والے ہیں (جو ہمارے نزدیک) معزز (اور تمہارے اعمال کے) لکھنے والے ہیں، مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں (اور لکھتے ہیں، پس قیامت میں یہ سب اعمال پیش ہوں گے جن میں تمہاری تکذیب بھی شامل ہے اور تمہیں سب پر مناسب جزا ملے گی، جس کی تفصیل آگے ہے کہ) بیشک نیک لوگ آسائش میں ہوں گے اور بدعمل (یعنی کافر) لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے۔ روزِ جزا اس میں داخل ہوں گے اور (پھر داخل ہو کر) اس سے باہر نہ ہوں گے بلکہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اور کیا آپ کو کچھ خبر ہے کہ روزِ جزا کیسا ہے؟ (اور ہم) پھر (دوبار کہتے ہیں کہ) کیا آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روزِ جزا کیسا ہے (اس استفہام وسوال) سے (اس کی ہولناکی دل و دماغ میں بٹھانا مقصود ہے۔ آگے جواب ہے کہ) وہ ایسا دن ہے جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے کچھ بس نہ چلے گا۔ اور اس روز تمام تر حکومت اللہ ہی کی ہو گی۔

فائدہ: ﴿ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴾ میں بظاہر کلمہ ''ما'' عام ہے، مگر ایک حدیث سے اگرچہ وہ ضعیف ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام، بعض کے ساتھ مخصوص ہے کہ دل سے متعلق بعض اعمال لکھنے والے فرشتوں سے بھی پوشیدہ رہتے ہیں کہ ان کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے۔ چنانچہ حصن حصین کے حواشی میں مرقاۃ کے حوالہ سے ابو یعلی کی تخریج اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بدور سافرہ سیوطی سے حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ذکر خفی جسے حفظہ بھی نہیں سنتے فضیلت میں ستر درجہ زیادہ ہے، تاہم اس سے دل سے متعلق اعمال کا ان سے مطلق پوشیدہ رہنا نہ سمجھا جائے، کیونکہ احادیث میں صراحت ہے کہ عزم حسنہ پر ثواب لکھا جاتا ہے، اس مسئلہ کی اس سے زیادہ تفصیل میری نظر سے نہیں گذری کہ انہیں کس قسم کے اعمال کی اطلاع ہوتی ہے اور کس قسم کے اعمال کی نہیں ہوتی، اور یہ سب حدیث کی صحت پر مبنی ہے، ورنہ استثنا کی کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم
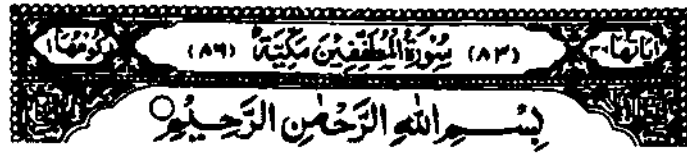
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اس سورت میں بھی گذشتہ اور آئندہ سورتوں کی طرح اعمال کی جزا کا بیان ہے اور ان اعمال میں سے خاص طور سے بعض وہ اعمال جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں جن کو مقام سے خاص مناسبت بھی ہے، کیونکہ یہ عدل وانصاف کا موقع ہے اور ڈنڈی مارنے میں یعنی ناپ تول گھٹانے میں عدل وانصاف میں خلل ڈالنا ہے جس پر شروع سورت میں خاص طور پر وعید فرمائی ہے۔

﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا سِجِّیْنٌ ۝ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ۝ وَمَا یُکَذِّبُ بِہٖٓ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ کَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝ کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّھُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ ۝ ثُمَّ یُقَالُ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ ۝ کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا عِلِّیُّوْنَ ۝ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ یَّشْھَدُہُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ ۝ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ ۚ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُہٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ۝ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَکُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَھْلِھِمُ انْقَلَبُوْا فَکِھِیْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْھُمْ قَالُوْٓا اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْھِمْ حٰفِظِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ ۝ عَلَی الْاَرَآئِکِ ۙ یَنْظُرُوْنَ ۝ ھَلْ ثُوِّبَ الْکُفَّارُ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب اُن کو ناپ کردیں تو گھٹادیں۔ کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کرکے اٹھائے جاویں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے۔ ہرگز نہیں بدکار لوگوں کا نامۂ عمل سجین میں رہے گا۔ اور آپ کو

کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے، وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے۔ اُس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو کہ روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اُس کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، مجرم ہو، جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاویں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں، یہ لوگ اُس روز اپنے رب سے روک دیئے جاویں گے۔ پھر یہ دوزخ میں داخل ہونگے۔ پھر کہا جاوے گا کہ یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔ نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے، مسہریوں پر دیکھتے ہونگے۔ اے مخاطب! تو اُن کے چہروں میں آسائش پہچانے گا، اُن کو پینے کے لئے شراب خالص سر بمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی۔ اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہئے۔ اور اُس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔ جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب اُن کے سامنے سے ہو کر گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے تھے، اور جب اُن کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں، حالانکہ یہ اُن پر نگرانی کرنے والے کر کے نہیں بھیجے گئے۔ سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہونگے، مسہریوں پر دیکھ رہے ہونگے۔ واقعی کافروں کو اُن کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔

ناپ تول گھٹانے پر خاص طور پر وعید اور عام طور پر مجازات کا بیان:

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کر لیں تو پورا لے لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں (لوگوں سے اپنا حق پورا لینا بری بات نہیں ہے اور اس کا ذکر کرنے سے مقصود خود اس پر مذمت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ کم دینے پر مذمت کی تاکید وتقویت مقصود ہے، یعنی اگرچہ کم دینا خود اپنے آپ میں قابل مذمت ہے، لیکن اس کے ساتھ اگر دوسروں کی بالکل بھی رعایت نہ کی جائے تو اور زیادہ مذموم ہے، بخلاف رعایت کرنے والے کے کہ اگر اس میں ایک عیب ہے تو ایک ہنر بھی ہے، اس لئے پہلے شخص کا عیب زیادہ شدید ہے اور چونکہ اصل مقصود کم دینے کی مذمت ہے، اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا تا کہ خوب صراحت ہو جائے کہ ناپنے میں بھی کم دیتے ہیں اور تولنے میں بھی کم دیتے ہیں۔ اور چونکہ پورا لینا اپنے آپ میں قابل مذمت نہیں ہے، اس لئے وہاں ناپ اور تول دونوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک ہی کا ذکر کیا پھر ناپ کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ عربوں میں زیادہ دستور کیل یعنی ناپنے کا تھا۔ خصوصاً اگر یہ آیت مدنی ہو جیسا کہ روح المعانی میں نسائی و ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت سے اس کا اہل

مدینہ کے سلسلہ میں نازل ہونا لکھا ہے تو اس وقت اس تخصیص کی وجہ زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ مدینہ میں کیل یعنی ناپنے کا دستور مکہ سے بھی زیادہ تھا۔

آگے مطففین یعنی ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ) کیا ان لوگوں کو اس امر کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے (یعنی اس دن سے ڈرنا چاہئے اور تطفیف یعنی ناپ تول میں کمی کرنے سے توبہ کرنی چاہئے۔

اس طرح مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور وہاں کی سزا کے بارے میں سن کر مؤمن لوگ تو ڈر گئے لیکن جو لوگ کافر تھے، وہ انکار کرنے لگے۔ اس لئے آگے انکار پر ڈرانے کے بعد دونوں فریق کی جزا کی تفصیل بیان فرماتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے کہ جس طرح کفار جزا و سزا کے منکر ہیں) ہرگز (ایسا) نہیں (یہ انکار کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ جزا و سزا لازمی طور پر واقع ہونے والی ہیں اور جن اعمال پر جزا و سزا ہوگی وہ بھی سب ریکارڈ میں محفوظ ہیں، اور اس مجموعہ کا بیان یہ ہے کہ) بداعمال (یعنی کافر) لوگوں کا نامۂ اعمال سجین میں رہے گا (سجین ساتویں زمین میں کفار کی روحوں کے رکھے جانے کا ایک مقام ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں کعب سے اور درمنثور میں ابن عباسؓ، مجاہد و فرقد و قتادہ و عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت ہے اور کفار کے اعمال کا اس مقام پر رکھا جانا بھی مجاہد و عبداللہ بن عمرو سے درمنثور میں مروی ہے) اور آگے اس کی ہولنا کی ظاہر کرنے کے لئے سوال ہے کہ) کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا نامۂ اعمال کیا چیز ہے؟ وہ ایک نشان لگایا ہوا ریکارڈ ہے (نشان سے مراد مہر ہے جیسا کہ درمنثور میں کعب الاحبار سے روایت ہے کہ: فیختم ویوضع: یعنی "موت کے بعد اس پر مہر لگا کر بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوگا کہ اب اس میں تغیر و تبدلی کا کوئی احتمال نہیں، اس طرح اس کا حاصل اعمال کا محفوظ ہونا ہے، جس سے جزا کا برحق ہونا ثابت ہوا۔ آگے ان اعمال کی جزا کا بیان ہے کہ) اس دن (یعنی قیامت کے دن) جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو کہ روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہیں اور اس (یوم جزا) کو تو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو (عبدیت کی) حد سے تجاوز کرنے والا ہو (اور) مجرم ہو (اور) جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں (مطلب یہ بتانا ہے کہ جو شخص روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے وہ حد سے تجاوز کرنے والا، مجرم اور قرآن کو جھٹلانے والا ہے، جو ﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ﴾ الخ کا حاصل ہے۔

آگے روزِ جزا کی تکذیب پر جو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا، ڈرانا اور خوف دلانا دھمکانا ہے جیسا کہ اوپر موقع و محل سے سمجھ میں آنے والی تکذیب پر ڈرانا دھمکانا تھا، یعنی جس طرح یہ لوگ اس کو غلط سمجھ رہے ہیں) ہرگز ایسا نہیں (اور یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ شاید ان کے پاس نفی کی کوئی دلیل ہوگی جس سے وہ استدلال کر کے اس کو جھٹلاتے اور ایسی بات کہتے

ہوں گے، ہر گز نہیں) بلکہ (جھٹلانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر (ان کی بد) اعمالی کا زنگ بیٹھ گیا ہے اس کی وجہ سے حق کو قبول کرنے کی استعداد فاسد ہوگئی۔ اس لئے بطور عناد انکار کرنے لگے۔ آگے پھر انکار پر ڈرانا دھمکانا ہے کہ جیسا یہ لوگ سمجھ رہے ہیں) ہر گز ایسا نہیں ہے (آگے ﴿وَيْلٌ﴾ مجمل کی تفصیل ہے کہ وہ خرابی یہ ہے کہ) یہ لوگ اس روز (ایک تو) اپنے رب (کا دیدار کرنے) سے روک دیئے جائیں گے، پھر (صرف اسی پر اکتفا نہ ہوگا، بلکہ) یہ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر (ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے (اور چونکہ یہ لوگ جس طرح روز جزا کی تکذیب میں اپنی سزا کو جھٹلاتے تھے، اسی طرح مؤمنوں کی جزا کو بھی جھٹلاتے تھے۔ آگے اس پر ڈراتے اور خوف دلاتے ہیں کہ یہ جو مؤمنوں کے اجر وثواب کے منکر ہیں) ہر گز ایسا نہیں ہے (بلکہ انہیں اجر وثواب ضرور ملنے والا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ) نیک لوگوں کا نامۂ اعمال علیین میں رہے گا (وہ ساتویں آسمان میں مؤمنوں کی روحوں کے ٹھہرنے کا مقام ہے (تفسیر ابن کثیر عن کعب) اور (آگے اس کی عظمت کے اظہار کے لئے سوال ہے کہ) کیا آپ کو معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ اعمال کیا چیز ہے؟ وہ ایک نشان لگایا ہوا ریکارڈ ہے جس کو مقرب فرشتے (شوق سے) دیکھتے ہیں (اور یہ مؤمن کے لئے کرامت عظیمہ ہے جیسا کہ روح المعانی میں عبد بن حمید کی تخریج سے حضرت کعب سے روایت ہے کہ جب ملائکہ مؤمن کی روح کو قبض کرکے لے جاتے ہیں تو ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں، چنانچہ وہ نامۂ اعمال کھول کر دکھایا جاتا ہے۔ آگے مختصر طور پر ان کی آخرت کی جزا کا بیان ہے کہ) نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے، مسہریوں پر) بیٹھے ہوئے جنت کے عجائب کو دیکھتے ہوں گے۔ اے مخاطب! تو ان کے چہروں سے آرام و آسائش (کی بشاشت) پہچانے گا (اور) ان کو پینے کے لئے سر بہ مہر خالص شراب ملے گی، جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی، اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہئے اور اس (شراب) میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش (ملاوٹ) ہوگی (طریقہ ہے کہ شراب میں پانی ملا کر پیتے ہیں تو اس شراب میں ملانے کے لئے تسنیم کا پانی ہوگا۔ آگے تسنیم کی شرح ہے) یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے (مطلب یہ کہ سابقین یعنی مقربین کو تو پینے کے لئے خالص اس کا پانی ملے گا۔ اور اصحاب الیمین یعنی ابرار کو اس کا پانی دوسری شراب میں ملا کر ملے گا (جیسا کہ درمنثور میں قتادہ و مالک بن الحارث وابن عباسؓ وابن مسعودؓ وحذیفہؓ سے روایت ہے۔ اور یہ مہر لگنا عزت واکرام کی علامت ہے، ورنہ حفاظت کی ضرورت نہیں، اور مشک کی مہر کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قاعدہ ہے کہ لاکھ وغیرہ لگا کر اس پر مہر لگاتے ہیں، اور ایسی چیز کو طین ختام یعنی مہر کی مٹی کہتے ہیں، وہاں شراب کے برتن کے منہ پر مشک لگا کر اس پر مہر لگادی جائے گی۔ یہاں تک دونوں فریقوں کی آخرت کی جزا کا الگ الگ بیان تھا۔

آگے دونوں فریقوں کے مجموعہ کے دنیا وآخرت کے حال کا مجموعہ بیان کیا گیا ہے یعنی) جو لوگ مجرم (یعنی کافر) تھے وہ ایمان والوں کا (دنیا میں تحقیر کے طور پر) مذاق اڑایا کرتے تھے اور یہ (ایمان والے) جب ان (کافروں) کے سامنے سے ہو کر گذرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے (مطلب یہ کہ ان کے ساتھ استہزاء وتحقیر کے ساتھ پیش آتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو (وہاں بھی ان کا ذکر کر کے) دل لگی کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ غائبانہ میں بھی اور موجودگی میں ہر حالت میں ان کی تحقیر واستہزاء کا مشغلہ رہتا، البتہ موجودگی میں اشارے چلتے اور غائبانہ میں کھل کر ذکر کرتے) اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (کیونکہ کفار اسلام کو غلطی سمجھتے تھے) حالانکہ یہ (کافر) ان (مسلمانوں) پر نگرانی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے (یعنی انہیں اپنی فکر کرنی چاہئے تھی، ان کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ اس طرح ان سے دو غلطیاں ہوئیں: اول اہل حق کے ساتھ استہزاء اور پھر اپنی اصلاح سے بے فکری) سو آج (قیامت کے دن) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے، مسہریوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے (درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ کچھ دریچے جھروکے ایسے ہوں گے جن سے اہل جنت اہل جہنم کو دیکھ سکیں گے، تو ان کا برا حال دیکھ کر بطور انتقام ان پر ہنسیں گے۔ آگے اس سزا کی تقریر ہے، یعنی) واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلا ملا!

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ؕ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًا ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۚۛ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ؕ﴿۱۵﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ﴿۱۶﴾ وَ الَّیْلِ وَ مَا وَسَقَ ۙ﴿۱۷﴾ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ؕ۩﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُكَذِّبُوْنَ ۖ﴿۲۲﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ ۖ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۠﴿۲۵﴾﴾ ع

ترجمہ: جب آسمان پھٹ جاوے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جاوے گی اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر اُگل دے گی اور خالی ہو جاوے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔ اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے پھر اُس سے جا ملے گا، تو جس شخص کا نامۂ اعمال اُس کے داھنے ہاتھ میں ملے گا، سو اُس سے آسان حساب لیا جاوے گا اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا۔ اور جس شخص کا نامۂ اعمال اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا، سو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔ یہ شخص اپنے متعلقین میں خوش خوش رہا کرتا تھا۔ اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اُس کو لوٹنا نہیں ہے، کیوں نہ ہوتا، اُس کا رب اُس کو خوب دیکھتا تھا۔ سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور اُن چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاوے کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے سو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب اُن کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے۔ بلکہ یہ کافر تکذیب کرتے ہیں اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ سو آپ اُن کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیجئے، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے، اُن کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں۔

ربط: اس سورت میں گذشتہ سورت کی طرح بدلوں کی تفصیل ہے۔

جزاوسزا کی تفصیل:

جب (نفخۂ ثانیہ کے وقت آسمان پھٹ جائے گا) تا کہ اس میں سے بدلی اور ملائکہ کا نزول ہو، جس کا ذکر سورۂ فرقان کی آیت ۲۵ میں ہے) اور اپنے رب کا حکم سن لے گا (اور مان لے گا کہ یہاں حکم سے انشقاق یعنی پھٹنے کا تکوینی حکم مراد ہے، اور ماننے سے اس کا واقع ہونا مراد ہے) اور وہ آسمان قدرت کا محکوم ہونے کی وجہ سے) اس لائق ہے (کہ جس امر کی مشیت اس سے متعلق ہو، وہ ضرور واقع ہوجائے) اور جب زمین کھینچ کر بڑھادی جائے گی (جس طرح چمڑا یا ربڑ کھینچا جاتا ہے، تو اس وقت موجودہ مقدار سے زیادہ لمبائی چوڑائی ہوجائے گی، تا کہ اگلے پچھلے سب اس میں سما جائیں۔ جیسا کہ درمنثور میں سند جید سے حاکم کی روایت سے مرفوعاً وارد ہے: تمد الأرض يوم القيامة مد الأديم: یعنی "زمین قیامت کے دن لمبائی چوڑائی میں بڑھادی جائے گی" اس طرح یہ انشقاق پھٹنا اور امتداد پھیلنا و بڑھنا دونوں حساب کے مقدمات میں سے ہیں) اور (وہ زمین) اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مردوں کو) باہر اگل دے گی اور (سب مردوں سے) خالی ہوجائے گی اور (وہ زمین) اپنے اندر کی چیزوں کو (یعنی مردوں کو) باہر اگل دے گی اور (سب مردوں سے) خالی ہوجائے گی اور (وہ زمین) اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے (اس کی تفسیر بھی آیت (۲) کی طرح ہے پس اس وقت انسان اپنے اعمال کو دیکھے گا۔ جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک) کام میں کوشش کر رہا ہے (یعنی کوئی نیک کام میں لگا ہوا ہے اور کوئی برے کام میں) پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جا ملے گا۔ تو (اس روز) جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے داھنے ہاتھ میں ملے گا، اس سے آسان حساب لیا جائے گا، اور وہ (اس سے فارغ ہوکر) اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا (آسان حساب کے مختلف درجات ہیں: ایک یہ کہ اسے عذاب بالکل بھی نہ ہو، بعض لوگوں کے ساتھ یہ سلوک ہوگا اور انہیں یہ مرتبہ حاصل ہوگا، اور حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ جس حساب میں باز پرس یا سوال وجواب نہ ہو، صرف پیشی ہی ہو اور یہ ایسے لوگوں کے لئے ہوگا جن کے لئے عذاب کا نہ ہونا لکھ دیا گیا ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اس پر ہمیشہ کا عذاب نہ ہو۔ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دینے کا فیصلہ نہ ہو اور یہ عام مؤمنوں کے لئے ہوگا۔ اور مطلق عذاب اس کے منافی نہیں) اور جس شخص کا نامۂ اعمال (اس کے بائیں ہاتھ میں) اس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا اس سے کفار مراد ہیں، اور پشت کی طرف سے ملنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں گی، تو بایاں ہاتھ بھی پشت کی طرف ہوگا۔ دوسری صورت مجاہد کا قول ہے کہ اس کا ہاتھ پشت کی طرف نکال دیا جائے گا (درمنثور) سو وہ موت کو پکارے گا (جیسا کہ مصیبت کے وقت میں لوگ موت کی دعا کرنے لگتے ہیں) اور جہنم میں داخل ہوگا، یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین (اہل وعیال، ملازم وخدمت گاروں) میں خوش خوش رہا

کرتا تھا (یہاں تک کہ عیش وعشرت اور خوشی میں پھول کر آخرت کی تکذیب کرنے لگا تھا جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) اس نے خیال کررکھا تھا کہ اس کو (اللہ کی طرف) لوٹنا نہیں ہے (آگے اس خیال کا رد ہے کہ لوٹنا) کیوں نہ ہوتا؟ (آگے لوٹنے کے بعد جزا کا اثبات ہے کہ) اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا (اور اس کے اعمال پر جزا دینے کے ساتھ مشیت متعلق کرچکا تھا پس جزا کا واقع ہونا ضروری تھا) سو (اس بناپر) میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ (کر جمع کر) لیتی ہے (وہ سب جاندار مراد ہیں جو رات کو آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے ٹھکانے پر آجاتے ہیں) اور چاند کی جب وہ پورا ہوجائے (یعنی بدر بن جائے ان سب چیزوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ) تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے (یہ چھٹی آیت کی تفصیل ہے، وہاں جنس انسان کو خطاب تھا، یہاں تمام افراد کو خطاب ہے، وہاں ﴿فَمُلٰقِیْہِ﴾ کہہ کر ملاقات کے عمل کو مجمل طور پر فرمایا تھا۔ یہاں اس مُلَاقٰی (اسم مفعول) یعنی جس جزاء سے ملاقات کرے گا کی تفصیل ہے۔ اور وہ حالتیں: ایک موت ہے۔ اس کے بعد برزخ کے احوال، اس کے بعد قیامت کے احوال، پھر خود ان میں بھی کئی کئی قسمیں اور تکثر ہے۔

اور ان قسموں کا موقع ومحل کے مناسب ہونا اس طرح ہے کہ رات کے احوال کا مختلف ہونا، کہ اول شفق (شام کے وقت سورج کے غروب ہونے کے بعد آسمان میں پھیلی ہوئی سرخی) نمودار ہوتی ہے، پھر زیادہ رات آتی ہے، تو سب سو جاتے ہیں، اور پھر ایک رات کا دوسری رات سے چاند کی روشنی کا زیادتی وکمی میں مختلف ہونا، یہ سب موت کے بعد کے احوال کے اختلاف سے مشابہ ہیں اور موت سے عالم آخرت شروع ہوتا ہے جیسے شفق سے رات شروع ہوتی ہے، پھر برزخ میں رہنا لوگوں کے سوجانے کے مشابہ ہے اور چاند کا گھٹنے کے بعد پورا ہوجانا دنیا کے فنا ہونے کے بعد قیامت کی زندگی کے مشابہ ہے) تو (خوف اور ایمان کے اجتماع کے ان تقاضوں کے باوجود) ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لائے اور (خود تو ایمان اور حق کیا طلب کرتے، ان کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو (اس وقت بھی اللہ کی طرف) نہیں جھکتے بلکہ (بجائے جھکنے کے) یہ کافر (اور الٹی) تکذیب کرتے ہیں، اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ لوگ (اعمال بد کا ذخیرہ) جمع کررہے ہیں تو (ان کفر والے اعمال کے سبب) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے، ان کے لئے (آخرت میں) ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں (عمل صالح کی قید شرط کے طور پر نہیں، سبب کے طور پر ہے)
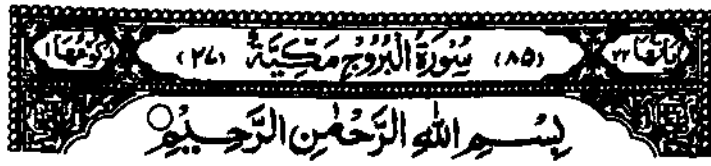
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ۙ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ۙ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝ۭ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ۙ وَّهُمْ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ۭ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝ۭ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝ۭ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ۙ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝ۙ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ۭ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ۙ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ۭ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ۙ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ۚ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ۧ ﴾ ع ۲۲

ترجمہ: قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور اُس کی جس میں حاضری ہوتی ہے کہ خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کررہے تھے اُس کو دیکھ رہے تھے۔ اور اُن کافروں نے اُن مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست سزاوار حمد ہے ایسا کہ اُسی کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے، جنھوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہیں کی تو اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ آپ کے رب کی دارو گیر بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور وہی بخشنے والا بڑی محبت کرنے والا ہے عرش کا مالک عظمت والا ہے وہ جو چاہے سب کچھ کرگزرتا ہے۔ کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون اور ثمود کا؟ بلکہ یہ کافر تکذیب میں ہیں۔ اور اللہ اُن کو اِدھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے، بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

ربط: اوپر کی سورتوں میں دونوں فریقوں یعنی نیک وبدلوگوں کے بدلہ کا بیان تھا، اس سورت میں کفار کے مخالفت میں ہونے والے معاملات کے سلسلہ میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے اور تسلی کے بعد کفار کے عذاب کی وعید ہے۔

مؤمنوں کو تسلی اور مخالفوں کے لئے وعید:

(اس سورت میں ایک قصہ کا مختصر طور پر ذکر ہے جس کا صحیح مسلم میں تفصیلی بیان ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کافر تھا، اس کے پاس ایک کاہن تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ہوشیار لڑکا دیدیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اس کے راستہ میں ایک راہب رہتا تھا دین حق اس وقت عیسوی تھا، وہ لڑکا اس راہب کے پاس آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر مسلمان ہوگیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور مخلوق پریشان ہے، اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مرجائے اور اگر کاہن سچا ہے تو نہ مرے، اور یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو سیدھا شیر کو لگا اور وہ ہلاک ہوگیا، لوگوں میں شور مچ گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے، کسی اندھے نے سنا تو آ کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی ہو جائیں، لڑکے نے کہا کہ ایسا ہوسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ تو مسلمان ہوجائے، اندھے نے یہ قبول کرلیا تو لڑکے نے دعا کی، اور اس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں، وہ مسلمان ہوگیا۔ یہ باتیں بادشاہ تک پہنچیں تو اس نے راہب کو، اس لڑکے کو اور اس اندھے کو گرفتار کر کے پیش کرنے کا حکم دیا، بادشاہ نے راہب اور اندھے کو قتل کرنے کا حکم دیدیا اور لڑکے کو پہاڑ کے اوپر سے گرادیئے جانے کا حکم دیا، مگر جو لوگ اس لڑکے کو پکڑ کر لے گئے تھے، وہ خود گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے اسے سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا، وہ اس سے بھی بچ گیا، اور جو لوگ اسے لے گئے تھے۔ وہ سب ڈوب گئے۔ پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے بسم اللہ کہہ کر یعنی اللہ کا نام لے کر تیر مارو تو میں مرجاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مرگیا۔ اس عجیب واقعہ کو دیکھ کر ایک دم لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکان سلطنت کے مشورہ سے بڑی بڑی خندقیں کھدوا کر آگ سے بھروائیں اور اعلان کرایا کہ جو شخص اسلام کو نہ چھوڑے گا اس کو آگ میں جلادیں گے۔ چنانچہ بہت سے آدمی جلادیئے گئے، اس سورت میں اس کے مغضوب ہونے کو قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ) قسم ہے برجوں والے آسمان کی (برجوں سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جیسا کہ درمنثور میں مرفوعاً روایت ہے) اور (قسم ہے) وعدہ کئے ہوئے دن کی (یعنی قیامت کے دن کی) اور (قسم ہے) حاضر ہونے والے (دن) کی اور (قسم ہے) اس (دن) کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے (ترمذی میں مرفوعاً حدیث ہے کہ یوم موعود یعنی جس دن کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے، اور ایک دن کو شاہد اور دوسرے کو مشہود شاید اس لئے فرمایا کہ جمعہ کے دن تو سب اپنی اپنی جگہ رہتے ہیں تو گویا وہ دن خود آتا ہے اور یوم عرفہ میں

حجاج اپنے اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفات میں اس دن کی نیت وقصد سے جمع ہوتے ہیں تو گویا وہ دن مقصود اور دوسرے لوگ حاضری کا قصد کرنے والے ہیں۔

آگے قسم کا جواب ہے کہ) خندق والے یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے، جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ (ظلم وستم) کر رہے تھے، اس کو دیکھ رہے تھے (ان کے ملعون ہونے کی خبر دینے سے مؤمنوں کی تسلی ظاہر ہے کہ اس طرح جو کافر اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں، وہ بھی لعنت میں گرفتار ہوں گے۔ جس کا اثر خواہ دنیا میں بھی دیکھنے کو ملے، جیسے بدر وغیرہ میں قتل وگرفتار اور ذلیل ورسوا ہوئے، یا صرف آخرت میں جیسا کہ عام کافروں کے لئے یقینی ہے اور دشمنی کے عذاب کی خبر سے تسلی ہونا ایک طبعی وفطری امر ہے، اور ان لوگوں کا بیٹھنا اس ظلم وستم کے انتظام اور نگرانی کے لئے تھا۔ اور مشہود میں نگرانی کے علاوہ ان لوگوں کی سنگ دلی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جلائے جانے کے لئے گڈھوں میں ڈالے جانے اور جلنے کو دیکھ کر بھی رحم نہ آتا تھا، اور اس کو لعنت کے حکم میں خاص دخل ہے کہ یہ سنگ دلی لعنت کی علتوں میں سے ہے، اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا، سوائے اس کے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست (اور) حمد وستائش کے لائق ہے، ایسا کہ اس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی (یعنی ایمان لانے پر یہ معاملہ کیا اور ایمان لانا کوئی غلطی یا جرم نہیں تو بغیر کسی غلطی کے ان پر ظلم کیا، اس لئے وہ لوگ ملعون ہوئے)

اور (آگے ظالموں کے لئے عام وعید اور مظلوموں کے لئے عام وعدہ ہے کہ) اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے (مظلوم کی مظلومیت سے بھی پس اس کی مدد کرے گا اور ظالم کے ظلم سے بھی پس اس کو سزا دے گا، خواہ یہاں خواہ وہاں۔ چنانچہ آگے یہی مضمون ہے کہ) جنھوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو تکلیف پہنچائی (اور) پھر توبہ نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور جہنم میں خاص طور سے) ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے (عذاب میں ہر طرح کی تکلیف شامل ہے، سانپ، بچھو، طوق، زنجیریں، گرم کھولتا ہوا پانی اور غساق یعنی بدبودار پیپ وغیرہ۔ اور سب سے بڑھ کر جلنے کا عذاب ہے، اس لئے اس کو خاص طور سے فرمایا، یہ تو ظالم کے حق میں فرمایا۔

آگے مؤمنوں کے حق میں جن میں مظلوم بھی آگئے، ارشاد ہے کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے (جنت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) یہ بڑی کامیابی ہے (اور اوپر دو مضمون تھے، ایک کفار کے لئے جہنم ہونا، دوسرے مؤمنوں کے لئے جنت ہونا۔ آگے ان کے مناسب اپنے بعض افعال وصفات ان مضمونوں کی تقریر کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے (اس لئے کفار کو سخت وشدید سزا کا ہونا کوئی بعید نہیں اور) وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ (قیامت میں بھی) پیدا کرے گا (اس طرح یہ شبہ بھی نہ

رہا کہ اگر چہ بطش شدید ہے مگر بطش کا جو وقت بتایا جارہا ہے یعنی قیامت وہی خود واقع نہ ہوگی۔ اس سے کفار کی وعید کی تقریر ہوگئی) اور (آگے مؤمنوں کے وعدہ کی تقریر ہے کہ) وہی بڑا بخشنے والا (اور) بڑی محبت کرنے والا (اور) عرش کا مالک (اور) عظمت والا ہے (چنانچہ ایمان والوں کے گناہ معاف کردے گا اور ان کو اپنا محبوب بنالے گا۔ اور ذوالعرش اور مجید اگر چہ عذاب دینے اور اثابت یعنی ثواب عطا کرنے دونوں کے ساتھ متعلق ہوسکتے ہیں کہ دونوں صاحب سلطنت اور کمال صفات کی فرع ہیں، لیکن یہاں مقابلہ کے قرینہ سے انہیں ثواب عطا کرنے کی فرع بیان کرنا مقصود ہے اور آگے دونوں کو ثابت کرنے کے لئے ان بعض خاص کا حال بیان فرماتے ہیں جن پر غضب ہوا کہ) کیا آپ کو ان لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون (اور آلِ فرعون یعنی اس کے متعلقین) اور ثمود کا (کہ کس طرح انھوں نے کفر کیا اور کس طرح عذاب میں گرفتار ہوئے، اس سے مؤمنوں کو تسلی حاصل کرنی چاہئے اور کفار کو ڈرنا چاہئے، مگر کفار عذاب سے بالکل نہیں ڈرتے) بلکہ یہ کافر (خود قرآن کو) جھٹلانے میں (لگے) ہیں (اس طرح) اس کے عذاب دینے کے مضمون کو بھی اور دیگر مضامین کو بھی جھٹلاتے ہیں) اور (انجام کار اس کی سزا بھگتیں گے، کیونکہ) اللہ ان کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے (اس کی قدرت کے قبضہ اور عقوبت یعنی عذاب وسزا سے بچ نہیں سکتے، اور ان کا قرآن کو جھٹلانا محض حماقت ہے، کیونکہ قرآن جھٹلانے کے قابل کوئی چیز نہیں) بلکہ وہ ایک عظمت والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے (جس میں کسی تغیر وتبدیلی کا احتمال نہیں، وہاں سے نہایت حفاظت کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچایا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ﴿فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ یعنی اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (سورۃ الجن آیت ۲۷) تو ایسی حالت میں قرآن کا جھٹلانا بلاشبہ جہالت اور عذاب وسزا کا باعث ہے۔

فائدہ (۱): اور ان قسموں کو ان کے بعد آنے والی قسموں کے جواب سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کا مکانوں اور زمانوں کا مالک ہونا ظاہر ہے اور ایسی مالک الکل یعنی سب کی مالک ہستی کی مخالفت کرنے والے کا لعنت کا مستحق ہونا ظاہر ہے۔

فائدہ (۲): اصحاب اخدود یعنی خندق والوں کے قصہ میں لڑکے نے اپنے مرنے کی جو تدبیر بتائی ہے حالانکہ یہ خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے، ایسا کرنا یا تو اس شریعت میں جائز ہوگا یا اس لڑکے کی اجتہادی غلطی ہوگی۔
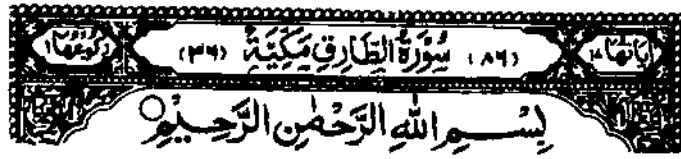
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جونہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾﴾ ع

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور اُس چیز کی جورات کونمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے وہ رات کونمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی یادرکھنے والا مقرر نہ ہو۔ تو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے، جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی پھر اُس انسان کو نہ تو خود قوت ہوگی اور نہ اُس کا کوئی حمایتی ہوگا، قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے کہ یہ قرآن ایک فیصلہ کردینے والا کلام ہے اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کررہے ہیں اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کررہا ہوں تو آپ اُن کافروں کو یونہی رہنے دیجئے ان کو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے۔

ربط: اوپر مؤمنوں کی تسلی کے ساتھ ساتھ کفار کے لئے وعید تھی، اس سورت میں وعید کے اثبات کے لئے اعمال کا محفوظ رہنا اور موت کے بعد اٹھائے جانے کے ممکن ہونے اور واقع ہونے اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی دلیل یعنی قرآن کے حق ہونے کا بیان ہے، اور گذشتہ سورت کے آخر میں بھی قرآن کے حق ہونے سے متعلق مضمون تھا۔

اعمال کی حفاظت کے ذریعہ وعید کا اثبات اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا درست ہونا اور قرآن کا سچا ہونا:

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جورات کونمودار ہونے والی ہے، اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ رات کونمودار ہونے والی

چیز کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے (چاہے وہ کوئی بھی ستارہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں فرمایا ہے۔ آگے قسم کا جواب ہے کہ) کوئی (بھی) شخص ایسا نہیں کہ جس پر کوئی (اعمال کا) یادر کھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو جیسا کہ سورۃ الانفطار میں گذرا ہے ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ یعنی "اور تم پر یاد رکھنے والے، معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں" آیات ۱۰ تا ۱۲) مطلب یہ ہے کہ ان اعمال کا حساب ہونے والا ہے، اور اس قسم کی مقصود سے مناسبت یہ ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور خاص رات میں ہوتا ہے، اسی طرح نامۂ اعمال میں اس وقت بھی سارے اعمال محفوظ ہیں، مگر ان کا ظہور خاص قیامت میں ہوگا، جب یہ بات ہے) تو انسان کو (قیامت کی فکر کرنی چاہئے، اور اگر اس کے واقع ہونے کے محال ہونے کا شبہ ہو تو اس کو) دیکھنا چاہئے کہ وہ (خود) کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی سارے بدن) کے درمیان سے نکلتا ہے (اس پانی سے مراد منی ہے، خواہ صرف مرد کی ہو یا مرد وعورت دونوں کی اور اگر چہ عورت کی منی میں مرد کی منی کے برابر اچھلنا نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی کچھ تو اچھلنا ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت مراد لینے پر لفظ مَاءٌ کو مفرد، واحد لانا اس بنا پر ہے کہ دونوں مادے آپس میں مل کر بالکل ایک ہی چیز جیسے ہو جاتے ہیں، اور پشت اور سینہ چونکہ بدن کے دو الگ الگ طرف ہیں، اس لئے کنایہ سارے بدن سے ہو سکتا ہے، اور یہ اس لئے مراد لیا گیا ہے کہ منی سارے بدن میں پیدا ہو کر پھر اثر قبول کرتی ہے اور اس کنایہ میں صلب (پیٹھ) اور ترائب (سینہ کی ہڈیاں) کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ مادۂ منویہ کے حصول میں اعضاء رئیسہ یعنی دل ودماغ وجگر کو خاص دخل ہے اور دل وجگر کا تعلق ترائب سے اور دماغ کا تعلق ریڑھ کی ہڈی کے گودے کے واسطے سے صلب اور پیٹھ سے ظاہر ہے۔ اور صلب کا واحد اور ترائب کا جمع لانا اس نکتہ کے تحت ہو کہ ترائب سے دو چیزوں کا تعلق ہے اور صلب سے ایک چیز کا اور بدن کے دونوں طرف یعنی اگلا حصہ اور پچھلا حصہ دائیں اور بائیں کے مقابلہ میں دوری کے لحاظ سے زیادہ ہیں، اس لئے یہاں تعبیر میں پہلے دونوں طرفوں کو بعد والے دونوں طرفوں پر ترجیح ہوئی۔ اور یہ ساری گفتگو طبی مقدمات تسلیم کرنے پر ہے۔ واللہ اعلم

حاصل یہ کہ پہلی بار نطفہ سے انسان بنا دینا دوبارہ بنا دینے کی بہ نسبت زیادہ عجیب ہے، تو جب یہ عجیب اس کی قدرت سے ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ) وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر ضرور قادر ہے (اس سے قیامت کے محال ہونے کا شبہ دور ہو گیا، اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی (یعنی باطل عقائد اور فاسد نیتوں جیسی ساری راز کی باتیں ظاہر ہو جائیں گی اور دنیا میں جس طرح موقع پر جرم سے مکر جاتے ہیں، اور اس کو چھپا لیتے ہیں، یہ بات وہاں ممکن نہیں ہوگی) پھر اس انسان کو نہ تو خود (مدافعت کی) قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہوگا (کہ عذاب کی مدافعت کر دے اور اگر کہا جائے کہ اگر چہ قیامت کا امکان عقلی دلیل پر مبنی ہے لیکن اس کا وقوع دلیل نقلی پر مبنی ہے اور وہ دلیل نقلی

قرآن ہے جب کہ وہ خود (بھی ثبوت کا محتاج ہے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں) قسم ہے آسمان کی جس سے (لگاتار) بارش ہوتی ہے، اور زمین کی جو (بیج نکلنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے (آگے قسم کا جواب ہے) کہ یہ قرآن (حق و باطل میں) ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور وہ کوئی لغو (بیکار) چیز نہیں ہے (اور جس طرح یہ قرآن اپنی دلالت سے واقعی اور غیر واقعی امور میں فیصلہ کرنے والا ہے، اسی طرح اپنے اعجاز کی صفت سے ان دو احتمالوں کا بھی کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے یا نہیں؟ فیصلہ کر دینے والا ہے، اور اللہ کی جانب سے ہونے کی شق کو متعین کر دینے والا ہے، اس طرح دال یعنی دلالت کرنے والے اور مدلول یعنی جس کی دلالت کی جاتی ہے دونوں کی واقعیت ثابت ہوگئی اور ثبوت نہ ہونے کا شبہ ختم ہوگیا۔ مگر حق کے اثبات کے باوجود ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ لوگ (حق کی نفی کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور میں بھی (ان کی ناکامی و عقوبت یعنی سزا و عذاب کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں (اور ظاہر ہے کہ میری تدبیر غالب آئے گی اور جب میرے تدبیر کرنے کی بات سن لی) تو آپ ان کافروں کی مخالفت سے گھبرایئے نہیں اور ان کے اوپر جلدی عذاب آنے کی بھی خواہش نہ کیجئے بلکہ ان) کو یوں ہی رہنے دیجئے (اور زیادہ دن نہیں بلکہ) تھوڑے ہی دن رہنے دیجئے (پھر میں ان پر عذاب نازل کروں گا، چاہے موت سے پہلے یا موت کے بعد)

فائدہ: آخر والی قسم کو آخر والے مضمون سے یہ مناسبت ہے کہ قرآن آسمان سے آتا ہے اور جس میں قبول کرنے کی اہلیت ہوتی ہے، اس کو مالا مال کر دیتا ہے، جیسے بارش آسمان سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیض یاب کرتی ہے۔
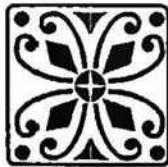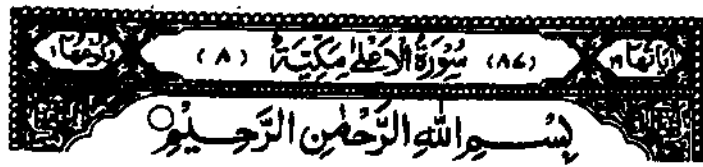
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ وَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا یَخْفٰى ؕ وَ نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى ۚ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰى ۙ وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى ؕ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۖ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى ﴾ ع

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے جس نے بنایا پھر ٹھیک بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتلائی اور جس نے چارہ نکالا پھر اُس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔ ہم قرآن آپ کو پڑھا دیا کریں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے مگر جس وقت اللہ کو منظور ہو۔ وہ ظاہر اور مخفی کو جانتا ہے۔ اور ہم اس آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے تو آپ نصیحت کیا کیجئے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو۔ وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے اور جو سخت بدنصیب ہو، وہ اُس سے گریز کرتا ہے جو بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر نہ اُس میں مر ہی جاوے گا اور نہ جئے گا۔ بامراد ہوا جو شخص پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم اپنی دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔ یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

ربط: پچھلی سورت میں آخرت کی جزا کا ذکر تھا، اس سورت میں بھی اصل مقصود آخرت کی فلاح کا مقصود ہونا اور اس کا طریقہ اور ذات وصفات کی معرفت اور تزکیہ اور نماز کا ذکر ہونا بتاتا ہے اور آخرت کی تقریر کے لئے دنیا کا فنا اور مضمحل ہونے کا مقصود ہونا اور فلاح کے طریقہ کی تعلیم کے لئے قرآن کے ساتھ یاددہانی کے حکم ہے، اور اسی کے قریب قریب غرض کے تحت گذشتہ سورت میں بھی قرآن کی حقانیت بیان کی گئی تھی۔

دنیا کی فنا اور عقبیٰ کی بقا اور اپنے نفس کی اصلاح اور غیروں کی اصلاح کا حکم:

(اے پیغمبر! ﷺ) آپ (اور جو مؤمن آپ کے ساتھ ہیں) اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح (وتقدیس)

کیجئے جس نے (ہر شے کو) بنایا پھر (اس کو) ٹھیک بنایا (یعنی ہر شے کو مناسب طور پر بنایا) اور جس نے (جانداروں کے لئے ان کے مناسب چیزوں کو تجویز کیا) پھر (ان جانداروں کو ان چیزوں کی طرف) راہ بتائی (یعنی ان کی طبیعتوں میں ان اشیا کا تقاضا پیدا کر دیا) اور جس نے (سبز وخوشنما) چارہ (زمین سے) نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا (اول تو عام تصرفات کا ذکر ہے پھر حیوانات سے متعلق اور پھر نباتات سے متعلق، مطلب یہ کہ اطاعت کے ذریعہ آخرت کا تہیہ کرنا چاہئے، جہاں جزاوسزا ہونے والی ہے اور اسی طاعت کا طریقہ بتانے کے لئے ہم نے قرآن نازل کیا، اور آپ کو اس کی تبلیغ پر مامور کیا، تو اس قرآن کی نسبت ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) ہم (جتنا) قرآن (نازل کرتے جائیں گے) آپ کو پڑھا دیا کریں گے (یعنی یاد کرا دیا کریں گے) پھر آپ (اس میں سے کوئی جزو) نہیں بھولیں گے، مگر جس قدر (بھلانا) اللہ کو منظور ہو (کہ نسخ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۶) تو وہ البتہ آپ کے اور سب کے ذہنوں میں فراموش کرا دیا جائے گا۔ اور یہ یاد رکھانا اور فراموش کرا دینا یہ سب حکمت کے تحت ہوگا کیونکہ) وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے (تو اس سے کسی) چیز کی مصلحت چھپی ہوئی نہیں، اس لئے جب محفوظ رکھنا مصلحت ہوتا ہے تب محفوظ رکھتے ہیں، اور جب بھلا دینا مصلحت ہوتا ہے تو بھلا دیتے ہیں) اور جس طرح ہم آپ کے لئے قرآن کا یاد ہونا آسان کر دیں گے اسی طرح) ہم اس آسان شریعت (کے ہر حکم پر چلنے) کے لئے آپ کو سہولت دیدیں گے (یعنی سمجھنا بھی آسان ہوگا اور اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوگا اور تبلیغ بھی آسان ہو جائے گی۔ اور رکاوٹوں کو دور کر دیں گے، اور شریعت کی صفت کے طور پر یسریٰ لانا اس کی مدح کے لئے ہے یا اس لئے کہ وہ سبب ہے، جب ہم آپ کے لئے وحی سے متعلق ہدایات کو آسان کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں) تو آپ (جس طرح خود تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی) نصیحت کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (مگر جیسا کہ ظاہر اور معلوم ہے کہ وہ فی نفسہ مفید ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا ﴿فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بیشک نصیحت کرنا ایمان والوں کو نفع دیتا ہے (سورۃ الذاریات آیت ۵۵) تو حاصل یہ ہوا کہ چونکہ نصیحت نفع کی چیز ہے، اس لئے آپ نصیحت کیا کیجئے، مگر باوجود فی نفسہ نفع بخش ہونے کے یہ نہ سمجھئے کہ سب کے لئے مفید ہوتی ہے، اور سب ہی مان لیں گے بلکہ) وہی شخص نصیحت مانتا ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے اور جو شخص بدنصیب ہو، وہ اس سے گریز کرتا ہے جو (آخرکار) بڑی آگ میں (یعنی دوزخ کی آگ میں جو کہ دنیا کی آگ سے بڑی ہے) داخل ہوگا۔ پھر (اس سے بڑھ کر یہ کہ) نہ اس میں مر ہی جائے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جیئے گا (یعنی اگرچہ نصیحت حاصل کرنے کی شرط نہ پائے جانے سے کہیں نصیحت قبول کرنے کا نتیجہ برآمد نہ ہو، لیکن نصیحت کرنا اپنے آپ میں نفع بخش ہے اور وجوب کے لئے یہی کافی ہے۔

سورت کے شروع سے یہاں تک کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے کہ ہم

آپ کے معاون ہیں، اور اپنے آپ میں وہ ضروری چیز بھی ہے۔ آگے ﴿ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴾ کی تفصیل ہے کہ) بامراد ہوا وہ شخص جو (قرآن کو سن کر عقائد و اخلاق کی خباثت سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا (مگر اے انکار کرنے والو! تم قرآن سن کر نہیں مانتے، اور آخرت کا سامان نہیں کرتے) بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے (یعنی کیفیت کے لحاظ سے بھی اور کمیت یعنی تعداد و مقدار کے لحاظ سے بھی افضل ہے اور یہ مضمون صرف قرآن ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ) یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں (اس طرح اس کی زیادہ تاکید ہوئی)

فائدہ: روح المعانی میں عبد بن حمید کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام پر توریت سے پہلے دس۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿ سَنُقْرِئُكَ ﴾ چاہے ابتداء ہو یا آپ کے وحی کے سلسلہ میں جلدی کرنے پر یا زبان ہلانے پر ہو۔ واللہ اعلم
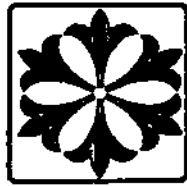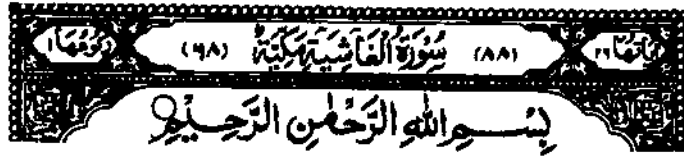
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ۝ لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ۝ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ۝ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ۝ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ۝ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝ أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ۝ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ۝﴾

ترجمہ: آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے، بہت سے چہرے اس روز ذلیل مصیبت جھیلتے خستہ ہوں گے آتش سوزاں میں داخل ہوں گے کھولتے ہوئے چشمہ سے پانی پلائے جاویں گے، ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک کو دفع کرے گا۔ بہت سے چہرے اس روز بارونق اپنے کاموں کی بدولت خوش خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے، جن میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے، اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے، اس میں اونچے اونچے تخت ہیں اور رکھے ہوئے آبخورے ہیں اور برابر لگے ہوئے گدے ہیں اور سب طرف قالین پھیلے پڑے ہیں تو؟ کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟ اور آسمان کو کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں؟ اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟ تو آپ نصیحت کردیا کیجئے آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں، ہاں مگر جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا تو خدا اس کو بڑی سزا دے گا ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہوگا پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے۔

ربط: گذشتہ سورت میں آخرت کے لئے تیار رہنے کا حکم تھا۔ اس سورت میں آخرت کے لئے تیاری کرنے والے اور نہ کرنے والے کی جزا وسزا مقصود کے طور پر بیان ہوئی ہے، اور اس مرنے کے بعد اٹھائے جانے اور جزا کی تقریر کے لئے

قدرت کا اثبات اور آخر میں بعث و جزا کے انکار پر آپ کے حزن کا ازالہ اور تسلی کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

دونوں فریقوں کی جزا اور بعث کا صحیح ہونا اور نبی ﷺ کو تسلی:

کیا آپ کو سب کا احاطہ کرنے والے اس واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے؟ (اس واقعہ سے قیامت مراد ہے کہ اس کا اثر ساری دنیا کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہوگا اور اس طرح سوال کرنے سے مقصود شوق پیدا کرنا ہے کہ جس سے سوال کیا جارہا ہے اس کا اہتمام اس کے لئے مفید ہے۔ آگے جواب کی صورت میں اس خبر کی تفصیل ہے یعنی) اس دن بہت سے چہرے ذلیل اور مصیبت جھیلنے (اور مصیبت جھیلنے سے) بدحال ہوں گے (اور) بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے (اور) ان کو کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا اور ان کو سوائے ایک خاردار جھاڑ کے کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا، جو نہ (تو کھانے والوں کو) فربہ کرے گا اور نہ (ان کی) بھوک کو دور کرے گا (یعنی نہ اس میں غذائیت ہے اور نہ ہی بھوک کو ختم کرنے کی اہلیت ہوگی، اور مصیبت جھیلنے سے مراد حشر میں پریشان پھرنا اور دوزخ میں زنجیروں اور طوقوں کو لادنا، دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا اور اس کے اثر سے خستہ حالی ظاہر ہے اور کھولتا ہوا چشمہ وہی جس کو دوسری آیتوں میں حمیم فرمایا ہے، اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کا بھی چشمہ ہوگا، اور ضریع میں کھانے کا حصر اضافی ہے یعنی پسندیدہ اور مرغوب ولذیذ کھانوں کی نفی مقصود ہے۔ پس زقوم اور غسلین کے اثبات سے کوئی تعارض نہیں اور چہروں سے خود چہروں والے لوگ مراد ہیں۔ یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا۔

آگے جنت والوں کا حال ہے یعنی بہت سے چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے (نیک) کاموں کی بدولت خوش ہوں گے (اور) جنت عالیہ میں ہوں گے جن میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے (اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴾ اس میں کوئی اور گناہ کی بات نہ سنیں گے (سورۃ الواقعہ آیت ۲۵) جبکہ ایک جگہ فرمایا ﴿ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴾ اس میں لغو اور جھوٹی بات نہ سنیں گے (سورۃ النبا ۳۵) اسی طرح کی اور بھی باتیں جنت کی نعمتوں کے طور پر بیان کی گئی ہیں (اور) اس (جنت) میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (اور) اس (جنت) میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہیں اور رکھے ہوئے پیالے (موجود) ہیں (یعنی ہی سامان اس کے سامنے ہی موجود ہوگا کہ جب پینے کو جی چاہے، دیر نہ لگے) اور برابر لگے ہوئے گدے (تکئے) ہیں اور سب طرف قالین (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں (کہ جہاں چاہیں آرام کرلیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی نہ پڑے، یہ جزا کی تفصیل ہوگئی۔

اور ان مضامین کو سن کر جو بعض لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں جس میں یہ سب واقعات ہوں گے) تو (ان کی غلطی ہے کیونکہ) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے، (کہ اس میں ہیئت اور خاصیت دونوں دوسرے جانوروں کی نسبت عجیب ہیں) اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو

(نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (یعنی ان چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت پر استدلال کرتے تاکہ اس کا موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر قادر ہونا سمجھ لیتے، اور ان چار چیزوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے، اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان اور نیچے زمین اور آس پاس اِدھر اُدھر پہاڑ، اس لئے اللہ کی قدرت کی ان علامتوں اور نشانیوں میں غور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔

اور جب یہ لوگ دلیلوں کے قائم ہونے کے باوجود غور نہیں کرتے) تو آپ (بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے، بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے (کیونکہ) آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو منہ پھیرے اور کفر کرے تو اللہ اس کو (آخرت میں) بڑی سزا دے گا (کیونکہ) ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہوگا، پھر ہمارا ہی کام ان کا حساب لینا ہے (آپ زیادہ غم میں نہ پڑیئے)

فائدہ: اور زمین کے بچھائے جانے میں اس کے گول کرہ نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ بظاہر دیکھنے میں وہ بچھی ہوئی نظر آتی ہے۔ پس یہ ممکن ہے کہ حقیقت میں وہ کرہ ہو، لیکن اس کے بڑے ہونے کی وجہ سے اس کا کرہ ہونا بدیہی طور پر محسوس نہ ہوتا ہو۔
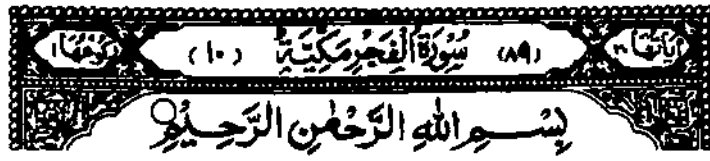
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِیْ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝﴾ ع

ترجمہ: قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔ کیوں اس میں عقل مند کے واسطے کافی قسم بھی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد وقامت ستون جیسے تھے جن کی برابر شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا؟ اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القری میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں بہت فساد مچا رکھا تھا سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بیشک آپ کا رب گھات میں ہے سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو اکرام وانعام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی اور جب اس کو آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے۔ اور میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو، ہرگز ایسا نہیں جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جاوے گا

اور آپ کا پروردگار اور جوق جوق فرشتے آویں گے اور اس روز جہنم کو لایا جاوے گا اس روز انسان کو سمجھ آوے گی، اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا کہے گا کاش! میں اس زندگی کے لئے کوئی عمل آگے بھیج لیتا، پس اس روز تو خدا کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا نہ نکلے گا اور اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نہ نکلے گا۔ اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ربط: گذشتہ سورت میں نیک و بد دونوں فریقوں کو بدلہ دینے کا ذکر تھا، اس سورت میں دونوں فریقوں کے لئے عظیم ترین مقصود یعنی بدلہ کا سبب بننے والے اعمال کا ذکر ہے اور تمہید میں بعض ہلاک ہونے والی امتوں کا ذکر ہے جن کے اعمال سزا کا باعث تھے اور آخر میں کلام کی تکمیل کے طور پر دونوں فریقوں کی بعض جزا کا بیان ہے۔

جزا و سزا کا سبب بننے والے اعمال اور ان کے مستحق لوگوں کے بعض اعمال کی تفصیل:

قسم ہے فجر کے وقت کی اور (ذی الحجہ کے مہینہ کی) دس راتوں (یعنی دس تاریخوں) کی (کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے) اور جفت کی اور طاق کی (جفت سے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور طاق سے نویں تاریخ مراد ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سے نماز مراد ہے کہ کسی کی طاق رکعتیں ہیں، کسی کی جفت۔ اور پہلی حدیث کو روایت کے لحاظ سے زیادہ صحیح کہا گیا ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے، اور درایت کے لحاظ سے بھی وہ زیادہ ترجیح کے لائق ہے، کیونکہ باقی جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، ان کا تعلق وقت اور زمانہ سے ہے، اس لئے اس تشریح کے مطابق یہ بھی زمانہ یعنی تاریخ ہی سے متعلق ہو جاتی ہے، اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ شفع و وتر سے مراد شفع و وترِ معظم ہو، اور دونوں اس کے مصداق ہو جائیں گے) اور (قسم ہے) رات کی جب وہ چلنے لگے (یعنی گذرنے لگے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَالَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴾ اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (سورۃ المدثر ۳۳) اور آگے جملہ معترضہ کے طور پر تاکید کے لئے اس قسم کی اہمیت بیان فرماتے ہیں، کیوں! اس (مذکورہ قسم) میں عقلمند کے لئے کافی قسم بھی ہے (یہ سوال تقریر اور تاکید کے لئے ہے یعنی ان مذکورہ قسموں میں ہر ہر قسم کلام کی تاکید کے لئے کافی ہے، اور اگرچہ ساری قسمیں ایسی ہی ہیں۔ مگر اہتمام کی غرض سے اس کے کافی ہونے کی تصریح فرما دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴾ اور اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے (الواقعہ ۷۶) اور قسم کا جواب مقدر ہے کہ انکار کرنے والوں کو ضرور سزا ہوگی، جیسا کہ جلالین میں ہے، جس پر اگلا کلام قرینہ ہے، جس میں گذشتہ منکروں کو عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے یعنی) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جن کے قد و قامت ستون جیسے (لمبے لمبے) تھے (اور) جن کے برابر (زور و قوت میں دنیا بھر کے) شہروں میں کوئی شخص پیدا نہیں کیا گیا (اس

قوم کے دولقب ہیں ایک عاد اور دوسرا ارم، کیونکہ عاد، عاص کا بیٹا ہے اور وہ ارم کا، اور وہ سام بن نوح علیہ السلام کا، اس لئے کبھی ان کو عاد کہتے ہیں، اس طرح انہیں ان کے باپ کی نسبت سے نام دیتے ہیں اور کبھی ارم کہتے ہیں یعنی انہیں ان کے دادا کی نسبت سے نام دیتے ہیں، اور اس ارم کا ایک بیٹا عابر ہے، اور عابر کا ایک بیٹا ثمود ہے جس کے نام سے ایک دوسری قوم مشہور ہے۔ جبکہ عاد اور ثمود دونوں ارم میں جا کر مل گئے ہیں۔ عاد، عاص کے واسطہ سے اور ثمود عابر کے واسطہ سے، اور یہاں لفظ ارم اس لئے بڑھا دیا کہ اس قوم عاد میں دو طبقے ہیں: ایک متقدمین جن کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور دوسرے متاخرین جن کو عاد اخری کہتے ہیں۔ اس طرح ارم بڑھا دینے سے اشارہ ہو گیا کہ عاد اولی مراد ہے کیونکہ قرب اور واسطوں کی کمی کی وجہ سے ارم کا اطلاق عاد اولیٰ پر ہوتا ہے جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اور میرے نزدیک یہ تحقیق اس امر کا فیصلہ کر دیتی ہے کہ جو سورۃ الاعراف اور النجم میں گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم

اور (آگے عاد کے بعد دوسرے ہلاک ہونے والوں کا بیان فرماتے ہیں کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ) قوم ثمود کے ساتھ (کیا معاملہ کیا؟) جو وادی القری میں (پہاڑ کے) پتھروں کو تراشا کرتے تھے (اور مکان بنایا کرتے تھے) وادی القری ان کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جیسا کہ ایک نام حجر ہے اور یہ سب شام اور حجاز کے درمیان میں ہیں، اور ان سب میں ثمود رہتے تھے جیسا کہ بعض تفسیروں میں بیان کیا گیا ہے) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (درمنثور میں ابن مسعودؓ وسعید بن جبیر ومجاہد وحسن وسدی سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ وہ جس کو سزا دیتا تھا، اس کے چاروں ہاتھ پاؤں چار میخوں سے باندھ کر سزا دیتا تھا، اور اس کی ایک تفسیر سورۂ ص آیت ۱۲ میں گذر چکی ہے۔

آگے سب کی مشترکہ صفت بیان فرماتے ہیں کہ) جنھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں بہت فساد برپا کر رکھا تھا، تو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا (یعنی عذاب نازل کیا، یہاں عذاب کو کوڑے سے اور اسی کے نازل کرنے کو برسانے سے تعبیر فرمایا۔

آگے اس عذاب کی علت اور موجودہ لوگوں کی عبرت کے لئے ارشاد ہے کہ) بیشک آپ کا رب (نافرمانوں کی) گھات میں ہے (جن میں سے ان کو تو ہلاک کر دیا جن کا اوپر ذکر ہوا، اور جو موجود ہیں ان کو عذاب دینے والا ہے) تو اس کا تقاضا تھا کہ اس وقت موجود کفار عبرت حاصل کرتے اور عذاب کا باعث بننے والے اعمال سے بچتے، لیکن کافر) آدمی (کا یہ حال ہے کہ وہ عذاب کا باعث بننے والے اعمال کو اختیار کرتا ہے جن کی سب کی اصل دنیا کی محبت ہے، چنانچہ اس) کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے (یعنی بظاہر اس کو انعام واکرام دیتا ہے (مال ودولت، عزت وشوکت اور جاہ ومرتبہ دیتا ہے جس سے اس کی شکرگذاری دیکھنا مقصود ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے اس کو آزمانا سے تعبیر فرمایا) تو وہ (اس پر فخر کرتے ہوئے اور اس کو اپنا حق سمجھتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر اور شان بڑھا دی (یعنی اس کے نزدیک مقبول ہوں کہ

اس نے مجھے ایسی ایسی نعمتیں دیں) اور جب اس کو (دوسری طرح آزماتا ہے یعنی اس پر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے (جس سے اس کے صبر و رضا کا دیکھنا مقصود ہوتا ہے، اور اس وجہ سے اس کو آزمانے سے تعبیر فرمایا) تو وہ (بطور شکایت) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی (یعنی مجھے میرے اکرام کے استحقاق کے باوجود اپنی نظر سے آج کل گرار کھا ہے کہ دنیاوی نعمتیں کم ہو گئیں۔ مطلب یہ کہ کافر دنیا ہی کو مقصود بالذات سمجھتا ہے کہ اس کی فراخی کو مقبولیت کی دلیل اور خود کو اس کا مستحق اور تنگی کو مسترد کئے جانے کی دلیل اور خود کو اس کا غیر مستحق سمجھتا ہے۔ اس طرح اس میں دو ممنوع امر ہیں (۱) دنیا کو مقصود بالذات سمجھنا جس سے آخرت کا ترک اور انکار لازم آتا ہے، دوسرے استحقاق کا دعویٰ جس سے نعمت پر فخر کرنا اور شکر کا ترک کرنا اور بلا و مصیبت پر شکوہ اور صبر کا ترک لازم آیا اور یہ سب اعمال عذاب کا موجب ہیں۔ آگے اس پر ڈرایا گیا ہے کہ) ہرگز ایسا نہیں ہے (یعنی نہ تو دنیا خود ذاتی طور پر مقصود ہے اور نہ ہی اس کا نہ ہونا مقبول یا ذلیل و رسوا ہونے کی دلیل ہے اور نہ کوئی کسی اکرام کا مستحق ہے اور نہ ہی کوئی صبر و شکر کے واجب ہونے سے مستثنیٰ ہے۔

آگے خطاب کے صیغہ سے التفات کے طور پر فرماتے ہیں کہ تم لوگوں میں صرف یہی اعمال عذاب کے باعث نہیں ہیں) بلکہ (تم میں دوسرے اعمال بھی بڑے قابل مذمت اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور عذاب کے باعث ہیں۔ چنانچہ) تم لوگ یتیم کی (کچھ) قدر (اور خاطر) نہیں کرتے ہو (مطلب یہ کہ یتیم کی توہین و ناقدری اور اس پر ظلم کرتے ہو کہ اس کا مال کھا جاتے ہو) اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے (یعنی دوسروں کے واجب حقوق نہ خود ادا کرتے ہو اور نہ دوسروں کو واجب حقوق ادا کرنے کی ترغیب و تلقین کرتے ہو، اور عملی طور پر ان کو چھوڑنے والے اور اعتقادی طور پر ان کا انکار کرنے والے ہو اور واجب کا ترک کرنا کافر کے لئے عذاب کی زیادتی کا باعث اور عقیدہ کا بگاڑ خود عذاب کا باعث ہے، اور (تم) وراثت کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو اور اگرچہ وراثت کے موجودہ اسلامی قوانین تفصیل کے ساتھ مکہ مکرمہ میں نافذ نہیں تھے سوائے وراثت کے جو ابراہیمی قوانین اور اسماعیلی شریعت سے موروثی طور پر چلے آرہے تھے۔ چنانچہ دور جہالت میں بچوں اور لڑکیوں کو میراث کا مستحق نہ سمجھنا اس کی دلیل ہے کہ میراث کا حکم پہلے سے بھی تھا جس کا بیان سورۂ نساء کی آیت ۷ کے تحت گذر چکا ہے) اور (تم لوگ) مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو (اور مذکورہ اعمال سب اسی کی فرع ہیں، کیونکہ دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ و بنیاد ہے۔ غرض یہ کہ یہ تمام اعمال قولی، فعلی و حالی عذاب کا باعث ہیں، چنانچہ انسان کا یہ حال ہے کہ عزت کے مضمونوں کو سن کر عبرت حاصل کرنے کی بجائے ایسے اعمال اختیار کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے والا ہے جیسا کہ فرمایا" آپ کا رب گھات میں ہے"

ان افعال کو عذاب کا باعث نہ سمجھنے پر ڈرایا گیا ہے کہ) ہرگز ایسا نہیں ہے (جیسا تم سمجھتے ہو کہ ان اعمال پر عذاب نہ

ہوگا، ضرور ہوگا۔ آگے بدلے کا وقت بتاتے ہیں، جس میں ان کو عذاب اور اطاعت کرنے والوں کو اجر وثواب ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) جس وقت زمین (کے بلند اجزاء، پہاڑوں وغیرہ کو توڑ توڑ کر (اور) ریزہ ریزہ (کر کے زمین کو برابر) کر دیا جائے گا، جیسا کہ فرمایا ﴿لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ (سورۂ طٰہٰ ۱۰۷) اور آپ کا پروردگار اور گروہ کے گروہ فرشتے (حشر کے میدان میں) آئیں گے (یہ حساب کا وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا آنا آیات متشابہات میں سے ہے) اور اس روز جہنم کو لایا جائے گا (جیسا کہ سورۂ مدثر آیت ۲۱ میں بیان ہو چکا ہے) اس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھنے کا موقع کہاں رہا (یعنی اب کیا فائدہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ دار الجزا یعنی بدلہ کا موقع ہے۔ دار العمل یعنی عمل کا موقع نہیں۔

آگے سمجھ آنے کے بعد جو کچھ وہ کہے گا، اس کا بیان ہے کہ وہ) کہے گا: کاش! میں اس (آخرت کی) زندگی کے لئے کوئی (نیک) عمل آگے بھیج لیتا۔ اس روز نہ تو اللہ کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا ہوگا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا ہوگا (یعنی ایسی سخت سزا اور قید کرے گا کہ دنیا میں کبھی کسی نے کسی کو اتنی سخت سزا دی ہوگی، نہ ایسی سخت قید کی ہوگی۔

یہ سزا تو عذاب کا باعث بننے والے اعمال کرنے والوں کو ہوگی۔ اور جو اللہ کے فرماں بردار تھے ان کو ارشاد ہوگا کہ) اے اطمینان والی روح! یعنی جس کا امر حق پر یقین و ایمان تھا اور کسی طرح کا شک و انکار نہ تھا، اور روح سے تعبیر اشرف جز کے اعتبار سے ہے) تو اپنے پروردگار (کی رحمت کے قرب) کی طرف چل، اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے کہ انسیت کے لئے دوستوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں) اور میری جنت میں داخل ہو جا (لفظ مطمئنہ (اطمینان والی) میں ان لوگوں کے اعمال کی طرف اشارہ ہو گیا جیسا کہ ظاہر ہے، اور عذاب کا باعث بننے والے اعمال کی زیادہ تفصیل شاید اس لئے ہے کہ زیادہ مقصود اہل مکہ کو سنانا ہے اور اس وقت وہاں ایسے اعمال کرنے والے زیادہ تھے۔

فائدہ: موقع ومحل کے قرینہ سے یہ خطاب ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ﴾ الخ قیامت کے دن معلوم ہوتا ہے، اور بعض روایتوں میں جو یہ آیا ہے کہ مرنے کے وقت مؤمن سے کہا جاتا ہے۔ وہاں آیت کی تفسیر مقصود نہیں، نہ ہی موت کے وقت کی تخصیص ہے، اور سورت کے شروع کی قسموں کو قسموں کے جواب سے یہ مناسبت ہو سکتی ہے کہ یہ سب اللہ کے تصرفات کی دلیل ہیں جو ایمان اور اطاعت کے وجوب کا تقاضہ کرتے ہیں اور واجب کے ترک پر عذاب کا ہونا ظاہر ہے۔

اٰیَاتُهَا (۹۰) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۳۵) رُكُوْعُهَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
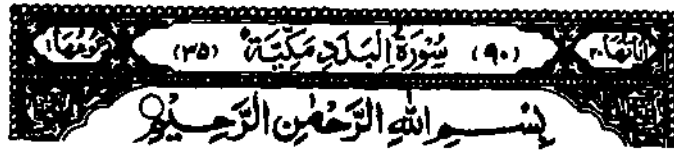
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۙ﴿۹﴾ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۫ۖ﴿۱۱﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۠﴿۲۰﴾ ﴾

ع ۱۵

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا؟ کہتا ہے کہ میں نے اتنا وافر مال خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں؟ کیا ہم نے اُس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور ہم نے اُس کو دونوں راستے بتلا دیئے سو وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ کسی گردن کا چھڑا دینا ہے۔ یا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو۔ پھر ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے۔ اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم کی فہمائش کی۔ یہی لوگ داہنے والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں وہ لوگ بائیں والے ہیں ان پر آگ محیط ہوگی جس کو بند کر دیا جاوے گا۔

ربط: گذشتہ سورت میں بدلہ کا باعث بننے والے اعمال کا بیان تھا، اس سورت میں بھی ایسے ہی اعمال کا بیان ہے مگر وہاں شر کے اعمال زیادہ بیان کئے گئے تھے یہاں اعمال خیر کی کثرت ہے اور تمہید میں محنت و مشقت اور رنج و غم و احسان کی قسم کے خیر کے اعمال کے تقاضوں کا ذکر ہے۔ اور سورت کے ختم کے قریب شر و خیر کے اعمال کی جزا و سزا کا ذکر ہے۔

خیر کے کاموں کی ترغیب اور شر کے کاموں سے ڈرانا:

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور (جملہ معترضہ کے طور پر تسلی کے لئے پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ) آپ کے

لئے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے (چنانچہ فتح مکہ کے دن آپ کے لئے حرم کے احکام باقی نہیں رہے تھے) اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی (ساری اولاد کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، اس لئے آدم اور بنی آدم سب کی قسم ہوئی، آگے قسم کا جواب ہے) کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (چنانچہ عمر بھر کہیں مرض میں کہیں رنج میں کہیں فکر میں اکثر اوقات مبتلا رہتا ہے، اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی اور خود کو قضا وقدر کے حکم کا پابند سمجھ کر اللہ کا فرماں بردار اور اس کی رضا کا طلب گار ہوتا، لیکن جو انسان کافر ہے اس کی یہ حالت ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہوا ہے تو) کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا (یعنی کیا خود کو اللہ کی قدرت سے باہر سمجھتا ہے جو اس قدر بھول میں پڑا ہے اور) کہتا ہے کہ میں نے اتنا زیادہ مال خرچ کر ڈالا (یعنی ایک تو شیخی بگھارتا ہے، پھر رسول سے دشمنی اور اسلام کی مخالفت اور گناہ کے کاموں میں خرچ کرنے کو ہنر سمجھتا ہے، پھر جھوٹ بھی بولتا ہے کہ اس مال کو بہت زیادہ بتاتا ہے) کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے تو دیکھا ہے اور وہ جانتا ہے کہ گناہ کے کاموں میں خرچ کیا ہے، اس لئے اس پر سزا دے گا اور مقدار بھی دیکھی ہے کہ اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی کا وہ لوگوں کو یقین دلانا چاہتا ہے، یہ حال مطلق کافر کا ہے کہ اس وقت آپ کے مخالفوں کی یہی باتیں اور یہی حال تھے۔ غرض یہ شخص نہ تو محنت ومشقت سے متاثر ہوا اور نہ ہی احسان سے جس کا بیان آگے ہے یعنی) کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں راستے (خیر وشر کے) بتا دیئے (تاکہ نقصان کے راستے سے بچے اور نفع وفائدہ کے راستہ پر چلے) تو (اس کا بھی تقاضا یہ تھا کہ اللہ کے احکام کا تابع ہوتا مگر) وہ شخص (دین کی گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا (دین کے کاموں کو اس لئے گھاٹی کہا کہ یہ کام نفس کو بہت مشکل ودشوار معلوم ہوتے ہیں) اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی (سے) کیا (مراد) ہے، وہ کسی (کی) گردن کا (غلامی سے) چھڑا دینا ہے، یا فاقہ کے دن میں کھانا کھلانا ہے کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی زمین پر بیٹھنے والے مسکین محتاج کو (یعنی اللہ کے ان احکام کو بجالانا چاہئے تھا) پھر (سب سے بڑھ کر یہ کہ) ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو (ایمان کی) پابندی کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو (مخلوق پر) رحم ومہربانی کے سلوک (یعنی ظلم سے باز رہنے) کی فہمائش کی (ایمان تو سب سے مقدم ہے، پھر ایمان پر ثابت قدم رہنے کا معاملہ دوسرے تمام اعمال سے افضل ہے، پھر دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچا رہنا باقی اعمال سے زیادہ اہم ہے اور پھر ان اعمال کا درجہ ہے جو ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ یعنی گردن چھڑانے سے لے کر ﴿مَتْرَبَةٍ﴾ تک بیان کئے گئے ہیں۔ پھر یہ ﴿ثُمَّ﴾ درجہ اور مرتبہ کی عظمت کے لئے ہے، مطلب یہ کہ اصول وفروع سب میں اطاعت کرنی چاہئے تھی۔ آگے ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ کی جزا کا بیان ہے یعنی جو لوگ داھنے والے ہیں جن کی جزا کی تفصیل سورۂ واقعہ میں

ہے، اور یہاں مطلق اہل ایمان خواص وعوام مراد ہیں) اور آگے ان کے مدمقابل لوگوں کا بیان ہے کہ) جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں (خود اصولوں ہی میں مخالف ہیں فروع کی بات تو الگ رہی) وہ لوگ بائیں والے ہیں ان کو آگ گھیرے ہوئے ہوگی، جس کو بند کر دیا جائے گا (یعنی دوزخیوں کو دوزخ میں بھر کر آگے سے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، کیونکہ خلود کی وجہ سے پھر کبھی بھی نکلنا تو ملے گا ہی نہیں)

فائدہ: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ الخ میں بعض خصوصیتیں اور قیدیں اہتمام کے لئے ہیں نہ کہ حصر کے لئے، اور قسم اور اس کے جواب میں مناسبت یہ ہے کہ اس شہر میں اس وقت افضل المخلوقات سخت مشقت میں مبتلا تھے جس کو دور کرنے کی بشارت کے لئے جملہ معترضہ لایا گیا۔ اس طرح غیر افضل کی مشقت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگئی اور باپ اور اولاد خود مشقت کا موقع ومحل ہیں۔ ان کے حال کا مشاہدہ کرنا خود جواب کی دلیل ہے۔
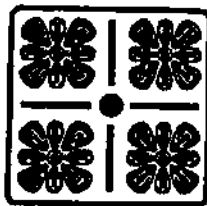
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ ﴾

ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج سے پیچھے آوے اور دن کی جب وہ اس کو خوب روشن کردے اور رات کی جب وہ اس کو چھپالے اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا اور زمین کی اور اس کی جس نے اس کو بچھایا اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کا اس کو القاء کیا۔ یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبادیا قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب تکذیب کی جبکہ اس قوم میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا اٹھ کھڑا ہوا، تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر نے فرمایا کہ اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا، سو انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے اُن کے گناہوں کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس کو عام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے اخیر میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہوا۔

ربط: گذشتہ سورت میں ایمان اور کفر سے متعلق اعمال کے آخرت میں ملنے والے بدلہ کا بیان تھا، اس سورت میں ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ﴾ الخ سے جو قسم کے جواب کے درجہ میں ہے، قصداً کفر سے متعلق اعمال پر دنیا میں ملنے والے بدلہ کے احتمال کا بیان ہے اور ضمناً قسم کے ذیل میں کفر و ایمان کی طرف خود اعمال کی تقسیم مع دونوں کے آخرت سے متعلق اجمال کے طور پر ذکر ہے اور غالباً پہلے مضمون کا مقصود کے طور پر اور دوسرے مضمون کا ضمنی طور پر اور تابع ہو کر آنا اس لئے ہو کہ اصل مقصود مکہ کے کفار کو ڈرانا ہے۔

کفار کو قصۂ ثمود کے قصہ کے ذریعہ ڈرانا اور تابع کے

طور پر خوش نصیبی اور بدبختی کے تقاضوں کا بیان:

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب سورج (کے غروب ہونے) کے بعد آئے (یعنی طلوع ہو، اس سے مہینہ کے بیچ میں چند راتوں کا چاند مراد ہے، جو سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے، اور شاید یہ قید اس لئے ہو کہ وقت پوری روشنی کا ہوتا ہے جیسا کہ ﴿ضُحٰـهَا﴾ سے سورج کی مکمل روشنی کی طرف اشارہ ہے اور یا یہ کہ اس وقت قدرت کی دونشانیاں ایک دوسرے کے پیچھے اور قریب ہی قریب ظاہر ہوتی ہیں یعنی سورج کا چھپنا اور چاند کا نکلنا) اور (قسم ہے) دن کی جب وہ اس (سورج) کو خوب روشن کردے (یا زمانہ کی طرف اسناد مجازی ہے اور (قسم ہے) رات کی جب وہ اس (سورج) کو اور اس کے آثار اور اس کی روشنی کو پوری طرح چھپالے (یعنی خوب رات ہو جائے کہ دن کی روشنی کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور یہ بھی مجازی نسبت ہے اور جن چاروں چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، ان کی قیدیں کمال کے اعتبار کے لئے ہیں یعنی ہر ایک کے قسم ان کمال کی حالت کے اعتبار سے ہے) اور (قسم ہے) آسمان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بنایا (خود اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے، اسی طرح آگے ﴿مَا طَحٰـهَا﴾ اور ﴿مَا سَوّٰىهَا﴾ میں بھی اللہ ہی مراد ہے، اور خالق کی قسم سے پہلے مخلوق کی قسم لانے کا مقصد دلیل سے مدلول کی طرف انتقال ہے کہ مصنوعات اپنے صانع یعنی بنانے والے پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اس میں توحید پر استدلال کی طرف بھی اشارہ ہوگیا) اور (قسم ہے) زمین کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو بچھایا۔ اور (قسم ہے انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو (ہر طرح صورت اور اعضاء کی شکل سے) درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القا کیا (یہ نسبت تخلیق کے اعتبار سے ہے یعنی دل میں جو نیکی کا رجحان ہوتا ہے یا بدی کی طرف میلان ہوتا ہے، دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور اگرچہ پہلے القا میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور دوسرے میں شیطان، پھر وہ رجحان و میلان کبھی عزم کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، جو کہ قصد اور اختیار سے صادر ہوتا ہے، جس کے بعد فعل کا صادر ہونا حق کی تخلیق سے ہوتا ہے، اور کبھی عزم تک نہیں پہنچتا۔ آگے مضمون کی تکمیل کے لئے اہل فجور یعنی بدعمل و بدکردار لوگوں کا اور اہل تقوی کا انجام بتاتے ہیں کہ (یقیناً وہ مراد کو پہنچا، جس نے اس (جان) کو پاک کرلیا (یعنی نفس کو فجور بدعملی اور بدکرداری سے روک کر اس پر تقوی کے صادر ہونے کو ترجیح دی) اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبادیا (اور فجور سے مغلوب کردیا، اس کے بعد قسم کا جواب مقدر ہے، یعنی اے مکہ والے کافرو! جو اہل فجور یعنی بدعمل اور بدکردار ہو، تم ضرور غضب اور ہلاکت میں مبتلا ہوگے۔ آخرت میں یقینی طور پر اور دنیا میں غالب احتمال کے ساتھ جیسا کہ قوم ثمود اس بدعملی اور بدکرداری کی وجہ سے غضب اور ہلاکت میں مبتلا ہوئے جن

کا قصہ یہ ہے کہ) قوم ثمود نے اپنی شرارت کے سبب (صالح علیہ السلام کو) جھٹلایا (اور یہ اس زمانہ کا قصہ ہے) جب اس قوم میں جو آدمی سب سے زیادہ بدبخت تھا، وہ (اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے) اٹھ کھڑا ہوا (یعنی آمادہ ہوگیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک تھے) تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر (صالح علیہ السلام) نے (جب انہیں اس عزم کی اطلاع ہوئی جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے) فرمایا کہ اللہ کی (اس) اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا (یعنی اس کو قتل مت کرنا اور نہ اس کے پانی میں مداخلت کرنا چونکہ قتل کے ارادہ کا اصل سبب یہی پانی کی باری تھی، اس کی تصریح فرمائی اور اللہ کی اونٹنی اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبوت کی دلیل بنادیا اور اس کے احترام کو واجب فرمایا) تو انھوں نے پیغمبر کو اس مضمون میں جو ﴿نَاقَةَ اللهِ﴾ سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ نبوت کی دلیل ہے اور اس کا احترام واجب ہے) جھٹلایا (کیونکہ وہ ان کو نبی نہیں مانتے تھے) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر اس (ہلاکت کو تمام قوم کے لئے) عام فرمایا، اور اللہ تعالیٰ کو اس ہلاکت کے آخر میں کسی (خرابی کے نکلنے) کا (کسی سے) اندیشہ نہیں ہوا (جیسے دنیا کے حکمرانوں کو بعض اوقات کسی قوم کو سزا دینے کے بعد اندیشہ ہوتا ہے کہ اس پر ان کی حکومات میں کوئی شورش اور خلل پیدا نہ ہو)

فائدہ: ثمود کا اور اونٹنی کا قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں گذر چکا ہے۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۝ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدّٰى ۝ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولٰى ۝ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزٰى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾

ع ۲۱ ۱۶

ترجمہ: قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھپالے اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو جاوے، اور اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا کہ بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔ سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سامان دے دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آوے گا، جب وہ برباد ہونے لگے گا۔ واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا، تو میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں۔ اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جاوے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جاوے اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے کہ اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارنا ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا۔

ربط: گذشتہ سورت میں اعمال اور جزاؤں کا اختلاف بیان کیا گیا تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

اعمال اور جزاؤں کا اختلاف:

قسم ہے رات کی جبکہ وہ (آفتاب کو اور دن کو) چھپالے (جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰهَا﴾ اور فرمایا: ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ رات دن کو ڈھانپ لے (الاعراف ۵۴) اور (قسم ہے) دن کی جبکہ وہ روشن ہو جائے

اور (قسم ہے) اس (ذات) کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (اس سے مراد ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ہیں۔ آگے قسم کا جواب ہے) کہ بے شک تمہاری کوششیں (یعنی اعمال) مختلف ہیں (اور اسی طرح ان کے ثمرات بھی مختلف ہیں) تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام) کو سچا سمجھا (یعنی اسلام کو اختیار کیا تو ہم اس کو راحت کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے (راحت کی چیز سے نیک عمل اور نیک عمل کے واسطہ سے جنت مراد ہے کہ یسر یعنی راحت کے سامان کا محل ہے۔ اس لئے یسری کہہ دیا گیا، ورنہ یسری کے معنی ہیں آسان چیز) اور جس نے (واجب حقوق سے) بخل کیا (اور اللہ سے ڈرنے کے بجائے) بے پروائی اختیار کی اور اچھی بات (یعنی ملت اسلام) کو جھٹلایا (یعنی اسلام قبول نہ کیا) تو ہم اس کو تکلیف کی چیز کے لئے سامان دیدیں گے (تکلیف کی چیز سے بدعملی اور بدعملی کے واسطہ سے دوزخ مراد ہے کہ عسر کا سبب اور محل ہے۔ اس لئے اس عسر کو عسری کہہ دیا گیا، اور سامان دینے سے مراد دونوں جگہ یہ ہے کہ اچھے یا برے کام اس سے بے تکلف سرزد ہوں گے اور ایسے ہی اسباب جمع ہو جائیں گے اور پھر نیک اعمال کا جنت کا سامان ہونا اور برے اعمال کا جہنم کا سامان ہونا ظاہر ہی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: **فأما من كان من أهل السعادة فَسَيُيسِرُ لعمل أهل السعادة وكذا في الشقاوة** : کہ جو اہل سعادت میں سے ہوگا، اس کے لئے اہل سعادت والا عمل آسان ہو جائے گا اور یہی معاملہ شقاوت میں ہوگا) اور (آگے اس صاحب عسری یعنی تنگی والے کا حال بیان ہوا ہے کہ) اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا (بربادی سے مراد جہنم میں جانا ہے) واقعی ہمارے ذمہ تفضل واحسان کے التزام کے مطابق) راہ کا بتا دینا ہے۔ سو وہ ہم نے پوری طرح بتا دیا ہے، پھر کسی نے ایمان وطاعت کا راستہ اختیار کر لیا جس کا ذکر پانچویں آیت میں ﴿مَنْ اَعْطٰى﴾ الخ میں ہوا ہے اور کسی نے کفر ومعصیت کا راستہ اختیار کر لیا جس کا ذکر آٹھویں آیت میں ﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ الخ میں ہوا ہے) اور (جیسی راہ کوئی شخص اختیار کرے گا اس کو ویسا ہی ثمرہ دیں گے، کیونکہ) ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے، اس لئے دنیا میں ہم نے احکام مقرر کئے اور آخرت میں ان کی مخالفت وموافقت پر سزا وجزا دیں گے، جس کا بیان اوپر دو جگہ ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ﴾ میں ہوا ہے۔ اور احکام کا قبول کرنا اور جزا کا واقع ہونا دونوں صاحب حکم ہونے کے فرع ہیں، چنانچہ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ اور ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى﴾ دونوں آیتیں گذشتہ مضمون کی علت کے طور پر ہیں۔

آگے تنقیح اور توضیح کے طور پر ارشاد ہے کہ میں نے جو تمہیں مختلف اعمال کی مختلف جزا بتائی ہے، تو میں تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں (جس پر ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ دلالت کرتی ہے تاکہ ایمان اور طاعت جن کا ذکر ﴿اَعْطٰى﴾ الخ میں ہے اختیار کر کے اس سے بچو اور کفر اور معصیت جن کا ذکر ﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ الخ میں ہے اختیار کر کے اس میں نہ جاؤ، کیونکہ اس میں جانے اور نہ جانے کے یہی اسباب ہیں۔ چنانچہ آگے اس کی تصریح ہے کہ) اس میں (ہمیشہ کے

لئے) وہی بد بخت داخل ہوگا جس نے (دین حق کو) جھٹلایا اور (اس سے) منہ پھیرا اور اس سے ایسا شخص دور کیا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہے، جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہو جائے (یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا اس کا مطلوب ہے) اور سوائے اپنے عالی شان والے پروردگار کی رضا تلاش کرنے کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا، کہ (اس دینے سے) اس کا بدلا اتارنا (مقصود) ہو۔ اس میں اخلاص میں انتہائی مبالغہ ہے کیونکہ کسی کے احسان کا بدلا اتارنا بھی اپنے آپ میں مستحب انفاق ہے اور یہ مطلوب ہے تاہم فضیلت میں ابتدائی احسان کی برابر نہیں، تو جب اس شخص کا انفاق اس سے بھی پاک ہو تو ریا وغیرہ معاصی کی ملاوٹ سے تو بدرجۂ اولی بری ہوگا، اور یہ کمال اخلاص ہے) اور (ایسے شخص کے لئے اوپر صرف جہنم سے بچنے کا ذکر تھا۔ آگے آخرت کی نعمتوں کے حصول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) یہ شخص جلدی ہی خوش ہو جائے گا (یعنی آخرت میں ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی کہ خوش ہو جائے گا)

فائدہ: باوجودیکہ آیت کے الفاظ عام ہیں، مگر اس کا سبب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کافروں سے خرید کر اللہ کے واسطے آزاد کر دیا تھا (جیسا کہ درمنثور میں متعدد اسناد سے آیا ہے اور قسم اور جوابِ قسم میں مناسبت ظاہر ہے کہ رات اور دن بھی مختلف کوشش کی طرح مختلف ہیں، اور اسی سے خالق کی صفت بھی ایسی لائی گئی جس میں دو مختلف چیزوں کا ذکر ہے۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

ربط: اوپر سورت ﴿ وَالَّيْلِ ﴾ کی آیت ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى ﴾ سے ﴿ لِلْعُسْرٰى ﴾ یعنی آیات ۵ سے ۱۰ تک اہم ترین اصول وفروع کا کلی عنوان سے بیان ہوا ہے اور ان کی تصدیق وامتثال پر یا تکذیب او اخلال پر وعدہ و وعید کا بیان ہے جو کہ اس سے پہلے کی سورتوں کے لئے بلکہ تمام قرآن مجید کے لئے جامع تلخیص کے درجہ میں بھی ہے اور اس سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ سے سورۂ ناس تک کے لئے مختصر تفصیل کے درجہ میں بھی ہے۔ چنانچہ مذکورہ اہم ترین امور میں سے ایک رسالت کا مسئلہ بھی ہے، جس کا بیان مع بعض دوسرے مناسب مضامین کے جیسے حضور ﷺ پر بعض انعامات کا فیضان فرمانا اور ان کے شکریہ میں آپ کو بعض اوامر ونواہی کا مخاطب فرمانا، اس سورت میں آیا ہے، اسی طرح باقی تمام سورتوں میں ان کلی مہمات کی خاص جزئیات اور ان کے مناسب مضامین بیان کئے گئے ہیں، جیسا کہ ہر سورت کے شروع میں ان جزئیات اور مناسب امور کی تعیین بھی معلوم ہو جائے گی، اور اس تقریر سے اگلی تمام سورتوں کا آپس میں اور پہلے والی سورتوں سے ربط بھی واضح ہو گیا۔ اب ہر سورت کے لئے ربط کی مستقل تقریر کی ضرورت نہ ہوگی، صرف اس تقریر کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا، گویا تمام سورتوں میں آپسی ربط بھی معمولی غور وفکر سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ آگے چھوٹی چھوٹی سورتیں ہی آئیں گی، اس لئے سب کو ایک ہی تقریر میں بیان کر دینا مناسب معلوم ہوا، جیسا کہ امام رازی نے بھی سورۂ کوثر کی تفسیر میں ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ سے آخر تک کا ربط ایک ہی تقریر میں لکھا ہے، لیکن وہ تقریر بہت بلند اور سمجھنے میں مشکل اور بہت زیادہ طویل ہے جبکہ یہ تقریر سمجھنے میں آسان، مختصر و سہل ہے۔

﴿ وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝۸ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ ﴾ ع ۱۸ / ۱۱

ترجمہ: قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی، جبکہ وہ قرار پکڑے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ دشمنی کی اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدر جہا بہتر ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا، سو آپ خوش ہو جاویں گے۔ کیا اللہ

تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑ کیے اور آپ اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے۔

مسئلہ نبوت کی تقویت کے لئے نبی ﷺ کو عطا کی جانے والی

بعض نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم:

(اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ایک بار آپ کسی بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہیں اٹھے تو ایک کافر عورت نے کہا معلوم ہوتا ہے تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا، اتفاق سے ان دنوں میں وحی آنے میں بھی دیر ہوگئی تھی، جس کی بنا پر دوسرے مشرکوں نے بھی کہا کہ ان کے رب نے انہیں چھوڑ دیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ یہ دونوں روایتیں مختلف کتابوں سے درمنثور میں منقول ہیں، غرض ارشاد ہے کہ) قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے (قرار پکڑنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک حقیقی یعنی پوری طرح اندھیرا ہو جانا کہ اس سے پہلے یہ اندھیرا دھیرے دھیرے بڑھ رہا تھا یعنی گویا حرکت میں تھا، دوسرے مجازی معنی اس میں جانداروں کا سو جانا، اور چلنے پھرنے اور بولنے چالنے کی آوازوں کا رک جانا۔

آگے قسم کا جواب ہے کہ) کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے دشمنی کی ہے (کیونکہ اول تو آپ سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی دوسرے اللہ کی سنت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے واسطے ایسا معاملہ محال ہے، اس لئے آپ کفار کی خرافات اور لغو باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، آپ برابر وحی کی نعمت سے مشرف رہیں گے، اور یہ شرف وکرامت تو آپ کے لئے دنیا میں ہے) اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے (چنانچہ وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی، اور جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں کثرت سے نعمتیں) دے گا تو آپ (ان کے عطا ہونے سے خوش ہو جائیں گے) اور جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اس کو بشارت سے یہ مناسبت ہے کہ وحی کا لگاتار اور وقفہ وقفہ سے رک رک کر آنا رات و دن کی تبدیلی کی طرح ہے اور دونوں بڑی حکمتوں پر مشتمل ہیں، اس لئے جیسے ایک بتدیلی جدا کرنے یا عداوت کی دلیل نہیں اسی طرح دوسری تبدیلی اور دوسری بشارتیں بھی مکمل ہیں، پس جس کی قسم کھائی گئی ہے اس کو اس کے واسطہ سے سب سے مناسبت ہوگئی۔ آگے بعض نعمتوں کو مذکورہ مضمون کے ثبوت میں تذکرہ کیا جا رہا ہے یعنی) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا؟ پھر (آپ کو) ٹھکانا دیا (چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپ جب شکم مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا کے ذریعہ پرورش کرائی، پھر جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو ان کی بھی وفات ہوگئی، تب آپ کے چچا کے ذریعہ پرورش کرائی، ٹھکانہ دینے کا مطلب یہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو

(شریعت سے) بے خبر پایا تو (آپ کو شریعت کا) راستہ بتایا، جیسا کہ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ﴾ الخ یعنی آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ ہی آپ ایمان کے بارے میں جانتے تھے (سورۃ الشوریٰ ۵۲) اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی نقص کی بات نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار و مفلس پایا تو مالدار بنا دیا (اس طرح کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے تجارت کرنے میں آپ مضارب یعنی شریک و ساجھی ہوئے اور اس میں نفع ہوا، پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ سے نکاح کرلیا اور اپنا تمام مال و دولت آپ کو پیش کر دیا۔ مطلب یہ کہ آپ پر شروع ہی سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش رہی، اور آئندہ بھی رہے گی۔

آگے ان نعمتوں پر آپ کو شکر ادا کرنے کا حکم ہے کہ جب ہم نے آپ کو یہ نعمتیں دی ہیں) تو آپ (اس کے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے (یہ تو عملی شکر ہے) اور اپنے رب کے (مذکورہ) انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے (یعنی زبان سے الفاظ کی شکل میں بھی شکر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان کیا ہے، یہاں یا تو ﴿لَا تَقْهَرْ﴾ (سختی نہ کیجئے) ﴿لَا تَنْهَرْ﴾ (مت جھڑکئے) اور ﴿فَحَدِّثْ﴾ (تذکرہ کرتے رہا کیجئے) کے مجموعہ کو نعمتوں کے مجموعہ سے متعلق کیا جائے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ جسمانی و روحانی احسان کیا ہے آپ اس کی مخلوق پر احسان کیجئے، اور مخلوق پر احسان کی قسموں میں روحانی احسان تو آپ کا نبی ہونے کی حیثیت سے فرض منصبی تھا، اس کے بیان کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے صرف جسمانی احسان کو خاص کیا اور یا یہ مجموعہ اس مجموعہ پر تقسیم کیا جائے یعنی ﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا﴾ کا ﴿فَاَمَّا الْیَتِیْمَ﴾ سے تعلق جوڑا جائے اور ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا﴾ کا ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ سے۔ اور اس تعلق جوڑنے کی وجہ ظاہر ہے اور ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا﴾ کا تعلق جو مخلوق کی ہدایت ہے اس کو فرض منصبی کی وجہ سے جیسا کہ اوپر گذرا ذکر نہیں فرمایا)

فائدہ: سائل کو جھڑکنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے ورنہ اگر اڑ کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے تو جھڑکنا جائز ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے واللہ اعلم۔

اور در منثور میں حاکم اور بیہقی کی روایت سے مرفوع حدیث ہے کہ ﴿وَالضُّحٰی﴾ سے آخر تک ہر سورت کے ختم پر اللہ اکبر کہو۔ اور بعض حضرات نے اس میں یہ حکمت بیان کی ہے کہ وحی میں وقفہ کے بعد جو یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے خوش ہو کر اللہ اکبر فرمایا تھا، اور پھر شاید مضمون کی مناسبت کی وجہ سے باقی سورتوں میں بھی تکبیر فرمائی ہو۔ واللہ اعلم
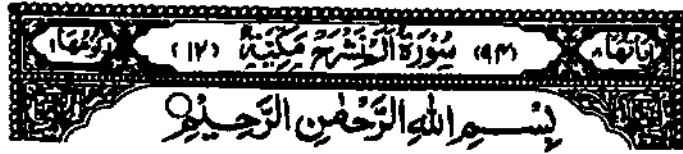
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا؟ اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا، سو بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے، بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے تو آپ جب فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیا کیجئے اور اپنے رب کی طرف توجہ رکھئے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ میں جو مضمون تھا یہ سورت بالکل اس کا تتمہ ہے۔

پہلی سورت کی نعمتوں کا تتمہ اور ان پر شکر ادا کرنے کا حکم:

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم و حلم سے) کشادہ نہیں کر دیا؟ یعنی علم بھی وسیع فرمایا اور تبلیغ میں مخالفوں کی مزاحمت کی وجہ سے جو اذیت ہوتی ہے، اس میں صبر و تحمل بھی دیا اور حلم و بردباری بھی، جیسا کہ حضرت حسن نے فرمایا (درمنثور) اور ہم نے آپ کے اوپر کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہاں وِزْرٌ سے مراد وہ مباح امور ہیں جو کبھی کبھی آپ سے کسی حکمت کی بنیاد پر صادر ہو جایا کرتے تھے اور بعد میں ان کا خلاف حکمت اور خلاف اولیٰ ہونا ثابت ہوتا تھا تو آپ اپنی اعلیٰ شان اور انتہائی قرب کی وجہ سے اس پر ایسے ہی رنجیدہ ہوتے تھے جس طرح کوئی گناہ سے رنجیدہ وغمزدہ ہوتا ہے۔ اس میں ان امور پر مواخذہ نہ ہونے کی بشارت ہے جیسا کہ درمنثور میں مجاہد اور شریح بن عبدالحضرمی سے روایت ہے، اس لئے یہ بشارت آپ کو دوبار ہوئی: اول مکہ میں اس سورت میں اور دوسرے مدینہ منورہ میں سورۂ فتح میں، اس کی تاکید و تکمیل اور تجدید و تفصیل کے لئے) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کی ناموری (وشہرت) بلند کی (یعنی اکثر جگہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ درمنثور میں مرفوع حدیث ہے: قال اللہ تعالیٰ: إذا ذكرت ذكرت معي: یعنی جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا جیسے کلمہ میں خطبہ میں، تشہد میں، نماز میں، اذان اور اقامت میں۔ اور اللہ کے نام کی رفعت اور شہرت ظاہر ہے تو جو اس کے قریب

ہوگا وہ رفعت میں بھی اس کے تابع اور قریب رہے گا، اور چونکہ مکہ میں آپ کو اور مؤمنوں کو طرح طرح کی تکلیفوں اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لئے آگے ان کے ازالہ کا پہلے والے پر فرع کے طور پر وعدہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے آپ کو روحانی راحت دی اور روحانی تکلیف دور کردی جیسا کہ ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ ﴾ سے معلوم ہوا) تو (اس سے دنیاوی راحت ومحنت میں بھی ہمارے فضل وکرم کا امیدوار رہنا چاہئے۔ چنانچہ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ) بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ (یعنی قریب کے بعد جو کہ لفظ ''مع'' کے حکم میں ہے) آسانی (ہونے والی) ہے (اور چونکہ ان مشکلات کی قسمیں اور تعداد بہت زیادہ تھیں اس لئے اس وعدہ کو دہراتے اور تاکید فرماتے ہیں کہ) بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے (چنانچہ وہ مشکلات ایک ایک کر کے سب دور ہوگئیں، جیسا کہ حدیث، سیرت اور تاریخ کی متواتر روایات اس پر متفق ہیں۔

آگے ان نعمتوں پر شکر کا حکم فرماتے ہیں یعنی جب ہم نے آپ کو ایسی ایسی نعمتیں دی ہیں) تو آپ جب (احکام کی تبلیغ سے جو کہ ایسی عبادت ہیں جن کا نفع دوسروں تک پہنچنے والا ہے) فارغ ہوجایا کریں تو (دوسری عبادتوں میں جو آپ کی اپنی ذات کے ساتھ خاص ہیں) محنت کیا کیجئے (اس سے عبادت اور ریاضت کی کثرت مراد ہے کہ آپ کی شان کے لئے یہی مناسب ہے) اور (جو کچھ مانگنا ہو اس میں) اپنے رب کی طرف توجہ رکھئے (یعنی اسی سے مانگئے، اور اس میں بھی ایک طرح سے تنگی دور ہونے کی بشارت ہے کہ سوال کا حکم کرنا خود قبولیت کا وعدہ ہے، اس طرح شکر کے لئے پہلا حکم ہوگا اور دوسرا اس کا تتمہ، اور دونوں کو بھی اس طرح شکر کہا جاسکتا ہے کہ دونوں میں امر مشترک اللہ کی طرف توجہ ہے، اور اصل شکر یہی ہے۔

فائدہ: ﴿ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ کی مذکورہ تفسیر پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بعض اوقات تنگی کے بعد یسر یعنی سہولت نہیں ہوتی۔
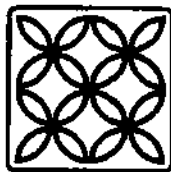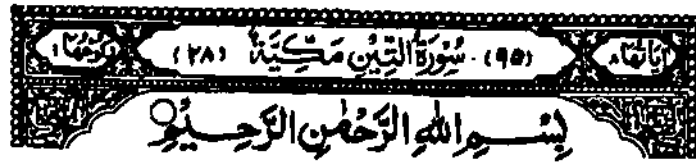
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا، پھر ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہیں؟

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰی ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے انسان کی پہلی بار پیدائش اور اس کا قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونا ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

انسان کا پہلی بار پیدا ہونا اور قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونا:

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے، پھر ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم اس کو پستی کی حالت والوں سے بھی زیادہ پست کر دیتے ہیں، یعنی اس کی وہ خوبصورتی اور قوت، بدصورتی اور کمزوری میں بدل جاتی ہے، اور وہ برے سے بھی زیادہ برا ہو جاتا ہے، اس سے پوری طرح بدصورتی کا بیان کرنا مقصود ہے جس سے اس کو دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت پر کافی استدلال ہے، جیسا کہ فرمایا ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ﴾ الخ (سورۃ الروم ۵۴) اور اس سورت سے غور و فکر کے بعد مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر استدلال کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے جیسے ﴿ فَمَا یُكَذِّبُكَ ﴾ کا ارشاد اس کا قرینہ ہے، مگر چونکہ ﴿ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ﴾ کے مطلق لفظ سے بظاہر ضعیفوں اور بوڑھوں کے پوری طرح بے کار ہو جانے کا شبہ ہوتا ہے جس سے آخرت میں عام طور سے بے کار ہو جانے کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس

وہم کو دور کرنے کی غرض سے استثنا کے طور پر فرماتے ہیں کہ بوڑھاپیشک ردی، بیکار ہو جاتا ہے) لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لئے اس قدر ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا (آگے ﴿خَلَقْنَا﴾ اور ﴿رَدَدْنٰهُ﴾ کے ذریعہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق پر اور احوال کی تبدیلی پر قادر ہیں) تو (اے انسان!) کونسی چیز تجھے قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے (یعنی وہ کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تو ان دلائل کے ہوتے ہوئے قیامت کا منکر ہو رہا ہے؟) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ یعنی دنیاوی تصرفات میں بھی جن میں سے پیدائش اور واپس لوٹانا ہے اور آخرت کے تصرفات میں بھی جن میں سے دوبارہ اٹھایا جانا اور بدلا بھی ہے)

فائدہ: سورت کے شروع میں چار چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں: دو جن کے اندر بہت سارے منافع ہیں۔ اور دو مقامات جن میں بہت زیادہ برکت ہے: ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا مقام ہے اور دوسرا آپ ﷺ کی جائے پیدائش اور جائے سکونت اور مقام نزول وحی ہے۔ درختوں کی قسم کی مقصود سے مناسبت ظاہر ہے کہ درخت کا بھی اسی طرح نشوونما ہوتا ہے، پھر سوکھ کر کٹنے کے قابل ہو جاتا ہے، اور چونکہ یہاں اشرف المخلوقات کا بیان تھا، اس لئے قسم بھی درختوں میں سب سے زیادہ اشرف کی کھائی گئی اور طور اور بلد دونوں محل وحی ہیں تو آخرت کی جزا سے ان کو زیادہ مناسبت ہوئی کہ وحی سے جزا کا علم ہوا ہے۔ واللہ اعلم اور اس ﴿طُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ کو قرآن میں ایک جگہ طور سینا فرمایا ہے۔

(۹۶) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
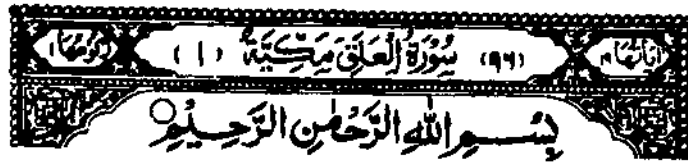
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝ ﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ قرآن اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے، جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا، سچ مچ بیشک آدمی حد سے نکل جاتا ہے، اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی دیکھتا ہے۔ اے مخاطب! تیرے رب ہی کی طرف سب کا لوٹنا ہوگا۔ اے مخاطب! بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ اے مخاطب! بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا وہ تقوی کی تعلیم دیتا ہو۔ اے مخاطب! بھلا یہ تو بتلا کہ اگر وہ شخص جھٹلاتا ہو اور روگردانی کرتا ہو کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، ہرگز نہیں اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم پٹھے پکڑ کر جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پٹھے ہیں گھسیٹیں گے سو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلا لے ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے ہرگز نہیں آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور آپ نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے نبوت کا عطا کیا جانا اور وحی کی تعلیم بھی ہے، جو توحید کے بعد تمام اہم امور کی بنیاد ہے، اور اس کے مناسب صاحب وحی کے مخالف کی مذمت اور ڈرانا ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی کی تعلیم اور رسول کے مخالف کی مذمت اور ڈرانا:

(﴿ اِقْرَاْ ﴾ سے ﴿ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ یعنی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہیں، جس کے نزول سے نبوت کی ابتدا ہوئی،

جس کا قصہ حدیث شیخین یعنی بخاری ومسلم میں ہے کہ نبوت عطا ہونے کے قریب کے زمانہ میں آپ خود بخود خلوت تنہائی کو پسند کرنے لگے، آپ غار حراء میں تشریف لے جا کر کئی کئی رات رہتے، ایک دن اچانک جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ ﴿ اِقْرَاْ ﴾ یعنی پڑھئے۔ آپ نے فرمایا: ما انا بقارئ یعنی میں کچھ پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انھوں نے آپ کو پکڑ کر خوب زور سے دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا ﴿ اِقْرَاْ ﴾ پڑھو۔ آپ نے وہی جواب دیا۔ اس طرح تین بار ہوا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آخر میں دبانے کے بعد چھوڑ کر ﴿ اِقْرَاْ ﴾ سے ﴿ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ تک کہا۔ جیسا کہ درمنثور میں محمد بن عباد اور ابن عباس، زہری اور عمرو بن دینار وغیرہ سے روایت ہے۔

یعنی اے پیغمبر ﷺ) آپ (پر جو) قرآن (نازل ہوا کرے گا، جس میں اس وقت کی نازل ہونے والی آیتیں بھی داخل ہیں) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب بھی پڑھئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ الخ (سورۃ النحل ۹۸) میں قرآن کے ساتھ أعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور ان دونوں باتوں سے جو اصل مقصود ہے یعنی توکل اور مدد کا چاہنا یہ تو واجب ہے اور زبان سے کہہ لینا مسنون ومستحب ہے اور اگرچہ اصل مقصود کے اعتبار سے اس آیت کے نزول کے وقت بسم اللہ کا آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں، لیکن بعض روایتوں میں اس سورت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نازل ہونا بھی آیا ہے۔ واحدی نے عکرمہ اور الحسن سے روایت کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا سب سے پہلے جو نازل ہوا وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ اقرأ کی آیتیں ہیں، اور ابن جریر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: پہلی بار جب جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے تو فرمایا: یا محمد! استعذ ثم قل بسم الله الرحمن الرحيم: یعنی اعوذ باللہ کہئے شیطان سے پناہ مانگئے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہئے روح المعانی۔

اور ان آیتوں میں جو پڑھنے کو اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرنے کا حکم ہوا ہے، اس حکم میں خود ان آیتوں کا داخل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تم سے جو کچھ کہوں اس کو سنو تو خود اس جملہ کو سننے کا حکم کرنا بھی اس کا مقصود ہے، تو حاصل یہ ہوگا کہ خواہ ان آیتوں کو پڑھو یا جو آیتیں بعد میں نازل ہوں گی ان کو پڑھو، سب کا پڑھنا اللہ کے نام سے شروع ہونا چاہئے۔

اور آپ کو ضروری علم کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ یہ قرآن وحی ہے۔ اور حدیثوں میں جو آپ کا ڈر جانا اور ورقہ سے بیان کرنا آیا ہے وہ شبہ کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ خوف تو وحی کی ہیبت سے اضطراری تھا، اور ورقہ سے بیان کرنا مزید اطمینان حاصل کرنے اور یقین کو زیادہ کرنے کے لئے تھا، نہ کہ یقین نہ ہونے کی وجہ سے۔

اور استاذ، طالب علم سے الف، ب، ت وغیرہ شروع کراتے وقت کہا کرتا ہے کہ "پڑھو" تو اس سے جس کی طاقت نہیں رکھتا اس کو تکلیف دینا لازم نہیں آتا کہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ میں کہوں یا پڑھاؤں ایسے پڑھو، اور آپ کا عذر

فرمانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ آپ کے ذہن میں اس جملہ کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں اور یہ امر اس معاملہ میں آپ کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ یا مراد کے متعین ہونے کے باوجود اس لئے فرمایا کہ لفظ قراءت کا استعمال اکثر لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے معنی میں آتا ہے، تو آپ لکھے ہوئے کو پڑھنا نہ جاننے کی وجہ سے یہ عذر فرمایا ہو۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دبانا غالب گمان کے مطابق وحی کے القا کی استعداد کی تقویت کے لئے ہوگا، صحیح صورت حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور لفظ رب سے اشارہ اس طرف ہے کہ ہم آپ کی پوری تربیت کریں گے اور نبوت کے انتہائی اعلیٰ درجات پر پہنچا دیں گے۔

آگے رب کی صفت ہے یعنی وہ ایسا رب ہے) جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا (اس صفت کی تخصیص میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اول اس نعمت کا ظہور ہوتا ہے اس لئے تذکیر میں اس کا مقدم ہونا مناسب ہے اور لفظ ﴿ خَلَقَ ﴾ خالق کی دلیل ہے اور سب سے اہم اور مقدم خالق کی معرفت ہے۔

آگے عمومی حکم کے بعد خصوصی حکم ارشاد ہوتا ہے کہ) جس نے (ساری مخلوقات میں سے خاص طور سے) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (عمومی حکم کے بعد اس خصوصی حکم میں اس امر کا اشارہ ہے کہ پیدا کرنے کی نعمت میں بھی عام مخلوقات سے زیادہ انسان پر انعام ہے کہ علقہ جو کہ محض جماد تھا، اس کو کس درجہ تک ترقی دی کہ صورت کیسی بنائی۔ عقل وعلم سے مشرف فرمایا اس لئے انسان کو زیادہ شکر اور ذکر کرنا چاہئے۔ اس سے مقصود باعتبار صاحب وحی ہونے کے عام نعمت کے بعد خاص نعمت کا یاد دلانا ہے، اور شاید ﴿ عَلَقٍ ﴾ کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ ایک برزخی حالت ہے، کہ اس سے پہلے نطفہ اور غذا اور عنصر ہے اور اس کے بعد لوتھڑا اور ہڈیوں کی ترکیب اور روح کا پھونکا جانا ہے۔ اس طرح گویا وہ پہلے اور بعد کے تمام احوال کی طرف دیکھنے والا اور اشارہ کرنے والا ہے۔

آگے مذکورہ بالا ﴿ اِقْرَاْ ﴾ کے ایجاب کے لئے تاکید اور قراءت کے مقصود ہونے کے اثبات کے لئے حکم ہے کہ) آپ قرآن پڑھا کیجئے (حاصل یہ ہے کہ پہلے حکم ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ سے قید کے مقصود ہونے کا شبہ نہ کیا جائے، بلکہ خود پڑھنا بھی اپنے آپ میں مقصود ہے کیونکہ تبلیغ کا ذریعہ بھی قراءت ہے، اور صاحب وحی کا اصل کام تبلیغ ہی ہے۔ اس طرح اس تکرار اور تاکید میں آپ کی نبوت اور آپ کے تبلیغ کے لئے مامور ہونے کا بھی اشارہ ہوگیا، اور وہ اہم ترین امر جس کا ذکر موقع ومحل کے لحاظ سے مقصود ہے جس کا ذکر اس سورت کے ربط کی تقریر میں تھا، یہی ہے) اور (آگے ایک نئے شروع ہونے والے کلام میں آپ کے عذر کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں کو جو کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کے اقراء کہنے کے جواب میں پیش کیا تھا آئندہ کے لئے دور کردینے کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ) آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے اور وہ ایسا ہے) جس نے (لکھنا پڑھنا جاننے والوں کو) قلم (کے لکھے ہوئے کے ذریعہ) تعلیم دی (اور عموماً مطلقاً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کی تعلیم دی، جن کو وہ نہ جانتا تھا (مطلب یہ کہ اول تو تعلیم محض لکھنے ہی میں منحصر نہیں کہ

دوسرے ذرائع واسباب سے بھی تعلیم کا کام ہو رہا ہے، دوسرے اسباب خود ذاتی طور پر مؤثر نہیں، سبب حقیقی اور علوم کا فیض پہنچانے والے ہم ہیں، تو اگرچہ آپ لکھنا نہیں جانتے مگر جب ہم نے آپ کو پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہم دوسرے ذریعہ سے آپ کو قراءت اور وحی کے علوم کو یاد رکھنے پر قدرت دیدیں گے، چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا، اس طرح ان آیتوں میں آپ کی نبوت اور اس کے مقدموں اور تتموں کی پوری وضاحت ہوگئی اور چونکہ صاحب نبوت کی مخالفت انتہا درجہ کا گھناؤنا اور برا امر ہے، اس لئے اگلی آیتوں میں جو پہلی آیتوں کے ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہیں، آپ کے ایک خاص مخالف یعنی ابو جہل کی عام الفاظ میں جن میں ہر مخالف شامل ہو جائے مذمت کی گئی ہے اور ڈرایا گیا ہے، جس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا کہ میں آپ کو اس سے بار بار منع کر چکا ہوں، آپ نے اس کو جھڑک دیا تو کہنے لگا کہ مکہ میں سب سے بڑا مجمع میرے ساتھ ہے، اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں نے آئندہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو (نعوذ باللہ) آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا، اتنا ہی نہیں ایک بار وہ اس مقصد سے چلا بھی مگر قریب جا کر رک گیا اور پیچھے ہٹنے لگا، بعد میں لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ مجھے آگ کی ایک خندق درمیان میں حائل معلوم ہوئی (اور اس پر کچھ پردار چیزیں نظر آئیں، آپ نے اس کی بات سنی تو فرمایا وہ فرشتے تھے، اگر وہ آگے آتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں (درمنثور میں صحاح وغیرہ کتب حدیث کی روایت سے ہے)

ان آیات میں پہلے لفظ ﴿ كَلَّآ ﴾ سے مذمت ہے اور دوسرے لفظ ﴿ كَلَّآ ﴾ سے ڈرایا گیا ہے اور تیسرے ﴿ كَلَّآ ﴾ سے دوسرے کی تاکید ہے، اس طرح ارشاد ہے کہ) سچ مچ، بیشک (کافر) آدمی (آدمیت کی) حد سے نکل جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو (اپنی جنس والوں سے) بے نیاز سمجھتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا ﴾ الخ (سورۃ الشوریٰ ۲۷) حالانکہ اس استغفار و بے نیازی پر سرکشی محض حماقت ہے کیونکہ خواہ کسی کو مخلوق سے کسی درجہ میں استغناء بھی ہو جائے تب بھی حق تعالیٰ سے تو کسی بھی حال میں بے نیازی نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ آخر میں) اے عام مخاطب! تیرے ہی رب کی طرف سب کو لوٹنا ہوگا (اور اس وقت بھی زندگی کی حالت کی طرح اس کی قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوا ہوگا اور اس حالت میں اس کو سرکشی کی جو سزا ہوگی، اس سے بھی کہیں نہیں بھاگ سکے گا، تو ایسا عاجز ایسے قادر سے کیسے بے نیاز و مستغنی ہو سکتا ہے، اس لئے استغناء کا زعم اور اس بنا پر سرکشی محض احمقانہ حرکت وعمل ہے۔

آگے استفہام اور تعجب کی صورت میں اس کی سرکشی کی بعض حرکتوں کا بیان ہے، یعنی) اے عام مخاطب اس شخص کا حال تو بتا جو (ہمارے) ایک (خاص) بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے (مطلب یہ کہ اس شخص کا حال تو دیکھ کر بتا کہ کیا اس سے زیادہ عجیب بات بھی کوئی ہے۔ حاصل یہ کہ نمازی کو نماز سے روکنا نہایت عجیب اور بری بات ہے، آگے اس تعجب کی تاکید اور تقویت کے لئے ایک قید اس میں لگا کر جس کو روکا جائے اور ایک قید روکنے والے میں لگا کر پھر

فرماتے ہیں کہ) اے عام مخاطب! بھلا یہ تو بتا کہ اگر وہ بندہ (جس کو روکا جارہا ہے) ہدایت پر ہو (جو کہ لازمی کمال ہے) یا وہ (جو دوسروں کو بھی) تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو (یہ منع خلو کے طور پر ہے اور شاید تردید کا یہ کلمہ لانے سے اس طرف اشارہ ہو کہ اگر ان میں سے ایک صفت بھی ہوتی تب بھی روکنے والے کے لئے مذمت کافی تھی، پس جہاں یہ کہ دونوں ہوں، اس کا کیا حال ہوگا؟ اور) اے عام مخاطب! بھلا یہ تو بتا کہ اگر وہ شخص (دین حق سے روکنے والا) جھٹلاتا ہو اور (حق سے) منہ پھیرتا ہو (یعنی نہ عقیدہ رکھتا ہو اور نہ عمل، یعنی ایک تو یہ دیکھو کہ نماز سے منع کرنا کتنا برا ہے، پھر خاص طور سے یہ دیکھو کہ وہ شخص جس کو روکا جارہا ہے وہ کامل ہدایت یافتہ ہو اور روکنے والا پوری طرح گمراہ ہو اور پھر منع کیا جائے تو کتنی عجیب بات ہے، عجیب ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نماز بہتری فعل ہے، یہ روکنے کے قابل نہیں اور زیادہ تعجب کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کامل طور پر ہدایت یافتہ ہو اس کی نماز زیادہ حسن ہوگی۔ اور کامل گمراہ کا روکنا زیادہ قبیح ہوگا، خاص طور سے جبکہ وہ روکنا ایسے فعل سے ہو جو انتہائی درجہ کا حسن ہو تو وہ قبح اور بھی زیادہ شدید ہوگا۔

آگے اس روکنے پر اس کو وعید ہے، یعنی) کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اس کی سرکشی اور طغیانی کی طرف چلانے والے افعال کو) دیکھ رہا ہے (اور اس پر سزا دے گا، آگے اس روکنے پر ڈرایا گیا ہے یعنی اس کو) ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے اور) اگر یہ شخص (اپنی حرکت سے) باز نہیں آئے گا تو ہم (اس کو) پٹھے پکڑ کر جو کہ جھوٹ اور غلطی وخطا میں آلودہ پٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے (﴿نَاصِيَةٍ﴾ یعنی پٹھوں کو ﴿كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ یعنی جھوٹ اور خطا میں آلودہ مجاز کے طور پر فرمایا، اور اس کو جو اپنے مجمع پر گھمنڈ ہے اور ہمارے پیغمبر کو دھمکاتا ہے) تو یہ اپنے ساتھ والوں کو بلالے (اور اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے (چونکہ یہ بلانا اس کے بلانے کی شرط کے ساتھ تھا، شرط کے نہ پائے جانے سے مشروط نہیں پایا گیا، جیسا کہ طبری نے قتادہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر ابو جہل اپنے ساتھیوں کو بلالیتا تو دوزخ کے پیادہ فرشتے اس کو کھلے عام پکڑ لیتے۔ آگے پھر زیادہ تنبیہ کے لئے اس کو دھمکایا ہے کہ اس کو) ہرگز (ایسا) نہیں کرنا چاہئے تھا مگر آپ (اس نالائق کی ان حرکتوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے اور اس کا کہنا مت مانئے (جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا، اور (بدستور) نماز پڑھتے رہئے، اور (اللہ کا) قرب حاصل کرتے رہئے (اس میں ایک لطیف وعدہ ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو ان لوگوں سے ضرور محفوظ رکھے گا، کیونکہ نماز کے ذریعہ قرب حاصل ہوتا ہے کسی خاص حکمت کے استثناء کے ساتھ اور قرب عصمت وحفاظت کا ذریعہ ہے، تو ایسے امور کی طرف ذرا التفات نہ کیجئے اور اپنے کام میں لگے رہئے)

فائدہ: اس سورت میں جس نماز سے روکنے کی مذمت ہے یہ وہ روکنا ہے جو نماز سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہو، ورنہ کسی شرعی تقاضہ کے تحت روکنا جائز ہے بلکہ کہیں واجب بھی ہے جیسا مکروہ اوقات میں منع کرنا واجب ہے، اسی طرح اگر شوہر اپنی بیوی کو، آقا اپنے غلام کو نوافل سے روکے تو یہ جائز ہے۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اترتے ہیں۔ سراپا سلام ہے۔ وہ شب طلوع فجر تک رہتی ہے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے قرآن کی حقانیت وعظمت بھی ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

قرآن کی عظمت اور حقانیت:

بیشک ہم نے قرآن شریف کو شب قدر میں اتارا ہے (پس حق اور سچ بھی ہے کہ ہمارا اتارا ہوا ہے۔ اور خارجی اسباب سے بھی اس میں عظمت ہے کہ بہت عظمت والے وقت میں اترا ہے، اور شب قدر میں نازل ہونے کی تحقیق سورۂ دخان کے شروع میں بیان کی جاچکی ہے اور شوق بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ) کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (آگے جواب ہے کہ) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یعنی ہزار مہینے تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے، اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے، جیسا کہ تفسیر خازن میں ہے اور وہ رات ایسی ہے کہ) اس رات میں فرشتے اور روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں (اور وہ رات) سراپا سلام ہے (جیسا کہ بیہقی کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور جس شخص کو قیام وقعود وذکر میں مشغول دیکھتے ہیں اس پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، یعنی اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اور خازن نے ابن الجوزی سے اس روایت میں یسلمون بھی بڑھایا ہے یعنی سلامتی کی دعا کرتے ہیں، اور یصلون کا حاصل بھی یہی ہے کیونکہ رحمت اور سلامتی ایک

دوسرے کے لئے لازم ہیں، اسی کو قرآن میں سلام فرمایا ہے اور امر خیر سے مراد یہی ہے۔ اور روایتوں میں اس رات میں توبہ کا قبول ہونا آسمان کے دروازوں کا کھلنا، اور ہر مؤمن پر ملائکہ کا سلام کرنا آیا ہے (درمنثور) اور ان امور کا ملائکہ کے واسطہ سے ہونا اور سلامتی کا باعث ہونا ظاہر ہے یا پھر امر سے مراد وہ امور ہوں جن کا عنوان سورۂ دخان میں ﴿ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴾ آیا ہے، اور اسی رات میں ان کے طے ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور ان امور کے لئے نزول ان امور کے نفاذ کی تعیین کی غرض سے ہو، اس کو روح المعانی میں عصام سے نقل کیا ہے اور) وہ رات (اسی صفت اور برکت کے ساتھ) فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے (یہ نہیں اس رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی دوسرے حصہ میں نہ ہو)

فائدہ: قدر کے معنی تعظیم کے ہیں چونکہ اس رات میں عظمت اور شرف ہے، اس لئے اس کو شب قدر کہتے ہیں، اور ہزار مہینوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے بعض عبادت گذاروں کا ذکر کیا تھا، جنھوں نے ہزار مہینے یا ایک روایت میں اسّی برس عبادت کی تھی، صحابہ کو تعجب ہوا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ جیسا کہ درمنثور میں مجاہد اور علی بن عروہ سے روایت ہے، اور اسّی برس تقریباً ہزار مہینے ہوتے ہیں، کسر کو چھوڑ کر۔

اور اس مقام پر دو اشکال ہیں: ایک یہ کہ ہزار مہینے میں بھی شب قدر ضرور ہوگی، کیونکہ وہ ہر سال میں ہوتی ہے اور قرآن کی آیت کے مطابق وہ بھی ہزار مہینے سے افضل ہوگی، اس سے لامتناہی مقدار لازم آتی ہے، اس کا بلا تکلف جواب یہ ہے کہ ان ہزار مہینوں میں جو قدر کی رات ہوگی ان میں بڑھنا ملحوظ نہیں ہے، اس طرح وہ ہزار مہینے سے افضل نہ ہوگی اس لئے تسلسل لازم نہیں آیا۔ اس طرح حاصل یہ ہوا کہ جن ہزار مہینوں میں شب قدر نہ بڑھے، اور یہی جواب اس طرح کی حدیثوں کا ہے جن میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا دس قرآن کے برابر یا تین بار ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ کا پڑھنا ایک قرآن کے برابر جتایا ہے۔

اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ طلوع وغروب کے وقت یا مقام کی وجہ سے شب قدر کا ہر جگہ جدا ہونا لازم آتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج لازم نہیں آتا کہ یہ برکتیں کسی کو کسی وقت میں ملیں اور کسی کو دوسرے وقت میں۔ اسی طرح ملائکہ کا نزول ہر جگہ مختلف اوقات میں ہو۔
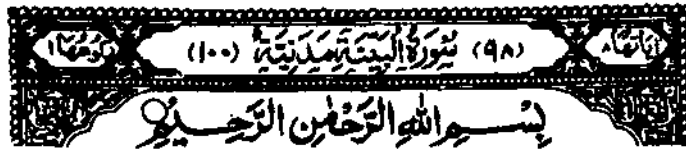
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر تھے، وہ باز آنے والے نہ تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی، ایک اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنادے جن میں درست مضامین لکھے ہوں، اور جو لوگ اہل کتاب تھے، وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد مختلف ہو گئے حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں، یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں، اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا۔ جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہوئے، وہ آتش دوزخ میں جاویں گے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں، ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحَىٰ ﴾ کی تمہید میں جن اہم ترین امور کا ذکر ہوا، ان میں رسالت کا مسئلہ اور اس کی تصدیق کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کا بدلا اور جزاو سزا ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

رسالت کا اثبات اور تصدیق کرنے والے اور جھٹلانے والے کا بدلہ:

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے (رسول اللہ کی بعثت سے پہلے) کافر تھے وہ (اپنے کفر سے ہرگز) باز آنے

والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو (انہیں) پاک صحیفے پڑھ کر سنادے، جن میں درست مضامین لکھے ہوں (اس سے مراد قرآن ہے، مطلب یہ کہ ان کافروں کا کفر ایسا شدید تھا اور وہ ایسی جہالت میں مبتلا تھے کہ رسولِ عظیم کے بغیر ان کے راہ پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حجت کے تمام اور لازم ہونے کے لئے آپ کو قرآن دے کر مبعوث فرمایا) اور (اس پر چاہئے تھا کہ اس کو غنیمت سمجھتے اور اس پر ایمان لے آتے، مگر) جو لوگ اہل کتاب تھے (اور غیر اہل کتاب تو بدرجۂ اولیٰ) وہ اس واضح دلیل کے آنے کے بعد ہی (دین میں) اختلاف کرنے لگے (یعنی دین حق سے بھی اختلاف کیا اور آپس میں جو اختلافات پہلے سے تھے، ان کو بھی دین حق کا اتباع کر کے دور نہ کیا، اور مشرکوں کو بدرجۂ اولیٰ اس لئے کہا کہ ان کے پاس تو پہلے سے بھی کوئی آسمانی علم نہ تھا، اور قرآن کو "صحف" اور اس کے مضامین کو "کتب" فرمانا بالقوہ ہے۔ حاصل یہ کہ ایسے عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کا تقاضا دین حق پر اجتماع تھا، مگر ان لوگوں نے اجتماع کے سبب کو تفریق کا سبب بنالیا) حالانکہ ان لوگوں کو گذشتہ کتابوں میں) یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں۔ (باطل اور شرک والے دینوں سے) یکسو ہو کر، اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوۃ دیا کریں، اور ان درست مضامین کا (جن کا اوپر ذکر ہوا بتایا ہوا) یہی طریقہ ہے۔

تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ ان اہل کتاب کو ان کی کتابوں میں یہ حکم ہوا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب بھیجے اور اللہ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ رہوں گا اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوۃ دیتے رہے اور میرے رسول پر ایمان لائے (سورۃ المائدہ ۱۲) چنانچہ اس آیت میں ﴿ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ میں دین کا اخلاص اور حنیف ہونا شامل ہے، جس میں قرآن اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان بھی داخل ہے۔ غرض یہ کہ ان کتابوں میں یہ احکام تھے۔ اور یہی تعلیم، قرآن کی تعلیم تھی، جس کو اوپر ﴿ كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس طرح اس قرآن کے نہ ماننے سے خود اپنی کتابوں کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ یہ الزام تو اہل کتاب پر ہوا اور مشرک اگرچہ پہلی کتابوں کو نہیں مانتے تھے مگر ابراہیم علیہ السلام کا حنیف یعنی شرک وغیرہ سے پاک اور ان کے طریقہ کی صحت وحقانیت کا ان کے نزدیک مسلم ہونا اور ﴿ كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴾ یعنی قرآن کا اس طریقہ کے مطابق ہونا ان کے اوپر مذکورہ حجت کے لازم ہونے کے لئے کافی ہے اور ان تفرقہ پیدا کرنے والوں اور مخالفت کرنے والوں سے مراد بعض وہ کفار ہیں جو ایمان نہ لائے تھے، اور مقابلہ کے قرینہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے اختلاف اور تفرقہ بندی نہیں کی، وہ اہل ایمان ہیں۔

آگے عمل کے بیان کے بعد صراحت کے ساتھ کفار کی دونوں قسموں یعنی اہل کتاب اور مشرکین کے اور مؤمنوں کے

بھی اعمال پر جزا کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں،) بیشک جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہوئے وہ جہنم کی آگ میں جائیں گے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں (اور) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے وہ لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے (یعنی نہ ان سے کوئی معصیت سرزد ہوگی اور نہ ان کو کوئی مکروہ امر پیش آئے گا جس کی وجہ سے دونوں جانب سے عدم رضا کا احتمال ہو۔ اور) یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے (جس پر ایمان وعمل صالح کا نتیجہ نکلتا ہے، اور جس کو جنت میں داخل ہونے اور رضا حاصل ہونے کا مدار فرمایا ہے)

فائدہ: ﴿خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ یعنی بہترین مخلوق میں سب سے آسان امر یہ ہے کہ بریہ یعنی مخلوق سے مراد اکثر مخلوق ہو، اور اس سے اصل مقصود ان کے خیر اور شر ہونے میں فی نفسہ کامل ہونا ہے نہ کہ دوسروں کے برابر نہ ہونے کی نفی، اس طرح ان کفار کا ابلیس سے بدتر ہونا یا تمام مؤمنوں کا تمام ملائکہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔
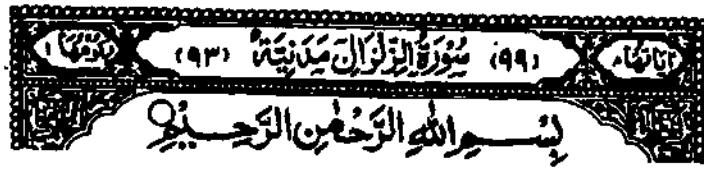
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۗ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۗ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۧ ﴾

ترجمہ: جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا؟ اس روز زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی، اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا، اور اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر واپس ہوں گے تا کہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں، سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں قیامت کے واقع ہونے اور جزا و سزا کا عقیدہ ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

قیامت کے واقعات:

جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جائے گی، اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی (بوجھ سے مراد دفینے اور مردے ہیں اور اگرچہ بعض روایتوں میں قیامت سے پہلے بھی دفینوں کا باہر آجانا معلوم ہوتا ہے، لیکن ممکن ہے کہ قیامت سے پہلے جو دفینے باہر نکل آئے تھے، وقت کے ساتھ پھر ان پر مٹی آگئی ہو، اور وہ قیامت میں پھر نکلیں، اور یہاں زلزلہ سے نفخۂ ثانیہ کے وقت کا زلزلہ مراد ہے، اور اس زلزلہ سے پہاڑ وغیرہ سب گر کر زمین کے برابر ہو جائیں گے تا کہ حشر کا میدان بالکل ہموار اور صاف ہو جائے جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴾ (سورۃ الفجر ۲۱) اور دفینوں کے باہر آنے میں شاید یہ حکمت ہو کہ مال سے محبت رکھنے والے ان کا بیکار ہونا دیکھ لیں) اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا (یہ خلاف معمول اور خلاف گمان زلزلہ اور بوجھوں کا اخراج کیسے ہونے لگا، یہ کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ شخص قیامت کا اور اس کے واقعات کا پہلے سے منکر تھا، اب ان وقعات کو دیکھ کر حیرت کرنے لگے گا) اس روز زمین

اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی، کیونکہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (ترمذی وغیرہ میں اس کی تفسیر میں حدیث مرفوع آئی ہے کہ جس شخص نے روئے زمین پر جیسا بھلا برا عمل کیا ہوگا، زمین اللہ کے نزدیک شہادت کے طور پر سب کہہ دے گی) اس روز مختلف جماعتیں ہوکر (حساب کے مقام سے) واپس ہوں گی (یعنی وہاں کے حساب سے جو فارغ ہوکر لوٹیں گے تو کچھ جماعتیں جنتی اور کچھ جہنمی قرار پاکر جنت اور جہنم کی طرف چلے جائیں گے) تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں، تو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا (بشرطیکہ اس وقت تک وہ خیر وشر باقی رہی ہو، ورنہ اگر وہ خیر کفر کی وجہ سے فنا ہو چکی ہو یا توبہ وایمان سے وہ شر زائل ہو چکا ہو، وہ اس میں داخل ہی نہیں، کیونکہ وہ خیر خیر نہ رہی اور وہ شر شر نہ رہا، جب حکم کا مدار ہی نہ رہا تو حکم بھی ثابت نہ ہوگا۔
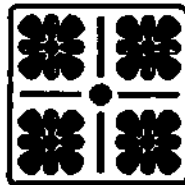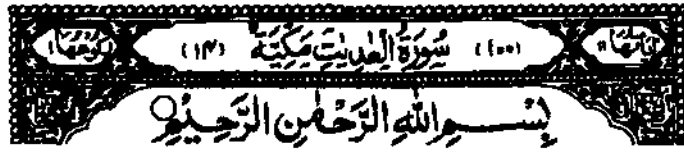
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝ ﴾

ع ۱۱ / ۲۵

ترجمہ: قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت تاراج کرتے ہیں۔ پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں، بے شک آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔ کیا اس کو وہ وقت معلوم ہے جب زندہ کئے جاویں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں؟ اور آشکارا ہو جاوے گا جو کچھ دلوں میں ہے، بے شک ان کا پروردگار ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں ان کے قبیح اعمال سے بچنا ہے، اس سورت میں اس کی مذمت اور اس پر ملنے والی جزا کا بیان ہے۔

بعض بدترین برائیوں کی مذمت:

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں (اس سے لڑائی کے گھوڑے مراد ہیں) خواہ جہاد ہو یا غیر جہاد۔ اور چونکہ اہل عرب اہل رزم یعنی جنگ باز تھے، اسی لئے ان کو ان قسموں سے انتہائی مناسبت ہے، دوڑنے کے وقت ہانپنا ظاہر ہے اور لوہے کے نعل پتھریلی زمین پر لگنے سے آگ، چنگاریوں کا جھڑنا بھی ظاہر ہے اور عربوں میں اکثر عادت دشمنوں پر صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی تاکہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو، صبح کو دفعۃً جا پڑیں، اور رات کو حملہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے اور غبار کا اڑنا باوجودیکہ ہر

وقت ہوتا ہے، مگر اس کو صبح کے ساتھ مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ تیز دوڑنے کی طرف، اس لئے کہ ٹھنڈے وقت میں غبار دبا ہوا ہوتا ہے، تاہم اس وقت بھی اس کے دوڑنے سے غبار اڑتا ہے، صبح کی قید کے اعتبار سے ہی مغیرات پر اس کا ترتب صحیح ہوگیا ورنہ غبار کا اڑنا دوسرے اوقات میں بھی ہوا کرتا ہے، لیکن قید کے بعد اس کا ترتب آنا ظاہر ہے کیونکہ صبح کے وقت غارت گری کے بعد جو غبار اڑے گا، وہ صبح ہی کے وقت ہوگا، اور ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ﴾ میں صبح کی قید واقعی ہے، کیونکہ تباہی و بربادی صبح کے وقت ہی ہوتی تھی۔

آگے قسم کا جواب ہے کہ) بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے (کبھی پہلے ہی مرحلہ میں اور کبھی ذرا سے غور وفکر کرنے سے) اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے (یہ لفظ ﴿لَكَنُوْدٌ﴾ یعنی ناشکرا) کی علت کے درجہ میں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے اور قسم اور جوابِ قسم میں مناسبت یہ ہے کہ جنگ وجدل کا سبب ایک فریق کا ناشکرا ہونا، ہوتا ہے، خواہ وہ قصداً ہو یا غلطی سے۔ آگے اس ناشکرے پن اور حب مال پر وعید ہے، یعنی) کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں جب زندہ کئے جائیں گے جتنے مردے قبروں میں ہیں، اور آشکارا ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔ بیشک ان کا رب ان کے حال سے اس روز پورا آگاہ ہے (وہ مناسب جزا دے گا، حاصل یہ کہ اگر اس وقت کی پوری خبر ہوتی جب کہ ناشکرا ہونے کی اور حب مال کی جزا ملے گی تو اپنی قبیح حرکتوں سے باز آ جاتا)
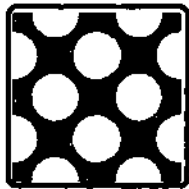
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ کھڑ کھڑانے والی چیز، کیسی ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ اور آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہوجاویں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجاویں گے پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک جزا و سزا کا عقیدہ ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

جزا و سزا:

وہ کھڑ کھڑانے والی چیز! کیسی ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ اور کیا آپ کو معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ (اس سے قیامت مراد ہے کہ دلوں کو گھبراہٹ سے اور کانوں کو سخت آواز سے کھڑ کھڑا دے گی، اور اس کا کھڑ کھڑانا اس دن ہوگا) جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہوجائیں گے (تشبیہ کی وجہ ضعف اور کثرت اور بے تابی ہے، اگرچہ بعض کو بے تابی نہ ہوگی مگر ضعف اور کثرت سب کے لئے عام ہے) اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے (﴿ كَالْعِهْنِ ﴾ میں تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، جیسا کہ سورۃ المعارج کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ﴿ الْمَنْفُوْشِ ﴾ کی قید اس لئے ہے کہ پہاڑ اڑتے پھریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴾ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، پھر وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے (سورۃ الواقعہ

۵و۶) پھر (اعمال کے وزن کے بعد) جس شخص کا پلا (ایمان والا) بھاری ہوگا (یعنی وہ مؤمن ہوگا) تو وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی نجات پانے والا ہوگا) اور جس شخص کا پلا (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا، اور کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ (ہاویہ) کیا چیز ہے؟ (وہ) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے۔

فائدہ: ﴿ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور ﴿خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ کی تحقیق سورۂ اعراف کے شروع میں گذر چکی ہے۔
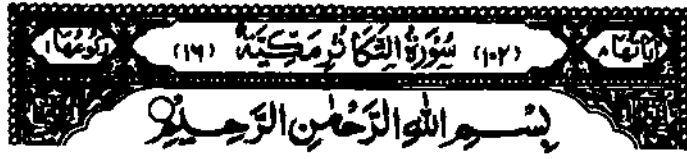
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَؕ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَۙ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَؕ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِؕ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَۙ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِۙ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۠۝ ﴾

ترجمہ: فخر کرنا تم کو غافل کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا پھر ہرگز نہیں تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا، ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے، واللہ تم لوگ ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر واللہ تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے پھر اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ ہوگی۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک آخرت سے غفلت کا ترک کرنا ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

آخرت سے غفلت کی مذمت:

(دنیاوی سامان پر تمہیں) فخر کرنا (جو کہ محبت وطلب کی علامت ہے) آخرت سے غافل رکھتا ہے (کیونکہ تمہیں اس سے انکار ہے) یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو (یعنی مر جاتے ہو جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں مرفوع روایت ہے۔ آگے اس پر ڈرانا ہے کہ) ہرگز (یہ چیزیں فخر اور توجہ کے قابل اور آخرت غفلت وانکار کے قابل) نہیں، تمہیں بہت جلد (قبر میں جاتے ہی یعنی مرتے ہی) معلوم ہو جائے گا، پھر (دوبارہ تمہیں متنبہ کیا جاتا ہے کہ) ہرگز یہ چیزیں فخر اور توجہ کے قابل اور آخرت سے غفلت اور انکار کے قابل) نہیں (اور) اگر تم یقینی طور پر (صحیح اور واجب الاتباع دلائل سے اس بات کو) جان لیتے (جیسا کہ یہی یقین تمہیں مرنے کے بعد اور حشر کے بعد حاصل ہوتا تو کبھی اس فخر وغفلت میں نہ پڑتے، آگے اس وعید کی تاکید اور تہدید کی تشدت ہے کہ) اللہ کی قسم تم لوگ ضرور جہنم کو دیکھو گے، پھر (دوبارہ تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ) اللہ کی قسم! تم لوگ ضرور اس کو ایسا دیکھنا دیکھو گے جو کہ خود یقین ہے (یعنی وہ دیکھنا استدلالی نہیں ہے

جس پر یقین کبھی دیر میں آتا ہے، بلکہ مشاہدہ کا دیکھنا ہے جس پر یقین فوراً آجاتا ہے، اور مشاہدہ میں انکشاف بھی زیادہ ہے، استدلالی امور سے بھی اور ضروریات عقلی سے بھی، اس کے خود دیکھنے کو نفس یقین نہیں فرمایا جو کہ عین یقین سے مراد ہے۔ باوجودیکہ وہ سب یقین ہے) پھر (اور بات سنو کہ) اس روز تم سب سے نعمتوں کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی (کہ نعمتوں کا جو حق ہے یعنی ایمان اور اطاعت وہ بجالائے یا نہیں اور پہلے خطابات خاص کفار کے ساتھ ہیں جن کا قرینہ ڈرانا اور تنبیہ کرنا اور جہنم کا دیکھنا ہے اور ﴿ لَتُسْـَٔلُنَّ ﴾ میں خطاب عام ہے جس کا قرینہ وہ حدیث ہے جس میں آپ نے حضرات شیخین یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے فرمایا ﴿ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴾ تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جیسا کہ صحاح کی کتابوں میں ہے، اور اس بنا پر یہ ﴿ ثُمَّ ﴾ ترقی کے لئے مفید ہوگا، یعنی جب غیر مجرموں تک سے سوال ہوگا، اگرچہ اس پر کوئی ضرر نہ ہو، تو مجرم لوگ تو کیسے بچ جائیں گے اور ان کے لئے وہ مضر بھی ہوگا۔
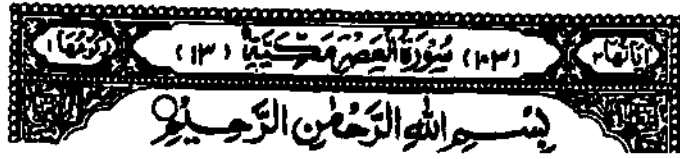
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣ ﴾

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی! انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک اپنی عمر کو ضائع ہونے سے بچانا اور اس کو اعمال و طاعات میں صرف کرنا ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

عمر ضائع کرنے کی مذمت:

قسم ہے زمانہ کی (جس میں رنج اور خسارہ واقع ہوتا ہے) کہ انسان (عمر ضائع کرنے کی وجہ سے) بڑے خسارہ میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو حق (کے اعتقاد پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے (کہ یہ تکمیل ہے تو یہ لوگ یقیناً نفع میں ہیں)

فائدہ: قسم اور جواب میں مناسبت خود صفت عصر سے ظاہر ہے۔
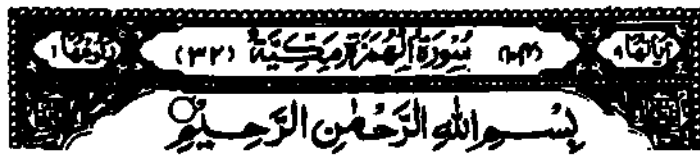
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو جو مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو۔ وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا، ہرگز نہیں، واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جاوے گا جس میں جو کچھ پڑے، وہ اس کو توڑ پھوڑ دے۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو سلگائی گئی ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی وہ ان پر بند کر دی جاوے گی، بڑے لمبے لمبے ستونوں میں۔

ربط: سورت ﴿ وَالضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے خود کو عذاب والی خصلتوں سے بچانا ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

عذاب کی بعض خصلتوں کا بیان:

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے عیب نکالنے والا ہو (اور) منہ پر سامنے طعنہ دینے والا ہو جو (انتہائی حرص ولالچ میں) مال جمع کرتا ہو اور (انتہائی محبت اور خوشی سے) اس کو بار بار گنتا ہو (اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا (وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال سدا اس کے پاس رہے گا (یعنی اس میں اس قدر انہماک و اشتغال اور استغراق رکھتا ہے جیسا کہ ہمیشہ یہاں ہی رہنے کا عقیدہ رکھنے والا رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اور ان صفات و افعال پر یہ خاص وعید اس صورت میں ہے جب کہ ان کا منشا کفر ہو اگرچہ مطلق وعید مذکورہ مطلق صفات و افعال پر بھی دوسرے نصوص میں ہے۔ آگے اس ہمیشہ رہنے والے خیال پر تنبیہ ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہرگز نہیں (رہے گا پھر آگے اس ﴿ وَيْلٌ ﴾ کی تفسیر

ہے کہ) اللہ کی قسم! وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا جائے گا کہ اس میں کچھ بھی پڑے، وہ اس کو توڑ پھوڑ دے، اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو اللہ کے حکم سے) سلگائی گئی ہے (اضافت تفخیم (بڑا بتانے) کے لئے ہے اور اس صفت میں اس آگ کی ہولناکی اور خطرناکی بیان کی گئی ہے۔ اور وہ ایسی ہے) جو (کہ بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جا پہنچے گی (یعنی اس میں تیزی سے گھس جانے کی اور سرایت کرنے کی صفت ہے، اور اس شخص کو موت نہ آنے سے یہ حالت ہوگی کہ بدن کے ساتھ ہی دل کو جلا دے گی، اور اس سے قطع نظر بھی کی جائے گی تب بھی یہ بات ہے کہ دل تک پہنچنے کی یہ تکلیف موت نہ آنے کی وجہ سے اس کو زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہوگی، بخلاف دنیا کی آگ کے کہ بدن سے دل تک پہنچتے پہنچتے بہت دیر لگتی ہے یہاں تک کہ اس سے پہلے ہی روح نکل جاتی ہے، اس کی موت ہو جاتی ہے اور دل تک پہنچنے والی تکلیف کے احساس کی نوبت ہی نہیں آتی، اور) وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی (اس طرح کہ وہ لوگ آگ کے) بڑے لمبے لمبے ستونوں میں (گھرے ہوئے ہوں گے یعنی آگ کے اتنے بڑے بڑے شعلے ہوں گے اور وہ لوگ اس میں مقید ہوں گے، اور بند کرنے کی تفسیر سورۂ بلد میں گذر چکی ہے۔ درمنثور عن ابن عباس محمد بن نار۔
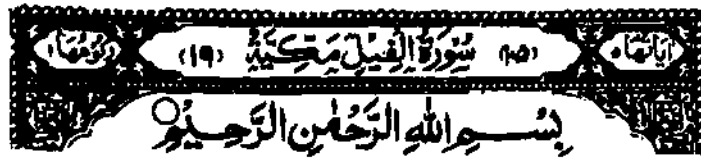
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا، کیا ان کی تدبیر کو سرتا پا غلط نہیں کردیا، اوران پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کردیا۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰی ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں اللہ کی پکڑ اور سزا سے ڈرنا بھی شامل ہے، اس کے احکام کا احترام ترک کرنے پر۔ اس سورت میں بیت اللہ کا احترام ترک کرنے کے وبال سے اس پر استدلال ہے اور اس کا قصہ تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی میں مختصر طور پر اس طرح لکھا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ایک حاکم ابرہہ نامی تھا۔ اس نے وہاں ایک کنیسہ بنایا تھا کیونکہ وہ سب لوگ نصرانی یعنی عیسائی تھے، پھر اس نے یہ چاہا کہ کعبہ کا حج کرنے والے لوگ یہاں آیا کریں، اس نے اس کا اعلان بھی کردیا جو عربوں خاص طور سے قریش کو بہت ناگوار ہوا اور کسی شخص نے رات کے وقت اس میں جا کر وہاں پاخانہ کردیا، جبکہ مقاتل نے کہا ہے کہ کسی عرب نے وہاں آگ جلائی تھی، اس میں سے ہوا سے اڑ کر آگ اس کنیسہ میں جا لگی، اور وہ سارا جل گیا، اس پر ابرہہ کو بہت غصہ آیا، وہ ایک لشکر عظیم لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے، خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چل پڑا، جب مُغَمِّس میں پہنچا جو کہ طائف کے راستہ میں ہے تو عبدالمطلب کے پاس جو اس وقت مکہ کے رئیس تھے، آدمی بھیجا کہ میں کسی سے لڑنے کے لئے نہیں، صرف کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہوں، البتہ اگر کوئی شخص اس کی حمایت کرے گا تو اس سے ضرور لڑوں گا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ جس کا یہ گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرلے گا، پھر عبدالمطلب اس کے بلانے پر خود اس کے پاس بھی گئے اور یہی گفتگو وہاں بھی ہوئی، وہاں سے واپس آکر وہ تمام قریش کو لے کر پہاڑوں میں جا چھپے تا کہ لشکر کے شر سے محفوظ رہیں، اور ابرہہ وہاں سے مکہ کی طرف چلا اور جب وادی مُحَسِّر میں پہنچا جو کہ مزدلفہ کے قریب ہے تو سمندر کی طرف سے کچھ سبز اور زرد رنگ

کے پرندے آئے جو کبوتر سے کچھ چھوٹے تھے اور ان کے پنجوں اور چونچوں میں مسور اور چنے کے برابر کنکریاں تھیں، پرندوں نے ان کنکریوں کو لشکر کے اوپر ڈالنا شروع کردیا۔ اللہ کی قدرت سے وہ کنکریاں گولی کی طرح لگتی تھیں اور ہلاک کردیتی تھیں بعض لوگ تو اس عذاب سے ہلاک ہوگئے اور بعض الٹے پیروں بھاگ گئے، اور دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مرے، یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ سے پچاس روز پہلے پیش آیا، آپ کی ولادت ربیع الاول کے شروع میں ہوئی جبکہ یہ واقعہ محرم کے آخر میں پیش آیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انھوں نے اس لشکر کے بڑے ہاتھی کے فیلبان کو اندھا ہو کر بھیک مانگتے دیکھا تھا، اور نوفل بن معاویہ سے منقول ہے کہ انھوں نے وہ کنکریاں دیکھی ہیں، اور درمنثور میں ہے کہ بعض لوگوں کو ان کنکریوں کے لگنے سے خارش اور بعض کو چیچک نکل آئی، اور وہ طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوگئے۔

اصحاب فیل کے قصہ سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حرمتوں کی بے حرمتی سے روکنے پر استدلال:

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ (سوال کے انداز سے اللہ کی قدرت کی عظمت پر دلالت کرتے ہوئے اس واقعہ کی عظمت اور ہولناکی بیان کرنا مقصود ہے۔ آگے اس معاملہ کا بیان ہے کہ) کیا ان کی تدبیر کو (جو کہ کعبہ کی تخریب سے متعلق تھی) پوری طرح بے کار نہیں کردیا؟ (یہ استفہام یعنی سوال کا انداز واقعہ کے بیان کے طور پر ہے) اور ان کے اوپر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح (پامال) کردیا (تشبیہ کی وجہ پراگندگی، ذلیل کرنا اور صورتوں کا بگاڑنا وغیرہ امور ہیں، خواہ کنکریاں اس ہلاکت کا قریبی سبب ہوں یعنی وہ لوگ خود ان کنکریوں کے لگنے سے ہی مر گئے یا چیچک اور کھجلی کے واسطہ سے ہو یعنی ان کنکریوں کے لگنے سے ان کے جسموں میں چیچک یا کھجلی پیدا ہوگئی اور اگر وہاں سے بھاگ جانے والے کچھ لوگوں پر کنکریوں کا نہ پڑنا ثابت ہو تو یہ مضمون اکثر کے اعتبار سے ہوگا، حاصل یہ کہ اللہ کے احکام کی بے حرمتی کرنے والوں کو ایسے عقاب وعذاب سے خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں، ڈرنا چاہئے)
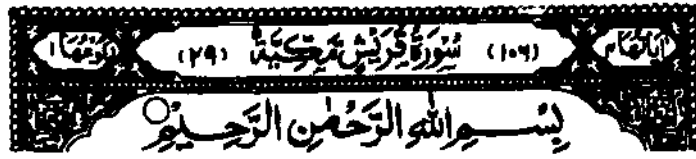
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾ ﴾ ع

ترجمہ: چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں، تو ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰی ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک اللہ کی نعمتوں کے شکر میں عبادت کرنا بھی ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

بعض نعمتوں پر خاص طور سے قریش کو عبادت کا حکم:

چونکہ قریش عادی ہو گئے ہیں، یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے عادی ہو گئے ہیں تو (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن دیا۔

فائدہ: حاصل یہ کہ چونکہ مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا، اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کے لئے دو سفر کرتے، جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کی طرف کہ وہ سرد ملک ہے، اور لوگ ان کو اہل حرم اور بیت اللہ کا خادم سمجھ کر ان کا احترام کرتے اور ان کے جان و مال سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے، اور انہیں خاطر خواہ نفع ہوتا تھا، پھر اطمینان کے ساتھ گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے، اس سورت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے، اور چونکہ بیت اللہ کے سبب ان کا احترام ہوتا تھا، اس لئے ﴿ رَبَّ ﴾ کی ﴿ هٰذَا الْبَیْتِ ﴾ کی طرف نسبت کی، اور ﴿ جُوْعٍ ﴾ یعنی بھوک میں کھانا دینے سے نفع حاصل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ﴿ خَوْفٍ ﴾ سے امن دینے میں سفر میں بھی اور حضر میں بھی چھیڑ چھاڑ نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔
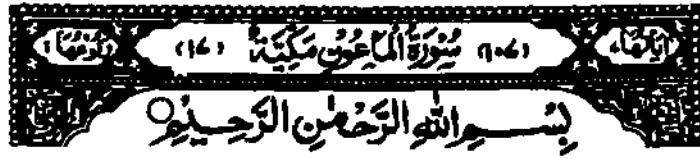
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ ﴾

ع ۳۲

ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے۔ سو وہ، وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا، سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں جو ایسے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں اور زکوۃ بالکل نہیں دیتے۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰی ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں ایک کفر و نفاق سے بچنا بھی ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

کفار اور منافقین کی خصلتوں کی مذمت:

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روزِ جزا (بدلہ کے دن یعنی قیامت) کو جھٹلاتا ہے تو (آپ اس شخص کا حال سننا چاہیں تو سنئے کہ) یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا (یعنی وہ ایسا سنگ دل ہے کہ نہ خود احسان کرے اور نہ دوسروں کو احسان پر آمادہ کرے اور جب بندہ کی حق تلفی کرنا ایسا برا ہے تو خالق کا حق ضائع کرنا تو اور زیادہ برا ہے) تو (اس سے ثابت ہوا کہ) ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں) جو ایسے ہیں کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریا کاری کرتے ہیں اور زکوۃ بالکل نہیں دیتے، کیونکہ زکوۃ کے لئے جماعت کے ساتھ نماز کی طرح اظہار کر کے دینے کا حکم نہیں ہے، یعنی اظہار کئے بغیر بھی دے سکتے ہیں اور اس میں ریا کاری کی زیادہ گنجائش نہیں، اس لئے اس کو بالکل ہی ترک کر دیتے ہیں، بخلاف نماز کے اس کے اظہار کا حکم ہے، اس لئے نماز تو کبھی کبھار اظہار و ریا کاری کے لئے پڑھ بھی لیتے ہیں اور نگاہ بچنے پر چھوڑ بھی دیتے ہیں)

فائدہ: یہاں ان افعال کی مذمت ہے جن کا منشا کفر کے طور پر دین کو جھٹلانا ہو، جیسا کہ شروع آدھی سورت میں ہے یا نفاق کے طور پر ہو جیسا کہ نصف آخر میں ہے، اور اگر بغیر جھٹلائے ہو تو اگرچہ اس وقت بھی قابل مذمت ہے، مگر وہ اس سے دوسرے درجہ میں ہے، اور ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ﴾ الخ کے ترجمہ کی وضاحت سے اگر یہ شبہ ہو کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق کی بہ نسبت زیادہ اہم ہیں حالانکہ فقہاء نے حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم کہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقوق اللہ پر حقوق العباد کا مقدم ہونا، لازم کرنے کے اعتبار سے ہے اور حقوق اللہ کا مقدم ہونا اعظم ہونے کے اعتبار سے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ خود حقوق العباد حقوق اللہ بھی ہیں کہ یہ اللہ ہی کے حکم سے مقرر ہوئے ہیں، اس طرح اعظم اور اہم اور اصل حقوق اللہ ہی ہیں۔
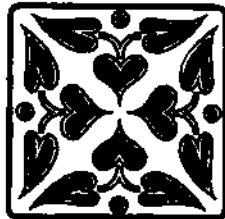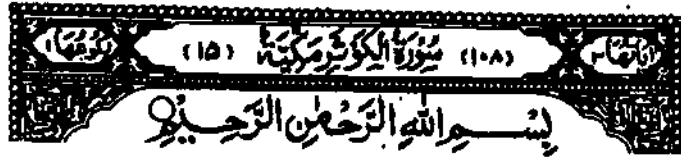
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ ﴾ ع ۲۲

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰی ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں ایک حضور پرنور ﷺ کے ساتھ عقیدت ومحبت اور آپ کے مخالف کے ساتھ بغض وعداوت بھی ہے، اس سورت کی پہلی اور آخری آیتوں میں اس کے اسباب کا بیان ہے اور درمیان کی آیت میں پہلی آیت کے تابع رکھ کر حضور ﷺ کو نعمتوں کے عطا کئے جانے پر شکر ادا کرنے کا حکم ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو کوثر عطا فرمایا جانا اور آنحضور ﷺ جو محبوب ومقبول ہیں، ان کے دشمن کا دم کٹا ہونا:

اس سورت کا سبب یا شانِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم تھے، ان کا مکہ میں انتقال ہوگیا تھا تو عاص بن وائل سہمی نے اور اس کے ساتھ دوسرے مشرکوں نے یہ کہا کہ آپ کی نسل کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب آپ نعوذ باللہ ابتر یعنی بے نام ونشان ہیں، مطلب یہ تھا کہ ان کے دین کا چرچا چند روز کی بات ہے، اس کے بعد یہ سب بکھیڑے صاف ہوجائیں گے، اس پر آپ کی تسلی کے لئے یہ سورت نازل ہوئی (درمنثور) جس میں ارشاد ہے کہ) بیشک ہم نے آپ کو کوثر (جو ایک حوض کا نام بھی ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے (جس میں دنیا کی خیر وبھلائی یعنی دین کی بقا اور اسلام کی ترقی جو کہ کثیر اجر کا باعث ہے اور آخرت کی خیر وبھلائی یعنی قرب خداوندی کے مرتبے اور اعلیٰ درجات سب داخل ہیں۔ پھر اگر ایک بیٹا فوت ہوا اور اس پر مخالف لوگ خوشیاں مناتے ہیں تو آپ اس

پر غم نہ کیجئے کیونکہ اللہ نے آپ کو اس سے بڑھ کر یہ دولتیں عطا فرمائی ہیں) تو (ان نعمتوں کے شکر میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے (کہ عظیم ترین نعمتوں کے شکر میں عبادتوں میں سے سب سے اعظم عبادت مناسب ہے) اور (شکر کی تکمیل کے لئے بدنی عبادت کے ساتھ مالی عبادت یعنی اسی کے نام کی) قربانی کیجئے (جیسا کہ دوسری آیتوں میں جگہ جگہ ﴿ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ فرمایا گیا ہے، اور اس میں شکر کے علاوہ مشرکوں کی فعل میں مخالفت بھی ہے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرتے اور بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے۔ آگے ان طعنہ دینے والوں کے بارے میں آپ کی مزید تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بے نام ونشان نہیں، بلکہ) یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے (چاہے اس دشمن کی ظاہری نسل چلے یا نہ چلے، لیکن دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہیں رہے گا، بخلاف آپ کے کہ آپ کی امت اور آپ کا دین اور نیک نامی، محبت واعتقاد کے ساتھ آپ کی یاد قیامت تک باقی رہے گی کہ یہ ساری باتیں کوثر کے عام مفہوم میں داخل ہیں، کہ اگر پسری اولاد نہ ہو تو نہ سہی جو کچھ نسل سے مقصود ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل ہے، یہاں تک کہ دنیا سے گذر کر آخرت میں بھی سب کچھ حاصل ہوگا اور دشمن اسلام اس سے محروم ہے)

فائدہ: کوثر کے معنی خیر کثیر یعنی بہت زیادہ بھلائی کے ہیں اور اس خیر کثیر میں وہ حوض بھی شامل ہے جو حوض کوثر کے نام سے مشہور ہے، صحاح یعنی صحیح احادیث کی کتابوں میں دونوں تفسیریں آئی ہیں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا آیا ہے۔ اور بعض احادیث سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے حشر کے میدان میں ہونا معلوم ہوتا ہے، ان دونوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہے اور اس کی ایک شاخ اللہ کے حکم سے حشر کے میدان میں آجائے گی۔ ان دونوں ہی کو کوثر کہہ دیا گیا ہے، اور روایتوں میں آپ کے امتیوں کا حشر کے میدان میں اس سے پینا جو روایتوں میں آیا ہے، اس کی ترتیب واقعاتِ موقف کے اعتبار سے کہیں صریح اور صحیح طور پر نظر سے نہیں گذری۔ واللہ اعلم

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۗ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۠ ﴾

ع ۲۴

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرونگا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے، تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک توحید اور مشرکوں سے لاتعلقی کے اظہار کا مسئلہ ہے، اس سورت میں اس کا بیان ہے۔

توحید اور مشرکوں کی مخالفت کا اظہار:

اس سورت کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک بار کفار کے چند رئیسوں نے آپ سے عرض کیا کہ آئیے ہمارے معبودوں کی آپ عبادت کیجئے اور آپ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں، جس میں آپ اور ہم دین کے طریقہ میں شریک رہیں، جو طریقہ ٹھیک ہوگا، اس سے سب کو تھوڑا تھوڑا حصہ مل جائے گا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی جیسا کہ درمنثور میں ہے) آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو! (میرا اور تمہارا طریقہ کسی بھی طرح ایک نہیں ہوسکتا اور) نہ تو (اس وقت) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ ہی تم میرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو اور نہ (آئندہ زمانہ میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے (احقر کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ میں توحید کا پیروکار ہو کر شرک نہیں کرسکتا نہ اب اور نہ آئندہ، اور تم مشرک رہ کر موحد قرار نہیں دیئے جاسکتے، نہ اب نہ آئندہ، یعنی توحید اور شرک جمع نہیں ہوسکتے، اس طرح ﴿ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ﴾ موقع ومحل کے قرینہ کے تحت ﴿ وَاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ﴾ کی قید کے ساتھ مقید ہے یعنی جب تک تم اپنے معبودوں کی عبادت کرنے والے اور مشرک رہوگے، اس وقت

تک میرے معبود عابد یعنی عبادت کرنے والے یعنی موحد نہیں سمجھے جاؤ گے اس طرح اس امر کو پیشین گوئی پر محمول کرنے کی اور اس پر جو سوال وارد ہوتا ہے کہ ان میں بعض لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے، اس کے جواب میں ﴿الْكٰفِرُوْنَ﴾ کو جو ذہن میں ہیں ان پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔ آگے توحید اور شرک کے انجام کا بیان ہے کہ) تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ ملے گا) اس میں ان کے شرک پر وعید بھی سنادی، اس طرح یہ سورت مخالفت کے اظہار اور وعید پر مشتمل ہے۔
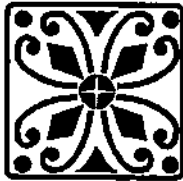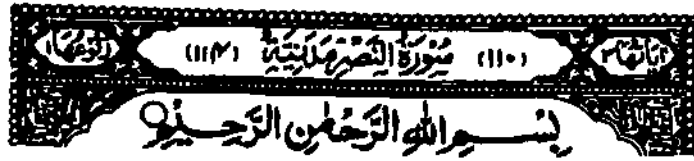
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾﴾

ترجمہ: جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا قبول کرنے والا ہے۔

ربط: ﴿وَالضُّحٰی﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے: ان میں نعمتوں کے افاضہ پر شکر بجالانا بھی ہے، خاص طور پر تکمیل نعمت کے فیوض کا، اس سورت میں اس کا بیان ہے اور خطاب خاص رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اس کے ضمن میں آپ کی نبوت کا اثبات بھی ہے۔

اسلام کی قوت اور اشاعت پر نبی ﷺ کو تسبیح وتحمید واستغفار کا حکم:

(اے محمد ﷺ) جب اللہ کی مدد اور (مکہ کی) فتح (اپنے آثار وعلامات سمیت) آپہنچے (یعنی واقع ہوجائے) اور جو آثار اس پر ظاہر ہونے والے ہیں، وہ یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں گروہ کے گروہ داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیں تو) اس وقت سمجھئے کہ دنیا میں رہنے اور بعثت کا مقصد جو کہ دین کی تکمیل ہے پورا ہوگیا، اور اس لئے آخرت کا سفر قریب ہے، لہٰذا اب اس کے لئے تیاری کیجئے اور) اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے (یعنی ایسے امور سے جو آپ سے خلاف اولیٰ واقع ہوگئے ہیں، جس کی تحقیق ﴿فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اسۡتَغۡفِرۡ﴾ (سورۂ محمد ۱۹) کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ آگے استغفار کے حکم کی علت بیان کی گئی ہے کہ) وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فائدہ: بہت ساری مرفوع وموقوف حدیثوں میں اس سورت کی یہی تفسیر آئی ہے کہ اس میں وفات کا وقت قریب آنے کی خبر ہے اور فتح سے مراد مکہ کا فتح ہونا ہے، یہ بھی صحاح میں ہے، اور ﴿یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ﴾ الخ کو فتح مکہ

کے آثار سے اس لئے کہا گیا کہ عام لوگ فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اس تک جہاں ایک ایک دو دو آدمی مسلمان ہوتے تھے، فتح مکہ کے بعد پورے پورے قبائل اسلام میں داخل ہونے لگے، جیسا کہ سورۂ فتح کے شروع میں بیان کیا گیا ہے، اور لفظ ﴿ اِذَا ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی اور روح المعانی میں بحر سے اس کے مطابق ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ خیبر سے واپسی کے وقت اس کا نزول ہوا ہے جو کہ فتح مکہ سے مقدم ہے، لیکن اس روایت کی سند نہیں لکھی اور روح المعانی میں عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر کی سند سے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ اس سورت کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے پھر وفات ہوگئی۔ اب اگر ان دو برسوں کو تخمینہ اور اندازوں پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے مع سند اس کا نزول فتح سے پہلے ثابت ہوتا ہے، کیونکہ فتح مکہ رمضان ۸ ہجری میں ہوا ہے اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۰ ہجری میں ہوئی، اور ظاہر ہے کہ اس کے درمیان مدت دو سال سے کم ہے، اس طرح اس کے نزول کے بعد دو سال آپ کا زندہ رہنا اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ کے بعد آیا ہے، جیسا کہ درمنثور میں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے نازل شدہ حکم کو اللہ کی جانب سے دوبارہ یاد دلایا گیا۔ راوی نے اس کو نزول سے تعبیر کردیا، اور اگر اس توجیہ کو پسند نہ کیا جائے تو کہا جائے گا کہ کلمہ اذا صرف نصر اور فتح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مجموعہ کے اعتبار سے ہے جس کا ایک جزو ﴿ يَدْخُلُوْنَ ﴾ الخ فتح کے بھی بعد ہو، جیسا کہ ایک ایک روایت میں اس کا نزول حجۃ الوداع میں آیا ہے تو ﴿ اِذَا ﴾ کو ماضی کے معنی میں لے لیا جائے گا، یعنی چونکہ یہ امور ہوچکے ہیں، اس لئے آپ کو یہ حکم دیا جاتا ہے، اور ﴿ اِذَا ﴾ کے ماضی کے لئے استعمال ہونے کا روح المعانی میں ذکر ہے، اور خود قرآن میں بھی آیا ہے ﴿ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ ﴾ (سورۂ کہف ۹۶) چنانچہ صحاح میں تصریح ہے کہ آپ آخر عمر میں ان کلمات کی کثرت فرماتے تھے۔
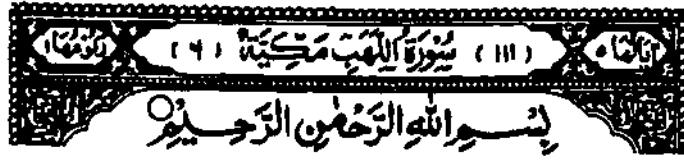
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ؕ ﴾

ترجمہ: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، وہ عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا، وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ اس کے گلے میں ایک رسّی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰى ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک ان کا رسول ﷺ کی مخالفت سے بچنا ہے، اس سورت میں اس مخالفت کا وبال بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے ضد اور عناد رکھنے کا نقصان:

اس سورت کا شانِ نزول صحیحین یعنی بخاری و مسلم شریف وغیرہ میں یہ آیا ہے کہ جب آیت ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (سورۃ الشعراء ۲۱۴) نازل ہوئی، اور آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا اور سب کو جمع کر کے اسلام کی دعوت دی تو ابولہب بن عبدالمطلب نے گستاخانہ طور پر کہا: تبالک سائر الیوم الھذا جمعتنا: یعنی تو برباد ہو جائے کیا تو نے ہمیں اس مقصد سے جمع کیا تھا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اور اس ابولہب کی ایک بیوی تھی جو کانٹے دار لکڑیاں جمع کر کے سر پر رکھ کر لاتی اور حضور ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی تھی جیسا کہ درمنثور میں بیہقی وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے، اس سورت میں اس کی بھی مذمت ہے اور دونوں کی مذمت کی وجہ مشترک رسول اللہ سے دشمنی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ) ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے (چنانچہ بدر کے واقعہ کے سات روز بعد اس کے جسم میں طاعون کا دانہ نکلا جسے عدسہ کہتے ہیں، اور متعدی مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے اس کو الگ تھلگ ڈال دیا، یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا، پھر تین دن تک لاش یوں ہی پڑی رہی جب لاش سڑنے لگی تو مزدوروں سے اٹھوا کر دبوادی، انھوں نے ایک گڑھا کھود کر لاش کو ایک لکڑی کے ذریعہ دھکیل کر اس گڑھے میں ڈال دیا اور اوپر سے پتھروں سے داب دیا۔ جیسا کہ روح المعانی میں

ہے، اس تکلیف اور ذلت سے زیادہ دنیا کی کیا بربادی ہوگی، اور دونوں ہاتھوں سے کنایہ ذات سے ہوتا ہے، اس لحاظ سے کلام تاکید پر مبنی ہوگا، یا یوں کہا جائے کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے ہوتے ہیں، اس طرح اس سے اعمال کی ہلاکت اور دوسرے جملہ سے ذات کی ہلاکت مراد ہوگی، اور حاصل یہ ہوگا کہ وہ اس طرح ہلاک ہوگا کہ اس کی تدبیریں سب بے کار ہوجائیں گی، اور ہر حال میں اس بددعا سے مراد پیشین گوئی کے طور پر ہلاکت کی خبر دینا ہے اور تعبیر میں ہاتھوں کی تخصیص کا نکتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہاتھوں سے آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا، چنانچہ روح المعانی میں مجمع طارق کے حوالہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ سوق ذی المجاز میں آپ آگے آگے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے چلے جارہے ہیں اور پیچھے پیچھے ابولہب پتھر مارتا ہوا آرہا ہے، جس سے آپ کی پنڈلیاں اور قدم لہولہان ہوگئے ہیں، اور روح میں بیہقی کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس نے ایک بار لوگوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں امور ہوں گے، پھر ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ان امور میں سے ان ہاتھوں میں تو کوئی چیز آئی نہیں، پھر دونوں ہاتھوں تباہ ہو سے خطاب کر کے کہا: تبا لکما ما أرى فيكما شيئًا مما يقول محمد: یعنی تم ٹوٹ جاؤ میں تم میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جو محمد کہتے ہیں، اس لئے ہاتھوں کی طرف تباب کی نسبت فرمائی اور تباب کا مادہ اختیار کرنا اس لئے ہے کہ اس نے بھی اپنے کلام میں اسی مادہ کا استعمال کیا تھا۔ اور چونکہ بددعا سے مقصود واقعہ کے بارے میں خبر دینا ہے اس لئے مذکورہ بالا کلام اس قوت میں ہوا کہ وہ ہلاک ہوگا، جس پر وہ یہ شبہ کرسکتا ہے کہ میں اپنے مال وتدبیر کی بدولت بچ جاؤں گا، اس لئے آگے ارشاد ہے کہ) نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (مال سے مراد سرمایہ، دولت اور ﴿ مَا كَسَبَ ﴾ سے مراد اس سرمایہ کا رنج اور نفع یعنی کسی قسم کا مال اس کو ہلاکت سے نہ بچائے گا، اور اس ماضی سے مراد مستقبل ہے، یہ حالت تو اس کی دنیا میں ہوئی اور آخرت میں) وہ عنقریب (مرنے کے وقت کے قریب ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا، وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے (مراد کانٹے دار لکڑیاں ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، اور جہنم میں پہنچ کر اس کے گلے میں دوزخ کی زنجیر اور طوق ہوگا۔ ﴿ إِذِ الْأَغْلٰلُ فِيٓ أَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ﴾ یعنی جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (سورۃ المؤمن ۷۱) کہ گویا وہ) ایک رسّی ہوگی خوب بٹی ہوئی (تشبیہ اس کی شدت اور استحکام میں ہے، اور باوجودیکہ مشبہ یعنی جس کی تشبیہ دی گئی ہے، اس صفت میں زیادہ معروف ہے، لیکن اس اعتبار سے مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دی جارہی ہے زیادہ معروف ہے کہ ﴿ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴾ کے معنی سے ﴿ حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴾ کی طرف ذہن جلدی منتقل ہوتا ہے)

فائدہ: اس شخص کا نام عبدالعزی تھا، ابولہب کنیت تھی، کیونکہ اس کے چہرہ کا رنگ سرخ اور چمکدار تھا، اور یہاں اس کی کنیت کو اس کے ﴿ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴾ میں پہنچنے کی رعایت سے اختیار کیا گیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ ﴿ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴾ سے مراد چغل خور ہے۔ وہ عورت چغل خور بھی تھی۔ درمنثور۔

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۙ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس کو اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

ربط: سورت ﴿الضُّحٰی﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے ایک توحید بھی ہے اس سورت میں اس کا بیان ہے اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ ایک بار مشرکوں نے آپ سے کہا کہ آپ کے رب کا وصف ونسب بیان کیجئے، اس پر یہ سورت نازل ہوئی، جیسا کہ درمنثور میں متعدد سندوں سے ہے۔

توحید:

آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنی ذات اور صفات کے کمال میں) ایک ہے (اس کا کمال ذات یہ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور کمال صفات یہ ہے کہ اس کے علم وقدرت وغیرہ قدیم اور سب کا احاطہ کرنے والے ہیں اور) اللہ (ایسا) بے نیاز ہے (کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں) اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

فائدہ: توحید کا انکار کرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں: (۱) وجود کا منکر (۲) وجوب کا منکر (۳) کمال صفات کا منکر، عبادت میں کسی کا شریک ہونا ﴿اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ سے باطل ہوگیا۔ استعانت میں شریک ہونا ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ سے باطل ہوگیا۔ اس طرح پہلے جملہ میں ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کا مضمون اور دوسرے جملہ میں ﴿اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ﴾ کا مضمون داخل ہوگیا۔ اس کے بیٹے یا بیٹیاں ہونے کا دعوی ﴿لَمۡ يَلِدۡ﴾ میں باطل ہوگیا۔ بعض انسانوں اور جنات کو خدا قرار دینے والوں کا عقیدہ ﴿لَمۡ يُوۡلَدۡ﴾ میں باطل ہوگیا۔ یعنی یہ لوگ اولاد ہیں جبکہ اللہ تعالٰی کسی کی اولاد نہیں، کیونکہ اولاد کے لئے حادث ہونا لازم ہے۔ اس کے برابر یا مثل کا عقیدہ رکھنے والوں کا جیسے مجوس یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں یہ عقیدہ ﴿لَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ میں باطل ہوگیا واللہ اعلم

(۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۲۰) آیاتھا ۵ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
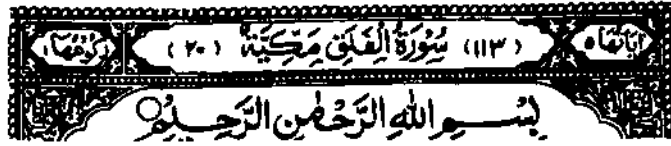
شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجاوے اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

ربط: سورت ﴿ الضُّحٰی ﴾ کی تمہید میں جن اہم امور کا ذکر ہوا ہے، ان میں سے اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کی پناہ لینا ہے، اس سورت میں اور اس کے بعد والی سورت میں اس کا بیان ہے، اور ان دونوں سورتوں کا سبب نزول جو کہ ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں، دلائل البیہقی میں یہ ہے کہ حضور ﷺ پر لبید یہودی اور اس کی بیٹیوں نے سحر کر دیا تھا جس سے آپ کو مرض کی سی حالت عارض ہوگئی، آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں، جن میں ایک کی پانچ اور دوسری کی چھ آیتیں ہیں، اس طرح کل مجموعہ گیارہ آیتیں ہیں، اور آپ کو اس سحر کا موقع بھی بتا دیا گیا، چنانچہ اس جگہ سے مختلف چیزیں نکلیں جن میں جادو کیا گیا تھا۔ ان میں ایک تانت کا ٹکڑا بھی تھا جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام سورتیں پڑھنے لگے، ایک ایک آیت پر ایک ایک گرہ کھل گئی، چنانچہ آپ کو بالکل شفا ہوگئی اور دونوں سورتوں کے مجموعہ میں مختلف شرور سے پناہ مانگنے کا اور سب امور میں حق تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم ہوا ہے، پہلی سورت میں دنیاوی نقصانات سے اور دوسری سورت میں دینی مضرتوں سے یہ ان دونوں سورتوں کا حاصل ہے اور یہ سب روایتیں روح المعانی اور درمنثور میں ہیں۔

دنیوی مضرتوں سے پناہ طلب کرنے کا حکم:

آپ (اپنے لئے پناہ لینے کی غرض سے بھی اور دوسروں کو پناہ مانگنے کا طریقہ سکھانے کے لئے بھی جس کا حاصل توکل

اور توکل کی تعلیم ہے یوں) کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور (خاص طور سے) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے (اور رات میں شرور کا احتمال ظاہر ہے) اور (خاص طور سے گنڈے کی) گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (شاید تعمیم کے بعد ان کی تخصیص مقام کی مناسبت سے یہ ہو کہ اکثر سحر جادو کی ترتیب اور ترکیب رات کو ہوتی ہے، جیسا کہ خازن میں ہے، تا کہ کسی کو اطلاع نہ ہو، اطمینان کے ساتھ اس کو پورا کر سکیں، اور گنڈہ پر پھونک مارنے والی جانوں یا عورتوں کی مناسبت اس جگہ ظاہر ہے کہ جادو اسی طرح ہوا تھا، خواہ مرد نے کیا ہو یا عورت نے، اس لئے ﴿النَّفّٰثٰتِ﴾ کا موصوف یا تو نفوس ہیں یا عورتیں اور اس سحر کا اصل منشا حسد تھا، اس لئے جادو سے متعلق چیزوں سے پناہ مانگ لی گئی، اور باقی شرور کو پورا کرنے کے لئے ﴿مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ فرمادیا اور شاید فلق کی تخصیص رات کے مقابلہ میں ہو، اور اشارہ اس طرف ہو کہ جس طرح حق تعالیٰ رات کو زائل کر دیتا ہے، اسی طرح رات کے اثر یعنی جادو کا ازالہ کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم

شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۠﴾ ع

ترجمہ: آپ کہئے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ جن ہو یا آدمی۔

ربط: ابھی اوپر سورۂ فلق میں گذرا ہے۔

دینی مضرتوں سے پناہ طلب کرنے کا حکم:

آپ کہئے (جس طرح سورۂ فلق میں گذرا) کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں، وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے (پیچھے ہٹنے کا مطلب یہ کہ حدیث میں ہے کہ اللہ کا نام لینے سے وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور یہ امر شیطان جنوں میں تو ظاہر ہے اور شیطان انسانوں میں تفسیر کبیر کی تقریر کے مطابق اس طرح ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا خود کو ناصح مشفق کی صورت میں ظاہر کرتا ہے، لیکن اگر اس کو جھڑک دیا جائے تو پھر وسوسہ سے باز آجاتا ہے، اور ہٹ جاتا ہے، اور اگر قبول کرلیا جائے تو اور زور پکڑتا ہے، اور یہ صفت اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے ساتھ اس سے پناہ مانگنا۔ پناہ مانگنے کا سبب ہوگا کیونکہ اس کی خاصیت اللہ کے ذکر سے پیچھے ہٹنا ہے۔ آگے وسوسوں کی وضاحت کے لئے صفت ہے یعنی) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ وسوسہ ڈالنے والا جن ہو یا آدمی (ہو۔ انسان شیطانوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں) اور شیطان جنات سے بھی، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ﴾

فائدہ: اس سے وہ وسوسہ مراد ہے جو معصیت کی طرف لے جانے والا ہو جائے اور اس کا دینی مضرت ہونا ظاہر ہے۔ اور ایک عجیب لطیفہ اس صورت میں جس سے قرآن کے آغاز و انجام کی خوبی بھی ظاہر ہوتی ہے، یہ ہے کہ اس کے اور

سورۂ فاتحہ کے مضامین میں انتہائی درجہ کا قرب جو اتحاد کے حکم میں ہے متحقق ہے۔ چنانچہ ﴿ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ کے مناسب ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور ﴿ مَلِكِ النَّاسِ ﴾ کے مناسب ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ ﴿ اِلٰهِ النَّاسِ ﴾ کے مناسب ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ اور پناہ مانگنے کے مناسب ﴿ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ اور ﴿ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴾ کے مناسب ﴿ اِهْدِنَا ﴾ ہے۔

فيا إلٰهى بحرمة مَفْتَحِ القرآن ومَخْتَمِه وما بينهما إهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين وأعِذْنَا من جميع الشرور والفتن، ما ظهر منها وما بطن. واجعل فاتحتنا وخاتمتنا مقرونة بكل خير. ومصونة عن كل ضير. وقد كمل والحمد لله الحميد تفسير القرآن المجيد فى يوم الخميس لمنتصف ۱۳۲۵ھ من هجرة سيد العبيد صلى الله عليه وسلم مزيدا على مزيد. وقد حان والحمد لله أن أقول بملأ فِيَّ بالتطريب والتغريد. وقد كنت رجوت أن أقوله فى آخر تفسير سورة الكهف وقد كنت سميت يوم ختامه يوم عيد. حيث أتى الله عَلَيَّ بِعِيْدٍ آخر جديد. وَقَرَّبَ إلىَّ البعيدَ. إلا يا أيها الاحباب عيد على عيد. وقد صرفت سنتان ونصف سنة فى تكميل هذا الأمر الرشيد. وَأَنْشَدْتُ معترفا بالخطاء وملتمسا للدعاء ما فى خاتمة طبع البيضاوى المطبوع فى المطبع الأحمدى

سعيت إلى أن جدت بالجهد كله ❁ ولكن ما سعيى وجهدى وطاقتى
فإن كان فيه ما يسر وذا الرجاء ❁ فمن محض فضل الله لامن حذاقتى
وإن كان من عيب ولست أقول لا ❁ يكون فمنى والجحود حماقتى
فلا تنس يا نُظَّارُهُ أن شفا صدوركم ❁ من دعاء الخير فعل الصداقة
ولا تفضحونا إن وجدتم خطائنا ❁ فكيف وقد أتعبت فى الجهد ناقتى

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وآله وأصحابه وسلم أبدا لأبيد وختم لنا على العمل السعيد، فإنه بالإجابة جدير. وعلى كل شيئ قدير. ويفعل مايشاء ويحكم ما يريد.

ترجمہ: اے اللہ! قرآن کی ابتداء اور انتہاء اور دونوں کے درمیان کی حرمت (عزت) کے وسیلے سے ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، ان لوگوں کا راستہ نہیں جس سے آپ سخت ناراض ہیں، اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو راہِ راست سے ذراہٹ گئے ہیں، اور ہمیں تمام شرور وفتن سے بچا، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور

ہماری ابتداء اور ہمارا خاتمہ ہر خیر کے ساتھ ملا ہوا بنا اور ہر نقصان سے محفوظ فرما! (آمین)

اللہ ستودہ کا شکر ہے کہ قرآن بزرگ کی تفسیر پایۂ تکمیل کو پہنچی، بروز جمعرات ۱۳۲۵ھ کے نصف پر بندوں کے آقا پر بے پایاں رحمتیں نازل ہوں، بیش از بیش، الحمد للہ! اب وقت آ گیا ہے کہ میں منہ بھر کر کہوں، جھومتے ہوئے اور خوشی مناتے ہوئے اور میرا ارادہ تھا کہ میں یہ باتیں سورۃ الکہف کی تفسیر کے آخر میں کہتا (مگر میں نے وہاں نہیں کہی) اور اس دن جب اس کی تفسیر پوری ہو رہی تھی میں نے اسے خوشی کا دن قرار دیا تھا، اس لئے کہ وہ نئی عید کا بھی دن تھا اور اس نے مجھے مستقبل کی عید کے ساتھ قریب کر دیا تھا۔

سنو! اے دوستوں خوشی بالائے خوشی ہے کہ میں نے اس بہترین کام کی تکمیل میں ڈھائی سال خرچ کئے ہیں، اور میں خطا کا اعتراف کرتے ہوئے درج ذیل اشعار زور سے پڑھتا ہوں اور دعا کی درخواست کرتا ہوں یہ اشعار مطبع احمدی میں جو تفسیر بیضاوی چھپی ہے، اس کے خاتمے میں ہیں۔

۱- کوشش کی میں نے یہاں تک کہ میں نے پوری محنت کے ذریعہ پالی ÷ جو کہ میری سعی کوشش اور طاقت میں تھی (وہ پائی)

۲- پس اگر ہو اس تفسیر میں وہ بات جو خوش کرے اور یہی امید ہے ÷ تو وہ محض اللہ کے فضل سے ہے میری مہارت سے نہیں۔

۳- اور اگر کوئی عیب ہے اور میں (اس کا) منکر نہیں ÷ تو وہ میری طرف سے ہے اور انکار میری حماقت ہے۔

۴- پس نہ بھول اے دیکھنے والے اگر تمہارے دل کو شفا ہو ÷ دعائے خیر سے دوستی کا یہی تقاضا ہے۔

۵- اور ہمیں رسوا نہ کیجیو اگر تم ہماری کوئی خطا پاؤ ÷ اور کیوں رسوا کرو گے، کوشش میں میں نے اپنی اونٹنی کو تھکا دیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں اپنے مخلوق کے بہترین پر یعنی ہمارے آقا محمد ان کے خاندان اور ان کے ساتھیوں پر اور ابد الآباد تک سلامتی نازل فرمائیں اور ہماری زندگی نیت بختی والے عمل پر پوری فرمائیں، پس بیشک وہ دعا قبول کرنے کے سزاوار ہیں اور ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور جو چاہیں فیصلہ کرتے ہیں۔

تفسیر ھدایت القرآن منظر عام پر آگئی ہے

اللہ کی توفیق سے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیو بند کی مایہ ناز تصنیف "تفسیر ھدایت القرآن" ۸ جلدوں میں منظر عام پر آگئی ہے، ہندوستان میں مکتبہ حجاز دیو بند اور پاکستان میں مکتبہ غزنوی کراچی نے اُسے شائع کردیا ہے۔ واضح رہے! حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے تدریس وتصنیف اور تحقیق ومطالعہ کے میدان میں تقریباً پچپن سالہ تجربہ کے بعد تفسیر ھدایت القرآن تحریر فرمائی ہے، اس تفسیر میں ہر سورت کے شروع میں اُس کا تعارف وخلاصہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آیات وسورتوں کے درمیان ربط اور ہر لفظ کے سامنے اس کا لفظی واضح ترجمہ، پھر تفسیر اور آخر میں بامحاورہ ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے، حواشی میں مشکل الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق بھی اختصار کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔

امید قوی ہے کہ اس تفسیر سے اساتذۂ کرام، ائمۂ مساجد، عزیز طلبہ اور عام مسلمان بھائی سب استفادہ کرسکیں گے۔ واللہ ولیُّ التوفیق۔

عبدالرؤف غزنوی عفا اللہ عنہ
خادم حدیث نبوی
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۲۲/۷/۱۴۴۰ھ
۳۰/۳/۲۰۱۹ء